

مجلد امسح الہدیٰ

حضرت مسیح اللہ خاں صاحب

جلد دوم

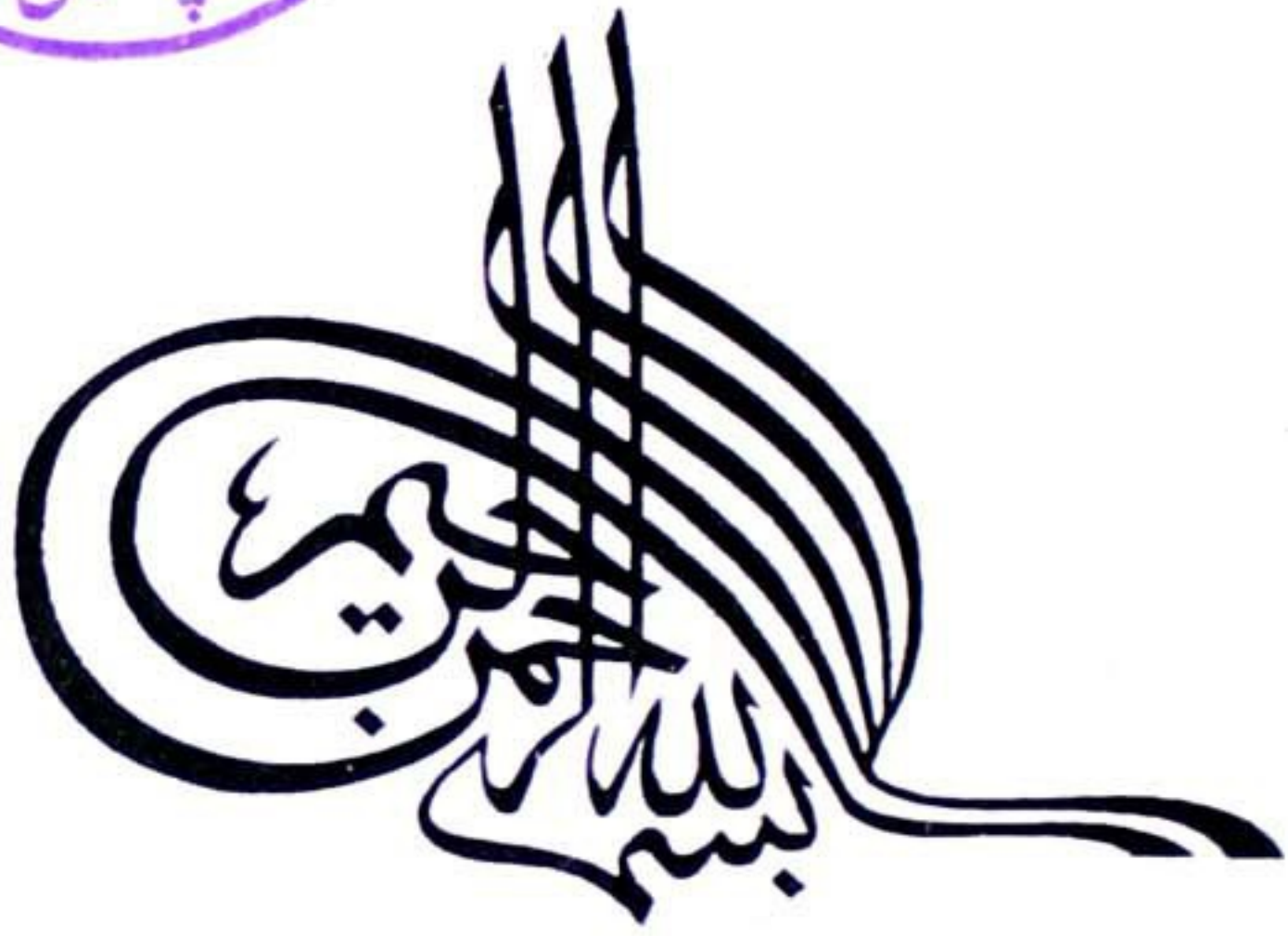
پیش لفظ

مولانا عبدالقیوم خاں

پتھون، نگرانی

الحاج ابراہیم صاحب

القاسم کیڈمی جامعہ الہمدیہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ پاکستان



مجلس مسیح الامت

حضرت مولانا مسیح اللہ خان

(جلد دوم)

جملہ حقوق اشاعت برائے القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

مجالس مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان
(جلد دوم)

83941

.....	مولا نا عبدالقیوم حقانی	پیش لفظ
.....	الحاج ابراہیم تسبیح والا	بہ تعاون و نگرانی
.....	جان محمد جان، رکن القاسم اکیڈمی	کمپوزنگ
.....	574 صفحات	ضخامت
.....	1100	تعداد
.....	جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ / مئی 2010ء	اشاعت اول
.....	القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد نوشہرہ	ناشر

یہ کتاب درج ذیل اداروں سے مل سکتی ہے

صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر پارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد سبیلہ چوک کراچی

انجمن خدام الدین، شیر نوالہ گیٹ، لاہور

مکتبہ رشیدیہ، سردار پلازہ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ

کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی

مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ عمر فاروق، نزد جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب، جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ

مجلس مسیح الامت

حضرت مولانا مسیح اللہ خان

پیش لفظ : مولانا عبدالقیوم حقانی

بہ تعاون و نگرانی : الحاج ابراہیم تسبیح والا



ایمان و اسلام اور اس کے تقاضے آثارِ توحید و معرفت جو ہر تصوف، تصحیح عقائد، اعمال و اخلاق کی بنیاد بلا جہاد اکبر کے جہاد اصغر نہیں ہو سکتا، اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ دعویٰ دلیل ہے، مسئلہ بیعت خدا کی محبت کے آثار کلمہ طیبہ کا تقاضا، استقامت کی حقیقت و اہمیت، علم و حلم تو اُمین، خانقاہ میں قیام کا طریقہ اور غراض و مقاصد، معمولیت معنوی اور اس کے آثار، حقیقت مجاہدہ و ہجرت، مجلس شیخ سے تعمیل استفادہ کا طریقہ ایفائے عہد میثاق، تاریخ بیعت و مباہلت، دین اسلام مکمل نظام و انتظام، علم کی زینت، حلم، مؤمن کا اولین فرض اجرائے احکام، حقیقت تجلی اور اس کے آثار، مہتدی بن کر ہادی بھی بننے کی ہدایت، وساوس غیر اختیاریہ و رویا کی تفصیل، مقصود اور غیر مقصود کا فرق اور مسلم کی امتیازی شان وغیرہ وغیرہ اس طرح کے دلچسپ اثر انگیز اور دل موہ لینے والے مجلس کا حسین مرقع۔

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، آفس خالق آباد، نوشہرہ

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

کے چند اجل خلفاء

از : حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہم

- ☆ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب
- ☆ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
- ☆ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب
- ☆ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
- ☆ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب
- ☆ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب
- ☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
- ☆ حضرت مولانا عبدالباری صاحب
- ☆ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب
- ☆ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب
- ☆ حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی



فہرستِ عناوین

۴۹	پیش لفظ
۵۱	سترھویں مجلس ایمان و اسلام اور اس کے تقاضے
۵۱	ابتدائے اسلام میں اسلام کا شیوع
۵۱	ابتدائے اسلام کی بعض باتوں پر عمل دینی فہم نہیں
۵۲	اسلام میں تفریط و افراط
۵۲	لفظِ ایمان کا مادہ میں غور اور سبق
۵۳	لفظِ اسلام کے مادہ میں غور اور سبق
۵۳	استقامت کا بیان
۵۳	دفعِ دخلِ مقدر
۵۴	شخصی اعتدال کی ایک مثال
۵۴	دوسری مثال
۵۵	انتباہ
۵۶	بی بی کے لوگوں کا ذہن ہونے پر لطیفہ
۵۶	ایب دیہاتی کی مثال

- ۵۸ خوف سے اطاعت آتی ہے
- ۵۸ رب حقیقی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھنا اور اس کا اثر
- ۵۹ اعتدال اور استقامت کے درجات کے اعتبار سے بشارت
- ۵۹ حدود کی حیثیت سے احکام سب کے لئے برابر ہیں
- ۶۰ جملہ معترضہ
- ۶۰ نماز میں تقلیل و تخفیف
- ۶۰ ہر مؤمن کا نفس، نفس مطمئنہ ہے
- ۶۴ حضرت مجد و الملت حکیم الامت قدس سرہ کا ارشاد گرامی
- ۶۳ اٹھارہویں مجلس آثار توحید و معرفت
- ۶۳ ملبوس موسوی کی مشابہت کا ثمرہ
- ۶۳ کینہ کی بوجہی دخول جنت سے مانع ہے
- ۶۳ عرفان حق کے بعض آثار
- ۶۳ معرفت کی فطری مثالیں
- ۶۵ یحبہم و یحبونہ کا مصداق حقیقی
- ۶۶ عارفانہ انداز میں اظہار حقیقت
- ۶۶ مشرک اور مؤمن کے یقین میں فرق
- ۶۷ عظمت توحید
- ۶۷ محبت و معرفت کے تقاضے
- ۶۷ معرفت الہی کا اثر

- ۶۸ مخلوق سے قطع اور ذاتِ حق پر نظر
- ۶۸ يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ كَاشَانِ نَزْوِل
- ۶۹ وساوس و خیالات غیر اختیاری کے دو قرآنی علاج
- ۶۹ مدثر اور منزل کا فرق
- ۷۰ نفع متعدی کے لئے شرطِ اوّل فتوتِ علم
- ۷۰ خدمتِ خلق کے لئے ذاتی کام میں تخفیف
- ۷۱ امر بالا نذر کام کی وجہ
- ۷۱ برنگِ عارفانہ فقیرانہ باتیں
- ۷۱ سورہ مدثر کی اوّل آیتوں کی تفسیر
- ۷۲ اثباتِ توحید کا طریق
- ۷۲ قرآنِ پاک کا ترجمہ الباب
- ۷۳ مہمان اور میزبان کے لئے طریقِ سنت
- ۷۳ صدر مدرس کا وصفِ خاص
- ۷۳ اہلِ مدارس کو خطاب
- ۷۴ دُعا کا مفہوم
- ۷۴ شیخ سعدی کی حکایت سے عمدہ سبق
- ۷۵ اِنْتَبَاه
- ۷۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امیرانہ اور غریبانہ لباس میں حکمت کا پہلو
- ۷۶ غوثِ پاک کا ایسا قیمتی لباس کہ بادشاہ بھی خرید نہ سکا

ظاہر کی عمدگی ۷۶

فاجرا اور فاترک میں فرق ۷۷

غیروں کی مشابہت سے بچنا چاہئے ۷۷

توحید کا کامل اثر ۷۸

۸۰ اُنیسویں مجلس جوہر تصوف

۸۰ اہل اللہ کو محبت پہلے ہوتی ہے، مریدین کو بعد میں

۸۱ نظیر

۸۲ خالق کو بھی مخلوق سے محبت پہلے ہوئی

۸۱ بادشاہ اور لیلیٰ

۸۲ ابن فارض پر ذات حق کی تجلی

۸۳ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کی عجیب حکایت

۸۳ ایک محب صادق کی لطف آمیز محبت کا بیان

۸۴ شیخ کی ذات گرامی سے محبت

۸۴ شیخ کے امور خانگی سے نظر اندازی

۸۵ ذکر کی اقسام

۸۵ ذکر بلا ترتیب کافی نہیں

۸۶ سلوک کو بالترتیب طے کرنا چاہئے

۸۶ ذکر کی انواع مختلفہ کا نام ہی طاعتِ کاملہ ہے

۸۷ سالک کی چار قسمیں ہیں

- ۸۹ سلوک و تصوف کا لب لباب
- ۹۰ بیسویں مجلس..... تصحیح عقائد ہی اعمال و اخلاق کی بنیاد ہے
- ۹۰ عقائد و اخلاق اعمال صحیحہ کا عالم ارواح میں عہد
- ۹۰ خطاب بہ طلبہ
- ۹۱ منطق نہ پڑھنا بڑی بھاری غلطی ہے
- ۹۱ وہم کا نفع و نقصان
- ۹۲ نفع کی چیز بھی حد سے نکل جانے پر مضر ہے
- ۹۲ شیخ کی تعلیم کی ناقدری اور خود رائی کا انجام
- ۹۲ شیخ کی تعلیم کے خلاف کرنا گویا اس سے دشمنی کرنا ہے
- ۹۳ رَجُوعٌ إِلَى الْمَقْصُودِ
- ۹۳ عالم ارواح میں علم ربوبیت کی اس عالم دنیا میں نظیر
- ۹۴ اقرار ربوبیت میں پوری شریعت داخل ہے
- ۹۴ سوالات جبریل کے جوابات کی تشریح
- ۹۵ حصولِ اخلاص کا طریق
- ۹۶ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ كِي تَوْجِيه
- ۹۶ حصولِ معائنہ کا طریق کار
- ۹۷ معائنہ کا اثر
- ۹۷ طالب علم کی درستگی
- ۹۷ طلبہ کی خیانت پر تنبیہ

- ۹۸ مقیمین خانقاہ کے لئے لمحہ فکریہ
- ۹۹ خطاب بہ طلبہ
- ۹۹ اضاعت مال کی طرح تصبیح اوقات بھی حرام ہے
- ۱۰۰ طلبہ و اساتذہ کو خاص خطاب
- ۱۰۰ اپنا کام خود کرنا چاہئے
- ۱۰۰ بیوی سے بھی خدمت لینے کے محتاج نہ رہیں
- ۱۰۱ حضرت والا کی عادت شریفہ
- ۱۰۱ احسان کے بیان سے مقصود
- ۱۰۲ بیعت و تعلیمات کے لئے اسلام شرط ہے
- ۱۰۵ مردہ شیر کو زندہ کر دیا
- ۱۰۵ منع کے بعد بڑوں پر اصرار کا ضرر
- ۱۰۷ تخلیق انسان کا اصل مقصد
- ۱۰۷ معمولی امور بھی حکم شریعت کے تحت عبادت ہیں
- ۱۰۹ اکیسویں مجلس بلا جہاد اکبر کے جہاد اصغر نہیں ہو سکتا
- ۱۰۹ اسباب اختیار کرے لیکن نظر مسیب پر ہو
- ۱۰۹ دُعا مؤمن کا ہتھیار اور تقاضائے ایمان ہے
- ۱۱۰ بعض مواقع میں صبر ہی ضروری ہے
- ۱۱۱ کمزوری کی حالت میں دشمن کے مقابلہ میں پہل کرنا حرام ہے
- ۱۱۱ کمزوری میں عبادات مقصودہ میں بھی حد ضرورت سے آگے بڑھنا منع ہے

۱۱۲ اصل چیز ذوق ہے

۱۱۳ ذکر میں عبادت، تلاوت، تسبیح اور نفل روزے سے بھی داخل ہیں

۱۱۳ میدان میں آنا بہت سوچ سمجھ کر ہونا نظر انجام پر ہو

۱۱۳ جان کی حفاظت مال کی حفاظت پر مقدم ہے

۱۱۵ جہاد کی شرط اول تقویٰ ہے

۱۱۵ شرط باہر کی چیز ہوتی ہے

۱۱۵ تقویٰ کا حسن خلق

۱۱۵ نماز کے اعضاء کا بیان

۱۱۶ تقویٰ کے حسن خلق کی حقیقت

۱۱۶ ظاہری اعضاء کا حسن خلق سے رکھنا حسن خلق پیدا کرتا ہے

۱۱۷ حسن خلق دلیل اتنی ہے

۱۱۷ حسن خلق اور حسن خلق کی پیدائش

۱۱۷ شرط اور شرط میں فرق

۱۱۸ جہاد کی علت اور اس کا رکن و شرط

۱۱۸ جو بھی ایمان لاتا وہ متقی بن جاتا

۱۱۹ فرعون کی بیوی آسیہ کا ایمان لانا

۱۱۹ باوجود حصول تقویٰ جہاد کی اجازت نہیں دی گئی

۱۱۹ احسان عبادت

۱۲۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ سہو

- ۱۲۱ ----- صبر ہی کا دوسرا عنوان تقویٰ ہے
- ۱۲۱ ----- تقویٰ ہی جہادِ اکبر ہے
- ۱۲۲ ----- جہادِ اکبر کے بغیر جہادِ اصغر نہیں ہو سکتا
- ۱۲۲ ----- محض خبر پر بلا تحقیق عمل جائز نہیں
- ۱۲۳ ----- جہادِ اکبر سے ہر وقت سابقہ پڑتا ہے
- ۱۲۴ ----- خواہشِ نفس کی بہت صورتیں ہیں
- ۱۲۴ ----- قوتِ غضبیہ، قوتِ شہویہ اور قوتِ عقلیہ ہر ایک کی تین قسمیں ہیں
- ۱۲۴ ----- ظاہری تقویٰ کو حُسنِ خلق اور باطنی تقویٰ کو حُسنِ خلق کہتے ہیں
- ۱۲۴ ----- تقویٰ ممنوعاتِ ظاہرہ اور باطنہ کا جامع ہے
- ۱۲۵ ----- خدا تعالیٰ نے مؤمن کو متقی بنا کر حوصلہ افزائی فرمائی ہے
- ۱۲۶ ----- آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو ولایت کے خطاب سے نوازا ہے
- ۱۲۷ ----- **بایسویں مجلس اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ دَعْوَىٰ بَدِیْلِیٰ** ہے
- ۱۲۷ ----- بیعت کے لئے سفر نہیں
- ۱۲۷ ----- اصل چیز کام ہے بیعت نہیں
- ۱۲۸ ----- عہدِ اَلَسْتُ کا ذکر
- ۱۲۹ ----- انسان کا امانتِ احکام کو لے لینا
- ۱۲۹ ----- رب ہونے کا اقرار تمام احکام کو قبول کرنا ہے
- ۱۳۰ ----- جب عورت کم عقل ہے تو حکومت کا عہدہ کیسے انجام دے سکتی ہے؟
- ۱۳۱ ----- حقوق العباد حقوق اللہ ہی ہیں

- ۱۳۱ شریعت میں دو چیزیں ہیں
- ۱۳۲ مامور بہا میں حدود کی صورت
- ۱۳۲ مامور بہا میں بھی حدود ہیں
- ۱۳۳ آیت اَوْفُوا بِعَهْدِي سے استدلال
- ۱۳۳ ایک عجیب بلاغتی نکتہ
- ۱۳۳ الست بربکم میں دعویٰ بدلیل ہے
- ۱۳۴ ایک نظیر
- ۱۳۵ حق تعالیٰ نے مثالوں سے اپنے رب حقیقی ہونے کو بتلایا ہے
- ۱۳۵ تصوّر و تصدیق کی تقسیم
- ۱۳۵ اولیاء اللہ کے سب علوم ضروری ہوتے ہیں
- ۱۳۷ لفظ رب فرمانا دلیل ہے دعویٰ معبودیت کی
- ۱۳۷ تکوینی امور اللہ تعالیٰ ضرور انجام فرمائیں گے
- ۱۳۷ کافر کے لئے بھی حفاظت کے فرشتے ہوتے ہیں
- ۱۳۹ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا
- ۱۳۹ مراقبہ کی حقیقت
- ۱۳۹ مامورات میں حدود کی دوسری مثال
- ۱۴۰ توبہ سے توبۃ النصوح مراد ہے
- ۱۴۱ مجاہد اور مہاجر کون ہیں؟
- ۱۴۱ شیخ کے پاس جانا بھی ہجرت ہے

۱۴۳ شیخ کے پاس اپنے کو مریض سمجھ کر جائے

۱۴۳ میاں جی نور محمد کا واقعہ

۱۴۵ حضرت مولانا گنگوہی بہت مستقل المزاج تھے

۱۴۶ صحابہؓ سب صوفی اور ولی تھے

۱۴۷ تیسویں مجلس امیر اور شوریٰ

۱۴۷ مسئلہ بیعت

۱۴۷ معالج روحانی مثل طبیب جسمانی کے ہے

۱۴۸ طریق بیعت

۱۴۹ امت کا رسول ایک

۱۴۹ اصل تو ایک ہی ہوتا ہے

۱۵۰ مشورہ کا فائدہ

۱۵۰ حضرت تھانوی کا جواب

۱۵۱ مشورہ کا حکم

۱۵۱ اہل الرائے سے مشورہ

۱۵۱ اہم امور میں مشورہ

۱۵۱ سب سے مشورہ لینا ضروری نہیں

۱۵۲ فیصلہ امیر کی رائے پر ہے

۱۵۲ مقام صبر

۱۵۳ امور مشورہ طلب میں نفع و ضرر کے پہلو

- ۱۵۳ ----- نبی کو بھی مشورہ کا حکم ہے
- ۱۵۴ ----- اہل الرائے ہم مشرب ہوں
- ۱۵۴ ----- اہل مشورہ ہونے کے لئے صاحب مال یا صاحب ریاست ہونا کافی نہیں۔
- ۱۵۶ ----- بجائے شوریٰ کے سرپرستی کی صوابدید پر فیصلہ ہو
- ۱۵۶ ----- ایک عمومی اشکال
- ۱۵۶ ----- اہل شوریٰ کے اتفاق کی صورت میں بھی فیصلہ امیر کی رائے پر
- ۱۵۷ ----- حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب
- ۱۵۸ ----- عزل امام کا حکم
- ۱۵۸ ----- شریعت فتنہ کو گوارا نہیں کرتی
- ۱۵۹ ----- احکام شرعیہ دائمی ہیں
- ۱۶۰ ----- حضرت حکیم الامت کی سرپرستی سے معذرت
- ۱۶۰ ----- باسی روٹی کی قیمت زیادہ
- ۱۶۰ ----- فی الامر سے مراد امر مہم ہے
- ۱۶۱ ----- حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ
- ۱۶۱ ----- بلقیس کی شوریٰ کا واقعہ
- ۱۶۱ ----- سلوک کا مسئلہ
- ۱۶۲ ----- حضرت بریرہؓ کا واقعہ
- ۱۶۲ ----- طالب علمی کا واقعہ
- ۱۶۳ ----- سلوک نہایت لطیف ہے

- ۱۶۳ ----- حضرت حکیم الامت کی نرم مزاجی
- ۱۶۳ ----- حکیم الامت کا رات کو اٹھ کر تعویذ دینے کا واقعہ
- ۱۶۴ ----- سلوک کا موضوع
- ۱۶۴ ----- لوٹا کرنے کا واقعہ
- ۱۶۵ ----- جہادِ نفس
- ۱۶۵ ----- مرید کا اول قدم فناء کا ہے
- ۱۶۵ ----- حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ
- ۱۶۷ ----- حضرت مرزا جانِ جانانؒ کا واقعہ
- ۱۶۸ ----- حضورِ بحق
- ۱۶۹ ----- چوبیسویں مجلس خدا کی محبت کے آثار
- ۱۶۹ ----- اتفاقی امر اصول نہیں
- ۱۶۹ ----- حکمتِ الہی
- ۱۷۰ ----- ایک کو دوسرے پر قیاس نہ کرو
- ۱۷۰ ----- قیام اللیل
- ۱۷۱ ----- تہجد سنتِ موکدہ ہے
- ۱۷۱ ----- فقہاء و صوفیاء محققین
- ۱۷۲ ----- تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا واقعہ
- ۱۷۲ ----- لیلیٰ کا واقعہ
- ۱۷۲ ----- بستی کے پلٹنے کا واقعہ

- ۱۷۳ قلب میں احکام الہیہ کی عظمت
- ۱۷۴ شیطان کی خیر خواہی میں بھی شر ہے
- ۱۷۴ عناد کی خواص
- ۱۷۴ رونے کا فائدہ
- ۱۷۵ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا واقعہ
- ۱۷۵ رنگ میں فرق نہ آئے
- ۱۷۶ دیوار کی مثال
- ۱۷۶ دل کی کھٹک مہمان ہے
- ۱۷۶ ایک بزرگ کا واقعہ
- ۱۷۷ کام کرتے وقت کام ہی کی طرف توجہ ہو
- ۱۷۸ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ڈرنے کا حکم
- ۱۷۹ درحقیقت ہم کو ڈرانا ہے
- ۱۷۹ عملی صفائی اور لسانی صفائی
- ۱۸۰ تلافی کے لئے سو (۱۰۰) نقلیں روزانہ
- ۱۸۰ عباداتِ نافلہ میں آزادی ہے
- ۱۸۰ ادب کی تعلیم
- ۱۸۱ ایک صحابی کا واقعہ
- ۱۸۱ باپ کی مثال
- ۱۸۱ راضی برضائے الہی

۱۸۲ ----- ادب کی تعلیم

۱۸۲ ----- انصار کی محبت عین ایمان ہے

۱۸۳ ----- طاہر و طیب میں فرق

۱۸۳ ----- لذیذ کھانے سے محبت الہی میں ترقی

۱۸۴ ----- سنن و نوافل

۱۸۴ ----- ذکر کے حکم میں تخفیف نہیں ہے

۱۸۵ ----- عین جہاد کے وقت ذکر

۱۸۵ ----- مجنون کی محبت

۱۸۵ ----- استتباب کا مادہ حب ہے

۱۸۶ ----- فرائض کی کمی کا تدارک نوافل سے

۱۸۶ ----- جس وقت جس عمل کا مطالبہ ہو وہی عمل کرو

۱۸۷ ----- دل و زبان صرف خدا کے لئے ہے

۱۸۸ ----- پچیسویں مجلس کلمہ طیبہ کا کیا تقاضا ہے؟

۱۸۸ ----- مجلس میں ذہن کا حاضر ہونا ضروری ہے

۱۸۸ ----- اپنی اصلاح کی فکر

۱۸۹ ----- رئیس کے ریچھ کا قصہ

۱۸۹ ----- اول قدم فنا ہے

۱۹۰ ----- جب تک عمل نہ ہو تو پرانی بات گونئی ہے

۱۹۱ ----- شیخ کی جانب سے مرید کا امتحان

- ۱۹۱ ----- علتِ غائی
- ۱۹۲ ----- عالم دنیا و عالم آخرت
- ۱۹۲ ----- عالم آخرت کے لوازم
- ۱۹۲ ----- عالم دنیا کے لوازم
- ۱۹۳ ----- یہ دنیا دار العمل ہے
- ۱۹۳ ----- لازم منفک و لازم غیر منفک
- ۱۹۴ ----- مالدار کی مثال
- ۱۹۴ ----- کلمہ اور تقویٰ دونوں کا محل دل ہے
- ۱۹۵ ----- بدنگاہی کا مرض
- ۱۹۶ ----- تقویٰ کی تشریح
- ۱۹۶ ----- چنگاری کی مثال
- ۱۹۷ ----- چھبیسوں مجلس استقامت کی حقیقت و اہمیت
- ۱۹۷ ----- جزئیات ایمان
- ۱۹۸ ----- نماز میں ریاء
- ۱۹۸ ----- وقت کی قدر
- ۱۹۹ ----- آدمی بنا چاہئے
- ۲۰۰ ----- استقامت مطلوب ہے
- ۲۰۰ ----- نماز سے کیا فتح ہوتی ہے؟
- ۲۰۰ ----- فاتحہ کے رموز

- ۲۰۱ تربیت کی مثالیں
- ۲۰۲ گھر میں داخل ہونے کے آداب
- ۲۰۲ اٹھارہ ہزار عالم
- ۲۰۳ الہام مقام فخر نہیں ہے
- ۲۰۴ مجنون کو بھی کشف ہوتا ہے
- ۲۰۴ ہر عمل سے مقصود رضائے الہی ہونی چاہئے
- ۲۰۵ اہل اللہ کی محبت مطلوب ہے
- ۲۰۶ اہل محبت کی پہچان
- ۲۰۶ خدمتِ خلق اور تبلیغِ دین بھی ذکر و عبادت ہے
- ۲۰۷ فَاذَا فَرَعْتَ فِي تَعِيمِ
- ۲۰۸ علم پر عمل کا فائدہ
- ۲۰۸ ایک بزرگ کا واقعہ
- ۲۰۹ حضرت امام احمد بن حنبل کا واقعہ
- ۲۰۹ بزرگوں کے پاس خاموش ہو کر بیٹھنا چاہئے
- ۲۱۱ ستائیسویں مجلس علم و حلم تو آمین ہیں
- ۲۱۱ عالمِ صغیر عالمِ ابتلاء ہے
- ۲۱۱ تشریحاً اس عالم میں سہولت ہے
- ۲۱۲ نکاح میں مشکلات ہم نے خود پیدا کی ہیں
- ۲۱۲ احکامِ خداوندی مشکل کیسے ہو سکتے ہیں

۲۱۳ ----- نکاح کا ایک عجیب واقعہ

۲۱۳ ----- ایک بنے کی حکایت

۲۱۵ ----- تکوینی ابتلاء کا فائدہ

۲۱۵ ----- چار چیزوں کا حصول مثل دنیا کا حصول ہے

۲۱۶ ----- اسلام پر شکر کرنا بقائے اسلام پر مہر ہے

۲۱۸ ----- میاں اور استاد کے اوصاف

۲۱۸ ----- ابتدائی اور انتہائی باتوں میں فرق

۲۱۸ ----- حالات کی تبدیلی احکام کی تبدیلی کا موجب ہے

۲۱۸ ----- تعزیرات میں تبدیلی ہو سکتی ہے

۲۱۸ ----- پہلے اور آج کے طلبہ میں فرق

۲۲۰ ----- کم استعداد طلبہ کو سند دینے کا فائدہ

۲۲۰ ----- مفتی سعید احمد صاحب کا تفقہ

۲۲۱ ----- فقہی جزئیات تلاش سے مل ہی جاتے ہیں

۲۲۲ ----- حضرت حکیم الامت کا لحاظ

۲۲۳ ----- نظام و انتظام کا تعلق اہتمام سے ہے

۲۲۳ ----- مدرس کا کام صرف تدریس ہے

۲۲۳ ----- مدارس میں قساد کی وجہ

۲۲۳ ----- مہتمم صاحب کے اوصاف

۲۲۵ ----- تجربہ بہت دیر سے حاصل ہوتا ہے

- ۲۲۶ ----- مولانا حبیب الرحمن صاحب کی تنبیہ کا واقعہ
- ۲۲۷ ----- حلم میں ایک لطیفہ
- ۲۲۷ ----- مدرسہ امدادیہ خانقاہ کا ابتدائی اور انتہائی زمانہ
- ۲۲۸ ----- علم و حلم دونوں میں شرح صدر مطلوب ہے
- ۲۲۹ ----- غلطی پر سزا دینے کا طریقہ کار
- ۲۲۹ ----- بزرگوں کے حلم کا واقعہ
- ۲۳۱ ----- ایمان اور شرک کا فرق
- ۲۳۱ ----- راستہ اللہ تعالیٰ طے کراتے ہیں
- ۲۳۲ ----- خانقاہ بے فائدہ نہیں ہے
- ۲۳۲ ----- شیخ سے عقیدت
- ۲۳۳ ----- رمضان المبارک کے خاص حقوق

اٹھائیسویں مجلس

- ۲۳۵ ----- خانقاہ میں قیام کا طریقہ اور اغراض و مقاصد
- ۲۳۵ ----- ہمارے اکابر کی تواضع
- ۲۳۶ ----- حالتِ صوم میں کس طرح رہنا چاہئے؟
- ۲۳۶ ----- خانقاہ کی طرف کیوں سفر کیا جاتا ہے؟
- ۲۳۷ ----- خانقاہی زندگی کے ضوابط
- ۲۳۸ ----- مقصودِ اصلی آخرت کے گھر کی درستی ہے
- ۲۳۸ ----- مقصودِ اصلی رضائے الہی ہے

83941

- ۲۳۹ ----- رضاء کی پہچان
- ۲۴۰ ----- جنت معیت حق کی وجہ سے مطلوب ہے
- ۲۴۰ ----- ابن فارض کی حکایت
- ۲۴۱ ----- فسادِ نیت باعث پریشانی ہے
- ۲۴۱ ----- حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت
- ۲۴۲ ----- غلام کا کام متعین نہیں
- ۲۴۳ ----- انسان کو با اختیار بنا کر بھیجا گیا ہے
- ۲۴۳ ----- ایک صدی بیوی کا قصہ
- ۲۴۵ ----- عبدیت پر وہ ملے گا جو بتایا نہیں جاسکتا
- ۲۴۶ ----- اُنتیسویں مجلس مجموعیتِ معنوی اور اس کے آثار
- ۲۴۶ ----- ذاتی کام لینے کے لئے غایت بے تکلفی ضروری ہے
- ۲۴۶ ----- استعداد کھولنے کے لئے بھی کام سپرد کیا جاتا ہے
- ۲۴۷ ----- اُستاد کو حتی المقدور اپنا کام خود کرنا چاہئے
- ۲۴۸ ----- اُستاد کی طبیعت میں شانِ مجموعیت ہونی چاہئے
- ۲۴۸ ----- خدمت کیوں لیا جاتی ہے
- ۲۴۸ ----- خدمت لینے کے لئے استعداد کی پہچان
- ۲۴۹ ----- طالبِ حقیقی کے ساتھ روک ٹوک کی وجہ
- ۲۴۹ ----- شیخ کلام میں بھی سکون کے لئے اصلاح کرتا ہے
- ۲۵۰ ----- ایک بزرگ کا عجیب طریق تربیت

- ۲۵۰ ----- سلطان نظام الدین کا اصلاحی کلام
- ۲۵۱ ----- وضوء میں نورانی چادر
- ۲۵۲ ----- سلطان جی کے طریق اصلاح میں حکمت
- ۲۵۳ ----- مرزا جانِ جاناں کا طریق تربیت
- ۲۵۴ ----- بعض آداب کی باتیں
- ۲۵۵ ----- محبتِ شیخ کیوں ضروری ہے؟
- ۲۵۶ ----- جو دو کرم میں فرق
- ۲۵۶ ----- مشائخ بھی کبھی کبھی آپریشن کرتے ہیں
- ۲۵۷ ----- مادیات اور مجردات کا فرق
- ۲۵۸ ----- تعلیم و تلقین میں فرق
- ۲۵۹ ----- دنیوی محبت کا واقعہ
- ۲۶۲ ----- تیسویں مجلس حقیقتِ مجاہدہ و ہجرت
- ۲۶۲ ----- جلوت و خلوت کے احساسات
- ۲۶۲ ----- بشر کا بے شر ہونا کمال ہے
- ۲۶۳ ----- انسان اور جانور احساسات حیوانی میں شریک ہیں
- ۲۶۳ ----- انسان اور حیوان میں وجہ امتیاز عقلِ مستقیم ہے
- ۲۶۴ ----- وساوس پر پریشانی حیوانیت کا اثر ہے
- ۲۶۵ ----- وساوس کا علاج کلیۃً بے التفاتی ہے
- ۲۶۵ ----- وساوسِ باطنی سُوئیاں ہیں

۲۶۵ ----- پریشانی کا سبب خود رائی ہے

۲۶۶ ----- خود رائی شرک فی الطریق ہے

۲۶۷ ----- آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم اجسام میں بشر اور ابتدائے خلق میں نور ہیں

۲۶۷ ----- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی نقلی و عقلی دلیل

۲۶۸ ----- رنج و تکلیف کا احساس بھی بحمد شرع سنت ہے

۲۶۸ ----- شرکی بات پیش آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

۲۶۹ ----- جہاد اکبر جہاد بالنفس ہے

۲۷۰ ----- ہجرت حقیقی منہیات کو چھوڑنا ہے

۲۷۰ ----- ہجرت صورت و حقیقتاً

۲۷۰ ----- نفس کی مثال مرعوب اژدھے جیسی ہے

۲۷۱ ----- سالک کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہئے

۲۷۲ ----- نفس کو سرزنش کرنے کا واقعہ

۲۷۳ ----- اکتیسویں مجلس مجلس شیخ سے جمعیل استفادہ کا طریقہ

۲۷۳ ----- وضوء طہارت کی ضیافت ہے

۲۷۳ ----- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استحضار موت

۲۷۵ ----- ایک طالب علمانہ شبہ اور اس کا جواب

۲۷۶ ----- فضائل بلا علم و عمل حاصل نہیں ہوتے

۲۷۶ ----- مراقبہ مشاہدہ اور معائنہ کی حقیقت

۲۷۷ ----- سفر کرنے سے پہلے نوافل سفر پڑھ لینا چاہئے

- ۲۷۷ ----- یاد دہانی کرتے رہنا شیخ کے فرائض سے ہے
- ۲۷۸ ----- خیر خواہی پہلے اپنے لئے ہے
- ۲۷۸ ----- سلوک میں اول مقام فنا ہے
- ۲۸۰ ----- حضرت والا اور متقدمین کے کلام میں تطبیق
- ۲۸۱ ----- ازالہ اخلاقِ رذیلہ کا علاج کلی
- ۲۸۲ ----- شیخ کی تسلی طالب صادق کی تسلی کا باعث ہے
- ۲۸۲ ----- شیخ کا ارشاد محض طفلانہ تسلی نہیں ہوتا
- ۲۸۳ ----- غائبانہ مکاتبت کی ضرورت
- ۲۸۳ ----- طالب صادق کی شیخ سے محبت
- ۲۸۵ ----- شیخ سے زیادت محبت کا مطلب
- ۲۸۶ ----- مکاتبت کی کمی سے مناسبت میں کمی آجاتی ہے
- ۲۸۷ ----- مکاتبت کی اہمیت
- ۲۸۹ ----- بتیسویں مجلس ایفائے عہدِ میثاق
- ۲۸۹ ----- وقت کی قدر
- ۲۸۹ ----- حضرت تھانویؒ کے مصافحہ کا واقعہ
- ۲۹۰ ----- امر مقرر سے تغافل پر تنبیہ
- ۲۹۱ ----- دوسرے سے اذان کہلوانے پر تنبیہ
- ۲۹۲ ----- مقصود تنبیہ غفلت کو دور کرنا اور دل میں جمادینا ہے
- ۲۹۳ ----- حصول علم میں غفلت

- ۲۹۳ ----- درس کی ابتداء عالم میثاق میں
- ۲۹۴ ----- تکمیل نبوت
- ۲۹۵ ----- تکمیل دین
- ۲۹۶ ----- عہد میثاق کی یاد دہانی
- ۲۹۷ ----- نانبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہے
- ۲۹۷ ----- جس نے عہد کر لیا وہ پک گیا
- ۲۹۸ ----- اصحاب کہف کی مثال
- ۳۰۰ ----- بیعت کا ثبوت
- ۳۰۱ ----- عہد میثاق کا تقاضا ہے کہ تقویٰ ہو
- ۳۰۱ ----- اُمیدوارِ مغفرت رہنا چاہئے
- ۳۰۳ ----- دنیا بھی جنت کا نمونہ اور آخرت میں بھی جنت
- ۳۰۴ ----- تینتیسویں مجلس تاریخ بیعت و مباہلت
- ۳۰۴ ----- عالم غیب کا ذکر
- ۳۰۴ ----- عالم شہود میں آمد
- ۳۰۵ ----- حاجت روائی
- ۳۰۵ ----- ایک جزئیہ
- ۳۰۶ ----- حقیقت تصدیق
- ۳۰۶ ----- ایک نظیر
- ۳۰۸ ----- معین اور معاون ایسا ہونا چاہئے

- ۳۰۸ حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق من حیث المعین
- ۳۰۹ گھر والوں کا حق دوسروں پر مقدم ہے
- ۳۱۰ امر مفوض کے لئے کمال شرط ہے
- ۳۱۱ کار نبوت و معجزہ موسیٰ علیہ السلام
- ۳۱۲ تابع کو اتباع و اعتقاد لازم ہے
- ۳۱۳ خدا کے حکم میں لہم اور حکمت کی گنجائش نہیں
- ۳۱۳ مقصود اتباعیت ہے شوق پورا کرنا نہیں
- ۳۱۵ اتباعیت اور عقیدت کا ظہور
- ۳۱۶ حاکم مشورہ کے بعد بھی فکر سے کام لے
- ۳۱۷ مدعی نہ بنے
- ۳۱۷ عجز اور تفویض مسئلہ سلوک و تصوف ہے
- ۳۱۸ انسان کا ذاتی حق عجز اور خدا تعالیٰ کی کبریائی ہے
- ۳۱۸ حضرت تھانویؒ کا ایک صاحب کو مواخذہ
- ۳۱۹ ایک صحابیؓ کے بلا استیذان دخول پر فعلی تعلیم نبویؐ
- ۳۲۰ حضرت تھانویؒ کے روک ٹوک کرنے کی غرض
- ۳۲۰ آدمی بنا مشکل ہے
- ۳۲۱ فکر و اصلاح کی تعلیم
- ۳۲۱ غلطی کا تدارک
- ۳۲۲ خود صاحب زیارت بنئے

- ۳۲۴ ----- جادو گروں کا ایمان اور فرعون کی دھمکی
- ۳۲۵ ----- استقامت پر خوشخبری
- ۳۲۶ ----- حصولِ شے سے زیادہ حفاظتِ شے مشکل ہے
- ۳۲۷ ----- تفصیلِ ایمان
- ۳۲۸ ----- حق تعالیٰ کا غایتِ لطف و کرم
- ۳۲۹ ----- انسان صاحبِ اختیار ہے
- ۳۳۰ ----- تاریخِ بیعت و مباہلت

چونٹیسویں مجلس

- ۳۳۱ ----- معیتِ صادقین کے بغیر حقیقت شناسی کا حصول نہیں ہوتا
- ۳۳۱ ----- اصلاح کے لئے طویلِ مصاحبت کی ضرورت
- ۳۳۱ ----- معمولات میں سہولت اور صحت کی رعایت سے دوام ہونا چاہئے
- ۳۳۲ ----- بُراولیمہ
- ۳۳۳ ----- ایک ریاء کار مالدار کی حکایت
- ۳۳۳ ----- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علماء سے خطاب
- ۳۳۳ ----- طلبِ صادق کا صحیح طریق
- ۳۳۵ ----- طالب میں دُھن اور دھیان ہونا چاہئے
- ۳۳۵ ----- مخاطب کو پہچان کر کلام کرنا چاہئے
- ۳۳۶ ----- اولیاء اللہ کے لئے نظریات بھی بدیہیات ہوتے ہیں
- ۳۳۷ ----- علم مذکور حال بن جائے

۳۳۸ ----- آدمی کا صاحب نسبت ہونا

۳۳۹ ----- عنوان پاکیزہ اور مہذب ہونا چاہئے

۳۳۹ ----- ایک امیر کا واقعہ

۳۴۰ ----- خلاف شرع باتوں کی تاویل نہیں کرنی چاہئے

۳۴۱ ----- امراء سے اختلاط کی وجہ سے علماء خائن ہو جاتے ہیں

۳۴۱ ----- قدسی صاحب کا واقعہ

۳۴۲ ----- خاندان کی ابتداء

۳۴۳ ----- بلا محقق کی صحبت کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی

۳۴۳ ----- بنی اسرائیل کی نافرمانی

جس کو منجانب اللہ بڑا بنایا جاتا ہے اس کو حوصلہ اور موقع شناسی بھی عطاء

۳۴۴ ----- ہوتی ہے

۳۴۵ ----- بادشاہت عطاء ہونے پر مزاج بدل گیا

۳۴۵ ----- جسم انسانی میں دل کی عظمت

۳۴۶ ----- شیخ کا اعتقاد و اعتماد ضروری ہے

۳۴۷ ----- کرم فرمائی اور تکلیف فرمائی میں فرق

۳۴۹ ----- سلوک کے لئے اسبابِ عمدہ چار چیزیں ہیں

۳۴۹ ----- چار چیزوں میں تفصیل

۳۵۰ ----- شریعت و تصوف لائق مطالعہ کتب ہیں

۳۵۱ ----- مدرس باوقار ہو

- ۳۵۲ ----- مدارس اور خانقاہیں مشق کے لئے ہیں
- ۳۵۲ ----- سالک میں فنائیت ہونی چاہئے
- ۳۵۳ ----- مولانا محمد یعقوب صاحب کی فنائیت
- ۳۵۴ ----- خانقاہ میں رہنے سے فنائیت پیدا ہوتی ہے

پینتیسویں مجلس

۳۵۵

دین اسلام مکمل نظام و انتظام ہے

- ۳۵۵ ----- جہاد میں اول چیز اتعابِ نفس ہے
- ۳۵۷ ----- حقیقتِ ظلم
- ۳۵۷ ----- توحیح و انطباق
- ۳۵۸ ----- ایک اصول
- ۳۵۹ ----- صلح کی لفظی تحقیق
- ۳۶۰ ----- منتظم کے اوصاف
- ۳۶۱ ----- ذاتِ باری تعالیٰ قانون ساز اور انبیاء قانون دان ہوتے ہیں
- ۳۶۲ ----- اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہئے
- ۳۶۳ ----- رُجوع الی المقصود
- ۳۶۳ ----- معاشرت کی چند نظیریں
- ۳۶۴ ----- خلوتِ قلب مطلوب ہے
- ۳۶۵ ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باری تعالیٰ سے کلام

- ۳۶۶ ----- امکانِ عقلی پر شرعاً عمل کی گنجائش ہے
- ۳۶۸ ----- لَنْ تَدْرَأِيْ فَرَمَايَا لَنْ اُرِيْكَ نِهَيْس فرمایا
- ۳۶۹ ----- رجوع الی الابتداء
- ۳۶۹ ----- دین پورے نظم کا نام ہے
- ۳۷۰ ----- آیت کی تفسیر اور اسرار و رموز
- ۳۷۱ ----- معاف کرنے کی عادت ہونی چاہئے

چھتیسویں مجلس

- ۳۷۳ ----- اہل اللہ شریعت و طریقت کے جامع ہوتے ہیں
- ۳۷۳ ----- وقت کو نبھاتے ہوئے شریعت کو نبھانا چاہئے
- ۳۷۴ ----- حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی موقعہ شناسی
- ۳۷۵ ----- لہجہ اور انداز سے بھی بڑوں کی بے ادبی نہیں ہونی چاہئے
- ۳۷۶ ----- سرسید احمد خان کی مولانا رشید احمد کو دعوتِ جلسہ اور آپ کا جواب
- ۳۷۷ ----- حضرت مولانا قاسم صاحب کا کمالِ ذہانت
- ۳۷۷ ----- کلام کرتے ہوئے بے فکری نہیں ہونی چاہئے
- ۳۷۸ ----- شیخ مرید کو کلام کرنا بھی سکھاتا ہے
- ۳۷۸ ----- محبوب سبحانی کا اپنے شیخ سے معافی مانگنا
- ۳۷۹ ----- حاجی امداد اللہ کا علم علماء ظاہر سے زیادہ تھا
- ۳۸۰ ----- پہلے زمانہ کی نسبتی اور نسبی اولاد باادب تھی
- ۳۸۰ ----- ایک حافظ صاحب کی حکایت

- ۳۸۱ شیخ کی خواہش
- ۳۸۱ سلوک میں قدم رکھنے کی مثال
- ۳۸۲ شیخ کے ڈانٹنے پر طالب صادق کو خوشی ہوتی ہے۔
- ۳۸۳ شیخ کا مرید سے برتاؤ و رفتارِ زمانہ کے اعتبار سے ہے۔
- ۳۸۳ بابا فریدین الدین شکر گنج کا سلطان الاولیاء کو جانماز اور ٹوپی عنایت فرمانا۔
- ۳۸۴ اللہ اللہ میں شکر سے بھی زیادہ مٹھاس ہے۔
- ۳۸۴ بابا فرید کی محبت کے ظہور پر بختیار کاکی کا فرمان
- ۳۸۶ حضرت جنید بغدادی پر حال طاری ہونا
- ۳۸۷ سلوک میں اول چیز وحدۃ مطلوب ہے۔
- ۳۸۸ سینتیسویں مجلس علم کی زینتِ حلم ہے
- ۳۸۹ اصلاحِ نفس کی طرف توجہ خاص
- ۳۸۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے کامل شفیق ہیں۔
- ۳۹۰ سالک کو مخلوق سے انقطاع ضروری ہے۔
- ۳۹۱ حقیقتِ صبر
- ۳۹۲ ایک حکایت
- ۳۹۳ حضرت باقی باللہ کی حکایت
- ۳۹۴ توجہ کے متعلق کلام
- ۳۹۵ اپنے مسلک کو چھوڑومت دوسرے کے مسلک کو چھیڑومت
- ۳۹۵ رجوع الی الابداء

- ۳۹۶ ----- سعی کامل
- ۳۹۶ ----- شکر کی حقیقت اور اس کے درجات
- ۳۹۷ ----- توبہ نصوح کے آثار
- ۳۹۸ ----- حضرت حبیب عجمیؑ کی حکایت
- ۳۹۹ ----- جدت پسندوں کا علماء کو قدامت پسند سمجھنا
- ۳۹۹ ----- سالکین کو ہدایت
- ۴۰۰ ----- صاحب علم کو صاحب وقار ہونا چاہئے
- ۴۰۱ ----- حضرت مدظلہ کی حضرت تھانویؒ سے پہلی ملاقات
- ۴۰۲ ----- ایک صاحب کے سوال پر حضرت تھانویؒ کا جواب
- ۴۰۳ ----- غصہ کے متعلق حضرت والد کا چند اصحاب سے خطاب
- ۴۰۴ ----- علم کے ساتھ حلم ہونے کی دلیل
- ۴۰۵ ----- علماء اور اساتذہ کے لئے ہدایت
- ۴۰۶ ----- تبلیغ کی شرائط
- ۴۰۶ ----- سورة الانشراح کی تشریح

اڑتیسویں مجلس

۴۰۹

مؤمن کا اولیٰ فرض اجرائے احکام ہے

۴۰۹

دوست کے اوصاف

۴۰۹

ہر مؤمن اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے

- ۴۱۰ - تخلیق آدم علیہ السلام پر فرشتوں کی گزارش اور خدا تعالیٰ کا حکمانہ جواب
- ۴۱۱ ----- اللہ آسمان وزمین والوں کے لئے نور ہے
- ۴۱۱ ----- قرآن پاک نورِ ہادی ہے
- ۴۱۲ ----- وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مطلب
- ۴۱۲ ----- خلیفہ کو پیدا کرنے کی وجہ
- ۴۱۳ ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح
- ۴۱۳ ----- مرشد کا کام ہر چیز کی اصلاح کرنا ہے
- ۴۱۴ ----- فرشتے خلیفہ کی حقیقت کو نہ پہچان نہ سکے
- ۴۱۴ ----- کبھی عدل کے خلاف ہونے سے خلافت میں فرق نہیں آتا
- ۴۱۴ ----- خلیفہ وہ ہے جو اپنے اوپر احکامِ خداوندی جاری کرے
- ۴۱۵ ----- خدا تو اب ہے، مؤمن کو نائب بننا چاہئے
- ۴۱۵ ----- مؤمن کو تو اب کا لقب کب ملتا ہے؟
- ۴۱۶ ----- خلیفہ کا بھی خلیفہ ہونا چاہئے
- ۴۱۶ ----- انبیاء کے علوم کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے
- ۴۱۶ ----- نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے
- ۴۱۷ ----- خلیفہ کے درجے مختلف ہیں
- ۴۱۷ ----- خلیفہ کی آزمائش کا معیار
- ۴۱۸ ----- کافر مجرم ہے، مؤمن مجرم نہیں ہو سکتا
- ۴۱۸ ----- مؤمن کی شان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے

۴۱۹ ----- توبہ کرنے سے مؤمن کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے

۴۱۹ ----- انسان صفاتِ خداوندی کے مظہریت کا نام ہے

۴۲۰ ----- کافر فتنہ ہے مؤمن فتنہ نہیں

۴۲۱ ----- بحیثیتِ خلیفہ مؤمن کے اوصاف

۴۲۱ ----- خدا کی معیتِ محسنین کے ساتھ ہے

۴۲۲ ----- مؤمن کا اصلی وطن جنت ہے

۴۲۲ ----- مؤمن مہاجر بھی ہے اور مجاہد بھی

۴۲۳ ----- اُنٹالیسویں مجلس حقیقتِ تجلی اور اس کے آثار

۴۲۳ ----- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی شانِ جلالی

۴۲۵ ----- امامِ غزالی کے دل میں ایک ڈاکو کی بات کا اثر

۴۲۶ ----- امکانِ عقلی پر شرعاً عمل کی گنجائش ہے

۴۲۷ ----- اہل جنت کی آپس میں دعوت

۴۲۸ ----- جنت میں داخل ہونے سے پہلے مٹی کی روٹی کی دعوت

۴۲۸ ----- کافروں کا اُس عالم میں کوئی حصہ نہ ہوگا

۴۲۹ ----- جنت میں داخل ہونے سے پہلے زاہدوں کی خاطر مٹی کی روٹی ہوگی

۴۳۰ ----- جنت میں داخل ہونے کے بعد دوسری دعوتِ مچھلی کباب

۴۳۰ ----- جنت کی نعمتیں

۴۳۱ ----- حق تعالیٰ سورۃ الرحمن سنائیں گے

۴۳۱ ----- محرم راز ہی اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں گے

- ۲۳۱ بیقرار اور فریفتہ کو تسلی دینی چاہئے۔
- ۲۳۲ سید احمد رفاعی کبیر کا واقعہ۔
- ۲۳۲ غوث پاک کی خدمت میں ایک شخص کا آنا۔
- ۲۳۲ سید احمد رفاعی کی فنائیت۔
- ۲۳۳ کشف کو شریعت کی روشنی میں پرکھے۔
- ۲۳۳ ماتحتوں کی دلجوئی کرنی چاہئے۔
- ۲۳۴ اساتذہ و طلبہ کو نصیحت بھر خطاب۔
- ۲۳۴ چھوٹوں کی دلجوئی کی جائے۔
- ۲۳۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلجوئی۔
- ۲۳۵ حقیقتِ تجلی اور اس کے معنی۔
- ۲۳۶ تجلی کا محل بھی ہونا چاہئے۔
- ۲۳۶ ایمان نور اور کفر ظلمت ہے۔
- ۲۳۷ سالک نور علی نور کیسے بنے۔
- ۲۳۷ مہتدی اور ہادی بننا چاہئے۔
- ۲۳۸ تجلی کی دوسری نوعیت۔
- ۲۳۸ سالک کو قناعت نہیں کرنا چاہئے۔
- ۲۳۹ مؤمن کے ہر وقت تین حال ہونے چاہئیں۔
- ۲۴۰ سالک میں صدق اور اخلاص ہر وقت ہونا چاہئے۔
- ۲۴۰ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب مخلصین و صادقین تھے۔

- ۴۴۱ ----- تجلی کو سلوک میں فنا کہتے ہیں
- ۴۴۲ ----- چالیسویں مجلس مہتدی بن کر ہادی بھی بننے کی ہدایت
- ۴۴۲ ----- امت محمدیہ کو خیر امت کا لقب ملنے کی وجہ
- ۴۴۳ ----- قول و فعل حال بن جائے
- ۴۴۴ ----- اپنے کو نیک بنانے کی فکر ہوتی چاہئے
- ۴۴۴ ----- وقت کی بڑی قیمت
- ۴۴۵ ----- ایمان بمعنیات کی تفصیل
- ۴۴۶ ----- ہر چیز کے دو درجے ہیں
- ۴۴۷ ----- رسول کی صفت
- ۴۴۸ ----- رسول کی نشانی معجزہ ہے
- ۴۴۸ ----- اعمال صالحہ سے کمال پیدا ہوتا ہے
- ۴۴۹ ----- اجتماع ضدین محال ہے
- ۴۴۹ ----- نتیجہ تابع ارذل کے ہوا کرتا ہے
- ۴۵۰ ----- ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ ملانے کی حکمت
- ۴۵۰ ----- مؤمن جہنم میں نکھار کے لئے بھیجا جائے گا
- ۴۵۲ ----- بد عمل بظاہر با سکون در حقیقت بے سکون
- ۴۵۲ ----- مؤمن صالح حقیقی سکون میں ہے
- ۴۵۲ ----- ہادی بننے کے طریقے اور شرائط
- ۴۵۳ ----- صبر بڑے درجہ کی چیز ہے

- ۲۵۴ ----- دین میں اکراہ نہیں
- ۲۵۴ ----- امر منکر سے روکنے کا پہلا درجہ
- ۲۵۵ ----- دوسرا درجہ
- ۲۵۵ ----- تیسرا درجہ
- ۲۵۵ ----- فعل منکر کی تحقیر ہو فاعل منکر کی تحقیر نہ ہو
- ۲۵۶ ----- موتوا قبل ان تموتوا کی تشریح
- ۲۵۶ ----- مبلغ میں غایت درجہ حلم و شفقت ہونی چاہئے
- ۲۵۸ ----- اکتالیسویں مجلس

وساوس غیر اختیاریہ و روایا کی تفصیل

- ۲۵۸ ----- وساوس غیر اختیاریہ کی تشریح اور ان کا علاج
- ۲۵۹ ----- دنیا میں عورتوں کی کثرت کی حکمت
- ۲۶۰ ----- حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدل پر مکلف نہیں تھے
- ۲۶۰ ----- مؤمنین کا ملین کی صفات
- ۲۶۱ ----- شیخ امراض باطنہ کا حکیم ہوتا ہے
- ۲۶۲ ----- زہد کی حقیقت
- ۲۶۲ ----- اصل تارک الدنیا ہے متروک الدنیا نہیں
- ۲۶۳ ----- عبادت کے بعد استغفار ہے تو معصیت کے بعد بدرجہ اولیٰ استغفار ضروری ہے

- ۴۶۳ ماتم کا دن
- ۴۶۳ سالک کو نشاط و چستی کی ضرورت ہے
- ۴۶۴ عوام کو وساوس نہیں آتے بلکہ سالک کو آتے ہیں
- ۴۶۵ صبر بھی نماز کی طرح عبادت ہے
- ۴۶۵ غیر اختیاری خیالات و وساوس رنج دینے والے ہیں
- ۴۶۶ بُرے خیالات اور خوابوں سے دنیوی و اخروی نقصان نہیں ہوتا
- ۴۶۶ شیطانی خیالات سے بے خیال رہنے والا پکا مؤمن ہے
- ۴۶۷ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعتماد اور اعتقاد کا حال
- ۴۶۸ شیخ کے علاج پر اعتماد اور عمل ہونا چاہئے
- ۴۶۸ ایک عالم صاحب کا واقعہ
- ۴۶۹ حضرت کا معمول اصرار کا نہیں ہے
- ۴۷۰ شیطان دین کے بڑے کام سے چھوٹے کام کی طرف لاتا ہے
- ۴۷۰ فکر صحیح طالب صادق کی رہبری کرتی ہے
- ۴۷۱ ایک خواب اور اس کی تعبیر
- ۴۷۲ ظاہر خراب باطن اچھا ہونے کی تعبیر
- ۴۷۳ عبداللہ ابن عباسؓ کا تفسیر میں مقام
- ۴۷۴ گفتگو طالب صادق سے ہے
- ۴۷۵ مؤمن کامل کی شان
- ۴۷۶ جنت کے دخول کا موقوف علیہ

- ۴۷۶ ----- ایک صاحب کا خط اور حضرت والا کا جواب
- ۴۷۸ ----- بیالیسویں مجلس مقصود اور غیر مقصود کا فرق
- ۴۷۸ ----- غیر مقصود میں صرف ہمت کا فرق
- ۴۷۹ ----- مقصود اور غیر مقصود کی مثالیں
- ۴۸۰ ----- مقصود اور غیر مقصود کی فقہی مثال
- ۴۸۰ ----- مقصود اور غیر مقصود کی طبعی مثال
- ۴۸۱ ----- ہر شخص کے لئے ترک وسائل صحیح نہیں
- ۴۸۲ ----- غیر مقصود کی دو قسمیں ہیں
- ۴۸۲ ----- اعراض عن اللغو مؤمن کی شان
- ۴۸۳ ----- طلاوت ایمان
- ۴۸۴ ----- عقلمند یا احمق
- ۴۸۴ ----- سچائی نجات دلاتی ہے
- ۴۸۶ ----- روح جب نکلے طہارت پر نکلے
- ۴۸۷ ----- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ
- ۴۸۸ ----- ہماری زندگی کا مقصود کیا ہے
- ۴۸۹ ----- معاون مقصود علم نافع ہوتا ہے
- ۴۹۱ ----- سیر فی الارض کا حکم کیوں؟
- ۴۹۱ ----- صحت جسمانی بھی مطلوب ہے
- ۴۹۲ ----- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام امت کی خاطر کئے

- ۴۹۳ ----- ایک بزرگ کے نکاح کی حکایت
- ۴۹۵ ----- عام عادت قابل متروک ہے
- ۴۹۷ ----- تینتا لیسویں مجلس احکام شریعت نہایت عظیم امانت ہیں
- ۴۹۷ ----- اللہ تعالیٰ نے خود ہی بندوں کو کام سپرد فرما دیا
- ۴۹۸ ----- ایمان عظیم ترین نعمت اور عظیم ترین امانت ہے
- ۴۹۸ ----- طاعات کو خوشی خوشی انجام دے
- ۴۹۹ ----- جان و مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں استعمال ہو
- ۵۰۲ ----- شیخ کی خدمت دلچسپی سے ہو
- ۵۰۳ ----- شیخ سے محبت اور پیار ہو
- ۵۰۳ ----- مخلص اور منافق کی پہچان
- ۵۰۴ ----- مرید کی مار سے مزا آتا ہے
- ۵۰۴ ----- مؤمن کو تکلیف میں بھی مزہ آتا ہے
- ۵۰۵ ----- بچوں میں خلوص زیادہ ہوتا ہے
- ۵۰۵ ----- دادا کو پوتے سے فطری محبت ہوتی ہے
- ۵۰۶ ----- اللہ کی محبت مؤمن سے ازلی ہے
- ۵۰۶ ----- مؤمن کو ذات باری تعالیٰ کا پروانہ ہونا چاہئے
- ۵۰۷ ----- محبت کاملہ کا اثر طاعت کاملہ ہے
- ۵۰۸ ----- خدا کی نوازش پر ناز نہ آنا چاہئے
- ۵۰۸ ----- حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد کا لقب ملا

- ۵۰۹ ----- سبحان کہنے میں حکمت اور شبہ کا جواب
- ۵۱۰ ----- سید الانبیاء میں عبدیت کا ملہ تھی
- ۵۱۰ ----- حضرت بشرحانی کی عظمت و محبت کا ظہور
- ۵۱۰ ----- ایک شبہ اور اس کے دو جواب
- ۵۱۱ ----- سالک اور خشک صوفی کو ہدایت
- ۵۱۱ ----- محبت کے آثار اور اس کا مقتضی
- ۵۱۲ ----- باپ کو بلا رضا بیٹے کی چیزوں میں تصرف جائز نہیں
- ۵۱۳ ----- بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے
- ۵۱۳ ----- جنت کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی
- ۵۱۴ ----- سعادت کو شریعت میں استقامت کہتے ہیں

چوالیسویں مجلس

- ۵۱۵ ----- ایمان کا تقاضا ایفائے عہد ہے
- ۵۱۵ ----- محبت و شفقت کا خطاب
- ۵۱۵ ----- ایک خط
- ۵۱۶ ----- جواب بزمانہ شناسی
- ۵۱۶ ----- محرم سے پردہ نہ ہو تب بھی احتیاطاً پردہ سار کھا جائے
- ۵۱۷ ----- غیر محرم رشتوں میں تو احتیاط اور زیادہ ضروری ہے
- ۵۱۷ ----- قیام خانقاہ کے شرائط و اصول
- ۵۱۷ ----- کام سے پہلے اس کے موضوع اور غرض و غایت پر نظر

- ۵۱۸ ----- صدق و اخلاص کے ساتھ کام پر اقدام ہو
- ۵۱۸ ----- عدم استحضار سے خلاف موضوع اور نفاق کا صدور
- ۵۱۸ ----- قصد اور نیت ہو جانا اللہ تعالیٰ سے عہد ہو جانا ہے
- ۵۱۹ ----- سالک کے لئے لمحہ فکریہ اور ایفائے عہد
- ۵۱۹ ----- اقیمو الصلوٰۃ کے معنی
- ۵۲۰ ----- ایفائے عہد ایمان کا تقاضا ہے
- ۵۲۰ ----- ترک عمل ظلم ہے اور ظلم پر سزا ہے
- ۵۲۱ ----- عقد نکاح عقد ایمان کی نظیر ہے
- ۵۲۲ ----- جوانوں کے لئے انتباہ
- ۵۲۳ ----- نکاح کے لئے ایک مانع شرعی
- ۵۲۳ ----- شوہر کو با حوصلہ با ظرف ہونا چاہئے
- ۵۲۴ ----- بیوی سے برتاؤ میں خوف خدا
- ۵۲۴ ----- عبرت ناک واقعہ
- ۵۲۶ ----- اصلاح کا حاصل و منجہا
- ۵۲۷ ----- نبوت و طلب مسکینیت
- ۵۲۸ ----- واعبد میں عبدیت، مسکینیت اور اسلامیت، تامہ موجود ہے
- ۵۲۹ ----- اصل چیز دل میں عاجزی و مسکینیت ہے
- ۵۳۰ ----- ایمان میں درجہ کمال مطلوب ہے
- ۵۳۱ ----- اسباب و آلات کا اثر مقصود پڑتا ہے

- ۵۳۲ ----- حتی یاتیک الیقین کی تفسیر
- ۵۳۳ ----- رنج و غم کا علاج
- ۵۳۳ ----- ہر شے کا ایک موضوع ہے

پینتالیسویں مجلس

- ۵۳۵ کمال آداب مشاہدہ و معائنہ کے ہمہ وقت ملحوظ و مطلوب ہیں
- ۵۳۵ فصاحت بلاغت اور لطافت میں اول درجہ عربی کا ہے پھر فارسی پھر اردو کا۔
- ۵۳۵ قرآن پاک کا رسم الخط غیر عربی میں کرنے کی خرابیاں
- ۵۳۶ قرآن پاک کو معدوم کرنے کی ناکام کوشش
- ۵۳۷ مقبول خدا کی کتاب جلانے سے اس کی اشاعت زیادہ ہوتی ہے
- ۵۳۷ شیخ کے چہرہ پر بلا وضو نگاہ نہ پڑے
- ۵۳۸ تصوف و سلوک شریعت کا جزء اعظم ہے
- ۵۳۸ تمام انبیاء علیہم السلام نہایت درجہ عقلمند تھے
- ۵۳۹ نبی اپنے مرتبہ عالیہ کے سبب خلاف اولیٰ پر بھی توبہ کرتا ہے
- ۵۴۰ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے سوال رویت میں فرق ہے
- ۵۴۱ احوال و کیفیات کے درپے نہ ہونا چاہئے
- ۵۴۱ مشاہدہ قلبی شدہ شدہ عینی جیسا ہو جاتا ہے
- حدیث جبریل میں ایمان و اسلام کے بعد احسان کے ذکر سے دونوں کو
- ۵۴۲ کامل کرنے کا بیان ہے

- ۵۴۳ ----- حُسنِ کلام کا بھی مکلف بنایا گیا ہے
- ۵۴۳ ----- پڑھے لکھے بھی اہتمام نہیں کرتے حالانکہ چھوٹوں کے ساتھ بھی حُسنِ کلام کا ہونا ضروری ہے
- ۵۴۴ ----- صدق و اخلاص کا فرق اور دونوں کا مطلوب ہونا
- ۵۴۵ ----- محبتِ الہی کے لئے اتباعِ لازم ہے
- ۵۴۶ ----- احسان کا طریقِ تحصیل
- ۵۴۶ ----- احسان کا اثر تہ خانہ کے مانند ہے کہ انسان فتنوں کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے
- ۵۴۷ ----- تہذیبِ اخلاق کی حقیقت
- ۵۴۹ ----- خدا تعالیٰ بندۂ مؤمن کے لئے ہر طرح کی واقعی راحت چاہتے ہیں
- ۵۵۱ ----- چھیا لیسویں مجلس مسلم کی امتیازی شان
- ۵۵۱ ----- متعلقین سے حُسنِ ظن رکھنا چاہئے
- ۵۵۲ ----- بدگمانی کا سوال ہوگا حسنِ ظن کا سوال نہیں ہوگا
- ۵۵۲ ----- مؤمن کی زندگی معاشرت کی ہو
- ۵۵۳ ----- یادداشت کا ملکہ قائم ہو جانا مطلوب ہے
- ۵۵۳ ----- مجلس میں آنے، بیٹھنے کا مقصد
- ۵۵۴ ----- معاشرت کو پڑھے لکھے لوگوں نے بھی دین سے نکال رکھا ہے
- ۵۵۶ ----- نظرِ حقارت سے ابتلاءِ درِ معاصی ہو سکتا ہے
- ۵۵۶ ----- غیبت کرنے والا توبہ نہیں کرتا گنہگار توبہ کر لیتا ہے

- ۵۵۷ ----- مجلس میں دھیان لگا کر بیٹھنا چاہئے
- ۵۵۸ ----- زبان پر قابو پالینا اہم مسئلہ ہے
- ۵۵۸ ----- حضرت عمرؓ کی ایک واعظ کو تنبیہ
- ۵۵۹ ----- آدابِ مجلس کا تذکرہ
- ۵۵۹ ----- مؤمن کا مسلم ہونا ضروری نہیں
- ۵۶۰ ----- حدیث میں قید واقعی ہے احترازی نہیں
- ۵۶۱ ----- بدگمانی کا موقعہ بھی نہیں دینا چاہئے
- ۵۶۲ ----- بدگمانی کا سانحہ بشکل المیہ
- ۵۶۲ ----- آنکھ بھی غلطی کر جاتی ہے
- ۵۶۳ ----- ہاتھ سے دو طرح کی تکلیف
- ۵۶۳ ----- مسلم خود کو کسوٹی پر کیسے پرکھے؟
- ۵۶۳ ----- سالک کی زبان قابو میں رہنی چاہئے
- ۵۶۵ ----- ایذا رسانی سے رُکنا ادنیٰ درجہ راحت رسانی اعلیٰ درجہ ہے
- ۵۶۶ ----- اپنی عزت دوسرے کی ذلت نہ ہو
- ۵۶۶ ----- حدیث کی طرح منطق پڑھنے میں بھی ثواب ہے
- ۵۶۷ ----- راحت رسانی کے دو طریقے
- ۵۶۸ ----- زیادہ ذہانت برباد کر دیتی ہے
- ۵۶۹ ----- آدمی بننے کے اوصاف
- ۵۶۹ ----- حُسنِ خلق کا پلڑا قیامت میں سب سے زیادہ بھاری ہوگا

- ۵۷۰ ----- مسلمان کو کس طرح رہنا چاہئے
- ۵۷۰ ----- مسلمان کی امتیازی شان
- ۵۷۱ ----- تشبہ حرام ہے
- ۵۷۲ ----- ایذا رسانی سے بچنا شریعتِ راحت رسانی کا اہتمام تصوف ہے
- ۵۷۲ ----- حضرت ابوبکرؓ کا ایثار حقیقی اور تصوفی شان
- ۵۷۳ ----- سلام کرنے والے کا عجز و انکساری کے باعث درجہ افضل ہے



پیش لفظ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة اما بعد !
 دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی کامیابی کے لئے ایک ضابطہ
 حیات ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہو، ظاہر کے درست
 کرنے والے کا نام علم فقہ ہے اور باطن کے درست کرنے والے کو علم تصوف کا نام دیا
 جاتا ہے۔ اس میں ایک شریعت ہے تو دوسرا طریقت ایک ظاہر ہے تو دوسرا باطن ایک
 صورت ہے تو دوسرا معنی ایک چھلکا ہے تو دوسرا مغز ایک علم ہے تو دوسرا حال ایک
 ہوشیاری ہے تو دوسراستی ایک مذہب ہے تو دوسرا مشرب ایک عقل ہے تو دوسرا عشق
 دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے
 کتاب لکھی ہے ”شریعت و طریقت کا تلازم“ اگر اس کو سیدھا راستہ اور راہ استوار کا نام
 دیا جائے تو جائز ہوگا۔ نیز دینِ خالص اور سلامتی کے راستے سے ملقب کیا جائے تو روا
 ہوگا اور اگر دعوتِ حق اور راہِ نجات کہیں تو بھی درست اور میزانِ اعتدال اور دستور
 العمل گردانیں تو بھی صحیح ہے۔

مشائخ و صوفیاء ہر دور میں اپنے مریدین کی تربیت کرتے رہتے ہیں اور ان
 کے اصلاحِ حال کے لئے مختلف نسخے اور طریقے اختیار فرماتے ہیں۔ اکثر مشائخ
 عظام کے ہاں مجلس منعقد ہوا کرتی ہے اور اس مجلس میں اپنے مریدین متعلقین

اور عامۃ المسلمین کو قیمتی مواعظ و نصائح سے نوازتے رہتے ہیں۔ پھر یہی مواعظ و نصائح کتابوں کی شکل میں مرتب کئے جاتے ہیں۔ اس طرح اس کا نفع اور بھی عام ہوتا ہے۔ ”مجالس مسیح الامت جلد دوم“ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک زرین کڑی ہے۔ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کے مجالس و مواعظ دنیا بھر میں مشہور ہیں اور سینکڑوں لوگ استفادہ کر کے اپنے باطن کی اصلاح کر چکے ہیں۔

”مجالس مسیح الامت“ کو نئے انداز میں مرتب کرنے اور شائع کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے القاسم اکیڈمی کو دی ہے۔ اس کے محرک حضرت مسیح الامت کے خلیفہ اجل ہمارے بزرگ الحاج محمد ابراہیم تسبیح والا ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے کہ انہوں نے اس عظیم کام کے تمام مصارف اپنے ذمے لیے اور اشاعت و تقسیم کے لئے ہم فقیر طالب علموں کو اہل سمجھا۔ واجرہم علی اللہ۔

قارئین نے بھی ”مجالس مسیح الامت“ جلد اول پڑھ کر ہمارا حوصلہ بڑھایا۔ دوسری جلد اسی سلسلۃ تشبیح کی پیش رفت ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ دوسری جلد سے بھی بھرپور استفادہ کر کے اپنے باطن کو سنواریں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ واجمعین۔

عبدالقیوم حقانی

۲۳ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ / ۸ مئی ۲۰۱۰ء



سترھویں مجلس

ایمان و اسلام اور اس کے تقاضے

مورخہ ۱۸ صفر ۱۴۱۱ھ بمطابق ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء بروز یکشنبہ بوقت صبح

ابتدائے اسلام میں اسلام کا شیوع :

اوائل اسلام میں اسلام کا بہت کثرت سے معمول تھا، ابتدائے اسلام کے بعد اتنی تاکید نہیں رہی، ابتدائے اسلام میں تو اس قدر اسلام کا شیوع تھا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ دو صحابی جا رہے ہیں اور سامنے آ گیا درخت اب درخت کے اندر سے کیسے نکلتے، ایک صحابی تو ادھر سے نکلے اور دوسرے صحابی ادھر سے نکلے، جب آگے چلے اب دونوں مل گئے، جب دونوں ملے سلام بھی ہو رہا ہے، مصافحہ بھی ہو رہا ہے اتنے فصل سے سلام بھی ہو رہا ہے مصافحہ بھی ہو رہا ہے، اُس وقت اس کی ضرورت تھی۔

ابتدائے اسلام کی بعض باتوں پر عمل دینی فہم نہیں :

آج کل بعضے ابتدائے اسلام کی باتوں پر عمل کرتے ہیں پتہ تو کچھ ہے نہیں

بیچارے کو، فقہ تو جانتے نہیں، حدیث شریف کہیں پڑھ لی ہوگی اور کہیں سے سن لی ہوگی۔

سلام میں تفریط و افراط :

تو اُس وقت تو وہ رنگ تھا سلام کے مصافحہ کا خیر یہ سلام مصافحہ تو جزئی چیز ہے لیکن عام طور پر مسلمانوں کا حال تفریطی ہو گیا ہے کہ مسلمان اعتدال سے نکلتا جا رہا ہے سلام کا نام ہی نہیں؟ نہ وہ سلام کرتا ہے اور نہ سلام کا جواب دیتا ہے، گزرتا چلا جا رہا ہے اور وہاں کا کیا حکم تھا بخاری شریف میں ہے **أَفْشُوا السَّلَامَ** کہ سلام کو پھیلاؤ، تعمیم کرو، تشہیر کرو، سلام کو رائج کرو، سلام کرو تم (ہر ایک کو) جس کو پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔ تو میں نے بتلا دیا کہ وہ ابتداء اسلام کا حال ہے، لیکن اب کیا ہے؟ اب تفریط ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا یا افراط ہے جیسا کہ بعضوں کے یہاں تو نمازوں کے بعد سلام و مصافحہ، خاص کر صبح کو جو اہل بدعت ہیں وہ کیا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد سلام و مصافحہ ہر ایک کا حال ہے اور ہم جیسے جو ہیں کہ برابر ہو کر ایک مسلمان نکلتا چلا جا رہا ہے، اب نہ وہ سلام کرتا ہے اور نہ یہ سلام کر رہا ہے تو کہیں افراط ہے، کہیں تفریط ہے، اعتدال نہیں رہا، حالانکہ اسلام پورا پورا اعتدال کا حکم دیتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو ذلت باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اعتدال کا حکم دیا ہے۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ دین کے کاموں پر اگر آجاتے ہیں تو افراط ہو گیا اور اگر اس سے کچھ آزادی سی آگئی تو تفریط ہو گیا۔ اعتدال کی توضیح کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان و اسلام کے الفاظ سے ہی اعتدال معلوم ہوتا ہے چنانچہ

لفظ ایمان کے مادہ میں غور اور سبق :

لفظ ایمان کا مادہ **أَمَّنُ** ہے، مادہ جب بولیں گے تو وہ الف میم نون ہے

اور وہ ہمزہ، عُرف اور اصطلاح الف ہی کی ہے تو ایمان کا مادہ الف میم نون ہے اب ملا دو تو ”اَمِن“ ہو گیا۔

لفظ سلام کے مادہ میں غور اور سبق :

اور سلام کا مادہ؟ سین، لام، میم اب ملا دو تو سَلَم، سلامتی ہو گیا۔ تو اب ایمان کا تقاضا جو اَمِن ہے اور سلام کا تقاضا جو سلامتی ہے اس میں جو احکام ہوں گے متعلق بالاعمال ظاہرہ اور احکام متعلق بالاعمال باطنہ وہ سب کے سب اعتدال پر ہوں گے کہ جس میں اَمِن بھی رہے اور سلامتی بھی رہے۔ ایمان کا لفظ کہہ رہا ہے کہ جو احکام مِّنْ جَانِبِ اللّٰهِ آئیں گے وہ افراط و تفریط سے خالی ہوں گے اور افراط و تفریط دونوں کے دونوں نہ اَمِن کے ہیں اور نہ سلامتی کے۔ افراطی اعمال کب تک کرے گا، کب تک نبھاوے گا تو تمام احکام میں خواہ وہ احکام اعمال ظاہرہ سے متعلق ہوں یا اعمال باطنہ سے متعلق ہوں ان سب میں اعتدال ہے۔ افراط و تفریط کا سوال ہی نہیں۔

استقامت کا بیان :

اسی کا نام ہے استقامت کہ برابر موت تک چلتا رہے یہ اعتدال ایسی چیز ہے کہ حالت اعتدال موت تک ہی چلتی رہے گی جو دین میں داخل ہو کر افراط میں آجاتے ہیں وہ حالت موت تک نہیں چل سکتی۔

دفع دخل مقدر :

یہ الگ بات ہے کہ مشروعیت ہی کی حیثیت سے مشروع کو ادا کرنے میں اعتدال شخصی جزئی طور پر الگ الگ ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کا اعتدال الگ الگ ہو سکتا

ہے، وہ ایک جزئی چیز ہوگی کہ بعض بزرگ تمام رات جاگتے تھے رات بھر جاگتے تھے۔ تو اس پر ممکن ہے کہ کسی نے کتاب میں بزرگوں کے واقعات دیکھ لئے ہوں ان کو اشکال ہو تو یہ چیز جزئی ہے۔ اس کے لئے وہی اعتدال ہے جیسے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا جب کسی نے ان سے رات بھر عبادت کرتے رہنے پر سوال کیا کہ حضرت! لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ فرمایا کہ یہ تمہارے لئے ہے، میرے لئے نہیں، تو یہ دفع دخل مقدر ہے۔ وہ ایک جزئی چیز ہے اور شخصی چیز ہے، تو یہ اعتدال ہر ایک کا الگ الگ ہو سکتا ہے اس کا اعتدال یہی ہے لیکن مسئلہ نہیں یہ جزئی چیز ہے اور یہ ساری چیزیں صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہو چکی ہیں۔

شخصی اعتدال کی ایک مثال :

حضور اکرم ﷺ نے غزوات میں سے کسی غزوہ کے لئے انفاق مال کا اعلان فرما دیا۔ لالا کے لوگوں نے سامان سامنے رکھ دیا۔ اب آپ کسی سے کچھ پوچھ رہے ہیں کہ کچھ مخصوص بھی ہوا کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا عمرؓ! کیا لائے ہو؟ عرض کیا آدھا سال لے آیا ہوں آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں، پھر فرمایا ابو بکرؓ تم کیا لائے ہو؟ عرض کیا گھر صاف کر دیا، سب لے آیا ہوں، حضرت ابو بکرؓ کا اعتدال یہی تھا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو اعتدال سے نکل گئے یہ تو افراط ہو گئی، ان کا یہی اعتدال تھا اور حضرت عمر فاروقؓ کا یہی اعتدال تھا۔

دوسری مثال :

ایک مثال یہ ہے کہ جہاد کے لئے بھرتی ہو رہی ہے، ایک بچہ بھی آ رہا ہے بھرتی ہونے کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ناپ میں آتے نہیں؟ تو

اب داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ بچہ بچوں سے کھڑا ہو گیا جہاد میں شریک ہونے کے شوق میں بچوں سے کھڑا ہو گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کا تو اس درجہ شوق ہو رہا ہے تو اس کا اعتدال یہی تھا، اس کو بھرتی کر لیا۔ دوسرا بھی دیکھ کر آ گیا، اس کا بھی جی چاہ رہا تھا اس کے اس شوق کو دیکھ کر اس کو بھی بھرتی کر لیا دونوں کو بھرتی کر لیا، حالانکہ ناپ میں پورے نہیں تھے۔

انتباہ....!

اب ان چیزوں کے سمجھنے کے لئے کیا حدیث شریف پڑھنا کافی ہو جائے گا؟ روایتوں کا پڑھنا کافی ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک روایت سے درایت ملی ہوئی نہ ہو تو عامۃً تو یہی ہے کہ تمام احکام میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سب اعتدال میں ہیں جزوی چیز الگ ہے جو کہ ممکن ہے اور فصل الہی ہے، فصل الہی سے ممکن ہے، سورہ مزمل کے شروع میں **يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ** خطاب تو خاص ہے مگر حکم عام ہے بعض دفعہ خطاب تو خاص ہوتا ہے حکم عام ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ** آگے ہے **قُمِ اللَّيْلَ اس** میں کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے معنی ہیں تمام رات کھڑے رہو، پھر آگے کی کیا ضرورت تھی جو فرما دیا **إِلَّا قَلِيلًا** پھر آگے ہے **پھر نِصْفُهُ** پھر آگے **أَوْ انْقُصْ مِنْهُ** پھر آگے ہے **قَلِيلًا** اور **أَوْ زِدْ عَلَيْهِ** کتنی زیادتی ہے اس میں، گویا یہ فرما رہے ہیں کہ تم میں کوئی ایسا ہوگا کوئی ایسا ہوگا آزادی رکھ دی (یعنی مقدار شب بیداری میں اختیار دیدیا)

اب شب بیداری ہر ایک کی حیثیت کے اعتبار سے الگ الگ، کوئی رات بھر جاگ رہا ہے اس کے جی کا اعتدال یہی ہے۔ کوئی اس سے ناقص اور کوئی انقص، پھر

کوئی اور ناقص و ناقص سے بھی اور زیادہ، تو ہر ایک کا اعتدال الگ الگ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آزادی دیدی، صرف قُمْ اللَّیْلُ فرما کر نہیں چھوڑا؟ تو مطلوب اعتدال ہے، لفظ ایمان بتلا رہا ہے کہ ایسی عبادت کرو کہ جس میں تمہارے اندر اَمْن ر ہے، یہ اس لئے کہا کہ ایک بد امنی عام ہوتی ہے اور ایک بد امنی جزوی ہوتی ہے، ایسا کھانا کھایا کہ بد امنی ہوگئی، بد مضمی ہوگئی یا ایسا کھانا کھایا کہ صرف چکھ لیا۔

یوپی کے لوگ کے ذہین ہونے پر لطیفہ :

کوئی بے چارہ لکھنؤ چلا گیا اور ایک دعوت میں شریک ہوا۔ اب یوپی کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں، تو وہ دیکھ رہا ہے کہ لکھنؤ کے لوگ جو کھانا کھا رہے ہیں وہ اطمینان سے ذرا سا لقمہ لے رہا ہے اور ذرا سے سالن میں لگا رہا ہے۔ اس نے دیکھا یہ تو بڑی مشکل ہوگئی، اس نے کیا کیا؟ لقمہ ذرا سا لیا اور ذرا سا سالن میں چھولیا، پھر لقمہ ذرا سا لیا پھر سالن میں چھولیا، ناک سے سونگھ کر رکھ دیا، کھایا نہیں، لکھنؤ والے تو کھا بھی رہے تھے مگر اس نے کھایا نہیں تو لکھنؤ والے جو کھا رہے تھے کہنے لگے یہ کیا؟ اس نے کہا کہ میرا پیٹ تو سونگھنے ہی سے بھر جاتا ہے، یہ بھی ایک اعتدال ہے۔

ایک دیہاتی کی مثال :

حکیم جی کے پڑوس میں کوئی گاؤں والا تھا۔ تو جب ایک دفعہ بیمار ہوا تو حکیم جی کو نہیں بلایا تھا، مگر وہ پھر ٹھیک ہو گیا، پھر کسی دن نزلہ زکام ہو گیا، پھر کھانا کھا رہا تھا، کھانا کھانے کے بعد کہا: ارے بیٹہ! میں کھانا تو کھا چکا ذرا چھا (چھا چھ) دیدے میں پی لوں، لڑکی نے کہا اچھا باوا، حکیم جی پڑوس میں تھے ہی اُن کے گھر میں بھی آواز گئی، حکیم جی نے کہا کہ بہت ہی اچھا ہوا کہ کھانے کے بعد چھاپی رہا ہے، اور نزلہ زکام اس

کو زور کا (یعنی سخت) ہو رہا ہے، اب نزلہ زکام دور پہنچ جاوے گا اب بلاوے گا مجھے۔ حکیم جی نے کہا کہ اگر ہاں بیچ میں پی لیتا تو کچھ نقصان نہیں تھا، وہ آواز سن لی پڑوسی نے تو پڑوسی نے کہا کہ ارے بیٹے حکیم جی کہہ رہا ہے کہ بیچ میں پی لیتا تو اچھا تھا، لاؤ دو روٹی تو میں کھا چکا دو روٹی اور لے آؤ بیچ میں کر لوں گا چھا چھ کو۔ تو اس کا اعتدال یہی ہے۔

تو یہ تطبیقات ہیں اصل وہی ٹھہرے گی یعنی اعتدال، تو اس کو اس کھانے میں بد ہضمی بد امنی نہیں ہوگی؟ تو ایک بد امنی ہوتی ہے عام اور ایک بد امنی ہوتی ہے خاص جزئی و شخصی، ایسے ہی امن ایک ہوتا ہے عام اور ایک ہوتا ہے امن جزئی و شخصی۔

تو مقصد یہ ہے کہ امن کا باقی رکھنا عامۃً یا جزئیتاً، شخصياً، اجتماعاً و افراداً۔ ایمان بتلا رہا ہے کہ امن ہو اسلام بتلا رہا ہے کہ سلامتی ہو۔ اب جب اس طرح سے چلے گا: رَبُّنَا اللَّهُ کہہ کر تو استقامت ہو جائے گی اور مقصود استقامت ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا دِلِيلٌ پہلے ہو اور دعویٰ بعد میں ہو۔ یہاں پر اسْتَقَامُوْا کی دلیل رَبُّنَا اللّٰهُ ہے۔ اسْتَقَامُوْا یہ مطلوب ہے اللہ تعالیٰ کو، اور استقامت پر سب کا عمل ہونا چاہئے کیونکہ آپ نے ہی تو کہا تھا رَبُّنَا اللّٰهُ جب رَبُّنَا کہا تو اس کہنے میں حق تعالیٰ کا خوف بھی آ گیا، اور حق تعالیٰ کی محبت بھی آ گئی، اور جب خوف بھی آ گیا اور محبت بھی آ گئی تو پھر اطاعت عبادت کس کی؟ جس کی شان ایسی ہو اسی کی عبادت و طاعت ہوگی، اسی کو اللہ کہتے ہیں تو رَبُّنَا کہہ کر اللہ کہا ہے۔ اسی کی عبادت ہوتی ہے اور جس کی عبادت ہوتی ہے، اسی کا نام اللہ ہے، لہذا وہ اللہ ہی عبادت کئے جانے کا مستحق ہے، دوسرا نہیں۔

اس لئے کہ وہ ربّ تربیت پرورش کرنے والا ہے، نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے، اگر کچھ خلاف کر لیا تو ڈرنے لگے، خوف کھانے لگے۔

خوف سے اطاعت آتی ہے :

ایسا نہیں جیسا کہ ہمارا آج کا زمانہ ہے کہ بیٹا باپ کے ڈر سے نکل گیا اس لئے طاعت سے نکل گیا۔ راضی ناراضگی کا خیال نہیں رہا اور اس سے پہلے کا زمانہ تھا کہ بیٹا باپ سے ڈرتا تھا کیونکہ وہ مربی مجازی پرورش کرنے والا ہے، طبیعتوں میں سادگی تھی تو دل میں محبت تھی باپ کی ماں کی اور ڈر بھی ساتھ ساتھ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر میں خلاف کروں یا نافرمانی کروں تو ابا جی کہیں مجھے دھکا نہ دیدیں پھر روٹی کہاں سے کھاؤں گا اور کون کب تک دے گا۔ تو سمجھتا تھا کہ میرا رب مجازی تو یہی ہے، تو وہ بیٹا ڈر رہا ہے اور محبت بھی عجیب اور خوب قسم کی کر رہا ہے کہ نفع اسی سے ہے اور ضرر کا اندیشہ بھی اسی سے ہے۔

رب حقیقی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھنا اور اس کا اثر :

ٹھیک اسی طرح رب حقیقی ہے کہ نفع بھی اسی سے ہے اور ضرر کا بھی اندیشہ اسی سے ہے، کیا اللہ تعالیٰ کا نام نافع اور ضار نہیں؟ تو جب یہ کہا تو فوراً طبیعت کی سلامتی ہوئی اور عقل مستقیم میں آ گیا کہ وہی ڈرنے کی چیز ہے وہی محبت کرنے کی چیز ہے۔ کیونکہ میری زندگی کا سہارا پورے کا پورا اسی پر ہے۔ جب میرا نفع و ضرر اسی کے ہاتھ اسی کے قبضہ میں ہے تو پھر اسی کا ہو کر رہوں، اگر کسی اور سے نفع اور ضرر کی امید ہو لیکن رب کے مقابلہ میں اس کے نفع کی اور اس کے ضرر کی امید غالب نہ ہو بلکہ غالب اسی کا نفع و ضرر ہو تو جب حکم رب متضاد آ جائے (یعنی مخلوق کے حکم کے بالمقابل) : اس کے متضاد حکم میں مخلوق کا کیا حکم؟ رب کا حکم ہی مانا جاوے کہ میں نے اس رب کو اللہ کہا ہے۔ لہذا میں نے جب رَبَّنَا اللہ کہا ہے کہ وہ دلیل ہے اس دعوے کی تو میں

استقامت سے کیسے ہٹوں؟ اس رَبُّنَا اللّٰهُ کہنے پر جما ہوا کیوں نہ رہوں ڈٹا ہوا کیوں نہ رہوں۔ وہ چیز جس نے فطرتِ سلیمہ کے اختیار کرنے کو ملقب فرما دیا، اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کہ استقامت رَبُّنَا اللّٰهُ کہہ کر جو تیری فطرتِ سلیمہ ہے یہ فہمِ سلیم کا تقاضہ ہے کہ جب اس کی فطرت یہ ہے سلامتی کے ساتھ امن کے ساتھ تو میری فطرت ہے تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا فرشتے آئیں گے اور یہی کہیں گے یعنی جب تو ایسا ہے تو غمگین اور خوف زدہ کیوں ہوں۔ بشارتِ سنادی کہ اب غم و حزن کا ہونا نہ ہوگا، رَبُّنَا کہہ کر اللّٰہ کہنا اور استقامت کا ہونا یہ ہے اعتدال۔

اعتدال و استقامت کے درجات کے اعتبار سے بشارت :

اعتدال ہر شخص کا علیحدہ ہے الگ الگ ہے، اسی اعتبار سے اَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا بھی الگ الگ ہے، مومن آخردم تک ایمان پر بھی رہا اور من وجہ اسلام میں بھی رہا ایمان میں بھی رہا، تو من وجہ امن میں رہا اور من وجہ سلامتی میں رہا، اب دوسری بشارت ہے اسی اعتبارِ اعتدال پر اس کے لئے بھی اَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ہے تو یہ ہر مومن کے لئے ہو گیا اور کافر کے لئے نہیں رہا اَنْ لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کافر کے لئے نہیں رہا مومن ہی کے لئے رہا۔

حدود کی حیثیت سے احکام سب کے لئے برابر ہیں :

اعتدال کا جو درجہ ایمان و اسلام میں ہے وہ درجہ حدود میں ہے (یعنی محدود اور متعین مقدار فرض میں ہے) ان حدود میں تو کمی بیشی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ پانچ وقت کی نماز، چار وقت کی فرض رہ گئی، یہ حدود ہیں ان حدود میں تو کمی بیشی نہیں

ہوتی، ہاں حدود سے آگے جو چیزیں اور اعتبار سے ہیں ان میں کمی بیشی ہوتی ہے اب وہ کمی بیشی ہر ایک کے حالِ اعتدال پر جداگانہ ہے۔

جملہ معترضہ :

ہاں یہ الگ بات ہے کہ حدود میں ہی ذاتِ باری تعالیٰ کسی کی معذوری کو منظور فرما کر پہلے ہی سے اس معذور کے لئے حدود کے اندر کچھ کچھ تخفیف فرمادیں۔ کوئی حاملہ غیر سے پیش کر دی گئی رجم کا حکم ہے لیکن کیا کہا جا رہا ہے کہ جب وضع حمل ہو جائے تب رجم کیا جائے گا بچہ کا کیا قصور ہے وہ بھی رجم ہو جائے گا تو رجم تو اپنی جگہ باقی رہا لیکن فی الفور اور بالفعل ایک عارض پیش آ گیا تو حد اپنی جگہ باقی رہی۔

نماز میں تقلیل و تخفیف :

نماز پنجگانہ کی مسافتِ شرعی میں اس کی حد یعنی مقدار میں تقلیل ہوگئی۔ مثلاً حضر میں ہے لیکن علالت اور ضعف کھڑے ہونے کو منع کر رہا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ نے اس حد میں جو قیام فرض ہے اس میں سہولت اور تخفیف فرمادی کہ بیٹھ کر اور لیٹ کر بلا وضوء، مٹی سے تیمم، حدود اپنی جگہ پر ہے، وقتی تخفیف تقلیل ہوگئی۔

ہر مؤمن کا نفس، نفسِ مطمئنہ ہے :

ہر مؤمن جو (صحیح عقیدے کے ساتھ رہتا ہے) ہر مؤمن کا نفسِ مطمئنہ ہے کہ یہ مطمئنہ مقابلہ میں خبیثہ کے ہے (یہ اصطلاحی مطمئنہ نہیں جو لوامہ، امارہ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے ۱۲ نصیر احمد) دوسرا خبیثہ ہے اور وہ کافر کا ہوتا ہے، مؤمن کا نفسِ خبیثہ نہیں ہوتا۔ لہذا جو واقعی مؤمن ہے موت کے وقت اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا

ایمان پر خاتمہ ہو رہا ہے۔

فرشتہ جو ہر مومن کی جان نکالتا ہے، وہ اس کو خطاب کرتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** بس کیا غم کھایا **إِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ** اور لفظ **نَفْسٍ مَّوْنُثٍ** ہے تو صفت بھی **رَاضِيَةٌ** مَوْنُثٍ لائے، اے نفس چل، **لَوْ لَوْ** رَجوع کر، کہ تو رَجوع کرتا رہتا تھا، کیا سمجھے؟ تو رَجوع کرتا رہتا تھا! کہ اگر تجھ سے کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو رَجوع الی اللہ کرتا رہتا تھا، کوئی غلطی ہو تو بھائی مجھے معاف کرتے رہنا، فقیر ایسی ہی باتیں کیا کرتا ہے، تو کر گذرتا تھا، کر گذرتا تھا، لیکن حفاظتِ ایمان اب تک ہے تو رَجوع کرتا رہتا تھا، کبھی زبان سے کرتا تھا، کبھی دل میں کرتا تھا تو رَجوع کر **إِرْجِعِي** چل تو تو رب کو راضی رکھنے والا تھا، جب کوئی بات ہوگئی خلافِ راضیہ کوئی بات ہوگئی تو تو اس رب کو مناتا رہتا تھا۔

حضرت مجددِ ملت حکیم الامت قدس سرہ کا ارشادِ گرامی :

حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نہیں روٹھتے، تم روٹھتے ہو، تم منالو، وہ راضی ہو جاتے ہیں، ذرا سی دیر میں بات بن جاتی ہے، زبان سے بھی کہنے کو نوبت نہیں آتی، ہاتھوں کے بھی پسارنے کی نوبت نہیں آتی، دل میں شدت سے ندامت آگئی، من گیا من گیا، مومن جب بیمار ہو جاتا ہے، جب بیماری طول پکڑ لیتی ہے، اس کے سامنے موت تو ابھی آئی نہیں مگر موت دل میں آگئی، اب اپنے کئے ہوئے پر کوئی مومن ایسا ہے جو پچھتا تا نہ ہو؟ اندر ہی اندر کٹھن ہو رہی ہے اور یہی پچھتا تا ہے، یہی ندامت اور توبہ ہے، تو یہ بیمار بیماری کی حالت میں تائب ہو رہا ہے، **الْتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ** **الْأَذْنَبَ لَهُ** ادھر حالتِ رضا ہوگئی اور ادھر حالتِ مرض ہوگئی لہذا تو رضاء کی حالت میں اس کی طرف چل اور اس کی طرف سے تو اپنی مرضی کی حالت میں چل، نہ غم کی ضرورت

ہے اور نہ خوف کی ضرورت ہے، چل یَاٰیٰتِهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اَرْجِعِيْ اِلٰی رَبِّكَ رَاٰضِيَةً
 مَّرْضِيَّةً چلو چلو، پھر اس کی روح نکل جاتی ہے، اور پھر بشارت ہوتی ہے فَادْخُلِيْ فِيْ
 عِبَادِيْ کہ جو میرے مخصوص بندے ہیں ان میں داخل ہو جاؤ، یہاں جو عبادی فرمایا
 عبادی تو سارے بندے ہیں مگر کلام کا سیاق کیا کہہ رہا ہے؟ وہ آپ کے بندے کون
 سے ہیں؟ کافر؟ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ، سیاق کلام کہہ رہا ہے ان عباد سے مراد کیا ہے؟
 فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ، ان کا محل کیا ہے؟ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ وہ محل جنت ہے، وہ میں نے
 تمہارے لئے تیار کر رکھا ہے، اس میں جاؤ۔ یہ ہے استقامت نفسِ ایمان پر لفظ مشتق
 استقامت پر دال ہے اللہ تعالیٰ ہمارا ایمان آخر دم تک آخر سانس تک بعزت و عافیت
 رکھے۔



اٹھارہویں مجلس

آثارِ توحید و معرفت

مورخہ ۳۰ رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۶ فروری ۱۹۹۱ء بروز شنبہ بوقت صبح

ذاتِ معصوم کے ساتھ لپٹنے سے پُر از معاصی معصوم بن گیا، معصوم کے چمٹنے سے جو دوزخ میں پُر از معاصی جا رہا تھا، یہ معصومیت سے مبدل ہو گیا، اپنی طرف کھینچ لیا، لپیٹ لیا۔

ملبوسِ موسوی کی مشابہت کا ثمرہ :

اور جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لپٹے بھی نہیں بلکہ حضرت موسیٰ کا جو لباس تھا اُس لباس کی نقل اپنے جسم پر کر لی تو ذات باری تعالیٰ کو غیرت آ گئی کہ میرے محبوب کا لباس اختیار کرے اور پھر اسے دوزخ میں بھیجوں، تو تمام عمر کے گناہوں کو اس لباسِ مشابہِ ملبوسِ موسیٰ کے ساتھ ہونے سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایمان کی توفیق دیدی۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس ان کے جسم پر نہیں آیا، وہ صرف لباس کی شکل اختیار کر کے اپنے جسم پر کر لی تھی، مثل ملبوسِ موسیٰ ہو گیا، تو ان کے کفر کو مسل کر

رکھ دیا، اس لئے پُر از معاصی معصوم ہو گیا، لہذا جب جنت میں جائے گا، تو معصوم بن کر جائے گا عاصی ہو کر نہیں جائے گا۔ اس لئے کہ مؤمن ہو کر اس کو آس تھی اگرچہ عاصی تھا مگر آس تھی حسن ظن لے کر آیا ہے اس لئے اس کی وجہ سے مبدل بعصمت کر کے جنت میں داخل ہو کہ جیسے تم یہاں سے گئے تھے معصوم بنا کر داخل جنت کیا جاتا ہے۔

کینہ کی بوجھی و خولی جنت سے مانع ہے :

ہاں اگر کسی میں کچھ کھلی سی عصیان کی رہ گئی جیسے کہ حسد یعنی کینہ تو جنتی روک دیا جائے گا کہ جنت لڑائی کا گھر نہیں ہے، تمہارے اندر تو حسد کی بو آ رہی ہے پھر ذاتِ باری تعالیٰ اس سے کینہ کی بو کو دور فرمادیں گے اور عصمت کی خوشبو آ جائے گی۔ اب فرمائیں گے کہ جاؤ جنت میں، اور ایسے خوش ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ باوجود اس کے بو ہونے کے کہ خود اس کو دھور ہے ہیں جیسے بچے کو ماں دھوتی ہے۔ تو ذاتِ باری تعالیٰ بھی اس کو دھور ہے ہیں اور یاد دلا رہے ہیں کہ بچہ! تو یہیں سے گیا تھا، جاؤ اب چلا جا دنیا میں اس لئے بھیجا تا کہ دیکھو ہر وقت کیسے یاد رکھتے ہو، ہمارا کیا سنتے ہو؟

عرفانِ حق کے بعض آثار :

عابد ہونا تو بہت آسان ہے مگر عارف بننا بہت مشکل ہے۔ یہ ہیں عرفان کی باتیں کہ آدمی اپنے گناہ کو بھول جاتا ہے، بیماری کو بھی بھول جاتا ہے، کمزوری کو بھی بھول جاتا ہے، جوانی آتی ہے اور عرفانِ حق کا حظ حاصل ہو جاتا ہے۔

معرفت کی فطری مثالیں :

یہی تو غلطی ہے کہ بیٹے نے یہ تو جان لیا کہ ہاں یہ میرا باپ ہے لیکن ابھی

بیٹے کو باپ کی معرفت نہیں ہوئی اس لئے جس طرح بیٹے کو پیش آنا چاہئے تھا پیش نہیں آیا۔ اور جس دن بیٹے کو معرفت ہوگئی بس اب اس کی نظر میں کوئی نہیں اگر مار بھی لے تو خوش، پیٹ بھی لے تو خوش کہ میرا باپ ہے کیا بات ہے، کوئی ڈر نہیں۔ میرا باپ ہے محبت سے مار رہا ہے خاموشی سے پٹ رہا ہے کہ مجھے آگے بڑھانا چاہ رہا ہے میرے فائدے کے لئے مار رہا ہے گھر سے تھوڑی دیر کے لئے نکال رہا ہے، زیادہ دیر کے لئے بالکل ہی نہیں نکالا ہے۔ ایسے بھی سعادت مند ہوتے ہیں کہ باپ نے نکال دیا وہ کہہ رہا ہے کہ یہ تو مجھے اور مہذب بنانے کے لئے ہے تو ایسے باپ کی مار سونے پر سہاگہ، پیار کی مار کے پیاری پیار کرنے سے اچھی ہے۔ جس دن یہ سمجھ لے گا تو اس دن مار پر پیار آئے گا، دیکھئے ماں مارتی ہے اور دوسری عورت اس کو گود میں سے لینا چاہ رہی ہے لیکن اس کے باوجود بچہ ماں کی چھاتی سے چمٹنا چاہتا ہے۔

جب مخلوق کا مخلوق کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو خالق کے ساتھ معاملے کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا پھر وہ بات یاد کر لو شریعت طبیعت ہو جاوے، طبیعت شریعت بن جائے۔

یحبہم و یحبونہ کا مصداق حقیقی :

جب شریعت طبیعت بن جاوے اور طبیعت شریعت، پھر تو اللہ تعالیٰ نے بچہ مؤمن کو گود میں لے لیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **مَنْ تَقَرَّبَ إِلَىَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ فِدَاعًا** (الحدیث) کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ مؤمن کو گود میں اٹھا لیا۔ چونکہ بچہ میں فریب نہیں ہوتا اس کے باطن میں خلوص ہی خلوص ہوتا ہے تو اماں طمانچہ مار رہی ہے اور بچہ ماں کی چھاتی سے چمٹ رہا ہے۔

عارفانہ انداز میں اظہارِ حقیقت :

جن کو شہید کرانا تھا شہید کرادیا اور جن کو بچانا تھا غازی بنا کر بچا دیا اور مار لو تم تھوڑا ہی مار رہے ہو اور مضبوطی آگئی۔ تم تھوڑا ہی مار رہے ہو ہاں ہمیں یقین ہے قرآن شریف میں ہے وَمَا تَشَاؤُنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ اور تم نہیں چاہتے کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

مشرک اور مؤمن کے یقین میں فرق :

تو مؤمن کو یہ یقین ہو جائے کہ یہ ضرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آیا ہے کیونکہ ہر مؤمن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نافع اور ضار ہے۔ اور ضرر یقینی طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اسی کی طرف سے آیا ہے پھر بھی وہ نہیں چھوڑتا تو حید کو اور اگر مشرک و کافر کو یقین ہو گیا کہ جس کی میں پوجا کر رہا ہوں اُس کی طرف سے ضرر آیا ہے تو اُس کو اٹھا کر پھینک دیا کہ میں تیری عبادت کرتے کرتے مر گیا اور تیری طرف سے یہ ضرر۔ اور اسی کا بیان سورہ مدثر میں ہے :

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبِّكَ فَكْبِرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد رہو) پھر (کافروں) کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو۔ (جس طرح اب تک الگ رہا)

تو مؤمن کی توحید ایسی چیز ہے، تو رسول پاک ﷺ کی توحید تو بطریق اولیٰ، بھلا آپ سے اونچا اور کون ہوگا اور پھر ایسی ذات کو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں :

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ..... الخ

عظمتِ توحید :

توحید اتنی پاک کہ وَثِيَابَكَ فَطَهَّرُ کہ جو کپڑا بدن پر ہے جب شریف الطبع، نظیف الطبع میلے کپڑے کو ذرا بھی کہیں اگر کچھ لگ جائے تو گوارہ نہیں کرتا تو موحد کی توحید میں شرک کا نقطہ کیسا؟ یہ اشارہ ہے اہتمامِ شانِ توحید کی طرف کہ یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ معصوم کو بھی جو شروع ہی سے مجتنب ہے، اس کو بھی شرک سے بچنے کا حکم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ توحید اتنی اعلیٰ و افضل اور پاکیزگی کی چیز ہے کہ معصوم کو بھی کہا جا رہا ہے کہ اس کی بوجہ نہ آنے پائے جیسے میلے کپڑے کی بو کہ سفید کپڑے پر نقطہ لگ گیا فی الفور دھور ہا ہے تو یہ ہے معرفت، رہی عبادت عبادت تو ایک طریق بن جاتی ہے معرفت کی زیادتی کے لئے مخلص عبادت ہی سبب، ذریعہ اور وسیلہ بن جاتا ہے معرفت کا۔

محبت و معرفت کے تقاضے :

قرآن پاک میں دو ہی چیزیں ہیں ذکر اور فکر، ذکر سے محبت اور فکر سے معرفت، اور جس دن معرفت آگئی تو ذاتِ باری تعالیٰ کو وہ یقین کرتا ہے کہ جیسے وہ نافع ہیں وہ ضار بھی ہیں اور حقیقتاً جو یہ ضرر مجھ کو آیا ہے اس کی طرف سے آیا ہے۔ لہذا نافع ہونے کے درجہ میں ہے نافعیت ہے میرے لئے۔ اس ضار کی طرف سے ضرر بھی اس کی نافعیت سے زیادہ نافع ہے میرے لئے۔

معرفتِ الہی کا اثر :

مگر معرفتِ الہی کا تقاضا ہے کہ ضرر ضار کی طرف سے آئے تو سمجھے کہ یقیناً

یہ تو نافع کی نافعیت سے زیادہ نافع ہے۔ اس لئے کہ عروج ہے ترقی ہے اس میں چھٹائی ہے کسر کو نکالا جا رہا ہے، سطح کو صاف کیا جا رہا ہے، مہذب بنایا جا رہا ہے، مرزا جانِ جاناں کو دعوتِ پیش کی کھانا سامنے ہے مگر کھاتے نہیں، حضورِ نوشِ جان فرمائیے یہ فرش ذرا سا کچھ اوپر کو اٹھا ہوا ہے، خلجان ہے کیسے کھاؤں، دیکھا تو فرش کے نیچے ایک کنکری ہے اس کو نکالا، صفیں ٹھیک ہو گئیں، کھانا شروع کر دیا۔

مخلوق سے قطع اور ذاتِ حق پر نظر :

اللہ تعالیٰ اسی لئے مومن سے وسائل کو ہٹاتے ہیں، قلباً تم کس جھگڑے میں پڑے ہو، تم کدھر متوجہ ہوئے، کدھر التفات کیا تم نے محبوب کی گود میں بیٹھ کر خلوت میں کس غم میں پڑ گئے، کس خیال میں پڑ گئے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزْمَلُ كَاشَانَ نَزُول :

دارالندوہ میں مشورہ کے لئے مشرکین وغیرہ جمع ہو گئے اس محمد ﷺ کے لئے کوئی خطاب تجویز کرو۔ کسی نے کہا کہ کاہن کہو کسی نے کہا شاعر کہو کسی نے کہا مجنوں کہو کسی نے کہا ساحر کہو۔ اس لئے کہ سحر میں دوست کو دوست سے جدا کرنا ہوتا ہے، ہماری آپس کی دوستی تھی ان کے کلام سے جدائی پڑ گئی۔ یہ بات حضورِ اکرم ﷺ کو پہنچ گئی بتقاضہ بشری ملال آ گیا چادر لپیٹ کر لیٹ گئے تو جس صفت میں تھے اسی صفت سے اشتقاق فرما کرتا کہ تائیس وملاطفت ہو جائے، يَا أَيُّهَا الْمُزْمَلُ فرمایا جیسے حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ کی کچھ بات ہو گئی ذرارنجیدہ ہو کر مسجد نبوی کے فرش پر لیٹ گئے، مٹی تھی، آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کو ابوترا ب فرمایا تھا۔ غرض آپ ﷺ کو خطاب ہے

کہ ان باتوں کا رنج نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ کی طرف دوام و زیادت کے ساتھ توجہ رکھو، یہ کیا ہوا؟ واسطہ سے نظر ہٹاؤ جو خیال آ جائے ان کی ملامت سے ملالیت، ملولیت کا اس سے بے التفات ہو جاؤ۔

وساوس و خیالات غیر اختیاری کے دو قرآنی علاج :

جتنے خیالات غیر اختیاری اور جتنے وساوس غیر اختیاری اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہے ہیں جہاں بے خیالی اور بے التفاتی سے کام نہیں چلتا تو اس کا علاج بتلا دیا کہ دوسرے کام میں لگ جاؤ، گویا تعاون ہو گیا، ایک تو وہ اعانت بے التفاتی اور اس اعانت کے ساتھ کام کی مشغولی تو وہ تعاون میں معاون ہو گیا اور وہ بے التفات و بے خیال ہو گیا، رنج و ملال ختم ہو گیا، یہ تمامی وساوس کا اور تمام غیر اختیاری خیالات کا علاج ہو گیا، لوگ خیالات کو پالتے رہتے ہیں، وساوس کو پالتے رہتے ہیں، علاج نکل آیا، اس سُوْرۃ مُزْمَل کے رموز سے، آواز دی یٰٰیہَا الْمُزْمَل، اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پھر فرمایا: قُمْ۔ کہ اے نبی! رات کا وقت ہے اُٹھ جاؤ، اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔

مدثر اور مزمل کا فرق :

وہاں کہہ دینا یٰٰیہَا الْمُزْمَل اور یہاں یٰٰیہَا الْمُدَّثِر کوئی چیز اندر نہیں ہے اوپر سے کپڑا لپیٹ لیا (یہ مزمل ہے) اور کوئی چیز اندر ہے اس پر لپیٹ لیا، یہ مُدَّثِر ہے یہ فرق ہے مزمل کا اور مدثر کا یہ دثار سے ہے جیسے چادر شیروانی جبہ وغیرہ۔ قرآن شریف کی آیت یٰٰیہَا الْمُزْمَل نازل ہوئی، اس وقت تو آپ نے یوں کہا تھا کہ میری عبادت میں لگ جاؤ میری طرف متوجہ ہو کر ذکر میں لگ جاؤ، اب یہاں کیا کروں؟ جب بھی کہا تھا یٰٰیہَا الْمُزْمَل، اور اب یہ کہہ رہے ہیں یٰٰیہَا الْمُدَّثِر

کیا کروں؟ جب بھی آپ نے کہا تھا، کیا کہا تھا؟ قم، اب بھی کیا کہہ رہے؟ قم، جب آپ نے قم کہا تھا تو کہا تھا میری عبادت کرو، ہاں اب دوسرا موقع ہے جب تم کو اپنے کام میں لگایا تھا، اب دوسرے کے کام میں لگانا چاہتا ہوں۔

نفع متعدی کے لئے شرطِ اوّل فتوتِ علم :

اب دوسروں کے کام میں لگانا چاہتا ہوں، وہ کون سا کام ہے؟ اب تم میں فتوت آگئی عبادت کرتے کرتے، ادھر میری طرف توجہ کرتے کرتے عجائب و غرائب دیکھنے سے تمہارے اندر فتوت آگئی، اب دوسروں کو میری طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

خدمتِ خلق کے لئے ذاتی کام میں تخفیف :

اب آپ کا جو ذاتی کام تھا وہ ہلکا ہو گیا تمہارا ذاتی جو کام عبادت کا تھا تصفیہ اور تزکیہ کا ریاضت و مجاہدات کے ساتھ، عبادتِ جسمانی وغیرہ کے ساتھ، وہ تو اب تمہارے لئے ہلکا ہو گیا۔ اس لئے کہ دوسرے کی خدمت اپنے کام میں لگے ہوئے کیسے کرو گے تو آپ کی ذات سے جو کام تھا وہ ہلکا ہو گیا، تم کو تو دوسروں کے کام کے لئے میں نے بنایا ہے، پس اس طرح سے کہ اپنے کام کو بھولو نہیں اور ہلکے ہو جانے سے گھبراؤ نہیں۔

اب ایک شخص دو کام کیسے جمع کرے گا کہ یہ بھی کرے، وہ بھی کرے اب وہ کام تمہارے لئے ہلکا، دوسرا کام جو تم کرتے تھے ہلکا تو ہو جائے گا مگر گھبرانا مت کہ تم تو میری بہت عبادت کرتا تھا، تمام رات جاگتا تھا، میری عبادت میں لگتا تھا۔

وہ ثواب اب بھی مل رہا ہے کثرتِ عبادت اور تکثیرِ ذکر کہیں نہیں گیا۔ وہ تو

موجود ہے، کیونکہ حکم کے تحت ہی تو تم کو کہا تھا تو مجھے تخفیف کرنا ہوگی۔ جب حکم ہوا، اب کیا کروں وہ تو عبادتی کام تھا اب کیا کروں؟، اٹھو دوسروں کو دعوت دو۔

أمر بالإنذار کی وجہ :

یہاں تبشیر کو اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ آیت ابتداء زمانہ نبوت کی ہے، اس وقت ان کے دل بڑے پتھر کے تھے بتوں کی عبادت کرتے کرتے ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔ ابھی ان کے لئے انذار کی ضرورت ہے، ابھی ان کے لئے ترہیب کی، تحذیر کی ضرورت ہے۔ ان کے لئے دلائل ہیبت، قیامت کے احوال کی اور میدانِ محشر کی بڑی بڑی ہولناکیوں کی شدید ضرورت ہے۔ ان کو ڈرائیے انکے دل زیادہ نرم ہوں پھر آوے گا تبشیر کا کام۔

برنگِ عارفانہ فقیرانہ باتیں :

یہ کام ہے اس کام میں لگ جاؤ بس اب تمہارے اندر باطن کے اعتبار سے بڑی پختگی آگئی ہے، اب یہ کچھ ہی کرتے رہیں ملامت کی باتیں اور کچھ بھی آتی رہیں آپ کی خدمت کی باتیں، تو تباہ ختم ہو گیا، تمہارا غم ختم ہو گیا، پختگی آگئی۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔

سورہ مدثر کی اول آیتوں کی تفسیر :

اب انتظار نہ کیجئے گا، انذار کیجئے، یہ تفسیر تعبیری ہے۔ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، آگے فانذِرْ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ۔ اپنے رب اپنے پالنے والے کے بڑائیوں پر بڑائیاں بیان کیجئے، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ کتنا بڑا ہے، من حیث الذات من حیث

الصفات وہ کیسا بڑا ہے۔ اور جو ایسا ہے وہ قابلِ خشیت ہے **هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَ أَهْلُ الْمَغْفِرَةِ** وہی ہے، ڈرنے کے قابل جو ایسا ہے تو اس کی بڑائیاں اس کی ذات اس کی صفات کے ساتھ بیان کیجئے، تاکہ ان کے اندر اندازیت آجائے۔ ان میں تقویت آجائے گی، جب تقویت آجائے گی تو پھر بشارت کی بات ہو جائے گی، اس وقت تو ان کے پتھر دلوں کو انداز کی ضرورت ہے۔

اثباتِ توحید کا طریق :

اور اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے رب کی عظمتِ شان بلا نشان بڑے عظیم الشان ہونے کو **من حیث الذات** من حیث الصفات ان کے سامنے پیش کیجئے اور پھر پوچھ لیجئے گا کہ کوئی ایسی ذات ہے ایسی کوئی صفات والا ہے؟ پھر وہی اگر مرجع الخلاق نہیں تو اور کون دوسری ذات ہے؟ یہ ترتیب ہے ترتیب دیکھئے، ربط و ضبط ملاحظہ فرمائیے، لہذا ہم آپ کو مُنذر بنا چکے اور مُنذر بنا کر بھیج رہے ہیں، دلوں کے اندر انداز پیدا کرنے کے لئے استعداد پیدا کرنے کے لئے۔ لیکن اس کے باوجود اور باتوں کی طرف گو توجہ دلانے کی ضرورت نہ ہو مگر توجہ دلا دی ایک توجہ ظاہر کی طرف اور ایک توجہ باطن کی طرف شفقت کے ساتھ۔

قرآن پاک کا ترجمہ الباب :

چونکہ قرآن پاک کا ترجمہ الباب ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ ہے، تو سارا قرآن رحمت و شفقت سے مملو ہے جس کا ظہور ہر ہر آیت سے ظاہر باہر ہے، لہذا توجہ دلا دی کہ اپنے کو بیدار رکھنا، اپنے کو بیدار سے بھی بیدار رکھیے، اس میں کئی باتیں ہیں ظاہر کو بھی ذرا کچھ بچایا کاموں سے ذرا غور کرو، کیونکہ وہاں تو کیا ہو چکا ہے؟ سارا

ترکیہ ہو گیا ہے۔ اب اچھا پہنانا چاہ رہے ہیں، اچھا کھلانا تو کبھی کبھی اور اچھا پہنانا تو ہر وقت کا ہے، تو اس مضمون کا ارشاد ہوتا ہے وِثْيَابِكَ فَطَهَّرْ۔ پورا جوڑا، سر سے لے کر پاؤں تک پاکیزہ ہی پاکیزہ۔

مہمان اور میزبان کے لئے طریقِ سنت :

مسئلہ نکل آیا کہ جب مہمان بن کر کہیں جانا ہے اگرچہ کل کپڑے پہنے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دئے ہیں تو آج دوسرے کپڑے پہن کر جاؤ اور مہمان آ رہا ہے تو کل کے کپڑے پہنے ہوئے اتار کر دوسرے کپڑے پہنو، اس مہمان کی خاطر کہ آ رہا ہے یہ ہے طریقِ سنت، وَيُرَقِّعُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ۔ حضور ﷺ اپنے کپڑے میں پیوند خود لگا لیتے، سب کے پیوند لگوا دو۔

صدر مدرس کا وصف خاص :

مدارس عربیہ دینیہ میں صدر مدرس بڑی شان کا ہونا چاہئے، اندر فقیری لئے ہوئے ہو، اور باہر سے شاہی میں ہے۔ جب صدر مدرس کو اس طرح ہونا چاہئے تو مہتمم کو تو بطریقِ اولیٰ ایسا ہونا چاہئے، ورنہ مانگتے پھرو! کرتے پھرو چندہ۔

اہلِ مدارس کو خطاب :

یا اہل المدارس! اندر سے مٹایا نہیں اپنے آپ کو اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنے آپ کو مٹا دیا۔ بس یہی وہ طور و طریق ہے جن کو دیکھ کر اہل دنیا عالمِ دین سے متنفر ہو گئے بہر حال علماء کا طرز وہ ہونا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کا طرز تھا اور حضور ﷺ کو تو سورہ مدثر میں یہ حکم ہے، وَثِيَابِكَ فَطَهَّرْ پورا جوڑا یعنی اوپر سے لے کر نیچے صاف

شفاف ہو گئے، صاحب الوجاہت بھی، تو منتظم کو ایسا ہونا چاہئے اور سپہ سالار کو بھی کہ جسم کا بھی حق ہے، قرآن شریف میں سورہ مدثر میں اپنے نبی عربی ﷺ کو ملاحظہ فرمایا ہے، لہذا تم کو جس کام پر لگایا ہے، اس کام کو کرنا ہے، اور اپنے ظاہر جسم کے اندر بھی ظاہری وجاہت لئے دھوتے رہو کہ دیکھنے والے بھی اچھا سبق لیں۔

دین کا علم جس کو علم الہی کہتے ہیں وہ شاہی سکھاتا ہے فقیری نہیں سکھاتا، ظاہر میں تو شاہیت سکھاتا ہے اور باطن میں مسکنت سکھاتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا :
اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَسْكِينًا بادشاہ ہو کر یہ دعا۔ آپ بادشاہ تھے مگر دعاء کیا کر رہے ہیں کہ زندگی بھر طبیعت میں مسکنت رہے بڑائی کی بو بھی نہ آنے پائے۔

دُعا کا مفہوم :

اللہ زندہ رکھ مجھ مسکین کو اس دُعا کے معنی خاکساری (اور طبیعت کی عاجزی) کے ہیں، فقیر، غریب اور محتاج اور بھیک مانگنا نہیں، دل میں خاکساری، اور شریعت پر عبور اور پورا عمل ہو، تو اس دعا کے معنی ہیں دل میں خاکساری ہو۔

کپڑے تو ہر وقت کی بات ہے کہ صرف دعوت یا مہمانی ہی کے لئے اچھے کپڑے ہوں یہ نہیں بلکہ کہیں بھی رہے یا جائے لباس اچھا عمدہ ہی رہے، تو جسم کپڑوں کے ساتھ پاک صاف ہو کر عمدہ طریقہ سے سر سے لے کر پیروں تک نہایت پاک و صاف عمدہ ملبوس ہو کر جاؤ۔

شیخ سعدی کی حکایت سے عمدہ سبق :

شیخ سعدی بڑے چلبے تھے، کہیں تھی دعوت، شیخ بھی پہنچ گئے منزل پر، اب سب روشن اور اچھے اچھے کپڑے گویا وَ ثِيَابِكَ فَطَهَّرُ پر عامل، اچھے اچھے کپڑے

پہنے ہوئے بڑی خاطر ہو رہی ہے ان کی۔ اور شیخ سعدی کو کوئی پوچھتا ہی نہیں چھوٹی موٹی اچکن وغیرہ پہنے ہوئے تھے، اور جو اچھے اچھے معطر لباس میں تھے، ان کے ساتھ یہ خاطر داری کہ یہ کھائیے گا وہ کھائیے گا، یہ رکھ دیا وہ رکھ دیا، شیخ سعدی دیکھتے رہے۔

پھر اور کہیں ہوئی دعوت، تو اس دن چلے گئے بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ، بڑے اچھے کپڑے پہن کر چلے گئے، اب جہاں اوروں کی پوچھ ہو رہی ہے، ان کی بھی پوچھ ہو رہی ہے، اور ذرا تفریح طبع کے تھے، ظریف الطبع تھے، اب جو لقمہ اٹھائیں تو آستینوں کی طرف بھرنے لگے، لوگ سوال کرنے لگے کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں تو حضرت شیخ نے فرمایا: ہمیں اُس دن بھی میں ہی تھا اس دن بھی میں ہی ہوں، تو میری سمجھ میں آ گیا کہ خاطر کپڑوں کی ہے آدمی کی نہیں، اس لئے میں کپڑوں کو کھلا رہا ہوں، اس پر لوگ شرمائے گئے، شیخ نے انہیں شرمادیا۔

انتباہ :

لوگوں کی زبانوں پر بھی آتا ہے کہ دیکھو فلاں صاحب کو جیسے بہشتیلا کچھلا ہوتا ہے، سمجھ لو کہ کہاں جا رہے ہو، اسی اعتبار سے اپنے کپڑوں کو تم خوب عمدہ پاکیزہ ستھرا رکھو، جب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پہن کر جاؤ، اور آپ ﷺ کو تو خوب دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ پہلے یتیم تھے اور اب تم کو مالا مال کر دیا، لہذا **وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**، ہاں تحدیث بالنعمة کے طور اپنے ظاہر حال کی عمدگی کے ساتھ رہنا، سہنا، چلنا، پھرنا ہو، سکون و وقار کے ساتھ، وجاہت و انسانیت کا جامہ پہن کر جاؤ، یہ ہے طریق سنت رسول اللہ ﷺ۔

حضور ﷺ کے امیرانہ اور غریبانہ لباس میں حکمت کا پہلو :

آپ ﷺ نے باوجود امیر ہونے کے بھی پیوند لگایا اس کی وجہ ہے، اور آپ ﷺ نے کم قیمت کی چیز کو پہنا، آپ ﷺ نے ہلکی چیز کھائی، بڑھیا بھی پہنا مگر عادت نہ ہو اور اچھا بھی کھایا مگر اس کی وجہ ہے۔ تاکہ امیر غریب کو طعنہ نہ دے سکے اور غریب ایسے لباس والے کو تکبر اور حقارت سے نظر نہ کرے، غریب کی دلداری کی کہ وہ اپنے حال پر رنجیدہ نہ ہو، سوچ لے کہ میرے رسول پاکؐ ایسا پہنتے تھے، میرے رسول ﷺ پہنتے تھے اسی طرح قیمتی لباس پہننا تو امیر کی حوصلہ افزائی فرمائی، غریب کی بھی اصلاح، ادھر امیر کی بھی اصلاح، کیا حضور ﷺ نے مرغی نہیں کھائی؟ کیا یمن کا کپڑا نہیں پہنا جو غیر ملکی تھا؟ اچھا بھی کھا کر دکھلا دیا، اچھا پہن کر بھی دکھا دیا، اور پیوند شدہ جوتہ اور پیوند شدہ کپڑا بھی پہن کر دکھلا دیا، دونوں کی اصلاح ہو گئی۔

غوثِ پاکؒ کا ایسا قیمتی لباس کہ بادشاہ بھی خرید نہ سکا :

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی ایسا کپڑا پہن رہے ہیں کہ جس کو بادشاہ بھی نہ خرید سکا۔ روز مرغ پلاؤ کھا رہے ہیں مشہور ہے کہ حضرت غوث پاکؒ نے جیسا اچھا کھایا ایسا اچھا کسی نے نہیں کھایا اور جیسا اچھا انہوں نے پہنا ہے اور کسی نے نہیں پہنا۔

ظاہر کی عمدگی :

اسی لئے ضروری ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کہ ایسے کپڑے پہنو، تو اپنے ظاہر کو سنوار کر رکھیے۔ ظاہر کی صفائی کو بھی نہ بھول جاویں، اور باطن کی طرف سے بھی اغماض اور اس میں اضمحلال نہ آنے پاوے۔ آگے فرمایا وَالرُّجُزَ فَاهْبِجْهُ بتوں

کو چھوڑے رہو، شرک کے پاس نہ جانا، فہجر پوری ہجرت شرک سے پوری ہجرت۔

فہجر اور فاترک میں فرق :

یوں نہیں کہا کہ وَالرُّجُزَ فَاتْرُكُ، پس شرک چھوڑ دو نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: فَاهْجُرْ کہ بتوں سے الگ رہو، بدستور سابق توحید پر دوام رکھو، وَالرُّجُزَ فَاتْرُكُ، تب ہی بڑے بڑے عقلاء، فصحاء، بلغاء نے ہتھیار ڈال دیئے کہ آج یہ عجیب بات فرمائی، بتوں کے چھوڑنے اور شرک کو چھوڑنے کے لئے بجائے لفظ فاترک کے فہجر فرمایا گیا ہے۔

ہجرت بڑی مصیبت ہے مثلاً آپ ایک گھر میں رہتے ہیں، اب دوسرا گھر برابر میں آپ لے رہے ہیں بفضلہ تعالیٰ ابھی ذہن منتقل ہوا۔ تو پہلے اس کو ٹھیک کرو، پہلی مصیبت، پھر سامان کو یہاں سے وہاں منتقل کرو، پھر سامان کو اس کے قرینہ پر رکھو، ایک اچھی خاصی مصیبت ہوگئی، تو باہر سے بھی ہجرت اور اندر سے بھی ہجرت۔

غیروں کی مشابہت سے بچنا چاہئے :

تو پہلے تم جیسا پہنتے تھے اب وہ پہننا چھوڑ دو، تم مسلمان ہو مؤمن ہو کسی دوسرے کی بونہ آنے پاوے تمہارے پہناوے میں۔ دور سے ہی ظاہر ہو جاوے کہ مؤمن آ رہا ہے مسلم آ رہا ہے۔ وہ سب چھوڑ دو ہجرت کرو، اس ظاہر حال سے بھی ہجرت کرو اور دوسری چیز استعمال کرو ایسے ہی باطن کہ آپ کا باطن چونکہ آپ نبی ہیں رسول ہیں شروع ہی سے پیدائش ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت پر ہیں، شرک سے آپ کو کیا کام اور شرک کا آپ کے کیا مناسبت۔ آپ تو شروع ہی سے معصوم ہیں اور معصوم ہی رہیں گے، لیکن پھر بھی کہہ رہا ہوں، دیکھئے جہاں احتمال ہی نہیں وہاں بھی

ایسی ممانعت ہے، گویا فرما رہے ہیں کہ اگرچہ آپ پہلے ہی سے بچے ہوئے ہیں، پھر بھی کہہ رہا ہوں کہ دوسری طرف مشغول ہونے سے اپنی طرف سے کچھ اضمحلال آجاتا ہے، کچھ غفلت سی آجاتی ہے کہ دوسری طرف توجہ ہوگئی ایک ساتھ دوسری طرف پوری توجہ میں خلل آجاتا ہے، لیکن آپ ایسے نہیں ہیں اور پھر میں تو معصوم سے کہہ رہا ہوں تاکہ میرے بندے ایمان لاوے تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ جب معصوم کو آپ یوں فرما رہے ہیں، تو غیر معصوم تو بطریق اولیٰ اس کا مامور ہے، اس پر تو اس کی پابندی بطریق اولیٰ عائد ہے۔

تو شرک کی بو سے بچنے کی کتنی اہمیت اور کتنا اہتمام ہونا چاہئے یہ ہے بلاغت کہ بڑے معصوم کو اس طرح کہا جا رہا ہے جہاں احتمال ہی نہیں ہے۔ تو جہاں احتمال اور اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں بطریق اولیٰ بیدار ہو کر توحید کی طرف اہتمام کے ساتھ متوجہ رہے، ایسا کہ شرک کی بونہ آنے پاوے اور یہ شرک کی بو کب نہیں آئے گی، جب مخلوق سے نظر اندازی ہو جائے اور آپ تو پہلے ہی سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں، اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن پھر میں آپ کو اس کا خطاب کر رہا ہوں، ان بچوں کو سمجھانے کے لئے جو آپ کی اُمت ہے میرے بندے ان کو سمجھانے کے لئے۔

توحید کا کامل اثر :

یہ ہے توحید، ظاہر کا بھی خیال رکھو اس میں بھی اضمحلال نہ آنے پائے، شرک کی بونہ آنے پائے اور باطن کا بھی خیال رکھو کہ اس میں بھی شرک کی بونہ آنے پائے۔ بچو شرک سے اور رنگو توحید میں، باطن بھی کہے کہ یہ مؤمن ہے اور ظاہر بھی کہے کہ یہ مسلم ہے۔ صاحبِ توحید ہے تو ایسا موحد کہاں ڈرتا ہے، اس لئے کہ اس میں تو

اس کا ڈر آ گیا وہ سمجھ گیا کہ یہ توحید ذاتی و صفاتی ہے اور یہ مسائل توحید و جودی وغیرہ کے ہیں، وہی محل ہے تقویٰ کا جو اس طرح اعتقاد اور تحقیق کرے گا کہ خلاف قاعدہ شرعیہ نہ ہونے پائے بلکہ اس سے معرفت و قوت ایمانی کی تکمیل ہوگی۔ وہی محل ہے تقویٰ کا اور جو اپنے اندر مسکینیت لے لے وہی محل ہے مغفرت کا تو اس توحید کے باوجود اس موحد میں اپنے پر سے نظر انداز ہو کر اس پر نظر کرے کہ وہی ہے، وہی کیا ہے؟ **هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ**، اور وہی ہے، کیا ہے؟ **أَهْلُ الْمَغْفِرَةِ**، اپنے پر سے نظر ہٹ گئی اس پر نظر جم گئی۔





انیسویں مجلس

جوہر تصوف

مورخہ ۴ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۹۱ء بروز چہار شنبہ

اہل اللہ کو محبت پہلے ہوتی ہے، مریدین کو بعد میں :

عشقِ اول در دلِ معشوق پیدا می شود

اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ میں یوں کہوں گا تو یہ تو سب یوں کہیں گے کیونکہ اُن کی فطرت سلیم ہے۔ رہا بعد میں سو وہ جو کہیں یہ تو ان کی بعد کی بات ہے لیکن اس وقت جو میں کہوں گا تو وہ سب یوں کہیں گے، چنانچہ عالمِ میثاق میں جب فرمایا : **السُّتُ بِرَبِّكُمْ؟** تو قَالُوا سب نے متفق علیہ بالا جماع جو قطعیت کا حکم رکھتا ہے کہا : بلی سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں (واقعی آپ ہمارے رب ہیں) (بیان القرآن)

سو بلی کہہ کر بلا سر پر لے لی، اب دیکھوں گا کیسے نبھاؤ گے۔ میں تمہیں وہاں بھیجوں گا جہاں بڑی رنگ ریلیاں ہیں بڑی خوش نمایاں ہیں فریب کاریاں ہیں اور وہ دل کُشا اور فریب کی جگہ ہے وہاں بھیجوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ جو تم نے میرے سامنے ظاہر کی ہے بلی کہہ کر، یہ مجھ پر میرے ساتھ ہی وابستگی و دل بستگی رہے گی

یا نہیں رہے گی؟ مجھے تو معلوم ہے یہی تم کہہ کر آئے تھے؟ کہنا آسان ہے نبھانا مشکل ہے۔

نظیر :

مثلاً لڑکا، مرد جوان ہو کر بیاہ کرتا ہے، شادی کیوں کرتا ہے؟ کیا اس نے شادی سے پہلے اپنا بیٹا ہوا دیکھ لیا تھا؟ نہیں بلکہ معدوم پسر کی محبت، وہی معدوم پسر کی، ولد کی محبت پہلے دل میں آئی پھر اس کا طریق اس نے استعمال کیا جو کہ خارج میں تھا۔

خالق کو بھی مخلوق سے محبت پہلے ہوئی :

تو ایسے ہی پہلے اللہ تعالیٰ کو اس معدوم انسان مخلوق سے محبت ہوئی۔ ذات باری تعالیٰ کا اس معدوم کے ساتھ اول نوال ہے، کیونکہ وہ جو اد ہے، دوم ظہور کمال ہوا، پھر جو نظر گئی تو سوم ظہور جمال ہوا، یہ میرے اور آپ کے لفظ ہیں، جب تجلی ہوئی تو جمال ہوا کہ جس کا نام ظہور ہے، اور ایسی ہستی سے زیادہ فریفتگی اور کس پر ہو۔ خدا کرے کہ وہ آنکھیں پھر ہماری لوٹ کر آجائیں کہ جن آنکھوں سے وہ جمال ظاہر ہوا۔

بادشاہ اور لیلیٰ :

مولانا روم نے ایک دوسرے پیرائے میں اس کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ بادشاہ وقت کو معلوم ہوا کہ کوئی مجنون ہے، اور مجنون کی فریفتگی لیلیٰ کے ساتھ انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، تو وہ بڑی باحسن و جمال ہوگی، حوران بہشت کے مثل ہوگی، میں بھی دیکھوں ذرا، حکم جاری ہو گیا، حکم سلطانی ہو کر حاضر ہو گئی، جب بادشاہ نے دیکھا تو دیکھا یہ تو کچھ زیادہ حسینان میں سے نہیں ہے، مجنوں کو کیا ہو گیا کہ عقل کھودی۔ اسی کو مولانا روم

فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہنا شروع کیا

گفت لیلیٰ را خلیفہ کائن توئی کز تو شد مجنوں پریشان و غوی

بادشاہ نے لیلیٰ سے کہا تو وہی ہے کہ تجھے دیکھ کر مجنوں پریشان و بے عقل

ہو گیا غوی بے عقل پریشان اپنی شان کھو بیٹھا اور کہا

ع از دِ گراں خواہاں تو افرزوں نیستی

تو دوسرے اور بہترین از بہترین خوبصورتوں سے زیادہ نہیں ہے۔

مگر لیلیٰ کے دل میں جو بات تھی پر جوش بر ملا کہہ بیٹھی

ع گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

اسے بھی اک ناز ہے بادشاہ سے کہہ رہی ہے کہ چپ رہو۔ تو مجنوں جیسا

نہیں ہے تو کیسی باتیں کرتا ہے یاد رکھ

دیدہ مجنوں اگر بودے ترا ہر دو عالم بے قدر بودے ترا

اگر مجنوں جیسی تیزی آنکھیں ہوتیں دُنیا تو کیا بلکہ دُنیا و آخرت کو بھی خطرے

میں نہ لاتا۔

ابنِ فارض پر ذاتِ حق کی تجلّی :

اسی لئے حضرت والا (حضرت مجدد الملت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس

سرّہ) نے فرمایا کہ ابنِ فارض ایک بزرگ گزرے ہیں، نزع کا عالم ہے موت کے

وقت آٹھوں بہشتیں ان کے سامنے کر دی گئیں تو انہوں نے رُخ پھیر لیا اور کہا.....

اِنْ كَانَ مَنْزِلِي فِي الْحَبِّ عِنْدَكُمْ مَا قَدْ رَأَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ أَيَّامِي

اگر یہی میری منزل ہے؟ آپ کے نزدیک میری محبت کا یہی منتہا ہے جو

کچھ میں دیکھ رہا ہوں تو میرا زمانہ عمر بیکار گیا، میں نے اپنی عمر برباد کر دی۔
 فی الفور آٹھوں بہشت بہشتی کی نظروں سے غائب ہو کر اور تجلی حق ہو کر
 روح نکل گئی، ذات حق کی تجلی و ظہور، معلوم ہوا کہ اصل مقصود اور ^{مطمح} نظر ذات باری
 تعالیٰ کا منظور نظر ہونا ہے لیکن اس کا محل وہ جنت ہے اس لئے طلب جنت فی نفسہ
 نہیں بلکہ جنت واسطہ ہے اس نعمت عظیمہ دیدار الہی کا، اسی لئے کہہ دیا کہ جنت
 الفردوس کا سوال کرو، جنتوں میں ایک جنت الفردوس ہے، ان جنتوں میں ہر جنت کا
 نام الگ الگ ہے۔

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی عجیب حکایت :

ایک دفعہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب بخاری شریف پڑھا رہے تھے،
 سردی کا موسم ہے، کچھ اوڑھے بیٹھے ہیں، برابر میں آ کر کوئی بیٹھ گیا، اس نے اپنی چادر
 میں سے ہاتھ اندر کر کے اور مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ران میں چٹکی
 خوب زور سے، جتنی لی جا سکتی تھی لی، مولانا اسی طرح پڑھاتے رہے، جب فارغ
 ہو گئے تو وہ شخص سامنے آ کر کہنے لگا کہ حضور میں نے آپ کو ستایا معاف کر دیجئے گا۔ کیا
 ستایا؟ مجھے تو کچھ ستایا نہیں۔ نہیں حضرت میں نے آپ کی ران میں چٹکی لی اور ایسی زور
 سے لی کہ بلا آہ کئے ہوئے کوئی نہیں رہ سکتا تھا، مجھے معاف کرو، اوہو ہو! میں تو یہ خیال کر
 رہا تھا کہ بے چارے کو مجھ سے محبت ہے اور محبت میں چٹکی لی ہی جاتی ہے۔

ایک محب صادق کی لطف آمیز محبت کا بیان :

حضرت والا (حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ)

نے اپنے وعظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی کسی کی محبت میں پھر رہا تھا۔ پیچھے سے محبوب آ گیا اس نے ایسا دبوچا کہ ہڈی پسلی سب آپس میں مل کر ایک ہو جا رہی تھی۔ پوچھا اوہو آپ کو تکلیف ہے جلدی بتلا اگر تکلیف ہو رہی ہو، تو دوسرا قیب ہے میں اس کو دبوچ لوں؟ وہ کیا کہتا ہے.....

دم نکل جائے تیرے قدموں کے نیچے

یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

کیسی بات کہہ رہا ہے، میں کیسے گوارہ کر لوں گا کہ تو دوسرے کو دبوچے۔ یہ واقعہ حضرت والا کے وعظ میں ہے مگر ہو محبت جس کو محبت کہتے ہیں۔

شیخ کی ذاتِ گرامی سے محبت :

اسی لئے سلوک کا مسئلہ ہے کہ شیخ پر سے اس کے کمال و اوصاف سے قطع نظر ہو اس کی ذاتِ تراپی سے محبت ہو۔ کیونکہ کمالات تو یہ خیالی چیزیں ہیں نہ معلوم کس وقت خیال کمال سے ہٹ جائے تو محبت بھی گئی۔

شیخ کے امورِ خانگی سے نظر اندازی :

اس لئے دوسرا مسئلہ ہے کہ شیخ کے خانگی معاملات سے اور خانگی حالات سے نظر اندازی ہو، منافق ہٹ جاتا ہے مخلص و مخلص نہیں ہوتا۔ شیطان کو بھی اقرار کرنا اور کہنا پڑا کہ **إِلَّا عِبَادِكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصُونَ** اسے بھی کہنا پڑا وہ بھی لاچار ہو گیا یہاں آ کر مخلص کے سامنے اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور استثناء کرنا پڑا، **إِلَّا عِبَادِكَ**، کہ جو آپ کے مخلص بندے ہوں گے ان پر میرا قابو نہیں چلے گا، اسی لئے مستثنیٰ کر دیا۔

ذکر کی اقسام :

إِلَّا اللَّهُ كَمَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ شمول ہوتے ہوئے لَا إِلَهَ سِوَاكَ سے ہٹ کر
 إِلَّا اللَّهُ کا ذکر، اس سے بھی لفظ إِلَّا ہٹ کر اللَّهُ اللَّهُ کا ذکر رہ گیا، تکرار تکرار ہوتے
 ہوئے اوقع فی القلب ہو کر اللَّهُ رہ گیا، پہلے ذکر ناسوتی ہوا پھر ذکر ملکوتی ہوا، پھر ذکر
 جبروتی ہوا، اور ذکر لا ہوتی ہوا، پھر وہ ہُو رہ گیا، پھر ہُو اسی کا ظہور ہے، اِلَّا اللَّهُ اوقع
 فی القلب ، پہلے ناسوت ہو گیا تو ذات وجود و جوبی ہوتے ہوئے اوصاف سے بھی
 قطع نظر ہو گیا، پس اب دُعا کرتے ہوئے چلئے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ
 الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ بس اب سیدھے
 سیدھے صراطِ مستقیم پر چلتے رہو۔

تو ایسے شخص سے ہر چیز کی طلب نکل کر رضائے دوست ہی کی طلب رہ گئی،
 اسی کو یوں کہا ہے

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
 کہ حیف باشد از وغیر ازیں تمنائے
 فراق و وصل یعنی قبض اور بسط کیا ہوتا ہے، محض رضائے دوست کی طلب و فکر
 ہو، اس کے سوا کسی اور کی طلب بڑے افسوس کی بات ہے۔

ذکر بلا ترتیب کافی نہیں :

بس اب سیدھے سیدھے چلتے رہو، احوال کا طریقہ ختم ہو گیا، وہ ذات دل
 میں سرایت کر گئی، ذکر جاری ہوا، حالات طاری ہوئے اور وہ ذات ساری ہو گئی، یہ
 ہے ترتیب سوں، با ترتیب ذکر ہوتے ہوتے ذکر جاری حالات طاری وہ ذات

ساری، بلا اس کے ساری نہیں، بلا اس کے سرایت نہیں، ذکرِ بلا ترتیب کافی نہیں، یہ ہے سلوک کا با ترتیب طے کرنا۔

سلوک کو با ترتیب طے کرنا چاہئے :

ایک طالبِ اصلاح، جوان لڑکے نے مستفتیاً حضرت والا کو لکھا کہ میرے والدین میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت والا نے لکھا کہ تم سلوک کو ترتیب سے طے کرنا چاہتے ہو یا بلا ترتیب؟ انہوں نے لکھا کہ ترتیب سے، جواباً فرمایا تو ابھی شادی نہیں، پہلے ایسے ہوتے تھے تابع، شادی کی خوشی کو چھوڑ کر ترتیب سلوک کی شادی منظور یہ ہے ترتیب تو معلوم ہوا کہ اصل تو ذکر ہے۔

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔

ذکر کی انواع مختلفہ کا نام ہی طاعتِ کاملہ ہے :

معلوم ہوا کہ اصل تو ذکر ہے اس کی صورتیں اس کے انواع مختلف ہیں اصل ذکر ہے اور صورِ مختلفہ بانواع انہیں کا نام ہے طاعتِ کاملہ، سب طاعات ذکرِ افراد ہیں، اس لئے کُلُّ مُطِيعِ اللّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے جوا حکام طاعت ہیں جن جن موقعوں پر جس جس طرح سے اللہ ہی کے لئے ان پر چلتے رہنے والا مطیع ہے، پس وہ ذاکر ہے۔

اگر دل میں وہ ذات ساری ہوگئی ہوتی تو کیا باغوں کو ابھی پھل کا نام ہی نہیں پھول آنے پر خرید و فروخت کرنا حالانکہ اس موقع پر منع کا حکم تھا۔ اس ساری ہونے کا تقاضا تو یہ تھا وہ ایسی صورتِ بیع سے بچتا جب موقع پر طاعت نہیں ہے تو وہ حقیقتاً ذاکر

نہیں ہے۔ وہ ذات دل میں ساری بھی نہیں نہ ذکر جاری، ذکر کے معنی دھیان یا اللہ تعالیٰ کی، دل میں یہ کیسا دھیان ہے کہ اس موقع پر دھیان سے کام نہ لیا وہ کیسا ذکر ہے ہر وقت میں ذات باری تعالیٰ کی یاد دھیان دل میں سرایت کر گئی، ہر وقت ذکر اور ذکر کی حقیقت احکام و طاعت ہیں تو بغیر طاعت کیا حیات؟

آیات و علامات سے صحیح پہچان ہوا کرتی ہے تو دل میں سرایت ہونے سے معلوم ہو جائے گا۔ اب ایسے مطیع کا پیران کس درجہ ہوگا، حیران ساری کی طرف اڑا جا رہا ہے پیچھے سے کوئی دھکا نہیں دے رہا ہے بلکہ آگے سے کوئی کھنچے لے جا رہا ہے۔

سالک کی چار قسمیں ہیں :

اسی لئے سلوک میں سالک کی چار قسمیں ہیں سالک محض، مجذوب محض، سالک مجذوب، مجذوب سالک، یہاں وہ مجذوب مراد نہیں جو کہ مجذوب ہو ان (محض مجذوبوں) میں سے کسی کو تکوینی خدمت سپرد کر دی جایا کرتی ہے، وہ نرا مجذوب مراد نہیں ہے، یہ سلوک میں سالک کی قسمیں ہیں، جو نرا مجذوب ہو کہ اس کو ٹھیرا دیا اس کو ٹھیرا لیا خدمت گار بنا کر تکوینی طور وہ آسمانی سماوی، یہ ارضی، جیسے حضرت خضر علیہ السلام تکوینی خدمات پر مقرر ہیں، (قرآن پاک میں ہے و آتیناہ من لدنا علما، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس جانے کا حکم ہوا تھا، لیکن اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کا افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا) بھلا کہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام، کہاں خضر علیہ السلام، کہاں تشریح اور کہاں تکوین۔

یہ سالک مجذوب، منجذب ہے، انجذاب ہوتا چلا رہا ہے، پہلے طلب ہو کر، فہم دین آ کر ہدایت ہو کر قرب و رضا حاصل ہو کر انتہاء تو پہلی سفر کی چیز عملی یہ ہے کہ چلو

چلنا شروع کر دیا ابھی یہ سالک محض ہے چلو چلو، چلتے رہو چلتے رہو۔ طلب و اخلاص کے ساتھ چلتے رہو چلتے چلتے جذب آ گیا کھنچاوٹ ہو گئی۔ اب جذب کے ساتھ چلو اب یہ سالک مجذوب ہو گیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے ہی کوئی بات پیش آ گئی تھی خوشی احسان و انعام اور نعمت کی یا کوئی رنج دُنیا سے بیزاری کی۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام و طاعت کے عمل کرنے کی طرف جذب ہو گیا اور جب عمل کرتے کرتے چلا تو عمل میں اس کو کچھ مزہ آ گیا اور پچھلی زندگی کو بھول گیا تو پہلے وہ مجذوب ہوا اور پھر سالک ہوا اور چلتے چلتے مقناطیسی انداز پر کہ اب کوئی رواں (یعنی معمولی رفتار) کی بات نہیں ہے، اب تو دواں (یعنی تیز رفتاری) کی بات ہے لیکن محاورہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ وہ تو فلاں کام میں رواں دواں ہے (یعنی پوری توجہ اور تیزی کے ساتھ چل رہا ہے) جب اس طرح چلتا رہا تو جذب غالب آ گیا کہ جذب ہو کر سالک ہوا اور سالک ہو کر پھر جذب ہوا اب اس کو یا تو وہیں اس سے خدمتِ خلق لینے کے لئے روک دیا یا وہیں پر اس کو چھوڑ دیا جیسا کہ رات کو سو گیا تو گویا حق تعالیٰ سے فرشتہ پوچھ رہا ہے کہ حضور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرما دیا کہ ابھی اس کی زندگی ہے، واپس کر دو ابھی اس سے کام لینا ہے ہدایتی۔ مثال کے طور پر قلم سے لکھا تو روشنائی زیادہ معلوم ہوئی تو کہا ارے بھائی! تمہارے پاس جذب ہے پہلے لکھے ہوئے پر لگا دیا کرتے تھے وہ اس روشنائی کو اپنے اندر کھینچ لیتا تھا۔ تو لکھے ہوئے پر جذب لگا دیا، اس نے اس کو چوس لیا، غرض جب سلوک میں داخل ہو گیا اور پہلے کام شروع کر دیا تو سالک ہو گیا اور چلتے چلتے پھر وہ جذب آ گیا تو وہ سالک مجذوب ہو گیا، بیچ میں روکا نہیں۔ تو یا تو پہلے جذب ہو کر

مجنوب اور پھر سالک، یا پہلے سالک ہو کر پھر مجنوب محض، مجنوب سالک، سالک مجنوب، پہلے سالک ہوا، پھر مجنوب، آگے چلا سالک، پھر اس کے بعد دوسرا جذب طاری ہوا، سالک مجنوب، تو پہلے جذب کا زیادہ اعتبار نہیں اور بیچ کے جذب کا بھی زیادہ اعتبار نہیں ہے۔ چونکہ وہ مجاہدہ اولیٰ ہے جب تک مجاہدہ ثانیہ نہ آجائے اس وقت تک تسلیم نہیں اس سے جب نکل گیا تو اب قابل اعتبار و تسلیم ہوگا تو سلوک میں ایک مجاہدہ اولیٰ ہوتا ہے پھر دوسرا مجاہدہ ثانیہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اعتماد اپنے اوپر کہیں نہیں ہے مجاہدہ ثانیہ ہونے پر بھی کیونکہ وہ پہلے ہو چکا ہے طریان سریان۔

سلوک کا مسئلہ ہے کہ شیخ کی ذاتِ تُرابی سے محبت ہو اور اس کے اوصاف و کمالات سے قطع نظر ہو قطع نظر فیضان ہو۔ ایسے ہی ذاتِ وجود و جوبی سے محبت ہو قطع النظر عن الصفات ہو۔

سلوک و تصوف کا لبّ لباب :

لہذا ذاتِ وجود و جوبی کے گھر پر نظر نہیں خانگی معاملات پر نظر نہیں کہ کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے، کیوں کر رہا ہے؟ اس کے ساتھ اس طرح کیوں کیا ہے؟ اس کے ساتھ اس طرح کیوں نہیں کیا ہے؟ خلق اللہ، اطفال اللہ، جب شیخ کے خانگی معاملات پر نظر نہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ کے کاموں پر گھر پر کہ سارا عالم ان کا گھرہ، اس پر کیا نظر کہ اس کو مالدار بنایا اس کو غریب بنایا اس کو تندرست بنایا اس کو بیمار بنایا اس کو بادشاہت دیدی اس کو غریبی دیدی۔





بیسویں مجلس

تصحیح عقائد ہی اعمال و اخلاق کی بنیاد ہے

مورخہ ۲۶ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۸۸ء بروز چہار شنبہ

عقائد و اخلاق، اعمالِ صحیحہ کا عالم ارواح میں عہد :

تصحیح عقائد اور تصحیح اخلاق اور تصحیح اعمال یہ تین چیزیں اہم ترین اور خلاصہ دین ہیں، تصحیح یعنی صحیح صحیح، ٹھیک ٹھیک کرنا، اسی کے لئے عالمِ ميثاق میں انسان کو حاملِ امانت بنایا تھا دعویٰ الوہیت میں یہی مقصود تھا۔

خطاب بہ طلبہ :

بعض دفعہ کلام میں ایک مقدمہ تو صراحتاً بیان کیا جاتا ہے اور دوسرا مقدمہ اس میں ضمناً موجود ہوتا ہے اس کو منطق کی اصطلاح میں مطوی کہتے ہیں، تو اگست بربرگم یہ ایک مقدمہ ہوا اور اس کے اندر دوسرا مقدمہ لپٹا ہوا ہے مقدمہ مطویہ ہے۔ دونوں مقدموں کے ملانے کے بعد نتیجہ صحیح نکل آتا ہے بشکل اول، جیسے آپ کھانا کھاتے ہوں اور کوئی صاحب تشریف لادیں آپ مدارات کے طور پر فرما رہے ہیں

آئیے تشریف لائیے کھانا کھائیے۔ اس نے کہا کہ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے ابھی کھا کر آیا ہوں۔ یوں نہیں کہا کہ کھاؤں گا نہیں، تو یہ ایک مقدمہ ہے صغریٰ، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے، اسی میں دوسرا مقدمہ مطویہ لپٹا ہوا ہے، اس نے جب یہ کہا کہ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے تو گویا وہ یوں کہہ رہا ہے کہ جس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے وہ نہیں کھاتا، نتیجہ کیا نکلا لہذا میں نہیں کھاتا، منطق کو پڑھایا جاتا ہے مگر اس کی تمثیل نہیں دی جاتی، سہل طریقہ سے مثالیں دے کر نہیں سمجھایا جاتا، اس لئے ہمارے طلبہ کو منطق مشکل معلوم ہوتی ہے ورنہ منطق تو گھر کی چیز ہے۔

منطق نہ پڑھنا بڑی بھاری غلطی ہے :

منطق نہ پڑھنا بہت بھاری غلطی ہے۔ پڑھانے والوں نے یہ کہہ کر چھٹی پالی کہ یہ سمجھتے تو ہیں نہیں، انہیں کیا پڑھایا جائے، چھوڑو قصہ، حالانکہ اس زمانہ میں منطق اور زیادہ پڑھانے کی چیز ہے، کیونکہ سائنس اور فلسفہ کا دور ہے، سائنس اور فلسفہ کا بہت زور ہے اس لئے منطق اور زیادہ پڑھانی چاہئے تھی مگر وہی صاف کر دی، ہمارے بعض بزرگوں نے تو یوں کہا ہے کہ منطق تو گھر کی لونڈی ہے ہمارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔

وہم کا نفع و نقصان :

آج طلبہ نے منطق کو مشکل بنا دیا، خواہ مخواہ خیال اور وہم کر لیا کہ منطق مشکل ہے۔ وہم جب یہ بڑھ جاتا ہے تو عقل ماؤف ہو جاتی ہے پریشانی ہو جاتی ہے جب یہ وہم بڑھ جاتا ہے۔ لیکن جس کا وہم اکثر صحیح نکلے وہ احتیاط ہے تو وہم ہونا بھی اگرچہ فی نفسہ ضروری ہے لیکن ضروری ہونے کے باوجود مضرب بھی بہت ہے، جیسے کھانا

ضروری ہے لیکن ضروری ہونے کے باوجود شکم پُری سے بھی آگے خوری ہو رہی ہے تو مضر ہے۔ ہر چیز جب اپنی حد سے آگے نکل جاوے گی تو مضر ہے۔

نفع کی چیز بھی حد سے نکل جانے پر مضر ہے :

تو ہر چیز جو نفع کی ہے، ضروری بھی ہے، حد سے آگے بڑھ جائے گی تو وہ مضر ہے چاہے عین دین ہی کا کام کیوں نہ ہو۔ راتوں راتوں جاگ رہا ہے نفیس تلاوت اور ذکر کر رہا ہے اور سونے کا نام نہیں۔ دیکھئے یہ دین ہے لیکن مضر اس کا انجام اچھا نہیں اس طرح نبھا نہیں سکتا اور مطلوب ہے نبھانا۔ اگر اس نے نبھانے کی کوشش کی تو بہہ جائے گا مایخو لیا ہو جائے گا۔

شیخ کی تعلیم کی ناقدری اور خود رائی کا انجام :

اور بعض ایسے ہوئے ہیں بالخصوص وہ جنہوں نے اپنے شیخ کا حکم نہیں مانا۔ تعلیم سے زیادہ اپنے شوق و ذوق میں کچھ چمک دمک سی معلوم ہونے لگی۔ کچھ اچھی اچھی آوازیں بھی آنے لگیں سامنے کچھ روشنی سی بھی معلوم ہونے لگی طبیعت کچھ بھنپنے لگی کچھ ہنسنا بھی شروع ہونے لگا کچھ رونے کی طرف بھی ترقی ہونے لگی اب جاگا جاگا چلا جا رہا ہے کھانا چھوڑتا چلا جا رہا ہے۔

شیخ کی تعلیم کے خلاف کرنا گویا اس سے دشمنی کرنا ہے :

تو شیخ کی تعلیم سے تجاوز کر گیا شیخ کو معلوم ہو کر شیخ منع بھی کر رہا ہے مگر نہیں مانا تو ایسے لوگ پاگل ہو گئے، یہ شیخ کے دشمن ہیں دوست نہیں۔ ایسا شخص شیخ کو بدنام کرتا ہے بگاڑتا ہے اس کا کچھ نہیں بگاڑا ہے مگر لوگ کہیں گے فلاں شیخ بزرگ کا مرید

پاگل ہو گیا۔ اب دوسروں کو کیا معلوم کہ شیخ نے تو منع کیا تھا تنبیہ کی تھی نہیں مانا۔

رَجُوعٌ إِلَى الْمَقْصُودِ :

مقصود تو تصحیح عقائد تصحیح اخلاق تصحیح اعمال ہے، مطلوب تو یہ ہے الستُ بربکم

کیا میں تمہارا رب پرورش کرنے والا نہیں ہوں، سب نے کہا بیشک ہمیں پورا وثوق ہے اس پر جو آپ فرما رہے ہیں اور وثوق کے ساتھ ہم کہہ رہے ہیں، کیونکہ وہاں پر تو عالم ارواح میں مخلوق انسان سامنے ہے ہر چیز بدیہی ہے نظری نہیں، یعنی علمِ ضروری کے طور پر اسی کا نام علمِ بدیہی بھی ہے، اور اسی کا نام علمِ ضروری بھی ہے، منطق کی اصطلاح میں اس میں نظر کی فکر کی سوچنے کی صحیح نتیجہ نکالنے کی صورت جاننے کی، سمجھنے کی، عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عالمِ ارواح میں ذاتِ باری تعالیٰ مخاطب ہیں سامنے ہیں ان مخاطبوں کے دل میں ذاتِ باری تعالیٰ کا خلق ہونا یقینی ہے، خالق ہونا یقیناً ہے بد اہٹا ہے، اور جو خالق ہوگا اس کے سوا اور رب کون ہوگا؟

عالم ارواح میں علمِ ربوبیت کی اس عالم دنیا میں نظیر :

اس کی مثال اس کی نظری دُنیا میں باپ کا ہونا ہے، رپّ مجازی کہ یہاں پیدائش کا سبب قریب باپ ہے، اس کے علاوہ اب کوئی اور پرورش کرنے والا بنے گا؟ پھر اماں ہے، اماں ابا کے علاوہ اور کوئی پرورش کرنے والا بنے گا؟ پیدا تو ہو اس سے اور دودھ چھاتی میں آ رہا ہو، دوسرے کے بچہ کے پینے کے لئے یا اسی رپّ مجازی کی چھاتی میں نظر آتا ہے۔ یہ نظیر ہے اس عالم میں۔ اور جو چیز بدیہی ہے، ظاہر بات ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے بدیہی یہی ہے۔ ماں بچے کو مارتی ہے رو رہا ہے ایک اور مار دیا ماں مار رہی ہے لیکن بچہ ماں پکار رہا ہے، اس کی گود میں سے اگر کوئی دوسرا لینا

چاہے تو نہیں جاسکتا ہے، ماں بیٹھی ہوئی ہے، غیر شعوری ہیولانی عقل ہونے کے باوجود جب لپکتا ہے بلا دلائل کے معلوم ہونا جب اس عالم میں یہ حال ہے تو اس عالم میں بلی کیسے نہ کہتے؟ حق تعالیٰ کے رب ہونے کا کیسے اقرار نہ کرتے۔

اقرارِ ربوبیت میں پوری شریعت داخل ہے :

جب جبرائیل حاضر ہوئے اور سامنے آ کر بشکل انسانی بیٹھ کر سوال کیا:

ما الایمان! ما الاسلام، ما الاحسان، تو ما الایمان کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد بیان فرماتے ہوئے وضاحت و تفصیل سے اس کے اجزاء بیان فرمائے، یہ ہے صحیح عقائد اور ما الاسلام کے جواب میں فرمایا بیان اعمال، تو یہ متعلق بالفقہ ہے ما الاحسان متعلق بالباطن ہے اس کا جو جواب دیا حضور اکرم علیہ السلام نے وہ صحیح اخلاق قرار ہے، متعلق بالسلوک، متعلق بالتصوف جو کچھ بھی سمجھئے؟ مقصود مطلوب، مطمح نظر، منظور نظر بالاصل وبالذات صحیح عقائد ہیں صحیح اعمال ہیں اور صحیح اخلاق ہیں، صحیح عقائد کا نام ایمان ہے، اور صحیح اعمال کا اور صحیح اخلاق کا موقوف علیہ ہے، وہ اصل ہے، بالذات ہے اب آگے صحیح اخلاق میں صحیح سلوک میں، صحیح تصوف میں وہ ہے جو ما الاحسان کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا ذکر اوپر پہلے ہو چکا ہے، کہ صحیح عقائد من حیث العبادات القلبیہ ہے اور صحیح اعمال من حیث اعمال الجوارح ہے۔

سوالاتِ جبرائیل کے جوابات کی تشریح :

تو ما الاسلام کے جواب میں جو فرمایا وہ بھی عبادت ہے، اور ما الایمان

کے جواب میں جو فرمایا وہ بھی عبادت ہے، ان دونوں عبادتوں کے بعد جب ما الاحسان کا ذکر آیا تو وہ بھی جواب میں عبادت ہی کا بیان ہے۔ اس کی خالص تصحیح ہے اسی عبادت کے اخلاص کا بیان ہے کہ تم نے جو سوال کیا ہے ایمان و اسلام کے بارے میں جو کہ وہ دونوں عبادات رب العلمین ہیں جیسا کہ عالم میثاق میں تھا اور جو ثابت کیا گیا تھا علم ضروری بدیہی کے طور پر کہ جو رب ہوتا ہے وہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے کہ ربوبیت مستلزم ہے الوہیت و خالقیت کو اور ربوبیت خالق کے ساتھ جب آگئی تو پھر عبادت اسی رب و خالق کی ہے دوسرے کی نہیں ہے۔ جب اسی کی ہے دوسرے کی نہیں ہے تو پورا اخلاص اسی کی عبادت کے لئے اس میں شریک کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ما الاحسان کے جواب میں پہلے یوں فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَكَ تَرَ اَهِ، احسان یہ ہے کہ عبادت کرے۔ تو ایمان میں بھی اخلاص ہونا چاہئے اور اسلام میں بھی اخلاص ہو اور اعمال میں بھی اخلاص ہونا چاہئے، وہی عبادت کا مستحق ہے دوسرا نہیں۔

حصولِ اخلاص کا طریق :

لیکن یہ عبادت عقیدہ اور پھر عبادت اعمال و اخلاص کے ساتھ ہو جب تک کہ تمہارے قلب میں استحضارِ کامل اس بات کا جو اس اعتقاد میں سے حاضر و ناظر ہونے کا خیال ہے، یہ جما ہوا نہ ہو جائے اور ایسا جما ہوا گویا دیکھ رہا ہے گویا کہ تو اس ربِ خالق کو دیکھ رہا ہے جب تک یہ جماؤ نہ ہو جائے اس درجہ کہ کَانَكَ تَرَ اَهِ کا مصداق نہ بنایا جائے، اس وقت صحیح درجہ کمال میں اخلاص جس میں بوئے شرک اور ریاء کی بونہ ہووے یہ عادت مشکل ہے۔

فَان لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ كِي تَوْجِيه :

لیکن تم یوں کہو گے کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ حالت ہو جاوے کہ اس رب و خالق کو میں دیکھ رہا ہوں ہاں عبادۃً مشکل ہے اس لئے میں نے کانک کہا ہے لیکن ابھی کلام کا کچھ تتمہ باقی ہے۔ گویا حضور یہ فرما رہے ہیں کہ اول وہلہ ہی میں تمہارا یہ حال ہو جائے، نہیں بلکہ یوں ہے ترتیب کہ تمہیں اعتقاد تو ہے اللہ تعالیٰ رب و خالق کے حاضر و ناظر ہونے کا جب یہ ہے کہ اس کی طرف سے حاضر ہونا بھی ہے، اس کی طرف سے ناظر ہونا بھی ہے، لہذا اس کا تتمہ یہ ہے: فان لم تکن تواہ فانہ یراک، یعنی کانک تراہ، یہ بات اگر نہیں ہے تو بتلا رہا ہے کہ یہ تو ہے ہی کہ وہ دیکھ رہا ہے، تو تمہارے رب اور خالق ہونے کے اعتقاد میں یہ حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد بھی داخل ہے، بطور علم ضروری اور بطور علم بدیہی۔

حصول معائنہ کا طریقہ کار :

تمہارے اس اعتقاد میں جو ناظر و حاضر ہونے کا اعتقاد رکھا ہو، اس کو سوچتے رہئے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، لیٹے بیٹھے، خلوت میں جلوت میں، بیت الخلاء میں رفتار میں، گفتار میں، سوچتے رہو، ذہول ہو جائے تو چونکہ اعتقاد میں داخل ہے حاضر ناظر وہ حاضر ہو گیا پھر سوچنا شروع کرو سوچنے لگو جب تم برابر سوچتے رہو گے تو کوئی وجہ نہیں کہ گویا کی بات پیدا نہ ہو جائے بلکہ پیدا ہو جائے گی اور تو کانک تراہ کے مصداق ہو جائے اور یہ صادق آجائے گا گویا کہ تو دیکھ رہا ہے اور حالت ہو جائے گی۔

معائنہ کا اثر :

تو اے مؤمن مسلمان تو پورے کا پورا اپنی زندگی میں ہر موقع میں مہذب و موذب ہو گیا، اب تجھے حکم باقتضای امر کیڑوں کا اتارنا ہو گیا، زبان کا ہلانا بھی ہو گیا، بضرورت چلانا ہو گیا، کان کا لگانا دل کا جمانا۔ آپ کے اطوار میں آپ کے اخلاق میں آپس کے برتاؤ و سلوک میں کیا رنگ آتا ہے۔

طالب علم کی درستگی :

طالب علم درس گاہ میں حاضر تو ہے لیکن لا پرواہی سے سُن رہا ہے، مطالعہ کر کے نہیں آیا کہ کچھ آدھا سمجھ کر آ جاتا باقی جو رہ گیا تھا اس کو اُستاد کی تقریر سے سمجھ لیتا، مطالعہ ہی نہیں کیا کیوں نہیں کیا اس لئے کہ حاضر ناظر کا عقیدہ علم کے درجہ میں ہے حال کے درجہ میں نہیں اور مقصود یہی حال کا درجہ ہے۔ عبادت تو پہلے علم کے درجہ ہی میں ہے علم دین کی عبادت اول ہے عمل کی عبادت بعد میں ہے تو علم کے حاصل کرنے کے لئے وہ آیا تھا بدرجہ کمال لیکن یہ لا پرواہی.....! حجرہ میں بیٹھا ہوا، لیٹا ہوا، درس گاہ سے ایسا غافل ہو گیا دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا باتیں کرتا ہوا، ادھر ادھر گھومتا ہوا، ادھر ادھر کمروں میں جاتا ہوا اور درس گاہ میں نہ پہنچتا ہوا دارالافتاء میں نہ پہنچتا ہوا، اوقات گزار رہا ہے، یہ خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

طلبہ کی خیانت پر تنبیہ :

یہ خاص سالکین کے لئے ہی نہیں بلکہ سب ہی کے لئے ہے خواہ طالب علم ہو یا طالب تربیت سب ہی کے لئے ہے۔ طالب علم سوچے کہ علم کس طرح حاصل کرنا

چاپئے کتاب کو کس طرح پڑھنا چاہئے حاضر باشی کس طرح مطالعہ اسباق کے اوقات کی پابندی غور سے سننے کے ساتھ کس طرح ہونا چاہئے؟ کیا حصول علم ذکر نہیں ہے؟ علم کا حاصل کرنا یہ منجملہ اذکار میں سے نہیں؟ ابا جان خرچ بھیج رہے ہیں آسانی کے اسباب مہیا کر رہے ہیں سکون کے اسباب مہیا کر رہے ہیں، پھر اس طرح علم حاصل نہ کرے تو خیانت نہیں ہے؟ کیا حسن کے ساتھ حصول علم ہے؟

مقیمین خانقاہ کے لئے لمحہ فکر یہ :

ایسے ہی تربیت کے لئے بھیجنا کہ جاؤ خانقاہ جاؤ وہاں رہو، ماں باپ نے بھیج دیا خرچ برداشت کئے، اپنے کلیجے کے پالے ہوئے کو اپنے کلیجے کو دور بھیجا یہ خیانت نہیں ہے کہ اس طریقے سے قیام نہیں ہے، اس طرح سکون سے خلوت گزینی محبت کے ساتھ اور پورے پکے طریقے سے تربیت و اصلاح نفس میں لگا رہنا چاہئے، میں نے کہا تھا سکون و سکوت کے ساتھ رہنا شرط ہے، اختلاط نہ ہونے پائے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد سہولت کو بتلا رہا ہے کہ میں امت مسلمہ کو اس درجہ حضور پر مکلف کس طرح بنا دوں کہ ہر وقت اس طرح حضوری رہے مشاہدہ معائنہ رہے۔ پہلا معائنہ ہے گویا کہ دوسرا مشاہدہ ہے کیونکہ اس عالم تکلیف کے اندر بہت سی آفتوں کا سامنا ہوگا بہت آلام کا سامنا ہوگا بہت سے کاروبار کا سامنا ہوگا، بہت سے حرق کا سامنا ہوگا، تو وہ حضور ایسی حالت میں دائمی طور پر کس طرح ہوگا تو مسئلہ عمومی اس طرح مکلف بنانے کا کس طرح کر دوں، ہاں جن کو کچھ ایسی حالت محبت و عشق ہوگی کہ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے معاملات پھیلے ہوئے نہیں ہوں گے، ان کی معاشرتی زندگی پھیلی ہوئی نہیں ہوگی، ان کا معاشرہ پھیلا ہوا نہیں ہوگا۔

خطاب بطلبہ :

ایسے کہ تمامی امت مسلمہ بقدر ضرورت صحیح صحیح علم حاصل کرنے کے مکلف ہے، لیکن انہیں میں ملت مسلمہ کی ایک جماعت پوری پوری حامل علم شریعت کامل کی مکلف ہے اگر مسلمان امت مسلمہ کی ایک جماعت بھی ایسی نہ ہوئی تو سارے کے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے ایسے ہی ادھر بھی جو ایسے ہوں گے کہ ان کا معاشرہ پھیلا ہوا نہیں کچھ بعض بندے ایسے ہوں گے کہ جو پورے کے پورے علم کامل کے جو شریعت کے شعبے ہیں نہیں حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ایسے بھی ہیں جو پورا علم کامل حاصل کر سکتے ہیں ایسے ہی معاشرہ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کا معاشرہ پھیلا ہوا نہیں ہے۔ معاملات ان کے پھیلے ہوئے نہیں ہیں ازدواجی امور حقوق ازدواجی سے مستغنی ہوں گے بے فکر ہوں گے خواہ کسی وجہ سے ہوں تو وہ اپنے کو اس درجہ کا مکلف بنانے میں ساعی ہوں گے۔ تو اس کا مکلف تو ہر انسان ہے کہ عقائد من حیث الاخلاص اعمال من حیث الاخلاص پورے حسن سے بجالاتا رہے۔

اضاعت مال کی طرح تضييع اوقات بھی حرام ہے :

جس طرح اضاعت مال حرام ہے ایسے ہی اسی طرح اضاعت وقت، تضييع اوقات بھی حرام ہے۔ محرمات کے ساتھ تو حرام ہے، لیکن ان مباحات کے ساتھ بھی کہ جو منجر الی المحرمات ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ یہ تضييع اوقات ہے، لیکن وہ مباحات جو محرمات کی طرف منجر کھینچ کر لے جا رہے ہیں وہ بھی اس تضييع اوقات محرمات سے ہیں۔

طلبہ واساتذہ کو خاص خطاب :

خواص کی بات تھی تو عام مومنین میں سے طلبہ خواص ہیں، ان کو کیسا ہونا چاہئے، اتباع سنت کی زندگی ہونی چاہئے، منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ اپنا کام خود کرنا چاہئے، چائے خود ہی بنانا چاہئے، نہ کہ اللہ نے پیسہ دیا ہے تو کہیں سقہ کا بچہ نو کر رکھ لیا، کہیں دھوبی کا نو کر رکھ لیا، تو خود نہیں بنائی جاتی، اور پھر طالب علم ہو کر، یہ وقت ایسا ہے کہ استاد کو بھی اپنے شاگرد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ خصوصیت کا اظہار کسی پر نہ ہو جائے اس کو بھی خیال نہ ہو وہ سمجھے گا نہیں اور بگڑ جائے گا، ناز کرے گا اور خدا نخواستہ کبھی کسی بھی ادا کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کو چھاتی سے لگا لیا، اس کی پیشانی یا منہ چوم لیا، بدگمان ہو گیا، دوسروں سے کہہ دیا، یہ زمانہ ہے، یاد رکھو یہ وہ زمانہ ہے، مدرس کو بھی شاگرد سے خدمت لینا نہیں چاہئے۔

اپنا کام خود کرنا چاہئے :

تو اپنا کام اپنے ہاتھ سے خود کرنا چاہئے بڑے بڑے صاحب کمال عارف باللہ کے یہاں بھی حاسدین رہے ہیں۔ اگر کسی سے کچھ ہو جاتا ہے۔ خصوصی تعلق ہو گیا ہو لیکن ایسے طرز سے بچتے رہنا کہ دوسرے کو اس قسم کے تعلق کا ظہور نہ ہونے پائے۔

بیوی سے بھی خدمت لینے کے محتاج نہ رہے :

بیوی کے بھی محتاج کام نہ رہو، لوٹے میں پانی لانا ذرا سمجھے؟ لوٹے میں پانی لانا، اتنا بھی نہ ہوا کہ کھانے کے وقت تو کم از کم خود لوٹے میں پانی بھر کر۔ یا جگ وغیرہ

کہ خود ہی بھر کر رکھ لیتا وہ بھی بیوی ہی بھر کر لا کر رکھے گی۔ یہ جزئیات ہیں زندگی کے۔

حضرت والا کی عادتِ شریفہ :

حضرت والا فرماتے ہیں کہ ”بڑھاپا آ گیا ہے، اعصاب کمزور ہو گئے ہیں، اس لئے ذرا مشکل سی ہو گئی ہے ورنہ ہمیشہ کام ہم نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے دیکھا ہوگا جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہوگا پرانے زمانے میں بڑی چستی تھی تعمیر کا کام مدرسہ میں ہوتا تھا اینٹیں ٹوک کرے میں بھر کر چھت پر پہنچاتا تھا راجوں کو دیتا بعض دفعہ جیسے نیچے سے مزدور پھینکتے ہیں، اس طرح بھی اینٹیں پھینکیں ہیں اوپر کہ جب مدرسہ کا کام تعمیر والا ہوتا تھا۔ یہ مدرس ہے یہ مدرس طالب علم ہے یہ کہ اپنی چائے بنوار ہے دوسرے سے کیا قوم کی خدمت کریں گے، اپنی خدمت تو ہوتی نہیں ہے، آپ مقتدائے قوم بن رہے ہیں، آپ خادم القوم بن رہے ہیں،

احسان کے بیان سے مقصود :

احسان کے معنی اعمال، عقائد، اخلاق میں ہر چیز کو حسن ترتیب کے ساتھ انجام دیتا رہنا، یہ ہے مطلوب، صراحتاً اگرچہ فانہ یراک کا مصداق اس وقت نہیں ہے لیکن مصداق ہے، خیال غیر سے خالی خیال غیر کی طرف اپنے کو نہیں لگایا اِخْلَاص ہے۔ جیسے رُوح نکلتے وقت زبان پر کلمہ طیبہ نہیں ہے، دل میں بھی اس وقت حضور نہیں ہے، لیکن باہوش حواس غیر کا خیال نہیں، تصوّرِ غیر نہیں یعنی صحیح عقیدہ کے خلاف قلب میں خیال نہیں لایا تو ایمان ہی پر خاتمہ ہے، اگرچہ دل میں بھی تصدیق کا استحضار نہیں ہے نہ قلب میں تصدیق کا استحضار ہے نہ زبان پر اقرار ہے، لیکن اس کے

خلاف کا تصور اور خیال کا لانا نہیں تو ایمان ہی پر خاتمہ ہے۔ یہ نظیر ہے جیسے ایک شخص پانی میں گھس گیا، اتفاق سے آگے جا کر پانی اتنا آ گیا کہ ڈوبنے لگا اور وہ چلا رہا ہے بچاؤ بچاؤ میں ڈوب گیا، اسی میں ڈوب گیا اور زبان پر کلمہ کا نام نہیں اور نہ قلب میں تصدیق ایمانی کا نام ہے اس کو تو اپنے بچاؤ کی فکر ہے۔ خاتمہ ایمان پر ہے تو وہ مصداق مؤمن ہے۔

بیعت و تعلیمات کیلئے اسلام شرط ہے :

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک غیر مسلم آیا۔ اس نے کہا کہ آپ کے یہاں ایک کلمہ ہے مجھے اس کی تعلیم دیجئے، فرمایا تم سے کس نے کہا؟ اس نے کہا میرے پیر نے کہا میرے گرو نے کہا ہے کہ ان کے یہاں جو کلمہ ہے اس کی اجازت لے کر اس کا ورد کرو تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی بغیر اسلام لائے ہوئے اور بغیر صحیح ایمان و عقیدہ کئے ہوئے اس کے ورد کی تو اجازت نہیں ہوتی، پہلے آپ مسلمان ہو جائے۔ حضرت اسلام میں داخل نہیں ہوں گا، فرمایا کہ بدون اس کے تجھے اجازت دے دوں ایسا نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے ! غیر اسلامی حالت میں وہ کلمہ طیبہ کے ورد کو چاہ رہا ہے اور یوں کہہ رہا ہے وہ بھی سمجھتا ہے کہ اس میں بھی کچھ خاصیت ہے، اس کا کچھ اثر ہے۔ غرض حضرت گنگوہیؒ نے غیر مسلم کو نہیں بتلایا چلا گیا، مولوی صاحبوں ہی میں سے کسی مولوی صاحب نے کہا حضرت اجازت دیدیتے تعلیم فرمادیتے تاکہ وہ اسلام کے قریب اور ایمان کے قریب اور قبول ایمان کے قریب ہو جاتا، معلوم ہو جانے پر۔

فرمایا: مولویوں یہ کیسی بات کہہ رہے ہو وہ تو اور بعید الاسلام ہو جاتا سمجھ لیتا

کہ جو مقصد تھا اس کا وہ حاصل ہے مسلمان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو اور بعید الاسلام ہو جاتا۔ حضرت گنگوہیؒ نے اسی خیال و اعتراض کو رد فرمایا، تو دیکھئے غیر اسلامی حالت میں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی چیز ہے جس سے کچھ اور بات پیدا ہوتی ہے مقبول یا غیر مقبول؟ چنانچہ وہ (یعنی غیر مسلم) کہتے ہیں وہ تو ہمارے ہر دے (دل) میں سمایا ہوا ہے، قلب کو کہا ہر وہ پیدا کرنے والا ہے، اس کا قائل ہے وہ مشرک تو ہے لیکن اس کو مانتا ہے لیکن شرک وہ تو ہمارے ہر وہ میں سمایا ہوا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہاں شرک ہے یہاں ایمان ہے، تو مومن ہونے کے ساتھ مشق کے طور پر قلب میں یاد لیکن اس یاد کا جو تقاضا ہے کہ کس طرح ہو وہ نہیں ہے۔

حضرت والا فرماتے ہیں کہ ”میں اپنے وطن میں عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے اپنے گھر جا رہا تھا، تو مسجد سے نکل کر جس راستہ پر گیا اور ادھر کو اپنا گھر جانے کا راستہ ہے، جب میں مسجد سے نکل کر یوں جا رہا تھا کنارہ پر، پہنچا ادھر کو جانے کے لئے، ایک بار لیش بوڑھے قسم کا، سفید ریش وہ سامنے سے گزرا، وہ ایک قدم آگے چل کر پھر لوٹا، آتے ہوئے سامنے سے اس نے سلام کیا، میں نے جواب دیا: وعلیکم السلام، وہ ایک قدم آگے بڑھا، پھر لوٹا اور کہا کیا آپ کا کسی بزرگ سے تعلق ہے؟ ہاں بھئی ہے تو کس سے ہے؟ میں نے حضرت والا سے تعلق بتا دیا، میں نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا جب میں گزرنے لگا تو میرے دل نے گواہی دی کہ ان کا کسی بزرگ سے تعلق ہے، اس لئے پوچھا، میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں، ہماری بستی کے قریب ایک بستی ہے بالکل ملی ہوئی اس کا نام لیا کہ وہاں جا رہا ہوں، میں نے کہا خوب آپ کا نام کیا ہے؟ نام جو بتلایا وہ ہندو کا، یہ نام آپ کا مسلمانی نام تو ہے

نہیں بھئی، جی ہاں میں ہندو ہوں اور طرز سے مسلمان معلوم ہو رہا تھا، داڑھی بھی تھی، میں نے کہا آپ نے سلام کیا تھا، اس سے مجھے خیال ہوا تھا، کہا کہ ہاں میں نماز بھی پڑھتا ہوں، میں نے کہا آپ جو جا رہے ہیں تو کہا ٹھہریں گے، رشتہ داری ہے میں وہاں ٹھہروں گا اور نماز؟ اس نے کہا مسجد میں پڑھوں گا، وہ جانتے ہیں، کبھی اتفاق سے آجاتا ہوں، میں نے کہا نماز پڑھتے ہو؟ کہا ہاں نماز پڑھتا ہوں، میں نے کہا نام آپ کا ہندو کا سا ہے اور نماز آپ پڑھتے ہیں جو اسلام کے اندر ہے، پھر آپ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ میں ہندو ہوں تو یہ نماز پڑھنا کیسا؟ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسلام میں داخل ہو کر نماز پڑھوں۔

تو دیکھئے وہ نماز کا فریضہ کیسے ادا کر رہا ہے اور پھر اس نے کیا کہا کہ مجھے آپ کو دیکھ کر خیال ہوا کہ آپ کا کسی بزرگ سے تعلق ہے، دل میں ہے، کچھ صفائی سی بھی ہے ذِکر تو کرتا ہوگا، کلمہ شریف کا وہ ورد کرتا ہوگا مگر تصدیق حاصل نہیں، تو مجھے ہوا وہم، میں نے کہا آپ کا نام یہ اور اس طرح آپ فرما رہے ہیں؟ جیسے آپ کا تعلق ہے، اس نے کہا کہ میں مُرید ہوں، اوہو خانقا میں بھی گیا ہوں، میں بھی مُرید ہوں، آپ کس کے مُرید ہیں؟ میں مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا مُرید ہوں، اور وہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے خلیفہ تھے، اور کیا کہہ رہا ہے کہ میں ان کا مُرید ہوں، اکثر ان پر جذب طاری ہوتا تھا حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب، حضرت والا فرماتے تھے کہ جذب بھی ہوتا تھا، بیعت کر لیا ہوگا، کر لیا لیکن اپنے مذہب ہندوانی پر ہے۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا تھا، ہوگئی اس کی تائید اس

واقعہ سے کہ اور بعد ہو جائے گا۔

لیکن سالک میں جو بے چینی ہو جاتی ہے اس کی کہ اتنی دیر کے لئے غفلت رہی سو یہ غفلت میں داخل نہیں ہے جب کہ زندگی مطابق حدود و ہور ہی ہے کہ کھانا بھی حدود شرع کے اندر بیٹھ کر کھا رہا ہے، گو اس وقت ذہول تھا کسی وجہ سے کہ کہیں خیال چلا گیا لیکن جب عمل کر رہا ہے باتباع سنت کر رہا ہے، کھانا کھا رہا ہے تو باتباع سنت، اور اگر ذہول نہیں ہے اور کھانا باتباع سنت نہیں ہے تو وہ یاد کیسی؟ وہ گویا غفلت ہے باوجود ذکر کے غفلت ہے اور باتباع سنت باوجود غفلت کے ذکر ہے، مقصود، مطلوب، مطمح نظر اپنی اپنی جگہ پر باخلاص تصحیح عقائد اور تصحیح اعمال تصحیح اخلاق ہے۔

مردہ شیر کو زندہ کر دیا :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ایک شخص عیسیٰ کی خدمت میں چلا گیا، نیتیں مختلف ہوتی ہیں، عجیب عجیب ہوتی ہیں، ایک دن کہا آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں، ہاں باذن اللہ کر دیتا ہوں۔ مجھے سکھا دیجئے مردوں کو زندہ کرنا، منع فرماتے رہے، فرماتے رہے، وہ مُصر ہوتا رہا۔

منع کے بعد بڑوں پر اصرار کا ضرر :

تو عیسیٰ علیہ السلام کے وہاں تو معجزہ تھا وہاں تو کسی سبب و طریقہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن کچھ پڑھ کر دم کرنا مردے پر بتا دیا اور اُس نے سیکھ لیا، عیسیٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے، کہیں سفر میں تشریف لے گئے وہ شخص اپنے گھر کی طرف سفر کر رہا ہے راستہ میں اس کو خیال آیا کہ اگر مجھ سے کسی نے پوچھا کیا کیا سیکھ کر آیا ہے اور میں نے اس کی مشق تو کی نہیں ذرا کہیں کوئی مُردہ مل جاوے تو میں دیکھ

لوں تو اتفاق سے شیر کے کچھ ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، اس نے ادھر ادھر سے جوڑ جاڑ دیا وہ شیر تھا، اس نے پڑھ کر چھو کر دم کر دیا وہ شیر بن کر کھڑا ہوا۔ اس کی جان نکل گئی گھبرا گیا ادھر یہ کھڑا ہے ادھر وہ کھڑا ہے جب کچھ تھوڑا سا وقت گزر گیا تو شیر نے حملہ کیا، حملہ کر کے اس کو جو کچھ کھانا تھا کھالیا، عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے ہوئے ادھر سے گزرے دیکھا کہ شیر بیٹھا ہوا ہے اور جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے سکھایا تھا وہ مڑا پڑا ہے۔

اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اصرار نہیں کرنا چاہئے، چونکہ بڑے کی نظر انجام پر ہوتی ہے، تو شیر سے کہا ارے تو نے اس پر حملہ کر کے اسے کھالیا، شیر نے کہا، جانور کہہ رہا ہے جانور! علم بدیہی ضروری کے طور پر شیر کہہ رہا ہے، جناب اللہ کے مسیح مجھے معاف کرنا یہ میرا خالق بنا تھا، میں تو مردہ پڑا تھا لیکن یہ میرا خالق بنا تھا کہ مجھ کو زندہ کیا، اب جب زندہ ہو کر میں بیٹھ گیا تو بھوک لگی، جب بھوک لگی تو میں نے روزی طلب کی، اس لئے کہ جو خالق ہے وہی رازق ہے، میں نے روزی طلب کی جب اس نے روزی نہیں دی تو میں نے اپنے اس خالق کو کھالیا میرا کیا قصور۔ وجود انسانی بالبداہتہ، بالضرورت خالق کا اعتقاد رکھتا ہے۔ جو خالق ہے وہ رازق ہے اور جو رازق ہے وہ ہی پرورش کرنے والا ہے۔ تو الست بربکم ایک مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ اس میں مطوی ہے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو کیا کہا سب نے کہ آپ ہمارے رب ہیں یہ کس طرح خیال کیا تم نے کہا کہ علم بدیہی علم ضروری کے طور پر ہمیں آپ کے خالق ہونے کا اعتقاد ہے اور جو خالق ہے وہ رب ہے اور جب وہ رب بھی ہے خالق ہو کر رب بھی ہے تو اس کے سوا کسی دوسرے کے

اندر یہ جز پائی نہیں جاتی، تو دوسرا مستحق عبادت کا کوئی نہیں ہے۔ لہذا آپ ہی مستحق عبادت کے ہیں اس طرح بربکم اپنے اندر الہکم لئے ہوئے ہے، ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں یہ ہے عالم میثاق کا عہد۔

تخلیق انسان کا اصل مقصد :

مقصود تخلیق انسانی معلوم ہو گیا فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ حضرت کے ساتھ کہ اپنی عبادت ہی کے لئے میں نے پیدا کیا ہے اس کی توضیح تشریح نص قطعاً کے ساتھ ہوگئی، تو جتنا بھی عمل جس وقت میں یہ انسان مؤمن مسلمان کرتا ہے وہ سب کا سب عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے چاہے زراعت کرے چاہے تجارت چاہے صنعت و حرفت کریں کچھ بھی کام کرے، نکاح کرے، بیع شراء کرے خرید و فروخت کرے جو بھی کام کرے خواہ کھانا پینا ہو، صرف نماز ہی نہیں بلکہ دنیاوی جتنی زندگی کی چیزیں اس سے متعلق ہیں وہ سب کی سب عبادت ہیں۔

معمولی امور بھی حکم شریعت کے تحت عبادت ہیں :

اور عبادت کب کی جاتی ہیں جب کہ حق تعالیٰ کے حکم کے قاعدہ و قانون کے حدود میں کی جاتی ہیں اس لئے اس کی زندگی پوری کی پوری عبادت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں، مجھے عالم میثاق میں تم نے کہا تھا، میری عبادت کا اقرار کیا تھا، دعویٰ و دلیل کے ساتھ بعلم ضروری بدیہی میں یہاں آپ کو وہ یاد دلاتا ہوں کہ وہ خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ تو پوری زندگی میں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے کے ساتھ متعلق ہے، حصول علم ہو چاہے حصول اخلاق ہو یا معاشرہ ہو، پس معاملات کی

زندگی معاشرے کی زندگی، اخلاق کی زندگی یا عبادت کی زندگی جس کو عرف میں عبادت کہتے ہیں، یہ سب عبادت ہی ہیں، اصل تصحیح عقائد ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کے لئے ہی محصور فرمادیں، استحضارِ خلوص کے ساتھ قانونِ الہی پر قائم رہتے ہوئے ہر ہر موقع پر عبادت کرتے رہنے کا اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق ارزانی عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔



اکیسویں مجلس

بلا جہادِ اکبر کے جہادِ اصغر نہیں ہو سکتا

مورخہ ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ بمطابق ۴ نومبر ۱۹۹۰ء بروز یکشنبہ بوقت صبح ۱۰ بجے

اسباب اختیار کرے لیکن نظر مسبب پر ہو :

اسباب کو اختیار کرنا اور ان کا استعمال کرنا، اس کا انکار نہیں ہے بلکہ اختیار کرے استعمال کرے لیکن مؤمن کے ایمان کی شانِ انابت الی اللہ رجوع الی اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسباب پر نظر ہو۔ وہ چونکہ رب العالمین کا حکم ہے کہ اسباب پیدا فرمائے ہیں اور استعمال کے لئے پیدا فرمائے ہیں تو رکاوٹ کیسی جب کہ اسباب حاصل ہوں اور جب کہ حاصل کئے جاسکتے ہوں تو ان میں سُستی کیسی؟ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس کی دُعا و درخواست تو پہلے ہی سے چلی آرہی تھی اب یہ نہ حاصل ہیں اور نہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

دُعا مؤمن کا ہتھیار اور تقاضائے ایمان ہے :

پہلا ہتھیار جو ایمان مؤمن کے تقاضا سے ہے وہ تو ہے ہی۔ دُعا اللہم انا

نجعلك في نحورهم ونعوذ بك من شرورهم اے اللہ ان کی گردنوں کو ہم آپ کے حوالہ کرتے ہیں اور ان کے شرور سے طلبِ پناہ اور استعاذہ کرتے ہیں ہم تو مجبور و معذور ہیں، نہ ہمارے پاس یہ مادی سامان ہے، نہ مادی سامان ہم حاصل کر سکتے ہیں اس لئے کہ ہمارے پاس مادی سامان حاصل کرنے کا طریقہ نہیں ہے، اگر ہے تو قانون منع کرتا ہے کہاں چھپاتے پھریں گے، اگر چھپا پاؤں والا اور مل گیا تو ہماری جان خطرہ میں، ہماری عزت خطرہ میں ہوگی، تو حاصل کیسے کریں۔ یوں حاصل کر سکتے ہیں کہ آپ نے دیا ہے مال و دولت مگر حاصل نہیں کر سکتے یہ بزبانِ قال بھی کہہ رہا ہے بزبانِ حال بھی کہہ رہا ہے، لہذا اللہم انا نجعلك في نحورهم ونعوذ بك من شرورهم دُعا کرتے ہیں۔

اور جو دُعا بنی اسرائیل نے کی تھی اللہ تعالیٰ نے وحی میں اس کو نقل فرمایا کہ یوں کہو: ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمين و نجنا برحمتك من القوم الكافرين -

بعض مواقع میں صبر ہی ضروری ہے :

بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ بدون صبر کے کوئی چارہ نہیں ہوتا، ہاتھ پائی بھی نہیں کر سکتے اوزار بھی استعمال نہیں کر سکتے ایسی حالت میں سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں، اگر نکل کھڑے ہوئے اور خواہ مخواہ بھڑک کر زور آوری کرنے لگے تو خواہ مخواہ پھنس جائیں گے۔ دشمن کو کچھ قوت حاصل ہے اور کچھ پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ اور مسلمان مؤمن میں خود تو طاقت نہیں اور پشت پناہی بھی نہیں اور کچھ ہے تو کمزور، مضبوط نہیں، اب کیوں خواہ مخواہ باہر نکلے کیوں ہاتھ پائی شروع کرے، پہلے

سوچ لیا ہوتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا، کیا ہر چیز یعنی ہر لڑائی کی صورت میں جہاد تھوڑا ہی ہے۔

کمزوری کی حالت میں دشمن کے مقابلہ میں پہل کرنا حرام ہے :

اس لئے ایسی حالت میں پہل کرنا حرام ہے، یہ تحقیقی بات ہے۔ ہاں اپنی جگہ پر ہم خاموش ہیں اور دشمن سر پر چڑھا آ رہا ہے اور چڑھ گیا، اب اس کا مقابلہ ہو، اگر مارا گیا تو شہید، نہ مارا گیا تو اپنی جگہ پر غازی ہے، ہاں پہل کرنا منع ہے، کمزوری کی حالت۔

کمزوری میں عبادات مقصودہ میں بھی حد ضرورت

سے آگے بڑھنا منع ہے :

عبادات مقصودہ میں بھی کمزوری کی حالت میں ضروریات سے آگے بڑھنا منع ہے گویا فرمایا جاتا ہے کہ اپنی کمزوری جسمانی، دماغی اعصابی معلوم ہے تو ضروریات دینیہ فرض و واجب اور سنت مؤکدہ سے آگے تجاوز نہ ہو، تو نے نفل روزے کی اور نفل نماز کی کثرت کیوں قائم کی؟ اپنے بڑھاپے کو دیکھ لینا اور اپنی جوانی میں بھی اپنے اعصاب کو، قوت جسمانی کو دیکھ لیتا، تو نے نفلیں کیوں شروع کیں؟

تیرے اعضاء اعصاب تیرا مرض اور کمزوری سب امور ایسے تھے تو نے اپنی اس وسعت کے ناموافق عبادات نافلہ کیوں شروع کی کہ جس کو سنوار نہیں سکتا تھا، تو گویا حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیری نیت تو مجھے معلوم تھی کہ اخلاص سے صدق سے تو یہ چاہتا ہے تو میں تو تجھے بلا عمل کے ثواب دیتا رہتا۔ لہذا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة تم نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں کیوں ڈالا۔

اسی طرح زمانہ تحریک میں جس قوم کا ساتھ دیا پہلے سوچ لیا ہوتا کہ نتیجہ کیا ہو گا اور سوچ لیا ہوتا کہ کیسی قوم ہے اس میں لحاظ، مرآت بھی ہے یا نہیں دونوں آنکھ بند کر کے ایک کی حمایت کی اور آنکھ بند کر کے ایک سے عداوت کی، اس طرح یک طرفہ نظر کر کے ایک کی موافقت و حمایت میں کیوں قدم بڑھایا، اب اس کے نتائج بھگتے رہو۔

تو اسی طرح یہاں عبادتِ اصلیہ نماز میں جو کہ بڑی بہترین چیز ہے اس میں تونے قدم کیوں اٹھایا، ضروریاتِ دینیہ سے آگے اپنے نبھاوے کو پہلے دیکھ لیتا، اب جو نبھانا پڑ گیا اس سے اور کمزوری آگئی۔ اور شریعت نے ضروریاتِ شرعیہ کے علاوہ دوسری چیزیں گو فرمائی ہیں ان کو جب کرو جب کہ ان کے کرنے کی اپنے میں وسعت ہو، تعداد مقرر مت کرو، جتنی جس وقت سہولت اور ذوق و ذائقہ کے ساتھ ہوا، اتنا کر لو یہ نہ کر خیال کہ میں تو ذکر تین ہزار ہی کروں گا، میں تو پانچ ہزار ہی کروں گا، میں تو دو ہزار ہی کروں گا۔

اصل چیز ذوق ہے :

شوق تو ہے مگر ذوق نہیں ہے پھر کیوں کرے تو جس میں ذوق دل کا لگاؤ ہو وہ کرو۔ اس میں جو فرحت ہے راحت ہے اثر ہے وہ تعداد کی مقدار کے پورا کرنے میں نہیں، خانہ پُری ہوگئی اپنا جی خوش ہو گیا کہ ہم نے چھ ہزار کی تعداد پوری کر لی، لیکن قلب میں کچھ سوز پیدا ہوا؟ دل میں کچھ گداز پیدا ہوا؟ دل میں کچھ رقت آئی؟ کوئی ملائمت آئی کچھ نرمی آئی آنکھوں میں قلب میں نور برسا کہ وہ تو کچھ نہیں، تو پڑھتا ہے کیسے؟ تعداد پوری کر لی، گنتی پوری کر لی۔ گنتی پوری کرو جب کہ شوق کے ساتھ ذوق ہو۔

ذکر میں عبادت، تلاوت، تسبیح اور نفل روزے بھی داخل ہیں :

اسی لئے حکم ہے کہ جب یہ دیکھو ذکر کرتے ہوئے عبادت کرتے ہوئے اس میں تلاوت بھی داخل ہے تسبیح بھی داخل ہے، ذکر بھی داخل ہے نقلیں بھی داخل ہیں روزے بھی داخل ہیں۔ اس طرح کرو کہ ذوق باقی رہے تاکہ دوسرے وقت میں طبیعت تڑپے اس کام کے کرنے کو کہ رات کب آئیگی رات کے اٹھنے کا وقت کب آئے گا ذوق دعوت دے رہا ہے تو شوق پورا کر کے نہیں جی بھر کر ختم کرنا نہیں بلکہ جی کچھ رہے تو دوسرے وقت کھانے کا مزہ آجائے گا جیسے غذائے جسمانی میں مزہ آتا ہے ایسے ہی غذائے روحانی کا مزہ آجائے گا کہ پہلے سے انتظار کر رہا تھا کب رات آئے کہ آخر رات میں نیت باندھ لوں گویا بزبان حال کہہ رہا ہے کہ

ع آرزو ہے تو مجھے اور میں تجھے دیکھا کروں

اس کو ذوق کہتے ہیں، اب دیکھو کہ اس شوق کے پورا کرنے میں کیسا مزہ آرہا ہے، آنکھوں میں نور دل میں نور جسم میں بہار تو جب دین کے کام کہ ضروری تو ضروری ہیں وہ تو حقوق و حدود میں داخل ہیں، اس میں جب یہ کہا گیا ہے تو ایسے ہی دنیوی نقطہ نظر اپنے ایمان کی حفاظت جان و مال اور عزت کی حفاظت کا طریقہ کون سا اختیار کرنا چاہئے؟ کیا بلاء میں ڈال دو؟ کیا اتنا کھانا چاہئے کہ پیٹ میں ثقل ہو جائے اور دست لگ جائیں؟ تو جب جسمانی غذا میں اس طرح نہیں ہے بلکہ ایک آدھ لقمہ بھوک کا چھوڑ کر ہو تو بھلا روحانی چیز تو بہت اونچی چیز ہے۔

میدان میں آنا بہت سوچ سمجھ کر ہو نظر انجام پر ہو :

میدان میں آنا تو اور بات ہے، تو تم نے ایسی حالت میں پہل کیوں کی؟

شریعت کہتی ہے کہ تم نے ایسی حالت میں پہل یعنی جرأتِ مقابلہ کی کیوں کی۔ تو اب بھگتے رہو، میں نے تو منع کر دیا تھا، میں نے قانون جاری کر دیئے تھے قانون کا خیال کیا ہوتا، پھر ہماری امداد آجاتی امداد تو اب بھی آئے گی لیکن مر بھر کر، تم نے صبر کیا ہوتا ہاں چڑھ کر ہی آجائیں تو اپنی حفاظت ضروری تھی، پھر تو یہ ہوتا کہ یا مریں گے یا بچیں گے، اگر مریں گے تو شہادت جیسے گھر میں چور آجائے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے اس سے ہاتھ پائی ہو جائے اور یہ مال کی حفاظت کرنے والا مر گیا تو یہ شہید ہو گا، شہادت کا مرتبہ پائے گا، ہاں مقابلہ نہ کرے نہ سہی کہ گھر سے نکل کر بھاگ جائے اور چور کے سپرد کر جائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

جان کی حفاظت مال کی حفاظت پر مقدم ہے :

کیونکہ جان کی حفاظت زیادہ اہم ہے اور پہلے ہے اور مال کی بعد میں ہے، عزت کی حفاظت مال کی حفاظت سے پہلے ہے مال کی حفاظت بعد میں ہے، مال جائے جائے لیکن جان و عزت بچی رہے گھر سے نکل گیا وہ اپنے کو ایسا سمجھا اور اگر وہ گھر میں رہنے والا یہ سمجھا کہ یہ ایک چور ہے جیسے یہ ہے ویسے ہی میں بھی ہوں، یہ کچھ ہاتھ پائی کرے گا تو میں بھی کروں گا، اگر وہ مر گیا بس مقصود حاصل اور میں مر گیا تو شہید، تو یہ جان کو ہلاک نہیں کر رہا، وہ تو جان کی حفاظت کے لئے کر رہا ہے کہ گھر میں گھس آیا، وہ اس لئے کہ اگر دشمن زور آور ہو، گالی دے رہا ہے تو بہرے بن جاؤ، گالی دے رہا ہے، بڑے بڑے سخت الفاظ کہہ رہا ہے اور ہے ایسا تو بہرے بن جاؤ جب بہرے بن گئے تو زبان سے بھی کچھ نہیں تو آگے سلسلہ بڑھنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے، ہاں کوئی بالکل شیطان ہی ہو گیا ہو تو اس کا تو بغیر مقابلہ کے چارہ نہیں، کہ ہم نے گویا بات سنی اور ہم نے کچھ کہا بھی نہیں اور پھر بھی گالی دینے سے باز نہیں آ رہا ہے اور گالی بڑھ بڑھ

کردیتا چلا جا رہا ہے، بلکہ وہ تو آگے بڑھ کر ہاتھ چلا رہا ہے، یہ بات ضمناً آگئی۔

جہاد کی شرطِ اوّل تقویٰ ہے :

جہاد کی پہلی شرط تقویٰ حاصل کر لینا ہے، بغیر اس کے جہادِ حقیقی واقعی نہیں ہو گا، قاعدہ مشہور و مسلم ہے اذافات الشرط فات المشروط، نماز پڑھنے کے لئے طہارت شرط ہے پانی نہ ہو تو تیمم شرط ہے اور اگر طہارت نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔

شرطِ باہر کی چیز ہوتی ہے :

اور شرطِ الشئی شے کا موقوف علیہ ہے کہ اس پر موقوف ہے شے کا ہونا۔ لیکن وہ شے سے باہر ہے اس میں داخل نہیں، اس میں اس کی ذات داخل نہیں، وضوء نماز سے پہلے ہے نماز بھی پڑھ رہا ہے اور وضوء بھی کر رہا ہے، کیا ایسا ہے ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ اسی طرح جہاد کے لئے تقویٰ شرط ہے، تقویٰ باطنی بھی ہو اور ظاہری بھی ہو، ظاہری اعمال جو تقویٰ کے لئے مثل جسم ہے وہ اچھے سے اچھا ہو اور اعمال کا جو جسم و ظاہر بُرا ہو اس سے الگ رہے یہ شرط ہوگئی تقویٰ کی۔

تقویٰ کا حُسنِ خلق :

تقویٰ میں دو جز ہیں ایک تو حُسنِ خلق اور ایک حُسنِ خلق۔ حُسنِ خلق ظاہری اعمال کے اجزاء ہیں۔ حُسنِ خلق یعنی جسمانی و ظاہری اعضاء اچھے اچھے ہوں تو عمل صالح بھی ایک جسم ہے وہ بھی حُسن کے ساتھ ہو۔

نماز کے اعضاء کا بیان :

مثلاً نماز میں کھڑا کس طرح ہونا ہے، نیت ہاتھ کس طرح باندھنا ہے کہاں

باندھنا ہے نگاہ جو خلاف اٹھتی ہے اس کو کس طرح کرنا ہے، ان پر جمعیت خاطر نگاہ کا جمانا دل رکھنا کس طرح ہے ارکانِ رُکوع، سجدہ قومہ، قرأت، سجدہ، جلسہ یہ سب چیزیں اجسام میں داخل ہیں۔ کیا یہ چیزیں نظر نہیں آرہیں؟ تو جب نظر آتا ہے تو یہ جسم ہے، تو عملِ صالح اور عبادت کا یہ حُسنِ خَلق ہو گیا۔

تقویٰ کے حُسنِ خَلق کی حقیقت :

اب اعمال کا حُسنِ خَلق سمجھئے! حُسنِ خَلق یعنی باطن کا بھی ٹھیک ہونا درست ہونا حُسنِ خَلق آنکھ (نگاہ) کا ٹھیک ہونا، کان کا ٹھیک ہونا، حُسنِ خَلق زُبان کا ٹھیک ہونا، دل کا ٹھیک ہونا اب یہ تو اندر کی چیز ہے وہ تو نظر نہیں آرہی ہیں مگر کان نظر آ رہا ہے آنکھ، زُبان نظر آ رہی ہیں لیکن دل نظر نہیں آ رہا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ نظر آ رہا ہے۔ (یعنی جب کہ ظاہر سے اہتمام اور خضوع معلوم ہو رہا ہے) اب کسی کو کیا معلوم کہ کان کہاں لگے ہوئے ہیں۔ تو وہ عبادت جو نظر آتی ہے وہ بھی حُسنِ خَلق کے ساتھ حُسنِ خَلق لئے ہوئے ہے، اب چاہے اعضاء سے متعلق ہو یا باطن سے متعلق ہو، اگر اعضاء سے متعلق ہے تو اعضائی حُسن کے ساتھ ہو۔

رُکوع کا حُسن یہ ہے کہ سر و سرین برابر ہو اگر کمزور ہے کوئی تو خیر! اب قیام ہے ایک پیر جھکا ہوا اور ایک پیر سیدھا، گھوڑے کی طرح کھڑا ہو گیا، بلکہ دونوں پیر جب کہ بوڑھا نہیں، موٹا نہیں کمر میں درد نہیں ہے پورا قیام ہو یعنی دونوں پیر بالکل سیدھے ہوں۔ ہتھیلی کے اوپر ہتھیلی یہ حُسنِ خَلق ہے۔

ظاہری اعضاء کا حُسنِ خَلق سے رکھنا حُسنِ خَلق پیدا کرتا ہے :

تو امید ہے کہ حُسنِ خَلق سے حُسنِ خَلق بھی ہو جائے گا، یعنی اندر کی درستی بھی

ہو جائے گی جب اس طرح الفاظی حُسنِ خلق کو لے رہا ہے تو دل ہی تو ادھر ہے اگر دل میں آزادی ہوتی اور بے فکری ہوتی اور ادھر جی لگا ہوا نہ ہوتا تو اس طرح بھلا الفاظ و قرأت اجسام و اعضاء عبادت کیسے دُرست ہو سکتے تھے، یہ استحضار و خیال اور دھیان کہ وہ تو دیکھ رہا ہے، یہ حُسنِ خلق ہے اس دیکھنے کا یہ حُسنِ خلق ہے۔

حُسنِ خلقِ دلیلِ اتنی ہے :

حُسنِ خلقِ اندر کے حُسنِ خلق کی دلیلِ اتنی ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا حُسنِ ظن کہ اس میں اندر کا حُسنِ خلق ہے اس لئے یہ اس کی عبادت کا حُسنِ خلق ہے۔

حُسنِ خلق اور حُسنِ خلق کی پیدائش :

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کا احساس حاضر و ناظر ہونے کا نہ ہوتا تو اس طرح ٹھیک ٹھیک اعضاء نہ ہوتے۔ کیونکہ ہم تو دیکھ رہے ہیں ساری مخلوق آزادی سے نماز پڑھتی ہے، جب چاہے کھانس لیا جب چاہے ڈکار لے لی، آزادی ہے اور یہ شخص جمائی کو روک رہا ہے، ڈکار کو مجبور ہو کر آہستہ لانے کی کوشش کر رہا ہے معمولی سی کھجلی پر ہاتھ نہیں جاتا ہے، یہ کچھ نہیں کر رہا ہے، کیونکہ حُسنِ خلق منع کر رہا ہے، اندر کی جو عادت اچھائی کی ہے وہ منع کر رہا ہے۔ یہ آنکھوں کے ادھر ادھر ڈالنے کو منع کر رہی ہے۔ وہ تو جما ہوا ہے تو وضوء شرط ہے طہارت شرط ہے، اور وضوء طہارت نماز سے باہر کی چیز ہے یہ شرط کی خاصیت و کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مشروط سے باہر ہوتی ہے۔

شرط اور شرط میں فرق :

ہاں رُکوع و سجدہ، قیام اور قومہ، قرأت یہ ارکان نماز کے اندر ہیں جزوِ صلوة

ہیں اور وہ شطر ہیں بطور علت ہیں۔ تو تقویٰ یہ باہر کی چیز ہے یہ شرط جہاد ہے اور جب شرط نہیں ہے تو جہاد کا تحقیق نہیں۔ قاعدہ ہے اذافات الشرط فات المشروط، تو پہلے جہاد کی شرط قائم کرو جیسے عبادت نماز کے لئے پہلے طہارت قائم کرو پھر نماز پڑھنا اور بلا طہارت نماز قائم کرنا، نماز نہیں ہوتی؟

جہاد کی علت اور اس کا رکن و شطر :

دوسری چیز جہاد کے لئے شطر اور رکن مرکز ہے۔ تو جب تک یہ دو چیزیں (تقویٰ اور مرکز قوت اجتماعیہ) نہ پائی جائیں اس وقت تک جہاد کا حکم نہیں ہے۔

مکہ معظمہ میں کیا صحابی ﷺ نہیں تھے، کیا تیرہ سال تک کوئی مؤمن تھا ہی نہیں؟ کیا صرف حضور ﷺ تھا تھے؟ ایسا نہ تھا بلکہ برابر باہر سے آ کر ایمان لاتے رہے اور مؤمن ہوتے چلے گئے، وہاں کے بھی ہوتے رہے، تو مؤمنوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

جو بھی ایمان لاتا وہ متقی بن جاتا :

وہاں تو یہ حال تھا کہ ایمان لاتے ہی متقی ہو گئے، بڑے بڑے کافر بھی حضور ﷺ کی معیت و صحبت سے متقی ہو گئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **حب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ہم الراشدون۔** پس کسی کو صحابہ ﷺ کے بارے میں انگلی اٹھانے کی گنجائش نہیں حضرت بلال ﷺ کسی کے غلام ہو گئے۔ ان پر وہ آقا ظلم پر ظلم، ستم پر ستم کیسے کیسے، ظلم کے پہاڑ تھوڑ دیئے، اس وقت تو وہ ہیں بھی نہیں، رات کو آگ میں پتھر تپا دو، دن کو نکال دو اور بھاری پتھر گرم سینہ پر رکھ دو، کیا یہ سخت ظلم نہیں تھا؟ لیکن زبان پر احد احد بزبان

حال گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ظالم تجھے جو کچھ کرنا ہے کر لے مگر میں ایمان نہیں چھوڑوں گا، تو ایمان کیسا مضبوط جتنے تھے ایمان لاتے ہی پورے متقی ہوتے تھے۔

فرعون کی بیوی آسیہ کا ایمان لانا :

آسیہ فرعون کی بیوی تھیں اور چھپ کر ایمان لے آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے، اس شوہر فرعون نے کیا کچھ نہ کیا سینہ پر پتھر رکھوا دیا سہل رکھوا دی سپاہیوں سے لیکن ایمان پر قائم رہی، کیا وہ متقیہ نہیں تھیں؟ اسی حال میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، رب حب لى عندك بيتاً فى الجنة، جنت حاضر ہو گئی لیکن ایمان نہیں گیا تو متقیہ نہیں تھی وہ؟ متقیہ ہیں چار ہاتھ پیر بھی ہیں تو کیا فرعون کو مٹکا نہیں مار سکتی تھیں؟ لیٹنے سے بھی انکار نہیں کر سکتی تھیں، سوچئے؟

باوجود حصول تقویٰ جہاد کی اجازت نہیں دی گئی :

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاتھ پیر نہیں لگا سکتے تھے اور جب دق ہو گئے تو طبعی طور پر حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہمیں تھوڑی اجازت دیجئے گا ہم بھی ہاتھ پاؤں نکالیں؟ تو فرمایا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، صبر صبر مالوں کا بھی نقصان ہو رہا ہے اور دل کے رنج و غم کا بھی دخل ہو رہا ہے۔ تو تیرہ سال میں کیا حکم جہاد آ گیا؟ حالانکہ تقویٰ حاصل ہے کیونکہ سب متقی تھے اب جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے چلے گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی تو ایک سال ہی گذرا، متقی تو مکہ میں ہوئے اور مرکز وہاں مدینہ بنا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گیا۔ تقویٰ ظاہر و باطناً حسنِ خلق اور حسنِ خلق کہ اعمال میں بھی حسنِ خلق درجہ احسان کے ساتھ۔

احسانِ عبادت :

اور احسان کیا ہے، احسان کا مادہ حسن ہے معلوم ہوا کہ وہ عبادتیں جو کی جاتی

ہیں اس کا طریقہ جس حُسن کے ساتھ ہے اس حُسن کے ساتھ کیا جائے، وہ ہے تمہارے دل میں میری یاد وہ اعمال اس حُسن کے ساتھ جیسے کہ میرے سامنے بننے پر ہوتے تو اگر چہ وہ یاد تمہارے اندر نہیں ہے لیکن اس کا اثر ہے جو کہ درجہ احسان ہے۔ تو اعمال و اخلاق میں حُسنِ خُلق مطلوب ہے چاہے اس وقت دل میں ذاتِ باری تعالیٰ کی یاد دھیان سے ہے یا نہیں ہے لیکن اس طرح قرأت کر رہا ہے اس طرح رُکوع کر رہا ہے جیسا کہ دھیان ادھر جانے پر ہوتا ہے۔ اب دوسرا دھیان جس طرح ہونا چاہئے اس طرح کیسے ہوگا؟ تو دونوں چیز ہو سکتی ہیں ورنہ ایک میں کمی ہوگی اور ایک میں کمال ہوگا، اور ذاتِ باری تعالیٰ کو کمالِ عمل مطلوب ہے اپنا اس وقت دھیان مطلوب نہیں۔

حضور ﷺ کا سجدہ سہو :

حضور ﷺ کو سہو ہو گیا کہیں دوسری چیز کی طرف دھیان چلا گیا۔ اب وہ حضور ﷺ کا دھیان جو گیا وہ اعلیٰ کی طرف گیا، مگر وہ اعلیٰ اس نماز میں نقص کا سبب بن گیا کہ بھول ہو گئی، لہذا حکم ہوا کہ اس کی تلافی کرو، سجدہ سہو کے ساتھ چونکہ جس عمل کو میں نے کہا تھا اس عمل میں جو تم اس وقت لگے تھے وہ حسنِ خلق کے ساتھ ہوتا رہتا، حسنِ خلق یعنی اس کو اس خوبی کے ساتھ ادا کرتے جس میں سجدہ سہو نہ ہوتا تو اس میں کمی آگئی، اگرچہ آپ ﷺ کے دل میں میرا خیال ایسا جم گیا کہ سہو ہو گیا۔ مگر مجھے تو اس وقت ان اعمال کا حُسن مطلوب ہے، چاہے اس وقت میرا ذکر دل میں ہو یا نہ ہو۔ تو حضور ﷺ کی توجہ التفات اور قلب تو اعلیٰ کی طرف تھا مگر اس کے باوجود بھی چونکہ حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق اعمال میں فرق آ گیا ہے اس لئے حکم سجدہ سہو کا ہوا۔ معلوم ہوا حُسنِ خلق مطلوب ہے چاہے اس وقت قلب میں حسن یا دھیان ہو یا نہ ہو لیکن گاہے اتفاق پر ہوگا ورنہ کوئی وجہ نہیں۔ میں نے شروع میں کہا تھا توفیق الہی سے جبکہ حسنِ خلق ہوگا حسن

خلق بھی ہوگا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اتفاقاً اس کے خلاف ہو جائے۔ یہ روزِ روزِ سجدہ سہو کیسا؟ تو اتفاقاً ایسا ہو سکتا ہے لیکن ہماری جو توجہ ہوگی وہ ادنیٰ کی طرف ہوگی نہ معلوم کہاں چلا گیا خیال، لیکن اولیاء اللہ کا ذہن استغراقی ہو گیا، نماز میں بھی سہو کی نوبت آگئی تو ان اکابر اولیاء اللہ کا سہو اور نوعیت کا ہے اور ہمارا سہو اور نوعیت کا ہے۔

صبر ہی کا دوسرا عنوان تقویٰ ہے :

اعمالِ ظاہرہ اور اعمالِ باطنہ کے ساتھ رہنا، اعمالِ ظاہرہ بھی پابندی دائمی کے ساتھ رہنا یہ حصول و تکمیلِ مجاہدہ ہے تو انسان کی طبیعت میں حریتِ آزادی ہے اس کو روکا اور تقویٰ کی طرف اس نفس کو لایا، اس کا پہلا درجہ پنج وقتہ، وقت کے اندر جب تک کہ شرعی مانع نہ ہو وقت کے اندر مسجد میں جا کر خاموشی، سکون بآداب مسجد میں بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شریک ہو کر بدرجہ احسان نماز کا اہتمام کرنا کئی قیدیں ہو گئیں۔ روزہ میں یہ شرط نہیں ہے اس لئے اکثر فرض روزہ رکھتے ہیں، اور نماز نہیں پڑھتے، اور عورتیں تو کچھ نہ پوچھو، نماز کے معاملہ میں بہت سُست ہیں روزہ میں یہ قید نہیں ہے وہ تو یہ ہے کہ سحری کھالی اور صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک اب منہ بند ہے کھانے پینے سے، اگر بیوی والا ہے بیوی کے پاس جانے سے روک دیا، باقی تو آزاد ہے، دکان کھولو جنگل جاؤ کھیتی کرو، تجارت کرو لوگوں سے ملو پڑھاؤ لکھو اور سارا دن آزاد رہے۔

تقویٰ ہی جہادِ اکبر ہے :

تو تقویٰ ظاہری اور باطنی کا پہلے سے تخیل ہو جانا اب اندر کے اور باہر کے اعضاء کا تقویٰ ہو، وہ کیا اور کس طرح؟ مجاہدہ آنکھ کا بھی مجاہدہ کان کا بھی مجاہدہ زبان کا

بھی ہاتھ کا بھی، پیروں کا بھی، مجاہدہ جو جسم کا خاصہ ہے، تو جسم کو بھی اور پورا باطن کو بھی اور پورے ظاہر و باطن کو تقویٰ کے زیور سے آراستہ کرو جو اپنی ہوائے نفسانی ہے اس کے خلاف کرو، یہ جہاد ہے۔ اس جہاد کا نام ہے جہاد اکبر اور وہ جہاد جو انسانوں کافروں کے ساتھ ہوتا جہاد اصغر ہے تو پہلے جہاد اکبر سے فارغ ہو جاؤ جس کا نام ہے تقویٰ اعمال ظاہرہ و باطنہ حکم ذات باری تعالیٰ وہ جہاد جہاد اکبر ہے، اور اپنے جیسے انسانوں سے یہ جہاد اصغر ہے تو گویا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے تم جہاد اکبر سے فارغ ہو جاؤ ورنہ تم جہاد اصغر تحت حکم الہی نہیں کر سکتے۔

جہاد اکبر کے بغیر جہاد اصغر نہیں ہو سکتا :

جہاد اکبر بملکہ حاصل نہیں ہے تو جہاد اصغر نہیں کر سکتے، آنکھیں بھی غلطی کرے گی، زبان بھی غلطی کرے گی اور کان بھی حکم کے خلاف کہاں کہاں سنتا پھرے گا اور جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد اکبر بملکہ کر چکے تھے تو اب موقعہ جہاد میں جب مخالفین نے نصرانی عورتیں ان کے سامنے کر دیں تو اب آنکھیں غلطی نہیں کر رہی ہیں، سونے چاندی اور ہیرے جواہرات بکھیر دیئے مگر دل غلطی نہیں کر رہا، حرص طمع اور لالچ میں آ کر ادھر مائل نہیں ہو رہے، پوری فوج خاموشی سے گذر گئی، اور اب حال یہ ہے کہ ہماری آنکھ بھی غلطی کر رہی ہے اور زبان بھی غلطی کر رہی ہے کہ خلاف طبع بات پر ایسے ایسے الفاظ نکال رہا ہے کچھ ٹھیک نہیں جو نہیں نکالنے چاہئیں۔

محض خبر پر بلا تحقیق عمل جائز نہیں :

ادھر کسی نے خبر آ کر دے دی اور تحقیق نہیں کی اور خبر سنی ہوئی پر ہی چلنے لگا تو یہ حکم قرآنی کے خلاف ہو گیا قرآن پاک میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا ان جائکم

بق بنبائ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین -
 ب کہ تم کو آ کر کوئی خبر دے کسی فریق کی تو تم اس کے اوپر ہی یقین کر کے عمل در آمد نہ
 ہو، بلکہ جو زیادہ سمجھدار ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ تو دیکھئے اعضائے انسانی
 کے ماتحت ہیں۔ جہاد اکبر سے فراغت ہوگئی بملکہ ورنہ جہاد اصغر میں غلطیاں ہوں
 اس میں للہیت کے اندر فرق آجائے گا۔ حُبِ جان ہو جائے گی حُبِ مال ہو جائے
 حُبِ نفس ہو جائے گی ہوائے نفس، خواہشاتِ نفس آجائے گی۔

اداکبر سے ہر وقت سابقہ پڑتا ہے :

اور خواہشاتِ نفس ہی کے یہ سب جزئیات ہیں آنکھ کی غلطی، زبان کی غلطی،
 پیر کی غلطی، جہاں نہیں چلنا چاہئے ادھر جا رہے ہو، ہاتھ ادھر نہیں اٹھنا
 چاہئے اٹھا رہے ہوں، جہاں آنکھ کو استعمال نہیں کرنا استعمال کر رہے ہو جہاں زبان
 چلانی چاہئے تھی زبان چلا رہے ہو، جہاں کان نہیں لگانا چاہئے تھا لگا رہے ہو۔ تو
 جہاد اکبر ہوا یا نہیں؟ اور ہر وقت کا ہے یا ایک دو گھنٹہ کا؟ ہر وقت کا ہے اور وہ جہاد
 انسان کا انسان سے مؤمن کا غیر مؤمن سے وہ وقتی ہے یا ہر وقت؟ دوسرے
 جو وقتی ہونے کے اس کو صحیح کرنا ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا پر چلنا بہت مشکل ہے۔
 چہ وقتی ہے اس لئے اس ہیئت حسنِ خلق، حسنِ خلق کے ساتھ تقویٰ بجاہدہ اس کو
 اکبر کہتے ہیں اس سے فارغ ہو کر جہاد اصغر ہے، حدیث شریف میں ہے جب
 د سے واپس آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس
 آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جہاد اکبر کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نفس کا مقابلہ
 نفس کا مقابلہ کیا ہے وہ ونہی النفس عن الہوی ہے۔

خواہشِ نفس کی بہت صورتیں ہیں :

اور ہوئی کی بہت صورتیں ہیں قوتِ شہوانیہ کا مٹ جانا، قوتِ غضبیہ، غصہ کا مٹ جانا قوتِ عقلیہ کا وحی کے مقابلہ میں ختم ہو جانا۔

قوتِ غضبیہ، قوتِ شہوانیہ، قوتِ عقلیہ ہر ایک کی تین تین قسمیں ہیں :

ان تمام کی تین قسمیں ہیں افراط، تفریط اور اعتدال۔ عدل مطلوب ہے اور افراط تفریط کچھ نہیں، قوتِ غضبیہ کے اندر تہور آ گیا، قوتِ غضبیہ کے اندر اجنبیت آ گئی دونوں ممنوع ہیں تہور کا مطلب ہے اپنے سے کئی گنا طاقت والے کے سامنے آ جانا اگر اپنے سے کئی گنا طاقت والے کے سامنے آ گیا نا جائز ہے اب تو آپ سمجھے جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر کو تو جہادِ اصغر کے لئے جہادِ اکبر کا ہونا پہلے ضروری ہے۔

ظاہری تقویٰ کو حُسنِ خَلق، باطنی تقویٰ کو حُسنِ خَلق کہتے ہیں :

عرض یہ کیا تھا احقر نے تقویٰ حُسنِ خَلق حُسنِ خَلق ہے، تو تقویٰ میں حُسنِ خَلق بھی ہونا چاہیے اور حُسنِ خَلق بھی ہونا چاہیے تب کہا جائے گا تقویٰ، مثلاً نماز کا جو نماز میں اجسام ہیں اعضاء ہیں وہ بھی پورے حُسن کے ساتھ اور نماز کا جو باطن ہے وہ بھی بہت ہی حُسن کے ساتھ، تو ظاہر کو حُسنِ خَلق کہتے ہیں اور باطن کو حُسنِ خَلق کہتے ہیں۔

تقویٰ ممنوعاتِ ظاہرہ اور باطنہ کا جامع ہے :

تقویٰ تو جامع ہے ممنوعاتِ ظاہرہ اور ممنوعاتِ باطنہ کے چھوڑنے کا نہ کہ ممنوع شراب، تو تو نے چھوڑ دی ممنوع جو تکبر تھا اپنے اندر وہ نہیں چھوڑا، سود پر تو نظر ڈالی نہیں، تقویٰ آ گیا نظر بد نہیں چھوڑی تقویٰ آ گیا؟ ہَلُمَّ جَرَّ اَعْلٰی هٰذَا الْقِيَاسُ،

تقویٰ کو کھیل بنا لیا، اور اگر صحیح معنی میں دیکھا جائے بتعلق حق تعالیٰ تو شراب تو تو نے چھوڑ دی جو ظاہراً ممنوع ہے وہ بھی خدا کے حکم سے نہیں چھوڑی، وہ بھی خدا کے خوف سے نہیں چھوڑی، کیسے معلوم ہوا، اگر خدا کے خوف سے وہ چھوڑی ہوتی تو تکبر بھی خدا کے خوف سے چھوڑ دیتا اور وہ نہیں چھوڑا تو یہ بھی خدا کے خوف سے نہیں چھوڑی، ایک عالم (دنیا) کا طریقہ نہیں قوم کا طریقہ نہیں ہے۔ اس پر طعن و تشنیع اور کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں، مسلمان قوم وغیرہ وغیرہ کوئی پیتا ہوا اگر خدا نہ کرے اس کا بھی ایک عام رواج ہو جائے تو اس وقت دیکھیں کہ چھوڑنے والے نے اگر خدا کے خوف سے نہیں چھوڑا وہ بھی پینے لگے گا، جیسے کہ آج پی رہے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ میرا بچہ بڑا آزاد ہو گیا، یہاں تک کہ شراب پینے لگا ہے، ادھر ادھر بیٹھنے لگا غیروں کے پاس ہمارا بچہ سینما و شراب جانتا بھی نہ تھا اور چودہ پندرہ برس کا ہے شراب پی رہا ہے کیونکہ اس کی صحبت غیر کے ساتھ ہے، تو تقویٰ کوئی کھیل نہیں ہے یوں تو تقویٰ اس میں بھی ہے جو ایمان لے آیا جو بتصدیق قلبی ایمان لے آیا، تقویٰ اس میں بھی ہے لیکن کیا کوئی شخص اس کو بوصفِ خاص متقی کہے گا۔

خدا تعالیٰ نے مؤمن کو متقی فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی ہے :

ذاتِ باری تعالیٰ نے اس مؤمن کو جو صاحبِ تقویٰ کہا ہے یہ اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا حیا ہے، مؤمن کے ایمان کا تقاضا غیرت ہے، تو حق تعالیٰ نے اس کو نفسِ ایمان پر متقی کہا ہے کہ ایمان کے ساتھ اس میں غیرت ہے اس میں حیا ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان کے تقاضے پر ممنوع چیزوں سے بچتا چلا جائے منکر چیزوں سے بچتا چلا جائے اور معروف چیزوں پر بچتا چلا جائے۔ ایمان

پر قناعت کر کے بیٹھ جائے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو متقی کہا ہے، درست ہے؟ اگر درست ہے تو پھر چراغ جلا کر بیٹھ جاؤ کمرے میں بجلی کو لینے کی کیا ضرورت ہے روشنی بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ تو نفسِ روشنی نفسِ نور کمرے کے چراغ سے بھی ہے پھر یہ کہ قصہ ہے کیوں زیادہ روشنی کی طلب اور چاہت ہوتی ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں اندھیر یوں سے روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ لہذا اسی روشنی پر قناعت کر کے تم بیٹھ گئے ہو تو چراغ کی روشنی پر بھی قناعت کر کے بیٹھ جاؤ۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو ولایت کے خطاب سے نوازا ہے :

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ خطاب ولایت کا دیدیا، یہ ولایت کا خطاب جب دیدیا تو اس کو قائم رکھنا جس بادشاہ نے خطاب دیا ہے اس بادشاہ کے حکم کے خلاف نہ ہونے پائے کسی چیز میں تب تو خطاب رہے گا ورنہ خطاب چھن جائے گا، سلب ہو جائے گا۔ آپ کو کہاں کا خطاب، ڈرنے کی چیز ہے یا نہیں؟ میں نے تم کو خطاب دیا تھا، تم نے اس خطاب کی وقعت کیا کی؟ اس کا جواب دو۔ اس نور سے تم نے کیا کام لیا پس روشنی کو بڑھاتا رہے یا وہیں کا وہیں رہے؟ یا اس کو بھی بجھا دیا۔ یہ ذاتِ باری تعالیٰ نے جو فرمایا ہے یہ مؤمن کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہادِ اکبر کی صحیح اخلاص کے ساتھ توفیق ارزانی سے نوازیں (آمین)





بائیسویں مجلس

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ دَعْوَىٰ بَدَلِيلُ هِيَ

مورخہ ۷ اربیع الآخر ۱۴۱۱ھ بمطابق ۷ نومبر ۱۹۹۰ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح ۱۰ بجے

بیعت کے لئے سفر نہیں :

ایک صاحب نے سلسلے میں داخل ہونے کے لئے حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ محض سلسلے میں داخل ہونے کے لئے سفر کی حاجت نہیں بلکہ خود داخل سلسلہ ہونے کی ضرورت بھی نہیں، یعنی بیعت ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔

اصل چیز کام ہے بیعت نہیں :

اصل مقصود کام ہے سفر کی ضرورت نہیں جو کام گھر بیٹھے ہو جائے تو پھر بلا کسی ضروری کام کے سفر ضروری نہیں۔ گھر رہنے اور اپنے کو گھیر لیجئے۔ صحیح صحیح حالات کی اطلاع دینے کا اہتمام اور اخلاص کے ساتھ تعلیمات پر اتباع کرتے رہنے کا التزام

کچھنے اس سے گرو نہیں؟ گر گئے اب بلا حالت کی اطلاع کے اور بلا تعلیم کے اتباع کے کام کرنا کیسا۔ گھر رہنے اور گھرے رہنے، سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر آج کل کا سفر سقر ہے جہنم سے کم نہیں۔ تشریف نہ لائے کوئی ضرورت نہیں جیسے جسمانی بیمار اپنے کو مریض سمجھ کر اور صحت کی فکر رکھتے ہوئے ڈاکٹر کو اطلاع کرے گا اور اپنی حالت کا اور حکیم جی کے نسخوں کے ساتھ اور پرہیز کے ساتھ اتباع کرے گا، وہی یہاں پر ہے کہ حالاتِ باطنی و نفسانی کی اسی طرح اطلاع کرتا رہے، صحیح صحیح وہم میں نہ پڑے اور جو تعلیم ہوتی رہے علاج و معالجہ تعلیم اس پر چلتا رہے بس گھر میں بیٹھے گھر گیا، آزادی سلب ہوگئی رہی ہمت جب کسی چیز کو ضروری سمجھ رہا ہے نفع کی اور نقصان سے ہٹنے کی اور بچنے کی تو اس میں ہمت ہوگئی۔

عہدِ الست کا ذکر :

اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان یہاں عالمِ میثاق میں تم نے عہد کیا ایمان لائے، اس عالمِ میثاق میں ارواح نے عہد کیا، الست بربکم میں نے تم سے کہا تھا اور تم سے پہلے میں نے آسمانوں سے کہا تھا پہاڑوں سے کہا تھا، میں نے ان سے کہا تھا تو انہوں نے تو انکار کر دیا تھا معذرت پیش کر دی تھی ادب کے ساتھ، میں نے ان کو کچھ نہیں کہا کہ تم نے کیوں قبول نہیں کیا؟ میں نے کچھ نہیں کہا ان کو غیر مکلف چھوڑ دیا۔ اور جب اے انسان میں نے تمہارے سامنے امانتِ احکام ادا کرنے کی پیشکش کی تو تو نے بڑھ کر ہاتھ مارا، حالانکہ تجھ سے پہلے وہ سبھی قوی تر تھے، آسمان پہاڑ تجھ سے پہلے ان سب پر پیش کر چکا تھا، اور اے انسان مٹی کے پتلی پتھروں کے پتلی، وہ آیت کیا ہے.....؟

انسان کی امانت احکام کو لے لینا :

انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال هاں یہ ساری کی ساری چیزیں ان کو پیش کی تھیں مگر سب نے کہا تھا ہمارے بس کا کام نہیں تو تمہیں تو معلوم ہے کہ میں پہلے ان کو پیش کر چکا اور انہوں نے کہ وہ تم سے قوی تر تھے تو پہاڑ کیا مٹی کا ہوتا ہے وہ تو پتھر کا ہوتا ہے اور تو مٹی کا پتلا ہے، ان پتھروں نے تو منع کر دیا۔ اور تو مٹی والے نے یہ دیکھ بھی لیا اور سن بھی لیا کہ انہوں نے انکار کیا اور پھر بھی تو نے قبول کر لیا تو بھی انکار کر دیتا تو میں نے جیسے ان سے کچھ نہیں کہا تھا تجھ سے بھی کچھ نہ کہتا۔ لیکن جب تو نے قبول کیا ٹھیک ہے۔

رب ہونے کا اقرار تمام احکام کو قبول کرنا ہے :

تم نے جب میرا رب ہونا قبول کر لیا اب تمام احکام کے ساتھ قبول کر لئے اب تم کو کچھ کہنے کی مجال نہیں۔ اب جو جو میں احکام بھیجتا رہوں سنا تا رہوں تعلیم دیتا رہوں وہ سب تعلیم قبول کرنی پڑے گی اسی پر چلنا پڑے گا اسی پر عمل کرنا ہوگا۔ جب تو نے بلی کہا تھا نہ اور جب تو نے قبول کر لیا ہے تو اس کے ساتھ ہی میری سب چیزیں تیرے ذمہ لازم ہو گئیں۔ ناقص العقل ہو کر عورت کا نقصان عقل شریعت میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: من ناقصات العقل، تم سب کم عقل ہو بے عقل نہیں کہا، عورتوں کو بتلا دیا کہ ساری کی ساری عورتیں کم ہیں، یہ وزارت چاہ رہی ہیں کم عقل، یہ ضمناً بات آجاتی ہیں۔ اس کے لواحقات میں سے ہے عورت کم عقل ہے یا عقلمند؟ حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

جب عورت کم عقل ہے تو حکومت کا عہدہ

کیسے انجام دے سکتی ہے؟

جب کم عقل ہے بھلا حکومت کا کام کر سکے گی وہ؟ ریاست کا کام کر سکے گی؟ جیسا کہ کرنا چاہئے وہ عقل کہاں سے لائے گی، جزئیاتی وہ ہمت دلیری جرأت کہاں سے لائے گی۔ مولانا روم نے بھی ایسی بہت باتیں لکھی ہیں جو شرم کی سی ہیں، شادی ہو گئی جوان بیوی ہے اور میاں بھی جوان ہے بس کچھ نہ پوچھو، نہ دن کو دیکھے نہ رات کو دیکھے، بیوی صاحبہ کے تو دو چار بچے ہو گئے، اس کی شبائیت کی جو خواہش تھی وہ ٹھنڈی پڑ گئی، اب وہ بات اس میں نہیں تو بہادری اس کی اور جرأت اس کی کہاں ہے؟ لیکن میاں صاحب تو ساٹھ برس کے بھی ہو گئے لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اب دیکھو مرد کی جرأت، مرد کی ہمت ساٹھ برس کے بھی اور وہاں اس کے دو تین بچے ہو گئے ہیں کہ اس کی جرأت وہ ہمت اور کہیں ذرا کچھ کھانے پینے کو اچھا مل جائے تو کیا پوچھو پھر بھلا یہ عورت ناقصات العقل اور اعضاء اس کے کمزور، بھلا اس میں جرأت کہاں اس میں وہ ہمت کہاں وہ بادشاہ بننا چاہے، وہ تو وزیر اعظم کا کام کرے گی جو کرے گی وہ تو کرنے سے رہی، وہ تو سوچنے سے رہی ان کا ذہن چلے گا جو کچھ چلے گا اس کا تو ذہن چلنے سے رہا۔ تو یہ کم عقل عورت مرد کو زور دے رہی ہے کہ جب تم نے قبول کیا تھا تو کیسی بات کہہ رہے ہو، باہر سمجھدار مردوں سے پوچھو کہ اس قبول کرنے کے ساتھ میرا کھانا میرا پہننا میرا رہنا سہنا سب آپ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ قرآن پاک میں مثالیں آئی ہیں تو اس پر میرے حکم کو خوب سمجھ لو کہ تم نے قبول نہ کیا ہوتا جب میں نے کہا کہ کیا میں

تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو تم نے کیا کہا تھا کہ ہو جب تم نے مجھ کو اپنا پروردگار مان لیا تو اب تمہارے ذمہ ساری باتیں میری طرف سے آئی گئی، اب چون و چرا کیسا؟ چوں کے معنی کیوں چرا کے معنی کس واسطے۔

حقوق العباد حقوق اللہ ہی ہیں :

حالانکہ وہ حقوق حق تعالیٰ ہی کے ہیں بندوں کے نہیں ہیں چونکہ بندوں کی طرف نسبت ہے اس لئے بندوں کے کہے جاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بندوں کے حقوق نہ رکھتے تو کیا بندوں کے حقوق ہمارے ذمہ ہوتے؟ تو آزاد رہتے، وہ تو انھیں کے حقوق ہیں نسبت ہے اس لئے حقوق اللہ حقوق العباد کہہ دیئے ہیں۔ پس وہ حقوق اللہ ہی ہیں اور اپنے حقوق کی جو حدود کے درجے میں ہیں ان کا تو کچھ مطالبہ ہے اور جو حقوق کے درجہ میں نہیں ہیں اپنی طرف سے اپنے لئے ان کا کچھ مطالبہ بھی نہیں ذرا اس پر غور کیجئے گا

شریعت میں دو چیزیں ہیں :

ایک نئی بات اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالی ہے منہی عنہا اور مامور بہا دو ہی چیزیں ہیں۔ کچھ کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور کچھ کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے تو جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے وہ تو مامور بہا ہیں اور جن کاموں سے بچنے کا حکم ہے وہ منہی عنہا ہیں، منہی عنہا میں بعض چیزیں وہ ہیں کہ جن کو حدود سے متعلق کیا گیا ہے اور وہاں معافی نہیں ہے، اگر بندہ بھی معاف کر دے تو معاف نہیں کی چوری اور چوری ثابت ہو گئی، کیا حکم ہے؟ بھائی میری چوری کی تھی میں نے معاف کر دیا۔ سارے حوصلہ والے ایسے مل گئے تو وہاں حکم کیا ہے کہ ہاتھ مت کاٹو، یا فاقطعوا ایدیہما ہے تو یہ حدود ہیں اگر زنا ثابت ہو جائے تو شادی کا اور طرح اور غیر شادی

شدہ کا اور طرح، شادی شدہ کا تو رجم اور غیر شادی شدہ پر کچھ معذوری سی ہے بیچ میں کہنے کو کچھ بات آجاتی ہے، تو چار کوڑے مار دو، دس کوڑے مار دو اور؟ سو کوڑے مار دو، اور شراب پی لی اور ثابت ہو گئی تو اتنی کوڑے مار دو یہ منہی عنہا پر بات چلی تو یہ حدود ہوئیں۔ ایسے ہی مامور بہا میں بعض چیزیں حدود کی ہیں۔

مامور بہا میں حدود کی صورت :

بالغ ہونے کے بعد مکلف ہونے کے بعد وقت نماز آیا نہیں پڑھی، پھر وقت آیا نہیں پڑھی اسی طرح ایک عرصہ گذر گیا، اب آگیا شعور کچھ آخرت کا خیال آگیا اسی دن سے پڑھنا شروع کر دی، اب جو چھوٹ گئی تھیں پھر کیا یہ کہہ دے گا کہ پہلے چھوٹ گئی تھیں مگر اب تو میں نے پڑھنا شروع کر دی، غلطی سے چھوٹ گئی۔ اس لئے اب مجھ پر کوئی الزام نہیں، تو اس کو کیا کہا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ کہا جائے گا کیا بات کہہ رہا ہے تو کہ چھوٹ گئی۔ بلوغ کے بعد جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں اور نہیں پڑھی، کبھی سفر میں نماز نہیں پڑھی اور ابھی لا پرواہی میں نہیں پڑھی، اس کا حساب لگاؤ۔ تو ذہن میں زیادہ سے زیادہ سوچ کر جس کو تخری کہتے ہیں شریعت میں تو زیادہ سے زیادہ جو چھوٹ گئی دو سال کی چار سال کی اس کو ادا کر یہ حدود میں سے ہے، اس کو ادا کرو ادا کرو اسی طرح جو روزے چھوٹ گئے ہیں حساب لگا کر ان کو بھی ادا کرو۔

مامور بہا میں بھی حدود ہیں :

بعض چیزیں حدود میں سے ہیں ان کی معافی نہیں جیسے حدود منہی عنہا میں معافی نہیں ہے چاہے کوئی سفارش بھی کرے کہ فاطمہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کی چوری ثابت ہو گئی حضور ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے مقرب تھے

انہوں نے سفارش کی کہ ایسی اور ایسی ہیں خاندان کی ایسی ایسی ہیں حضور ﷺ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ ؑ بھی چوری کرے اور ثابت ہو جائے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا، یہ حد ہے؟ تم سفارش کرتے ہو پہلی امتیں اسی وجہ سے برباد ہو گئیں۔ بعض لوگ بیعت ہو جاتے ہیں یا سلسلہ اصلاح کا شروع کر دیتے ہیں بلا بیعت ہی کے مگر کچھلی جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی تلافی و تدارک نہیں۔ فرائض، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔

آیت اوفوا بعهدی سے استدلال :

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم نے عہد کیا میرے ساتھ اس کو پورا کرو، میں نے تم سے جو وعدہ کیا ہے میں اس کو پورا کر دوں گا۔ اب انسان بزبان حال گویا یہ کہتا ہے، شریعت کی پابندی سے کتراتا ہے بہانہ خوری کرتا ہے کہ اجی وہاں کہہ تو دیا تھا ہم نے لیکن اب اس عالم میں آ کر تو اوروں سے ڈر لگے ہیں۔

ایک عجیب بلاغتی نکتہ :

یہی تو وہ بلاغت ہے جو سارے بلغاً و فصحاء عربانے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے الست بالہکم کہا تھا، یا کہا تھا الست بربکم، یوں نہیں کہا تھا کہ میں تمہارا معبود ہوں اللہ کے معنی معبود کے ہوتے ہیں۔

الست بربکم میں دعویٰ مع دلیل ہے :

بلکہ اپنے معبود ہونے کا جو دعویٰ تھا حق تعالیٰ کا معبود ہونے کا اس کی دلیل بیان کی ہے، بربکم کہ جو ایسا ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے۔ یہاں دعویٰ مع دلیل

ہے بالہکم صرف دعویٰ ہوتا اور بربکم میں دعویٰ معبودیت مع دلیل ہے اس کو علماء ہی جانتے ہیں یا مطالعہ والا جان لے گا جب بربکم کہا اس میں حق تعالیٰ کا دلیل کے ساتھ اپنے معبود ہونے کا دعویٰ ہے اور اسی کو اس نے کہا ہے کہ میں نے قبول کیا اسی لئے تو باپ کا دعویٰ ہے اپنے حقوق کا کہ پرورش کرتا ہے۔

ایک نظیر :

رہت مجازی جس کو کہا جاتا ہے تو میرے مقابلہ میں تیرا اور کون سا باپ ہے، پرورش کس نے کی تھی جو اندر سے باہر آیا، اندر تو اللہ میاں پرورش کرتے رہے اور جب اندر سے باہر آیا ہماری ذمہ داری پوری ہو گئی۔ ابا کہہ رہا ہے کہ میں نے کیا تھی یا تمہارے پڑوسی نے کیا تھی، یا پڑوسن نے کیا تھی، جس عورت سے تو نے تعلق کیا اس نے کیا تھی؟ جس مرد لڑکے سے تعلق کیا اس نے کیا تھی، پال پال کر آج تو ایسا سیانا ہو گیا تن من کا، تو جو دوسروں کا کہنا مانتا ہے میرا کہنا نہیں مانتا تو کیا ایک بیٹے کے کئی باپ ہوا کرتے ہیں کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ ہاں کئی ہوا کرتے ہیں؟ جب نہیں ہوئے تو میرے حقوق کے مقابلے باپ کے حقوق زیادہ سمجھتا ہے جو میرے انعامات کے خلاف ہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں کہ تو ادھر مت جا، اور تیرا دوست کہہ رہا ہے کہ اسی جگہ اسی طرف جا تو میرا کہنا ماننے کا یا اس کا کہنا ماننے کا، رہت مجازی میں ہوں یا رہت مجازی وہ ہے۔ باپ کو رہت مجازی کہتے ہیں رہت حقیقی تو وہ ہے جس نے اپنے کچھ حقوق رہت مجازی باپ کی طرف منتقل کر دیئے۔ یہ جملہ باریک ہے یعنی ذات باری تعالیٰ نے اپنے حقوق بعض بندوں کی طرف منتقل کر دیئے اور ان کا راز رب میں پوشیدہ فرمایا یا: منجملہ ان کے باپ میں پوشیدہ فرمایا ہے پہلا، تو اپنے باپ کے حقوق کے مقابلہ میں

دوسرے کا کہنا ماننا کیسا؟ یہ موٹی سی باتیں ہیں۔

حق تعالیٰ نے مثالوں سے اپنے رپ حقیقی ہونے کو بتلایا ہے :

حق تعالیٰ متوجہ فرما رہے ہیں کبھی کھیتی کی مثال دیتے ہیں اپنے اپنے مرنے کے بعد زندہ کرنے پر تگوینیات کی مثالیں دیتے ہیں، کہیں نطفہ کی مثال کہیں مٹی سے پیدا کرنے کی مثال، کبھی بیج ڈالنے کی مثال، کبھی کھیتی کے پیدا ہونے سے پہلے کی مثال، کہیں کھیتی کے کٹنے کی مثال، کبھی سرد زمین کے ہونے کی بات کبھی زمین کے خشک ہونے کی بات کہ زمین مر گئی تھی میں نے زندہ کر دی ہر ایک کا مرنا جداگانہ عمل ہے یہ نظریں ہیں یہ دلائل ہیں تو ذات باری تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ انسان جب تو نے کہا تھا کہ آپ کو میں نے اپنا پروردگار مان لیا کہ الست بربکم کہا کہ کیا میں تمہارا پالنے والا پروردگار نہیں ہوں۔

تصور و تصدیق کی تقسیم :

تصور و تصدیق کی دو قسمیں ہیں نظری اور بدیہی اور بدیہی کو ضروری بھی کہتے ہیں اور نظری کو فکری بھی کہتے ہیں۔ ایک علم علم ضروری ہوتا ہے جس کو بدیہی کہتے ہیں ایک علم نظری ہوتا ہے جو کہ استدلال و دلائل سے ہوتا ہے، اور علم ضروری میں دلائل اور استدلال کی ضرورت نہیں۔

اولیاء اللہ کے سب علوم ضروری ہوتے ہیں :

اہل اللہ اولیاء کرام علم صحیح معنی میں با تقویٰ صحیح باتباع سنت بذکر کثیر بدوام طاعت اخلاص و صدق سے ہو جاتا ہے وہ نائب رسول ﷺ ہے ولی ہے تو اس کی ابتداء

اعرابی علمی جو ہوئی ہے وہ بطور علم نظری علم نظر و فکر کے ہوئی ہے، علم نظر و فکر کے ساتھ ہوئی ہے۔ لیکن جب اس طرح چلتا رہا اور صحیح معنوں میں ولی ہو گیا تو وہ علوم جو کہ نظری تھے اب ضرورت فکر و نظر کی نہیں رہی، ہم کتابی علم حاصل کر کے ابھی علم ضروری میں نہیں آئے، ابھی نظری فکری ہے، کبھی عمل کر لیا کبھی چھوٹ گیا اگرچہ مولوی صاحب ہی کیوں نہ ہوں۔ ابھی علم ان کا ضروری نہیں بنا، غیر اختیاری نہیں بنا۔ اب چاہے اس کو طبیعت کہہ لیجئے اس کو فتویٰ اضطراری کہہ لیجئے۔ ذات باری تعالیٰ نے جب الست بریکم کہا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو تعلیم دی تھی جب میں یوں کہوں تو تم یوں کہنا یہ کہا تھا اللہ تعالیٰ کا یوں کہنا پہلے سے معلوم ہو گیا پہلے سے علم ہو گیا تھا، یا کچھ دلائل تفصیلیہ بیان کئے تھے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کل پرسوں کا بچہ اگرچہ اس عالم میں بچہ پیدا ہوتے ہی ہو گیا بالغ ارے دنیا میں اونٹنی پیدا کی اور اونٹنی سے پیدا ہو گیا اونٹ تو اس کے برابر کی بچی تھی؟ جی کھانے پینے لگی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی مشہور ہے۔ تو وہ عالم اور ہے وہاں پیدا ہوتے ہی وہ بچہ تھا، تھوڑا سا دودھ پی رہا وہاں پیدا ہوتے ہی وہ عالم دوسرا ہے، بلوغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آہستہ آہستہ لہجے میں ایسی بات تو ایسی ہی لہجے میں چپکے چپکے میں تم کو سکھلا رہا ہوں تم یوں کہہ دو۔ تو پہلے سے سکھا دیا کہ میں یوں کہوں گا تم یوں کہنا، ایسے ہی تو کہے گا چپکے چپکے کہا تو کیا اللہ میاں نے پہلے اس طرح سکھا دیا تھا یا نہیں؟ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کہنے پر الست بریکم سب بول اٹھے ہاں آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ یہ بطور علم ضروری تھا کیونکہ وہاں عقل پوری پوری صحیح سلامتی کے ساتھ دوسری چیز کا وہاں عقل میں استدلال نہیں ہے تو سب بول اٹھے تو وہ علم غیر استدلالی ضروری تھا۔

لفظ رب فرمانا دلیل ہے دعویٰ معبودیت کی :

لفظ رب فرمانا یہ دلیل ہے دعویٰ معبودیت کی کہ اب بس سوائے میرے تمہارے لئے اور کوئی معبود نہیں بن سکتا، کسی کو معبود مت بنانا، کسی دوسرے کی طرف دل میں اس کی معبودیت کے حقوق مت لانا اور جہاں میں نے کچھ اجازت دی ہے وہ میری ہی عبادت میں لگنا ہے اس کی عبادت میں لگنا نہیں۔

و ایسے فرہبون : دیکھو! اس معاملہ میں مجھ سے ڈرتے رہنا، اگر تم نے ایسے عہد نہ کیا تو میری طرف سے بھی اُمید مت رکھنا ایسے عہد کا۔

تکوینی اُمور اللہ تعالیٰ ضرور انجام فرمائیں گے :

یعنی کہ تکوینی بات میں تمہاری سب پہنچا تا رہوں گا کھانے کو دیتا رہوں گا پینے کو دیتا رہوں گا ہوا بھی بھیجتا رہوں گا، کیونکہ میں نے پیدا کیا ہے پیدا کئے ہوئے کی بات تو ہوا ہی کرتی ہے تو میں حفاظت کے لئے حفظہ دیتا رہوں گا۔

کافر کے لئے بھی حفاظت کے فرشتے ہوتے ہیں :

حفظ فرشتے کافر کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، حالانکہ کافر ہے انکار کر رہا ہے مگر ذات باری تعالیٰ نے اس کے باوجود کافر کے ساتھ بھی فرشتے حفاظت کے لئے لگا رکھے ہیں۔ تکوینی بات تو الگ ہے لیکن اُمورِ تشریحہ میں تم اپنا عہد پورا کرتے رہو میرا تمہارے ساتھ جو عہد ہے وہ میں پورا کرتا رہوں گا کیونکہ تکوینیات میں تو عہد ہوا نہیں تمہاری طرف سے وہ تو میری ہی طرف سے ہے وہ تو میں پورا کرتا رہوں گا اور الوہیت کے اعتبار سے جس کو تم نے رب مان کر عہد کیا ہے وہ تمہارے ذمہ ہے تو اس کے جو آثار ہیں اس کے جو خواص ہیں وہ میری طرف سے پورے ہوتے رہیں گے۔ یہ

قالوا بلسی کے اجمال کا نقشہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر میں تمہاری حرکتوں پر ہوانہ بھیجوں تو کیا ہوگا تمہارے میرے حکم کے خلاف کرتے رہنے پر اگر میں تم کو سزا نہ دوں تو کیا ہوگا۔ میرے حکم کی تعمیل کے خلاف کرتے رہنے پر اگر دشمنوں کا تسلط کروں تو کیا ہوگا۔ کیونکہ تم نے کہا تھا کہ رب آپ ہی ہیں تو ربوبیت و پرورش کا پورا کام ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔

تو جس کے ساتھ ہماری پوری زندگی اپنی ضروریات کی فرحت کی راحت کی لگی ہوئی ہیں اگر وہ رب ہماری تربیت اس قسم کی چیزوں میں بند کر دے تو کیا اور دوسرا کوئی اس قسم کی چیزوں میں تربیت کر سکتا ہے؟ دیکھ لو کسی زمانہ میں اگر ہوانہ ہو تو پریشان کیوں نہیں ہوتے۔ یہ جو پنکھا ہے یہ ہوا پیدا نہیں کرتا ہوا میں تیزی پیدا کرتا ہے اگر ہوانہ ہو تو کیا پنکھے سے ہوا پیدا ہو جائے گی؟ نہیں! پیدا کی ہوئی ہوا میں جو ہلکا پن آ گیا جو ہم کو نہیں لگ رہی ہے اس میں یہ پنکھا تیزی کر دیتا ہے۔

لہذا اَوْفُوا بِعَهْدِي اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ تم نے جو عہد کیا اس کو تم پورا کرتے رہو جو میں نے عہد کیا ہے وہ میں پورا کرتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرتے رہنا وہ موقوف ہے ہمارے عہد کے پورا کرتے رہنے پر اور پھر یہ بھی کہہ دیا وَاَيُّاى فَرُهَبُونَ مجھ ہی سے ڈرتے رہو، مگر پھر بھی خلاف کیا تو گویا یہ فرما دیا۔ اچھا کیا تمہاری طبیعتوں سے میرا ڈر نکل گیا جو تم عہد پورا نہیں کر رہے ہو۔ تمہارے عہد کے پورا نہ کرنے پر تم کو ڈر نہیں معلوم ہوا کہ ساری پرورش میرے ہاتھ میں ہے۔ تمہیں ڈر نہیں معلوم ہوا تمہاری ہمت کیسے پڑی میرے حکم کے خلاف کرنے پر خیال فرمایا؟ تم نے سوچنا چھوڑ دیا، تو تم نے اپنا بھی سوچنا چھوڑ دیا۔ میرے رب ہونے کا جو تم نے اقرار کیا تھا اس کا سوچنا تم نے چھوڑ دیا۔ تو تم نے اپنا بھی سوچنا چھوڑ دیا میرا سوچنا بھی چھوڑ دیا۔ اگر تم

نے اپنے کو پہچانا ہوتا تو مجھ کو بھی پہچانا ہوتا۔ اس سے وہ چیز ثابت ہوگئی۔

جس نے اپنے کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا :

من عرف نفسه فقد عرف ربه یہاں بھی رب کا لفظ ہے تو تم نے میرے رب ہونے کے سوچنے کو چھوڑ دیا اس لئے میرے احکام کی تعمیل کرنے کو تم نے چھوڑ دیا، اگر تمہارے ذہن تمہاری عقل سلیم اور فہم سلیم میں میرا رب ہونا جاگزیں اور بیٹھ گیا ہوتا تو میرے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرتا۔ یہ مراقبات ہیں یہ سوچتے رہنے کی باتیں ہیں۔

مراقبہ کی حقیقت :

مراقبہ اسی کو کہتے ہیں، کسی خیر بات کا اس طرح پر سوچتے رہنا کہ خیر کی طرف قدم اٹھتا رہے اور شر کی طرف قدم جانے سے رکتا رہے اس کو کہتے ہیں مراقبہ۔ سیدھے سادے لفظ کو الجھا دیا اس میں سارا سلوک آ گیا، تو بات یہ تھی کہ بعض منہی عنہا درجہ حدود میں جیسے تھے اور بعض مامور بہا بھی درجہ حدود میں ہوتے ہیں جیسے منہی عنہا جو حدود میں ہوتے ہیں اس کی سزا ہے، ایسے ہی مامور بہا جو درجہ حدود میں ہوتے ہیں ان کی سزا ہے۔

مامورات میں حدود کی دوسری مثال :

اب ایک دوسری دلیل کہ فضل الہی کیا ہے.....؟ مؤمن نے جان کر نماز چھوڑ دی اور رہتا ہے حکومت اسلامیہ میں۔ اس عاقل بالغ نے بیداری کی حالت میں جان بوجھ کر نماز نہیں پڑھی ایک وقت کی محتسب نے احتساب پیش کر دیا۔ قاضی صاحب کے یہاں ثابت ہو گیا، امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ قتل کر دو۔ تو جیسے ہاتھ کاٹا، جیسے رجم کیا، جیسے کوڑے لگائے ایسے ہی تارکِ صلوٰۃ کو قتل کر دو۔ حدود کا

معاملہ جاری ہو گیا۔

امام صاحب نے فرمایا کہ انسان ہے بھول کا بھی احتمال ہے اس لئے قتل کا حکم جاری نہیں ہوگا اب یہ قتل سے تو چھوٹ گیا لیکن یہ فرما دیا کہ اس کو جیل خانہ بھیج دو، جیل خانہ بھیج دینا بھی ایک ہلکی تقطیل ہے گویا تعزیر ہوگئی، اب اس کو تنبیہ ہوگئی چھوڑ دو، توبہ کر لی اس نے اقرار و عہد کر لیا کہ اب نہیں چھوڑوں گا، لہذا اس کو رہا کر دیا۔ پھر دوبارہ ثابت ہو گیا کہ نہیں پڑھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ پھر جیل خانہ بھیج دو پھر توبہ کر لی پھر چھوڑ دو، تیسری دفعہ اس کا نماز ترک کرنا پھر ثابت ہو گیا اب امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل کر دو اس مؤمن کو۔ توبہ کا ایک مذاق اڑالیا یہ توبہ کیسی ہے، اس کو تو توبہ النصوح کہتے نہیں۔

توبہ سے توبہ النصوح مراد ہے :

اور مراد توبہ النصوح ہے، تو ہم نے رعایت کی تھی، مان لینا چاہئے تھا تجھے پہلے ہی لیکن تجھے قدر کرنی نہیں آتی اس درگذری کی۔ تو شریعت کہتی ہے کہ تین مرتبہ کے بعد اس مؤمن کو قتل کر دو، تو یہ قتل کر دینا حدود کی حیثیت سے ہے، تو معلوم ہوا کہ جیسے منہی عنہا میں بعض چیزیں حدود میں سے ہیں، ایسے ہی مامور بہا میں بھی بعض چیزیں حدود میں داخل ہیں۔ دلائل سے ثابت ہو گیا بفضلہ تعالیٰ حکمہ تعالیٰ تو نماز ترک کرنا یوں ہی معمولی بات نہیں بلکہ اہم مسئلہ ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ اپنے گھر رہو، سفر مت کرو کہ السفر کالسقر اگر واقعی تمہارے اخلاص و صدق کے ساتھ یوم آخرت کی فکر ہونے کیساتھ ہے تو حضر میں رہو یعنی گھر رہو، گھر رہ کر یہ بعد کی بات ہے۔

مجاہد اور مہاجر کون ہیں ؟

ایسے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا : من المہاجر کہ مہاجر کون ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : المہاجر من ہجر نفسہ جس نے اپنے نفس سے ہجرت کر لی تو گھر رہ کر ہجرت ہوئی گھر بیٹھے اللہ نے جیسے تیرہ برس تک جہادِ نفس سے کرایا تھا ایسے ہی ہجرتِ نفس سے کرائی تھی تب وہ جہادِ ظاہری کفار کے ساتھ حکم آیا، تب وہ جہادِ ظاہری جسم کا جسم سے اور مکہ معظمہ سے نکل کر مدینہ طیبہ میں حکم آیا تھا۔ دونوں طریقوں سے جہادِ نفس سے بھی فارغ ہو چکے اور ہجرتِ نفس بھی کر چکے تب حکم ہوا جہاد کا تب حکم ہوا ہجرت کا۔

نفس خدائے تعالیٰ کے حکم کے خلاف شہوات، لذت، خواہشات، تعلقاتِ غیر انسانی، میں لگا ہوا ہے اس سے ہجرت کر لو، گھر رہو یعنی نفس سے ہجرت کرتے رہو، اس کی خواہشات پر اس کی لذات پر اس کی شہوات پر اس کے تعلقات پر اور غیر کی تعلیم پر مت چلتے رہو، ہجرت کرتے رہو، ابھی نہیں۔ تو خواہ مخواہ سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہجرتِ صوری وطن سے بے وطنی ہونا ہے مشقتوں کو لئے ہوئے ہے مگر جو طالبِ حق بخوفِ آخرت بلحاظِ آخرت کوئی چیز اس کے ذہن میں آئی ہے جس کی وجہ سے اس خیالِ ہجرت میں قوت آگئی۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ اس ہجرت میں میری اصلاح و تربیت میں تقویت آئے گی اس ہجرت میں مجھے تمکینیت آئے گی تلونیت بالکل چلی جائے گی۔

شیخ کے پاس جانا بھی ہجرت ہے :

اس لئے بے چین ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے سامانِ دے دیتے ایسے ایسے ہجرت کے تو میں اپنے شیخ کے پاس چلا جاتا۔ وہاں جا کر ذرا ان باتوں کو بھی لے لیتا

حاصل کر لیتا تو اس میں تکمیلیت اور تمکینیت ہو جاتی۔ اب سامان دے دیا اللہ تعالیٰ نے، اب وہ ہجرت کر رہا ہے وہ شیخ کے پاس جانے کی سعی میں اس لئے لگ گیا ہے بطور ضرورت جو اصلاحی چیز تھی وہ الحمد للہ حاصل ہے، ہجرتِ نفسانی حاصل ہو گئی لیکن اس میں کچھ اور نمکینی پن آگئی، تمکین کے لئے وہ ہجرت کر رہا ہے، آرہا ہے پوچھ رہا ہے۔ اب شیخ دیکھ رہا ہے کہ جو پوچھ رہا ہے وہ کون ہے کیسا ہے؟ کس حالت کا ہے؟ بیوی بچے والا ہے کچھ ذمہ داریاں حقوق العباد کی ہیں۔ اپنے متعلقین کی یا اس کے ذمہ امور متعلقہ نہیں ہیں اب یہ سوچ رہا ہے۔ اب شیخ اس فکر میں پڑ گیا کہ آنے کی اجازت چاہ رہا ہے تو میں اس کو ہجرت کی اجازت دوں یا نہ دوں۔

کیا سارے کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر گئے تھے یا نہیں؟ سب گئے نہ جنہوں نے اول ہجرت کی پہلے پہل ان کا درجہ اونچا ہے ہاں اگر چہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بعد میں ہجرت کی لیکن پہلے جو ہجرت نہیں کی تو کیا وہ مؤمن نہیں تھے؟ احقر آپ کے سامنے طالب علمانہ حیثیت سے دلائل پیش کر رہا ہے تو کیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی وہ ولی نہیں تھے؟ تو بعض نے اول دہلہ میں ہی ہجرت کر لی اور بعض نے بعد کو ہجرت کی مگر کی تو تھی، تو کیا وہ ولی نہیں تھے؟ تھے اور ضرور تھے لیکن اس کے باوجود بھی جو کچھ بار یہی تھی اندرونی طور پر رُکاوٹوں کی دین پر صاف طریقت سے چلنے کی تمکینی طور پر تقویت کے ساتھ انہوں نے بھی اپنے آپ کو مجبور پایا کہ ہجرت کرنے چاہئے۔ اس ایمان و ولایتِ کاملہ میں انہوں نے کچھ تمکینی پائی، تو اس میں تمکینیت کے لئے ہجرت کی۔

ایسے ہی شیخ کے پاس جانے کے لئے بعض ایسے ہیں کہ جن کو ہجرت کی

صورت حاصل ہے کوئی قریب میں ہے کوئی بعید میں ہے کہ جا کر پاس رہوں، ایک آدھ مہینہ اگرچہ میں قریب میں رہتا ہوں، قریب جانے میں مجھے کیا دیر لگتی ہے کرایہ موجود ہے اپنے پاس سے وہاں جا کر کھانا کھاؤنگا ان پر کیوں بوجھ ڈالوں گا۔

شیخ کے پاس اپنے کو مریض سمجھ کر جائے :

میں مریض ہو کر جا رہا ہوں، میں رشتہ دار بن کر جا رہا ہوں، صرف ملاقاتی ہو کر نہیں جا رہا ہوں، اپنے پاس سے کھاؤں گا۔ تو قریب کارہنے والا ہے مظفرنگر، سہارن پور کارہنے والا ہے کوئی دور ہے لندن کا، افریقہ کا یا دور دراز کے ہیں۔ اگر گنجائش نہیں ہے تو کیسے سفر کرے، لیکن جب گنجائش ہے اور سفر کے بدون گھر رہ کر بھی گرا ہوا ہے حالات کی صحیح اطلاع دیتے ہوئے اور تعلیمات پر صحیح بخوفِ آخرت ذاتِ باری تعالیٰ کے پیش نظر اتباع کرتے ہوئے، تو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے ولی ہو گیا حقوق اللہ بھی ادا کر رہا ہے حقوق العباد بھی ادا کر رہا ہے اور زبان پر بھی اس کا ذکر جاری ہو رہا ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بیٹھی ہوئی ہے تو ولی ہو گیا۔ لیکن اس ولایت میں نمکینیت چاہتا ہے اس ولایت میں جو صحبت آگئی اس میں ملاحظت بھی آجائے تو اور ترقی ہو جائے۔ اس ولایت کا ذائقہ کچھ عجیب سا لگ گیا، کوئی چیز تلاش کر رہا ہے اب وہ سمجھ رہا ہے کہ یہ تلاش کی چیز تو بدون شیخ کے پاس جاتے ہوئے ہوگی نہیں۔

میاں جی نور محمد کا واقعہ :

ہمارے دادا پیر نور محمد صاحب قدس اللہ سرہ۔ بعض نام رکھتے ہیں اپنا نور محمد مگر بزرگ بننا نہیں چاہتے مستقل ہو گئے، اب خیال کر لیا کہ اب تو مجھے کسی شیخ کی

ضرورت نہیں۔ اور کہا کتابیں دیکھ لوں گا، نور محمد بن جاؤں گا میں اور دادا پیر کی طرح بن جاؤں گا میں تو۔ اس طرح تو بن چکا؟ یہ انڈیا کی ہے یہ ایسا انڈیا ہے کہ مرغی کے نیچے رکھ کر تو بچہ ہوا نہیں یوں گرمی پہنچادی، خیر یہ ضمناً محبت کی باتیں ہیں۔

تو میاں نور محمد صاحب بیمار ہو گئے اور بیماری نے طول پکڑ لیا، بالآخر آدمی بے گھر کو گھریا آتا ہی ہے۔ جھنجھانہ کچھ دور نہیں، لوہاری کچھ دور نہیں تو میاں جی صاحب تشریف لے چلے اپنے گھر، بیماری کی حالت میں اس وقت پاکیاں چلتی تھیں تو میاں صاحب پاکی میں بیٹھ کر جھنجھانہ تشریف لے گئے۔ جھنجھانہ جاتے ہوئے تھانہ بھون راستہ میں آتا تھا تو راستہ وہ اختیار کیا جو کہ خانقاہ کے پاس سے گذرتا تھا، حاجی امداد اللہ صاحب اس میں رہتے تھے، ہمارے دادا پیر نے پاکی روک دی اور پاکی والے سے کہا دیکھو اندر حاجی امداد اللہ صاحب ہوں گے ان کو بلا لاؤ، تو حاجی صاحب آئے تو پاکی رکھی ہوئی ہے اور میاں نور محمد صاحب لیٹے ہوئے ہیں تو اندر سے حاجی صاحب نے آ کر سلام کیا ہلکا سا مصافحہ بھی ہو گیا۔ میاں جی صاحب نے فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی ایسی خراب ہو گئی ہے وطن جھنجھانہ جا رہا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب خلافت مل چکی تھی اور دو جگہ سے مل چکی تھی پہلے سلسلہ نقشبندیہ سے ملی، حضرت شاہ محمد آفاق صاحب کے خلیفہ صاحب سے اور پھر یہاں سے بھی ملی سلسلہ چشتیہ میں اور غالب رنگ بعد کا ہوتا ہے تو غلبہ چشتیہ کا ہو گیا۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ میں وطن جا رہا ہوں اور مرض میں کچھ طول ہو گیا ہے اور جی یوں چاہ رہا تھا کہ میں ابھی آپ سے کچھ کام لیتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی امید نہیں حاجی صاحب کو رونا آ گیا اور آنا ہی چاہئے تھا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ بہت مستقل المزاج تھے :

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عجیب مستقل المزاج تھے لیکن جب حاجی صاحبؒ کی وفات کی اطلاع گنگوہیؒ کو پہنچی تو دست ہو گئے اور دست بھی خونی ہو گئے شیخ کے رنج پر اس لئے نہیں کہ جدائی ہو گئی نہیں بلکہ اب اگر کوئی بات پیش آئے تو کس سے پوچھوں گا، آگے اپنے حال کو کس پر پیش کروں گا اور اپنے حال کی ترقی کس طرح ہوگی کیا ہوگا اور یہاں تک اثر ہوا کہ کوئی نیا آدمی آتا تھا تو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے والد ماجد مولانا یحییٰ صاحب خادمِ خاص تھے شاگرد بھی اور خاص خادم بھی تھے بپ کوئی نیا آدمی آتا تو اس سے کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو حاجی صاحب کا ذکر مت کرنا مولانا صاحب کے سامنے اس لئے حاجی صاحب کا ذکر کوئی نہیں کر سکتا تھا، جہاں حاجی صاحب کا ذکر آیا اور مولانا گنگوہیؒ کی آنکھوں سے آنسو برستے تھے۔ کیا عجیب تعلق تھا ایک آدمی نیا آیا، مولانا یحییٰ صاحب اس وقت نہیں ملے تھے۔ اس نے حاجی صاحب کا تذکرہ کر دیا، بس حاجی کا تذکرہ تھا مولانا گنگوہیؒ کی طبیعت بدل گئی اور وہاں سے اٹھ کر کمرہ میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر رونے لگے اب رونے کی آواز باہر آنے لگی تو اس لئے نہیں روئے کہ جدائی ہو گئی ہے بلکہ دین کی خاطر وصول الی اللہ کی ترقی کی خاطر، انابت الی اللہ طلبی کی زیادت کی خاطر۔

مولانا گنگوہیؒ علوم ظاہرہ باطنہ میں اور حالات باطنیہ میں کچھ کم نہیں تھے۔ تمکین تو ہے لیکن اس تمکین کو تمکین بنانا چاہتا ہے وہ کچھ ایسی چیز اندر سے ابھار دے رہی ہے کہ اس کے لئے جب میرا شیخ زندہ ہے اور میں اس کے پاس جا سکتا ہوں تو کیوں نہ جاؤں لہذا چلا آیا۔ اب یہ دوسری ہجرت ہے، پہلی نفس کے ساتھ گھر بیٹھ کر تھی، جب

جہاد بکفار ظاہر کا حکم ہے تو بکافر باطنی یعنی نفس کے ساتھ جہاد بطریق اولیٰ ہوگا۔ اسی طرح ہجرت باطنی ہے، نفس سے اس کے شہوات و خواہشات لذات و تعلقات سے نکل کر پھر ہجرت کی صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سب صوفی اور ولی تھے :

کیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم صوفی نہیں تھے ولی نہیں تھے؟ پھر مکہ معظمہ کے چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مت چھوڑو؟ تو پہلی ہجرت کس نے کی دو شخصوں نے وہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہجرت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا تائید الہی مکہ معظمہ میں رہ کر نہیں ہو سکتی تھی؟ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد کچھ احکام و مسائل تھے قانون قائم کرنے تھے قیامت تک کے لئے وہاں بھی ہو سکتا تھا، وحی اول قیامت تک کے لئے ہے جیسا موقع ہو ویسا ہی حکم اس میں موجود ہے، تو ہجرت کی وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے ان کی رسالت تو ولایت سے بھی بہت اونچی ہے اور پھر جو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے وہ سارے کے سارے ولی تھے! پھر ہجرت کی کیا ضرورت تھی؟ تو ان سے پہلے ہجرت نفسانی کرائی پھر ہجرت کی کیا ضرورت تھی؟ تو ان سے پہلے ہجرت نفسانی کرائی پھر ہجرت ظاہری۔

گھر میں رہنے گھرے رہنے کہ جب یہ طلب فکر آخرت بصدق ہے تو اطلاع حالات کرتے رہنے اور توفیق الہی سے جو تعلیم ہوتی رہے اس پر چلتے رہنے، سفر کی ضرورت نہیں۔ اصل مقصودی کام میں لگنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخوف و خشیت عطاء فرمائیں۔ (آمین)



تیسویں مجلس

امیر اور شوریٰ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۹۸۸ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح

مسئلہ بیعت :

بیعت کا مسئلہ کھیل ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ سلوک کا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ اپنے سلسلے کے بھی متعدد حضرات سے زیادہ ملنا جلنا نہیں چاہئے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی صاحب تشریف لائے اب نہ یہ علم ہے کہ وہ کس سلسلے کے ہیں، کیسے ہیں، کون ہیں؟ نہ ان کا طریق معلوم ہے۔ ایسے حضرات کی مجلس یا حلقے میں جا کر بیٹھنا نہیں چاہئے۔

معالجہ روحانی مثل طبیب جسمانی کے ہے :

جیسے معالجات جسمانی میں اطباء کا اپنا اپنا طریقہ الگ الگ رہا ہے اسی طرح معالجہ روحانی کی بھی مثال ہے یہاں بھی اپنے اپنے طریقے جدا جدا ہیں۔

طریق بیعت :

اسی لئے بہت سوچ سمجھ کر جو علامات ہیں شیخ کی اُن پر جانچ کر پرکھ کر اور ہو سکتا ہو تو کچھ دن پاس رہ کر اور اگر پاس رہنا نہ ہو سکے تو مختلف حالات کی اطلاع کرتے ہوئے بیعت ہونا چاہئے۔ اور اس کے بعد بس ”یک دیگر محکم گیر“ ایک دروازے کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیجئے۔ اب ایک شیخ سے اصلاح کا تعلق ہونے کے بعد نہ کسی دوسرے کے سامنے حال بیان کرے نہ کسی دوسرے سے تعلیم لے۔ ہاں اپنے ہی سلسلے کے کوئی بزرگ ہیں اُن سے واقفیت ہے کچھ بے تکلفی سی ہے اُن سے دعا کی درخواست کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر تعلیم اور اصلاح کا تعلق تو بس ایک ہی سے ہونا چاہئے۔

مریض کا معالج طبیب تو ایک ہی ہو گا دو حکیم یا ڈاکٹروں کے درمیان مریض کا علاج کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک حکیم کچھ کہے گا دوسرا کچھ کہے گا اب کس کی بات مانی جائے؟ بعینہ اسی طرح ایک بیوی کے کئی میاں نہیں ہو سکتے میاں صرف ایک ہو گا۔ ہاں ایک میاں کی کئی بیویاں ہو سکتی ہیں۔ اگر ایک بیوی کے کئی میاں ہوئے تو ظاہر ہے کہ جھگڑا پڑ جائے گا۔

اسی طرح اولاد کا باپ بھی ایک ہوتا ہے نہ کہ کئی باپ۔ ہاں ایک باپ کے کئی بچے ہو سکتے ہیں۔ ایک مریض ایک معالج، ہاں ایک معالج کے زیر علاج کئی مریض ہو سکتے ہیں۔ ایک موکل کا اصلی وکیل ایک ہی ہوتا ہے اسکی اعانت اور تقویت کے لئے کسی اہم مقدمہ میں کبھی دوسرا وکیل بھی ہوتا ہے، مگر وہ تابع ہوتا ہے۔ اصل پیروی کرنے والا مقدمہ کا ایک ہی وکیل ہوتا ہے۔

امت کا رسول ایک :

اسی طرح امت کی ہدایت کے لئے بھی ایک ہی رسول ہوتا ہے اسی کے ساتھ اگر دوسرا نبی ہے تو وہ تابعیت کے ساتھ ہے۔ جیسے موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ تابعیت کے طور پر ہیں۔ اسی طرح موسیٰؑ کے ساتھ سفر میں یوشعؑ تابعیت کے طور پر ہیں۔ چنانچہ موسیٰؑ جب کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارونؑ کو اپنے بعد تابعیت کے طور پر چھوڑ گئے۔ الحاصل ایک نبی کے ساتھ اگر دوسرا نبی ہوتا بھی ہے تو وہ تابعیت کے طور پر ہوتا ہے، تائید اور تقویت کے طور پر ہوتا ہے اصل کے طور پر نہیں ہوتا، اصل تو ایک ہی ہوتا ہے گویا وہ مشیر کی حیثیت سے ہے تائید و تقویت کے لئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ ”یا اللہ مجھ سے سلاست اور روانگی کے ساتھ نہیں بولا جاتا میرے بھائی ہارونؑ کو میرے لئے قوت بازو کر دیجئے۔“

حق تعالیٰ نے اُن کو بھی نبوت دے دی تو حضرت ہارونؑ کی تابعیت مشیر کی حیثیت سے ہیں اصل کی حیثیت سے موسیٰؑ ہی ہیں۔

اصل تو ایک ہی ہوتا ہے :

اصل تو ایک ہی ہوتا ہے اس کی تائید اور تقویت کے لئے اہل مشورہ ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ شوریٰ اصل نہیں ہے امیر اصل ہے۔ کوئی اہم قابل مشورہ مسئلہ پیش آنے پر اہل مشورہ سے مشورہ کرنے کے بعد امیر جو اصل ہے وہی فیصلہ کرے گا ورنہ اگر سب کو برابر ایک درجہ میں اصل تسلیم کر لیا جائے تو کشمکش ہو جائے گی کشیدگی ہو جائے گی، جتنے افراد ہوں گے اتنی ہی رائیں ہوں گی اور ہر شخص اصل ہوگا تو

اب فیصلہ کون کرے گا؟ فیصلہ کرنے والا تو ایک ہی ہوگا وہ اپنی صوابدید پر فیصلہ کرے گا جو اصل ذمہ دار ہوتا ہے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر اس کی نظر ہوتی ہے پورے واقعات بھی اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ جو ہر وقت جہاں رہتا ہے جس کی ذمہ داری ہوتی ہے اسی کو آئندہ کا بھی ہر طرح خیال اور فکر ہوتا ہے۔

مشورے کا فائدہ :

وہ کسی اہم مسئلہ کے پیش آنے والے پر اہل الرائے سے مشورہ کرتا ہے تاکہ اس مسئلہ کے مضرت و منفعت کے مختلف پہلو سامنے آجائیں۔ ممکن ہے مشورہ میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے کہ ذمہ دار کا ذہن بھی ادھر نہیں گیا تھا۔

حضرت تھانویؒ کا جواب :

چنانچہ حضرت تھانویؒ کے زمانہ سرپرستی میں تھانہ بھون میں اہل شوریٰ آئے ہوئے تھے۔ تھانہ بھون میں ہی مشورہ ہو رہا تھا، حضرت والا کی سرپرستی کا مسئلہ تھا اس وقت ایک صاحب نے جنکا نام بتلانا نہیں چاہتا صاحبزادگی کی وجہ سے کہنے لگا کہ اگر سرپرست ہی کی رائے پر فیصلہ ہو تو پھر شوریٰ بیکار ہے۔ اس پر حضرت نے جواب دیا کہ نہیں شوریٰ بیکار نہیں ہے ایک شخص کسی امر اہم میں مشورہ کر رہا ہے اور اس کے مختلف پہلو ہیں تو ممکن ہے اہل مشورہ میں سے کسی کا ذہن کسی پہلو کی جانب پہنچ جائے اور مشورہ لینے والا بھی اسی کو بھتر سمجھ کر اختیار کر لے تو اس طرح شوریٰ بیکار کہاں با کار ہوگی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ فیصلے کا مدار شرعاً کثرت رائے پر نہیں ہے امیر کی صوابدید پر ہے۔ امیر کے لئے شوریٰ ہے اور ضرور ہونا چاہئے اس کا انکار نہیں لیکن فیصلے کا مرجع وہ ایک ہی ہے۔

مشورہ کا حکم :

قرآن پاک میں حکم ہے: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**۔ (سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ، پ ۴)“
یعنی آپ اہم امور میں اہل رائے صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں **شَاوِرْ** واحد حاضر کا صیغہ
ہے یعنی آپ ﷺ مشورہ کیجئے !

یہاں خطاب اہل مشورہ کو نہیں ہے کہ آپ حضرات مشورہ دیجئے۔ حضور اکرم
ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اہم امور میں مشورہ کر لیا کریں۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ پر تو وحی
آتی تھی اس کے باوجود امت کی تعلیم کے لئے آپ ﷺ کو مشورہ کا حکم دیا گیا۔

اہل الرائے سے مشورہ :

اور مشورہ لینے کا حکم انہیں سے ہے جو اہل الرائے ہوں، معاملہ فہم حضرات
ہوں، خیر خواہ ہوں، متقی پرہیزگار ہوں، ضدی قسم کے نہ ہوں، اپنی بات کے پیچ
کرنے والے نہ ہوں، امیر کا مقابلہ کرنے والے اور اپنا حکم منوانے والے نہ ہوں۔

اہم امور میں مشورہ :

اور مشورہ اُن اہم امور میں ہوتا ہے جو مخصوص نہ ہوں مثلاً نماز پڑھنا فرض
ہے اب اس کے مشورہ کی ضرورت نہیں کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں۔ اسی طرح جو
چیزیں اہم نہیں اور عادتاً ضروری ہیں مثلاً کھانا کھانا ہے اب اس کے مشورے کی
ضرورت نہیں کہ بھائی مجھے بھوک لگ رہی ہے کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں۔

سب سے مشورہ لینا ضروری نہیں :

اور پھر مشورہ کے لئے ضروری نہیں کہ سبھی کو بلایا جائے۔ جیسا مسئلہ ہو اسکی

مناسبت سے وقتی طور پر جواہل الرائے موجود ہوں اُن سے مشورہ کرنا کافی ہے۔

فیصلہ امیر کی رائے پر ہے :

پھر مشورہ میں اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کا مدار نہ کثرت پر ہے نہ قلت پر بلکہ اصل ذمہ دار کی صوابدید پر ہے چونکہ قرآن پاک میں **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ** فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشاورت ہونی چاہئے۔

شورئی ہونا چاہئے چونکہ قرآن میں **فَإِذَا عَزَمْتَ** فرمایا ہے: **فَإِذَا عَزَمْتُ يَا فَازًا عَزَمُوا يَا فَازًا عَزَمَ أَكْثَرُكُمْ إِذَا عَزَمَ أَقَلُّكُمْ** نہیں فرمایا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب مشورہ کے بعد آپ اپنی صوابدید سے ایک رائے قائم کر لیں چاہے وہ سب کی رائیوں کے خلاف ہو خواہ اکثریت کے خلاف ہو خواہ اقلیت کی رائے کے خلاف ہو پس پھر آپ اللہ پر بھروسہ کر کے جم جائیے اور اسی پر فیصلہ کر کے عمل کیجئے۔ اور اسکی بالکل پرواہ نہ کیجئے جن کی رائے کے خلاف فیصلہ ہے وہ کیا کہیں گے۔

آگے ارشاد فرمایا ہے: **فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ**۔ تو کُل باب **تَفَعَّلُ** سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کارساز تو میں ہی ہوں اور بلکلئیہ **مَحْمُودُ الصِّفَاتِ** ہوں اور **أَكْمَلُ الذَّاتِ** ہوں اس لئے میرے اوپر بھروسہ کرنے کے بعد اس کی پرواہ مت کرنا کہ اکثر کیا کہہ رہے ہیں، کہیں برانہ مان جائیں اس کا خیال مت کرنا۔

مقام صبر :

چونکہ نافع میں ہوں، ضار میں ہوں دافع مشکلات میں ہوں اس لئے صحابہ کرام کو مشکلات دشواریوں اور پریشانیوں کی صورتوں میں جگہ جگہ فرمایا گیا ہے

اہل الرائے ہم مشروب ہوں :

اہل شوریٰ مختلف الخیال نہ ہوں ہم مشرب ہوں۔ کوئی ایک خیال کا اور کوئی دوسرے خیال کا، کوئی تیسرے خیال کا اس طرح کشمکش ہو جاتی ہے جس کام کے متعلق مشورہ ہے اس کام کے جاننے والے پہچاننے والے ہوں نہ یہ کہ فلاں شخص دولت مند ہے اس کے ساتھ بہت سے لوگ ہیں اس کو مقرر کر لو اگرچہ وہ اُس کام کو جانتا تک بھی نہیں۔

اہل مشورہ ہونے کے لئے صاحب مال

یا صاحب ریاست ہونا کافی نہیں :

وہ اپنی جگہ پر قابل ہوگا مگر جس کام کے لئے شوریٰ مقرر کرنا چاہتے ہیں اس کام کے لئے وہ قابل نہیں ہے اپنی جگہ وہ قابل نہیں ہے جو صاحب ریاست ہے صاحب دولت ہے صاحب ثروت ہے چنانچہ جب حضور اکرم ﷺ سے رؤسائے مکہ نے کہا کہ ہم حاضر ہونا چاہتے ہیں مگر یہ غریب غرباء نہ ہوں وہ اٹھ جایا کریں۔ آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ یہ تو اپنے ہی آدمی ہیں اور اگر رئیسوں سے اگر کوئی ایمان قبول کر لیں تو اہل ایمان میں ایک رونق آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے رونق نہیں بلکہ کمال ایمان اور اطاعتِ کاملہ سے رونق ہے۔ قرآن میں ہے؛

”أَنْ كُونَ هُمْ دَاعِيَةً جِئْتُمُوهَا كَرْتُمْ فِي صَبْحٍ وَشَاءَمٍ“

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ الخ (سُورَةُ الْكَهْفِ، ۱۵)

آپ اُن میں جم کر بیٹھیے اُن کو ہٹا کر نہیں۔ اس سے رونق نہیں کہ صاحب

دولت و ثروت ہے، لوگوں کے اس کی طرف رجوعات ہیں عوام کا طبقہ اس کی طرف زیادہ لگا ہوا ہے اور اثر دار ہے لہذا شریک کر لو اس سے بہت امداد ملے گی چندوں میں آسانی ہوگی دوسروں پر اثرات ہوں گے اس کے ساتھ بہت سے لگے ہوئے ہیں ایک جماعت اس کے ساتھ ہے حالانکہ جن معاملات میں شوریٰ کی ضرورت ہے وہ اس کا اہل نہیں ہے وہ جانتا بھی نہیں ہے۔ اسی لئے دیوبند میں ایک شیخ ذادے رئیس نے دارالعلوم دیوبند میں ممبر ہونا چاہا۔ بعض دوسرے حضرات نے بھی چاہا کہ ان کو ممبر شوریٰ بنا لیا جائے مگر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ آپ سرپرست تھے مانے ہوئے تھے مسلم تھے اس پر شور ہو گیا۔ اس وقت رئیسوں کی بہت چلتی تھی بڑا اقتدار حاصل تھا لہذا شور مچ گیا ان کو مقرر نہ کرنے پر اب پھر بار بار کہا جا رہا ہے مولانا صاحب سے لیکن وہ ایسے مستقل مزاج ہیں کہ فرمایا ہرگز نہیں! وہ کیا جانیں ان چیزوں کو جن میں مشورہ لیا جائے گا۔ وہ کیا مشورہ دیں گے۔ یہ علمی ادارہ ہے پڑھنے والے اہل علم پڑھانے والے اہل علم بانی مبانی مہتمم وغیرہ سب اہل علم۔ اس ادارے کے بارے میں وہ کیا رائے دیں گے۔

بعض نے عرض کیا کہ حضرت ہم سب تو ہم مسلک ہیں ہم مشرب ہیں ہم مشورہ ہیں۔ اگر رکھنے کے بعد اس نے اختلاف کر بھی لیا تو اس کے اختلاف سے ہم سب کے متفق ہونے کی صورت میں کیا ہو سکتا ہے، فرمایا کہ وہ نا اہل ہے اس کام کو جاننے والا نہیں اہل کو لینا ہے اور وہ اہل نہیں ہے اگرچہ وہ دنیوی جاہ میں بڑا اہل ہے، فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھا کہ نا اہل کو کیوں مقرر کیا تو کیا جواب دوں گا اور گر ان کو نہ لینے سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے مدرسہ کے اندر فساد آتا ہے مدرسہ بند ہو جاتا ہے تو ان سے سوال ہوگا ہم سے سوال نہیں ہوگا بگاڑ انہوں نے کیا ہم نے نہیں۔

بجائے شوریٰ کے سرپرست کی صوابدید پر فیصلہ ہو :

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مرجع وہ ایک ہے بانی مبنی سرپرست وہ ایک ہے اصل شوریٰ نہیں ہے۔ ورنہ شوریٰ کہہ دیتی کہ بہت اچھا ہم آپ کو سرپرست نہیں رکھتے کیونکہ ہم سارے کے سارے ایک طرف ہیں اور آپ دوسری طرف لیکن شوریٰ نے آپ کو یہ نہیں کہا اور آپ کو الگ بھی نہیں کیا۔

ایک مرتبہ مظاہر العلوم کے معاملہ میں ایسا ہوا کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی وہاں کے بھی سرپرست تھے وہاں آپ نے فرمایا کہ اب تم میری یہ بات نہیں مانتے تو میں الگ ہوتا ہوں پھر لگے خوشامد کرنے آپ نے فرمایا کہ جیسا میں کہوں ویسا کرو گے سب نے اقرار کیا تو اصل کون ثابت ہوا؟ شوریٰ یا بانی مبنی۔

ایک عمومی اشکال :

اگر بانی مبنی ایسا نہیں ہے تو شوریٰ تو ایک جماعت کا نام ہے ان میں کتنے ایسے ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو کشمکش کشیدگی زیادہ ہے۔ تقویٰ پر اگر جانچا جائے تو پورا اترنا بہت مشکل ہے۔ تو جس طرح صاحب تقویٰ نہ ہونے کا اشکال امیر کے بارے میں کیا جاتا ہے اسی طرح بعینہ یہی اشکال اہل شوریٰ کے بارے میں بھی موجود ہے بلکہ یہاں زیادہ ہے اس لئے یہ اشکال کرنا کہ اب ایسے متقی پر ہیزگار، دیانتدار کہاں ہیں صحیح نہیں ہے۔

اہل شوریٰ کے اتفاق کی صورت میں بھی فیصلہ امیر کی رائے پر :

اور اسی سے معلوم ہو گیا کہ بالاتفاق سب حضرات اس شیخ زادہ صاحب کے

موافق تھے اور سب نے عرض کیا تھا کہ رکھ لیا جائے۔ لیکن ایک واحد سرپرست حضرت گنگوہیؒ ہی خلاف تھے۔ معلوم ہوا کہ اکثریت کی بات تو کیا بلکہ شوریٰ کسی بات پر متفق بھی ہو جائے اور بانی و سرپرست نے باوجود اس اتفاق ہونے کے تسلیم نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ شوریٰ متفق ہو کر کسی پات پر تب بھی فیصلہ امیر ہی کی رائے پر ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی موقع پر سب متفق ہو جائیں اور امیر بھی اسی کو صحیح اور درست سمجھے اور سب ہی کی رائے کے مطابق ہی فیصلہ کر دے۔

لیکن اگر امیر تمام اہل شوریٰ کی رائے کے خلاف ہی فیصلہ کر دے تب بھی اہل شوریٰ کو ناراض ہونے کا حق نہیں ہے۔ خلاف میں کھڑے ہونے کا حق نہیں ہے۔ انتشار پیدا کرنے کا حق نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل حال اس کے بالکل خلاف ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب :

ابتدائی زمانہ ہے رسول، پاک ﷺ کی وفات شریف ہو گئی، ابھی آپ دن نہیں ہوئے فکر ہوئی کہ کوئی امیر ہونا چاہیے جس کی نگرانی میں سارے کام ہوں۔ وہ خلافت کے کام کو سنبھالے کوئی قائم مقام ہو جانا چاہیے، کوئی خلیفہ ہونا چاہئے۔ دیر لگی دن میں نہیں لگی؟ مشورے ہو رہے ہیں مختلف رائیں آرہی ہیں اس حال میں حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ آپ سے زیادہ حقدار کون ہے؟ اِذْ هُمْ فِي الْغَارِ آپ ہی اس منصب کے لائق ہیں۔ لہذا ہاتھ لائیے حضرت عمرؓ نے بیعت کر لی، سب حضرات صحابہ کرامؓ نے بیعت کر لی۔ سب اصلاح شدہ تھے کوئی کشمکش کی بات نہیں ہوئی، اب وہ خلیفہ ہو گئے تو تمام کام آپ کی صوابدید پر انجام پائے اور سب حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنی رائے پیش کرنے کے بعد ہمیشہ آپ کے فیصلہ کو تسلیم کیا۔

عزلِ امام کا حکم :

فقہ کا مستقل مسئلہ ہے کہ امام منتخب ہونے کے بعد جب تک اس سے کھلے طور پر کبار کا مسلسل ارتکاب نہ دیکھو اس کو الگ مت کرور نہ شور ہو جائے گا فساد مچ جائے گا فتنہ ہو جائے گا اور مسئلہ امامت کا کھیل بن جائے گا۔ فتنہ و شور ہو جائے گا۔ امام ہی کا حق ہے کہ نماز پڑھائے۔ اب وہ تاخیر سے آتا ہے کراہیتِ وقت کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔ اسی کا انتظار کرو۔ تم میں سے کوئی امام بن کر نہ کھڑا ہو جاوے۔ وہ امام ہے امیر ہے کہیں فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔

شریعت فتنہ کو گوارا نہیں کرتی :

الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورة البقرہ - پ ۲) شریعت قتل کو تو گوارا کر رہی ہے فتنہ کو گوارا نہیں کرتی۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو بڑی جماعتیں نکلیں تو کچھ لوگ مرتد بھی ہو گئے کچھ مانعینِ زکوٰۃ بھی ہو گئے۔ ادھر ایک جماعت حضرت اُسامہؓ کی جہاد کے لئے جا رہی ہے۔ حضرت اُسامہؓ کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات میں ہی جھنڈا دیکر روانہ کیا تھا۔ کشمکش پڑ گئی حضرت ابو بکر صدیقؓ فرما رہے ہیں کہ اگر ایک رسی بھی زکوٰۃ کی نہ دے گا تو میں اُن سے بھی جہاد کروں گا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی رائے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کی نہیں تھی۔ جیشِ اُسامہؓ کو بھی روک لینے کا مشورہ تھا مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کسی کی رائے نہیں مانی اور تمام اہل شوریٰ کی رائے کے خلاف مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کا فیصلہ کیا۔ اسی طرح جیشِ اُسامہؓ کی روانگی کا فیصلہ کیا اور اسی پر منظوطی سے جمے رہے اور سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آپؐ کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آج کل اکثریت کی چلتی ہے اس پر حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اکثریت کی رائے پر فیصلہ کیا جائے یہ تو یہ غیر مسلموں کا شیوہ ہے، یہ شریعت کا اصول نہیں ہے اور شریعت کے احکام دائمی ہیں قیامت تک کے لئے ہیں کسی محدود زمانہ تک کے لئے نہیں ہیں۔ اور جب قرآن پاک، احادیث اور صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے کہ فیصلہ امیر کی رائے پر ہے تو پھر آج کل کے زمانہ والوں کی وجہ سے شرعی اصول کو جو دائمی ہیں کس طرح بدلا جاسکتا ہے.....؟

احکام شرعیہ دائمی ہیں :

ہمارے اکابر کا یہ عمل رہا ہے کہ فیصلہ ایک کی رائے پر رہا ہے اور اگر اس ایک امیر، سرپرست کی رائے کو نہیں مانا گیا اختلاف کیا گیا تو ایسے حال میں وہ خود الگ ہو گئے یکسوئی اختیار کر لی کسی قسم کا فتنہ نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت والا نے اپنی سرپرستی کے بارے میں.....

حضرت حکیم الامتؒ کی سرپرستی سے معذرت :

فرمایا کہ جب تم ہماری بات مانتے نہیں تو پھر اس سرپرستی سے کیا فائدہ ہے ہم الگ ہوتے ہیں۔ تم کرو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے نہیں کہ میں تم کو الگ نہیں کر سکتا مگر فتنہ سمجھتا ہوں۔

حالات شوریٰ کا اندازہ ہو گیا تھا کہ شوریٰ کے حالات ایسے ہیں۔ جب ان کے ایسے ہیں تو اور جو نئی شوریٰ رکھی جائے گی ان کے حالات تو اور کہیں زیادہ شورش کے ہونگے نہ ماننے کے ہوں گے، اپنی رائے کو چلانے کے ہوں گے چونکہ ان کا زمانہ تو پھر بھی بزرگوں کے زمانے سے قریب ہے انہوں نے بزرگوں کا زمانہ پالیا ہے اور

جن کو اب اہل شوریٰ مقرر کیا جائے گا وہ تو اور بھی بعد کے ہیں۔ ان کا زمانہ تو حضور ﷺ سے اور بعد کا ہے اور جتنا زمانہ رسول اللہ کے زمانے سے بعد کا ہوتا چلا جائے گا برکت اٹھتی چلی جائے گی۔

باسی روٹی کی قیمت زیادہ :

ایک نان بھائی یعنی بھٹیاریہ تھا جب کوئی شخص اس کے پاس روٹی لینے آتا کھانا لینے آتا تو وہ پوچھتا تھا کہ آپ باسی کھانہ لینا چاہتے ہیں یا تازہ کھانہ۔ اگر تازہ کھانا لینا چاہو تو اسکی قیمت کم ہے اور باسی کھانا رات کا کھانہ لینا چاہو تو اس کی قیمت زیادہ ہے۔

لوگوں نے کہا کہ بھائی یہ کیسی بات ہے کہ آپ تازہ کھانے کی قیمت کم اور باسی کھانے کی قیمت زیادہ لیتے ہیں؟ یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے!

اس پر نان بھائی کہتا کہ رات کے کھانے کے زمانے کو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے زیادہ قرب حاصل ہے اور یہ تازہ کھانا رسول اللہ کے زمانے سے ایک رات بعد کا ہے۔ جو برکت اس باسی کھانے میں ہے تازہ کھانے میں نہیں۔ لہذا باسی کھانے کے دام زیادہ اور تازہ کے کم ہیں۔

فی الامر سے مراد امرِ مہم ہے :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ بتلا رہا ہے کہ جو امر مہم ہے اس میں مشورہ کیا جاتا ہے اور مشورہ کرنے کا حکم امیر کو ہے۔ لفظ شاوِر بتلا رہا ہے کہ اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے نہ کہ ہر کس و ناکس سے۔ لفظ ہم بتلا رہا ہے کہ وہ حضرات جن سے مشورہ لیا جائے دیندار ہوں، خیر خواہ ہوں، معاملہ فہم ہوں، مخلص ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ :

حضرت سلیمان نے دیکھا کہ ہد ہد غائب ہے تلاش کرائی کہ کہاں چلا گیا؟ اگر اس نے صحیح صحیح غیر حاضری کی وجہ نہ بتلائی تو اس کو میں سزا دوں گا ذبح کر دوں گا۔ خیر ہد ہد آ گیا اس نے بتلایا کہ میں ایسی معلومات لے کر آیا ہوں، ایسی حکومت دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر بھی نہیں۔ ایک عورت ہے اس کا نام بلقیس ہے مشرکہ ہے حکومت کر رہی ہے اسکی خبر لے کر آیا ہوں۔ معلوم کیا تو واقعی ایسی ہی حکومت ہے۔ ہد ہد کو چھوڑ دیا گیا یعنی اس نے زرہ زرہ جو کچھ کہا تھا ٹھیک ہے۔ اب سلیمان نے اطلاع کر دی ہدایت و تبلیغ قبول کرو شرک کو چھوڑ دو ورنہ پھر جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بلقیس کی شوریٰ کا واقعہ :

بلقیس نے شوریٰ جمع کر لی ارکان سلطنت جمع کر لئے کہ یہ اطلاع آئی ہے تم کیا کہتے ہو؟ شوریٰ نے کہا ہم قوت والے ہیں زور آور ہیں پرانے جنگ آزماء ہیں ہم تیار ہیں۔ قرآن شریف میں ہے : **قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةً وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدًا وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ** (سورة النمل - پ - ۱۹)

لیکن معاملہ آپ ہی کی رائے پر ہے۔ معلوم ہوا کہ حاکمانہ اختیار یہ شوریٰ کو نہیں بلکہ امیر کو ہے، اصل حاکم کو ہے۔

سلوک کا مسئلہ :

اگر شیخ کو ضرورت پڑے گی مشورہ کر لے گا اپنے کسی مرید کے بارے میں

اپنے بارے میں۔ مسئلہ یہ ہے کہ شیخ کو بھی اگر ضرورت ہو اور اپنا شیخ نہ ہو تو اپنے خلفاء میں سے جس سے بے تکلفی ہے اس سے مشورہ کر لے۔ جب اس سے مشورہ کیا تو یہ نہیں کہ صاحب آپ نے تو مجھ سے مشورہ کیا تھا اور پھر بات ہی نہیں مانی۔

حضرت بریرہؓ کا واقعہ :

حضرت بریرہؓ کا نکاح ہوا وہ کسی کی باندھی تھی آزاد ہو گئی تھی۔ آزاد ہونے کے بعد اختیار نکاح میں رہنے کا یا نہ رہنے کا ہوتا ہے۔ اپنے اختیار کو اپنے کام میں لائی اور الگ ہو گئی۔ حضرت مغیثؓ گورنر بنج ہو ا محبت تھی۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا حضرت بریرہؓ کو بلایا، فرمایا دیکھو وہ بہت رنجیدہ ہیں لہذا رجوع کر لو !

حضرت بریرہؓ نے فرمایا کہ یہ امر ہے یا مشورہ؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مشورہ ہے! حضرت بریرہؓ نے عرض کیا کہ حضور اگر یہ حکم نہیں ہے مشورہ ہے تو مجھے منظور نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مشورہ کا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتا تو صحابہ کرامؓ کے لئے نبی اکرم ﷺ کے مشورہ سے زیادہ کس کا مشورہ اہم ہوگا۔

طالب علمی کا واقعہ :

جب میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔ چار سال حاضری رہی وہاں، تو حضرت والا کو میری محنت کے متعلق معلوم ہو گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ اس وقت آپ اس قدر محنت کرتے ہیں کیا صرف یہی زمانہ طالب علمی کا ہے اصل زمانہ طالب علمی کا تو فارغ ہونے کے بعد شروع ہوگا۔ جب ایسا جملہ فرمایا کہ طالب علمی کیا یہی ہے تو مزاج طالب علمانہ ہو گیا۔ حضرت والا کے بعض خلفاء یہاں تشریف لائے انہوں نے بندہ کا

یہ طریقہ دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ تو بہت ہی بے تکلفی سے رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں میرا مزاج ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے اب اسمیں کیا تبدیلی آئے گی۔ حضرت والاؒ کو بھی بندہ کی نرم مزاجی کا طریقہ معلوم تھا چنانچہ بعض حضرات نے عرض کیا کہ حضرت مسیح اللہؑ کا طریقہ تو بہت ہی نرم ہے اور مولانا عیسیٰ صاحبؒ جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کے لئے عرض کیا کہ ان کا طریقہ گرم ہے۔ تو اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ارے بھائی کوئی گرم ہے کوئی نرم ہے کسی کا مزاج گرمی سے ٹھیک ہوتا ہے کسی کا نرمی سے۔

سلوک نہایت لطیف ہے :

بیعت ایک کھیل ہو کر رہ گئی ہے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے اتنے عرصہ کے بعد تو سلوک کی حقیقت واضح ہو گئی اور کھلی کہ سلوک کیا چیز ہے اس کو پھر لوگ بگاڑنا چاہتے ہیں۔ اور فرمایا کہ سلوک نہایت لطیف چیز ہے کیسی لطیف خود ہی فرمایا جیسا کہ روح لطیف ہے۔ پھر فرمایا کہ کس کی روح؟ فرشتے کی روح ایسی لطیف ہے۔

حضرت حکیم الامت کی نرم مزاجی :

نرم مزاجی اور رفیق اس درجہ کی تھی کہ اظہار ناراضگی طالب تربیت سے تھی جبکہ پریشان کر رہا ہے اور بار بار سمجھانے پر فرمائش پر نہیں مان رہا ہے تو اظہار گرانی ہوتی تھی ورنہ حضرت تو بچوں کی سی باتیں کرتے تھے اور بہت نرم طریقہ سے باتیں کرتے تھے۔

حکیم الامتؒ کا رات کو اٹھ کر تعویذ دینے کا واقعہ :

حضرت والاؒ کو کسی پڑوسی کے کراہنے کی آواز آرہی تھی اپنے ملازم سے فرمایا

کہ دیکھو کہ کراہنے کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ وہ گئے اور کہا کہ حضرت بڑی بی بی آئیں تھیں انہوں نے کہا کہ میرے بیٹے کی بیوی کا دروزہ ہو رہا ہے۔ ادھر آپ کو تو نہانے کی بھی ضرورت تھی۔ اسی وقت غسل کیا اور تعویذ دروزہ لکھا اور ملازم کو کہہ دیا کہ جا کر دیدو۔ بڑی بی بی سے کہہ دینا کہ بائیں ران پر باندہ دیں اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو فوراً کھول دینا۔ فصل الہی سے حضرت والا کی برکت سے بچہ پیدا ہو گیا۔ کتنی نرمی تھی حضرت والا کے مزاج میں.....

سلوک کا موضوع :

اصلاح، سلوک صرف وظیفوں کا اور نفلوں کا نام نہیں ہے۔ اخلاقِ رذیلہ جو کہ امالہ ہے دور کرنا اور اخلاقِ محمودہ کل پیوست ہو جانا راسخ ہو جانا ملکہ ہو جانا جنکا تعلق قلب سے ہے۔ اخلاقِ ذمیمہ کا تعلق ہے نفس سے۔ یہ موضوع ہے سلوک کا وظیفے موضوع نہیں ہیں اخلاقِ موضوع ہے۔ تو اخلاقِ مؤمن کے لئے پہلی چیز ہے۔

لوٹا گرنے کا واقعہ :

گھر کا دیکھئے کہ بیمار ہیں۔ اسہال یعنی دستوں کا مرض ہے۔ بیاسی برس کی عمر ہو گئی ہے۔ کتنی مدتوں سے بیمار ہیں، صاحبِ فراش ہو رہے ہیں، اسہال کا مرض کمزوری رات کو کچھ قراقرس سا ہوا دست کی حاجت ہوئی بیت الخلاء چلے گئے دست ہو گیا۔ استنجے کے بعد باہر صحن تشریف لائے غشی آ کے صحن میں گر پڑے ہوش آیا اٹھ گئے چار پائی پر جا کر لیٹ گئے۔ لیٹے لیٹے یاد آیا کہ میرے ہاتھ میں لوٹا تھا جو صحن میں گر گیا اگر گھر میں کسی کی آنکھ کھلی۔ بیت الخلاء وغیرہ جانا ہوا تو لوٹا کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

پریشانی ہوئی، چارپائی سے اٹھے اور لوٹے کو اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

جہادِ نفس :

تو پہلے نفس سے جہاد ہے۔ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یہ بڑا جہاد ہے
مأمور بہا ومنہی عنہا ظاہرہ کا تعلق شریعت سے ہے اور مأمور بہا ومنہی عنہا
باطنہ کا تعلق اخلاق سے ہے۔ مأمور بہا اخلاق محمودہ میں اور منہی عنہا اخلاق
ذمیمہ میں ہیں۔

مرید کا اول قدم فناء کا ہے :

اول قدم فناء کا ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلہ کے صاحبزادے
نے کہا، حضرت ہم نے تو اب تک یہ سنا تھا کہ آخری قدم فناء کا ہے.....؟ فرمایا ہاں!
لیکن میرے یہاں تو اول قدم فناء کا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک فناء نہیں تو آگے
کیا قدم بڑھے گا۔ اس لئے فرمایا کہ اول قدم میرے یہاں فنا کا ہے۔ یہ چیز ہے
خارج کے موثرات سے۔ متاثر ہونے سے طبیعت کو روکنا۔ جس طرح مدرس طالب
علم کا امتحان لیتا رہتا ہے اسی طرح شیخ کو بھی حق ہوتا ہے وہ بھی اندازہ کرتا رہتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا واقعہ :

چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحب کے پاس تھا نہ بھون
تشریف لائے۔ گرتا پا جامہ پہنے ہوئے ہیں ایک تہبند لئے ہوئے ہیں۔ آئے تو تھے
مولانا شیخ محمد صاحبؒ سے ایک مسئلہ میں گفتگو کے لئے مگر پہلے پہنچے حاجی صاحب کی
خدمت میں خانقاہ۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے دریافت کیا کہ صاحبزادہ کیسے آنا ہوا تو

مولانا نے عرض کیا، مولانا شیخ محمد صاحب سے ایک مسئلہ میں گفتگو کے لئے آیا ہوں۔ اس پر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحب ہمارے بڑے ہیں اس طرح ان سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔

عرض کیا بہت اچھا اب نہیں کروں گا۔ خانقاہ میں رہ گئے جب جمعہ آیا کپڑے دھو کر صاف پہن لئے۔ خانقاہ میں قیام ہو رہا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ”بھائی اتنے دن ہو گئے کب جاؤ گے.....؟“

”جی حضرت جاؤں گا!“ ایک دن مکان سے کھانا آیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب آج ہمارے ساتھ کھانا کھا لو۔ آپ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ دو سالن تھے ایک دال اور ایک گوشت۔ گوشت کا برتن تو حاجی صاحب نے رکھا اپنی طرف اور دال کا برتن رکھا مولانا گنگوہی کی طرف۔ کھانا کھا رہے ہیں۔ حافظ ضامن صاحب اپنے حجرہ سے باہر نکل آئے دیکھا کہ آج تو صاحبزادے کو اپنے ساتھ حاجی صاحب کھانا کھلا رہے ہیں لیکن حاجی صاحب یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اپنی طرف گوشت اور ان کی طرف دال کا برتن رکھا ہوا ہے۔ تو حاجی صاحب نے فرمایا ”یہ غنیمت ہے کہ میں اپنے ساتھ ان کو کھانا کھلا رہا ہوں ورنہ یہ تو اس قابل تھے کہ بھنگی کی طرح سے ان کی ہاتھ میں یہ کھانا رکھ دیتا اور کہتا کہ جا کھانا پھر۔“

مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب یہ فرما رہے تھے تو میرا دل اندر سے یہی کہہ رہا تھا کہ بالکل صحیح فرما رہے ہیں کہ میں تو اسی قابل تھا، یہ تو حضرت والا کا کرم ہے اور حاجی صاحب یوں..... کنکھیوں سے آپ کا چہرہ دیکھ رہے ہیں کہ چہرہ پر کوئی اثر تو نہیں آیا۔ یہ امتحان ہے حضرت گنگوہی کے چہرہ پر

الْحَمْدُ لِلَّهِ كَوْنِي اِثْرَنَهُ تَهَا اور ان کا دل کہہ رہا تھا کہ واقعی تو تو اسی قابل تھا جیسا کہ حضرت حاجی صاحب فرما رہے ہیں۔ یہ تو ان کا کرم ہے کہ اپنے ساتھ کھانے پینے بٹھا لیتے ہیں۔ بس امتحان ہو گیا فنائیت کا۔

اگر شیخ کی بات پر بھی اثر لیتا ہے تو باہر دوسرے کی بات کا کتنا اثر لے گا۔ چونکہ جب شیخ کی بات کا بھی اثر لیتا ہے گرانی ہوتی ہے طبیعت میں جا کر چہرہ سے ظاہر ہو رہا ہے تو معلوم ہوا کہ ابھی اصلاح نہیں ہوئی، اصلاح ہونا کھیل نہیں ہے۔

حضرت مرزا جانِ جانناں کا واقعہ :

حضرت مرزا جانِ جانناں کا واقعہ ہے کہ ان کے خادمِ خاص غلام علی شاہ حضرت مرزا صاحب کو پنکھا جھل رہے تھے ہلکا ہلکا تو اس پر فرمایا ارے کیا تیر ہاتھ میں جان نہیں ہے اس پر انہوں نے زرا زور سے جھلنا شروع کیا تو فرمایا کہ کیا مجھے اڑا ہی دے گا۔ اس پر غلام علی شاہ نے نہایت دے ہوئے لہجے میں آہستہ سے کہا ”نہ یوں بن پڑے نہ یوں بن پڑے.....“

حضرت مرزا صاحب کے کانوں میں آواز آئی، مرزا صاحب نے فرمایا کہ ”پنکھا یہاں رکھ دو اور خانقاہ سے باہر نکل جاؤ“۔

حضرت غلام علی روتے ہوئے پھر رہے ہیں اور خوشامدیں ہو رہی ہیں۔ بالآخر بلو الیا حقیقت کھل گئی۔ ایسا کیوں ہوا.....؟

ایسا اس لئے ہوا کہ جب یوں کہا کہ کیا تیرے ہاتھ میں جان نہیں، اور اب زور سے کہا کہ کیا مجھے اڑا ہی دے گا تو طبیعت میں اس کہنے کا ایک اثر ہوا ایک چنگاری آگئی تیزی کی گرانی کی بار بوجھ پڑنے کی۔ زبان ترجمان ہے دل کی۔ زبان نہ رُک سکی

اور زبان پر لے آئے معلوم ہوا کہ گرانی ہوگئی تھی کچھ کراہیت سی ہوگئی تھی۔ شیخ سمجھ گئے کہ میرے اس کہنے پر ان کی طبیعت میں ایک انگارہ آگ کا تیزی سے بھڑک کر شعلہ نہیں آیا تو چنگاری تو آگئی۔ جب شیخ کی اس بات پر گرانی آئی تو باہر نکل کر کسی دوسرے کی طرف سے طبیعت کے خلاف کوئی بات اس کے سامنے آئے گی تو لڑ مرے گا۔

حضور بحق :

اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد ہے۔ اس کے مطابق جہاں تو حضور بحق ہے۔ ہر وقت اس فنائے تام کے آثار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں اخلاص کے ساتھ فنائے تام کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)



چوبیسویں مجلس

اللہ تعالیٰ کی محبت کے آثار

۱۳ اشوال المکرّم ۱۴۰۲ھ - بروز بدھ

اتفاقی اصول نہیں :

خلاف اصول اور خلاف طریقہ کسی کام کے کرنے سے اس کام میں کامیابی ہو جائے تو وہ ایک وقتی چیز ہے اصول نہیں وہ مسئلہ نہیں ہے۔

حکمت الہی :

اللہ تعالیٰ حکیم و قدیر اور علیم ہے اسلئے اتفاقاً ایسا ہو سکتا ہے کہ طریقہ تو اختیار کیا تھا غلط مگر اس سے نقصان نہیں ہوا، یہ اتفاقی بات ہے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والا تو اس سے حیرت زدہ ہو جائے گا مگر جو حکمت اور مصلحت کا قائل ہے اس کے لئے کوئی استیجاب نہیں۔ چونکہ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بندوق چلے اور نہ مرے، ایسا ہو سکتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندوق کا نام بھی نہیں ہے اور مر گیا کہ بس ذرا سی بات

سُنی اور برداشت نہیں ہوئی اور حرکتِ قلب بند ہوگئی اور مر گیا۔ اب وہ قوی قلب والا تعجب کر رہا ہے کہ بھلا ایسی کیا بات ہوئی تھی۔

ایک کو دوسرے پر قیاس نہ کرو :

اس لئے ایک عمل کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے کہ جُداگانہ طبیعت اور جُداگانہ عادت اور جُداگانہ دماغ ہوتے ہیں۔ پھر یہ قیاس کیسا جس کو قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اخیر عمر میں تمام رات جاگتے رہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ میں بھی اس عمر میں تمام رات جاگتا رہوں میں بھی شوقیں بن جاؤں۔

قیامُ الیل :

حق تعالیٰ نے خود اختیار دے دیا ہے سُورَةُ الْمَزْمَل میں يَا أَيُّهَا الْمَزْمَل قُمْ الَّیْلَ اب قُمْ الَّیْلَ کے معنی یہ کہ ”تم رات بھر کھڑے رہو اے چادر کے اوڑھنے والے“ یہ محبتانہ انداز ہے کہ آپ ﷺ لیٹے ہوئے تھے چادر اوڑھ کر۔

قُمْ الَّیْلَ کھڑے رہو رات بھر، اور آگے فرمایا : اِلَّا قَلِيْلًا ”مگر تھوڑی سی رات“ اگر آگے کچھ نہ ہوتا تو آپ ﷺ تمام رات کھڑے رہتے۔ آگے فرما دیا : اِلَّا قَلِيْلًا ”مگر تھوڑا۔ اب تھوڑا کتنا کہ ہر ایک کا اندازہ الگ الگ ہے۔ تو فرما دیا کہ نِصْفَهُ ”آدھی رات تک“۔ اب اگر کسی شخص میں نہیں ہے آدھی رات کھڑے رہنے کی عادت تو آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَوْ اِنْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ”آدھی رات یا اس سے بھی کم“ اب کوئی کہہ دے کہ میں تو زیادہ جاگنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ ”یا اس سے زیادہ“۔ تو اختیار دے دیا اور تعین اُٹھ گیا۔ تو کتنا کرم ہے اس کا اگر پوری رات کے

لئے فرما دیتے تو فرما سکتے تھے اور آدھی رات کے لئے فرماتے تو فرما سکتے تھے۔ مگر ایسا نہیں فرمایا چونکہ وہ جانتے ہیں کہ عمل کرنے والوں کی قوتیں اور فرصتیں جدا جدا ہیں۔ اس لئے اس بارے میں اختیار دے دیا گیا لہذا اب پوری رات جاگنے والا دوسرے شخص کو یوں نہیں کہہ سکتا کہ آپ پوری رات کیوں نہ جاگتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے تو اس کو کون مقید کر سکتا ہے۔

اب آگے فرمایا! **وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً** ”یعنی قرآن پاک کی آیات سنبھل کر پڑھو“ ٹھٹھڑ کے ایک ایک حرف پورا پورا موتی سا تلا ہوا صاف صاف ادا کرتے ہوئے تلاوت کریں۔

تہجد سنتِ مؤکدہ ہے :

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ تہجد سنتِ مؤکدہ ہے اور فقہائے محققین کی بات تسلیم کرنی پڑتی ہے اور حضرت والا مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ.....!

فقہاء و صوفیاء محققین :

دو ہی تو جماعتیں ہیں اسلام میں ایک فقہائے محققین اور دوسرے صوفیائے محققین۔ تو بعض فقہاء نے تہجد کو سنتِ مؤکدہ لکھا ہے۔ شامی میں یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ عشاء کے وقت ہی وتر کے بعد چار رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کرو اور ارادہ رکھو آخر میں پڑھنے کا۔ مگر عشاء کے وقت تو احتیاطاً پڑھ لیا کرو کہ بعض نے سنتِ مؤکدہ لکھا ہے اور جو ایسی چیز ہے اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی ارادہ رکھو آخر شب میں پڑھنے کا وتر سے پہلے کیونکہ حضور اکرم ﷺ تو ہمیشہ وتر سے پہلے پڑھتے اور عشاء کے وتر اخیر میں پڑھا کرتے تھے۔

تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا واقعہ :

ایک دن عشاء کے وقت خیال ہوا کہ میں تو روزانہ توفیق الہی سے اٹھتا ہوں تہجد کے لئے۔ اور یہ میں نے اپنی جوانی سے اختیار کر رکھا ہے اور اب تو بڑھا پا بھی ہے اور کمزوری بھی آگئی ہے اور تہجد کے لئے بفضلہ تعالیٰ اٹھتا ہی ہوں تو عشاء کے وقت تہجد نہ پڑھا کروں یہ خیال میں نے کیا لیکن پڑھ لی۔ رات کو آنکھ لگ گئی اور تہجد کا وقت نکل گیا۔ تو اللہ نے سمجھا دیا کہ بعضوں کو جلدی سمجھاتے ہیں، وہ تو تعلق کی بات ہے کیونکہ اپنوں ہی سے کہا جاتا ہے اور اپنوں ہی سے اظہارِ گرانی کا جاتی ہے اور یہی سنتِ الہی ہے۔ حضرت معاویہؓ کی ایک مرتبہ تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلی تو آپ تمام دن روتے رہے۔ وہاں رونے کی کیا بات تھی؟ کوئی فرض چھوٹ گیا تھا.....؟

لیلیٰ کا واقعہ :

چنانچہ مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ لیلیٰ نے سب بھکاریوں کو بھیک دے دی اور جب مجنون کی باری آئی تو مجنون کا پیالہ چھین لیا اور زمین پر دے مارا۔ پیالہ ٹوٹ گیا اور مجنون ناچنے لگا پوچھنے پر مجنون بولا کہ تمہیں کیا پتہ اپنے پر قیاس کر لینا دوسرے کو، یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ محبت اور اس کے آداب الگ الگ ہیں۔

الذین آمنوا أشد حبا لله - کہ مؤمن کی شان تو حق تعالیٰ کے ساتھ اشد

محبت کی ہے اُس کے آثار الگ الگ ہیں۔

بستی کے پلٹنے کا واقعہ :

اور اسی لئے جس بستی کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو پلٹ دینے کا حکم دیا وہ

جبریلؑ بھی کہہ رہے ہیں کہ اس میں تو ایک بندہ ایسا عابد ہے کہ جس سے کوئی گناہ بھی نہیں ہوا۔ کم سے کم وہ تو نکل جائے اس بستی سے ورنہ وہ بھی پھس جائے گا اسی بستی والوں کے ساتھ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ عالم الغیب تو میں ہی ہوں اور اندر کی بات کو جاننے والا ہوں اس عابد سمیت ہی اس بستی کو پلٹ دو تو وہ بزرگ مارے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بستی کے رہنے والے گناہ کا کام کرتے تھے اور بزرگ ان لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ سے نہیں روکا تھا۔ اس لئے نہیں روکا تھا کہ خوف کھاتا تھا کہ میرا کیا حشر کر دیں گے یہ تو بہت سخت لوگ ہیں۔ اور زبان سے بھی نہیں روکا تھا کہ اگر زبان سے روکوں گا تو نہ معلوم میرا کیا حشر کریں گے مگر دل کے حال سے تو کوئی واقف نہیں ہوتا اس سے تو میں ہی واقف ہوں پھر یہ کیا بات ہے کہ بستی کے لوگ گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں اور اس کے دل پر کوئی صدمہ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ حکم ہے کہ اس کے سمیت بستی کو پلٹ دو۔ چونکہ دل میں احکام کی جو عظمت ہونی چاہئے تھی وہ اس میں نہیں تھی۔

قلب میں احکام الہیہ کی عظمت :

اسی لئے چہرے پر بُرائیوں کو دیکھ کر کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا تھا۔ جو عبادت یہ کرتا تھا احکام الہیہ کی عظمت کے ساتھ نہیں تھی یہ تو محض عادت تھی اسکی۔ اگر احکام الہیہ کی عظمت دل میں ہوتی تو خلاف دیکھنے پر اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تھا، زبان سے نہیں کہہ سکتا تھا، تو غم اور ناراضگی کے آثار چہرے پر ضرور نمایاں ہو جاتے۔ اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ سب عبادات صرف عادت کے طور پر تھیں، محبت و عظمت احکام الہیہ کے ساتھ نہ تھی۔

شیطان کی خیر خواہی میں بھی شر ہے :

تو شیطان بھی خیر خواہ بن گیا۔ لیکن یہاں بھی خیر خواہی نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ سُلا دینا خیر خواہی نہیں تھی۔ جب شیطان جگانے کے لئے آیا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تیرا کام تو سُلانے کا ہے جیسا کہ کل سُلایا تھا تو جگانے کے لئے کیوں آیا ہے؟ اس پر شیطان نے کہا کہ وہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی کہ میں نے آپ کو سُلا دیا تھا مجھے کیا خبر تھی کہ آپ کو اپنے خالق سے ایسی محبت ہوگی کہ تمام دن روئیں گے آپ اور ایک ایک آنسو آپ کا اتنا قیمتی ہوگا اور رو کر آپ اور قربِ الہی حاصل کر لیں گے اس لئے آپ کو جگا رہا ہوں تاکہ آپ اپنے وقت پر تہجد پڑھ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قضاء ہو جائے تو اور بھی آپ کے رونے سے ترقی درجات ہو۔ شیطان فضائل سے اور ترقی درجات کے سبب ہونے والے اعمال سے تو بخوبی واقف ہے اور حضرت آدمؑ کی فضیلت کو جو اس نے نہیں مانا تھا وہ عناد کی وجہ سے تھا۔

عناد کے خواص :

جب کسی سے عناد آ جاتا ہے تو سارے علوم سارے فضائل اور سارے کمالات اسکی جس کے ساتھ عناد ہے، عناد کی نظر ہو جاتے ہیں۔ تو شیطان کہتا ہے کہ اسی لئے میں نے آپ کو اٹھا دیا ہے کہ آپ تہجد پڑھ لیا کریں۔ اب میں کبھی نہیں سُلاؤں گا آپ کو۔

رونے کا فائدہ :

تو حضرت معاویہؓ کا رونا سبب بن گیا شیطان سے دوری کا۔ حالانکہ صرف

تہجد چھوٹا تھا، فرض نماز قضاء نہیں ہوئی تھی نہ کوئی گناہ ہوا تھا اور یہاں گناہ ہونے پر بھی رونا نہیں آتا۔ جان جان کر رہا ہے اور جانتا ہے کہ گناہ اور بار بار کر رہا ہے مگر رونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے رونا صرف ضروری نہیں بلکہ اصل تو دل کا رونا ہے آنکھوں سے بعضوں کے آنسو نہیں آتے۔

ایسا ہی ایک واقعہ معین الدین چشتیؒ کی انگلیوں کے خلال چھوٹنے کا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا واقعہ :

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے نمازِ عشاء کے لئے وضوء کیا اور نماز پڑھ کر سو گئے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ معین الدین ہم سے محبت کا دعویٰ اور وضوء میں انگلیوں کا خلال چھوڑنا یہ کیسی محبت ہے.....؟

دیکھئے! انگلیوں کا خلال صرف مستحب تھا فرض یا واجب نہیں۔ مگر اس پر بھی نبی اکرم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر محبت بھرے انداز میں تنبیہ فرمائی۔ آپ کی آنکھ کھلی تو بے چین ہو گئے، اٹھے اور وضوء کیا اور عشاء کی نماز دُھرائی۔ کیا پہلے نماز نہیں ہوئی تھی؟ ہو گئی تھی! اور یہ جو نماز دوبارہ پڑھی ہے یہ نفل ہے۔ فرض تو ادا کر چکا تھا لیکن وہ تو جانتے ہیں کہ کسی چیز کے چھوٹ جانے پر بھی اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے تاکہ تلافی اور تدارک ہو جاوے کہ اس میں جو نقص آ گیا ہے اسکی تکمیل ہو جائے۔

رنگ میں فرق نہ آئے :

اور اس کے رنگ میں جو فرق آ گیا ہے وہ فرق دور ہو جائے اور وہی رنگ چڑھ جائے ورنہ آہستہ آہستہ رنگ چھوٹ جائے گا۔ پہلا رنگ باقی نہ رہے گا۔

دیوار کی مثال :

مثلاً اگر دیوار سے ایک اینٹ نکل جائے۔ اب اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ ایک اینٹ ہی تو نکلی ہے ذرا سی بات ہے لگ جائے گی اور اس پر نظر نہیں کہ وہ ایک اینٹ کیا نکلی پوری دیوار کمزور ہونا شروع ہوگئی ہے اور آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دیوار ہی گر گئی اور سارا گھر گر گیا۔ تو ایک اینٹ نکلنے پر غفلت ولا پرواہی برتی جائے تو پورے مکان تک کے گرنے کی نوبت آسکتی ہے۔ پس اسی طرح اگر یہاں غفلت برتی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آج ایک حکم چھوٹا کل کو دوسرا حکم چھوٹا اور پھر رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ دین ہی زندگی سے نکل جاتا ہے۔

دل کی کھٹک مہمان ہے :

یہ کھٹک مہمان خداوندی ہے اور جس مہمان کا اکرام نہ کیا جائے وہ دوبار نہیں آتا۔ خاص کر جو سلوک طے کرتے ہیں اور تقویٰ کے ساتھ ذکر میں مشغول ہیں ان کے لئے تو یہ بڑی نعمت ہے بڑی دعوت ہے یہ منجانب اللہ بڑا مہمان ہے۔ اگر ان کی خاطر تواضع نہیں کی گئی تو یہ کھٹکیں بند ہو جائیں گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر دین میں اضمحلال آتا چلا جائے گا اور کمزوری پر کمزوری اس کے اسلام اور اعمال میں ہوتی چلی جائیگی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بعض اوقات ان واردات پر عمل نہ کرنے سے آخرت کا چاہے نقصان نہ ہو۔ کیونکہ آخرت کا نقصان تو معصیت پر ہے لیکن دنیاوی نقصان ضرور ہوگا۔

ایک بزرگ کا واقعہ :

چنانچہ ایک بستی میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ اسی بستی میں ایک اور بزرگ

کہیں باہر سے تشریف لائے تو اس مقامی بزرگ کے جی میں آیا کہ ہم بھی مل لیں اُن بزرگ سے۔ تو جیسے اُٹھے فوراً کھٹک آگئی کہ مت جاؤ تو اس کھٹک پر بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ یہ میرا وہم تھا۔ تین دفعہ اسی طرح ہوتا رہا، اب چوتھی مرتبہ جب کھڑے ہوئے اور کھٹک آئی اور چلنے کے لئے ایک پاؤں رکھا اور جب دوسرا پاؤں رکھا تو پاؤں میں چوٹ آگئی اور بیٹھ گئے۔ بعد میں اُن بزرگ کے پاس سے کوئی شخص آئے تو انہوں نے معلوم کیا کہ بھئی وہ بزرگ تشریف لائے تھے وہ موجود ہیں یا چلے گئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت وہ تشریف لے گئے ہیں؛ اچھا ہم نے خیال کیا تھا کہ اُن سے ملاقات کریں گے مگر پیر میں چوٹ آگئی۔ تو اُس شخص نے کہا کہ حضرت وہ بزرگ تو اخیر میں بدعتی ثابت ہوئے۔

خواجہ صاحب کے بارے میں ہم یہ کہہ دیں گے کہ یہ حضرت کی محبت ہے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ نے خواب میں متنبہ کیا تھا تو خواجہ صاحب اُٹھے اور اُٹھ کر وضوء کیا اور نماز کا اعادہ کیا۔ اس میں حضور ﷺ نے اس بات کی طرف تنبیہ دی جو کہ ابھی عرض کیا جا رہا تھا تو حضور ﷺ نے بتلایا کہ آپ وضوء کر رہے تھے اس میں خلل کرنا چھوٹ گیا ہے۔

کام کرتے وقت کام ہی کی طرف توجہ ہو :

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کام بتلایا ہے تم کو، اس وقت میں اس کام کی طرف جس طریقے سے میں نے کرنے کو کہا تھا تو اسی طریقے سے کرنے کا اہتمام رکھو۔ میں یہ نہیں جانتا کہ اس وقت میری یاد تمہارے قلب میں اس درجہ ہو کہ اس کی وجہ سے جس طریقے سے میں نے کام کے لئے کہا ہے اس طریقے سے چوک

ہو جائے۔

میں یہ نہیں جانتا.....؛ باریک بات ہے۔ ٹھیک ہے کہ تمہیں محبت ہے اور محبت میں توجی چاہتا ہے لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس وقت میں نے جس طریقے سے جس کام کے کرنے کے لئے حکم دیا ہے اُس وقت میں اُس کام کو اُسی طریقہ سے انجام دینا مطلوب ہے۔ میری یاد تمہارے دل میں بسی ہوئی ہے لیکن اگر اس وقت میری یاد ہو کر اس میں فرق آجائے گا تو میں تم کو حکم دوں گا کہ اس کی تلافی کرو، اس طریقے سے کرو کہ پوری نماز کو ڈھراؤ یا اس طرح کہوں گا کہ اس کی تلافی سجدہ سہو سے کر لو۔ اگر نبی سے بھی ایسا ہوگا تو اُس کو بھی حکم دوں گا۔ حالانکہ نبی کا حضور اعلیٰ کی طرف تھا۔ وہ تو معبود کی طرف تھا اور اس درجے کا معبود کی طرف انتساب ہوا کہ اس عبادتِ عملی میں فرق آگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو بھی حکم دیا کہ سجدہ سہو کرو۔ اسی لئے جب کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقرب سے مقرب کہ جس کی اگلی اور پچھلی ساری چیزوں کو اٹھالیا گیا ہے۔ تو جب اس سے بھی کہہ دیا جائے کہ.....؛

نبی اکرم ﷺ کو بھی ڈرنے کا حکم :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ (پ ۲۱ - سورة الاحزاب) اے نبی ﷺ یعنی اے محمد ﷺ اللہ سے ڈرتے رہو۔ خیال فرمایا کہ کیسے چہیتے حبیب کو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ذات سے ڈرتے رہو۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کہ کافروں کی بات نہ مانو اور منافقین کی بات نہ مانو اور ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دو۔ التفات مت رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور آگے فرمایا :

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے جو تم کو وحی کی جاتی ہے اُس پر چلتے رہو اور انہیں کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں جو میں کہوں اُس پر چلتے رہو۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا وہ خوب جانتے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔
تو نبی کو کہا کہ ڈرتے رہو حالانکہ آپ ﷺ میں ساری چیزیں امر و نہی کی موجود ہیں اور ڈرتے رہنا وہاں موضوع ہے ہی اور کفار اور منافقین کی باتوں کو ماننے کا اور ان کی باتوں کی اتباعیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو وحی آپ ﷺ پر آتی رہتی ہے اُس پر چلتے رہنے کا دوام ہے ہی۔

در حقیقت ہم کو ڈرانا ہے :

در حقیقت حضور اکرم ﷺ کو فرمانا ہمیں سُنانا ہے۔ جہاں اس کا ابہام نہیں اور جہاں اس کا اندیشہ نہیں وہاں یہ حکم ہے اور نہی کے صیغہ کے ساتھ ہے جو کہ درجہ و جوہر کا رکھتا ہے تو آپ ﷺ کی اُمتِ مُسلمہ کے لئے بطریقِ اولیٰ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو نبی ﷺ کے لئے حکم ہے حالانکہ یہ تو کلام کی بلاغت ہے کہ جہاں اندیشہ نہیں وہاں کہا جا رہا ہے تو جہاں ہر وقت اندیشہ لگا رہے گا صرف احتمال ہی نہیں اُس کو تو بطریقِ اولیٰ ڈرتے رہنا ہے جس پر شیطان کا صبح سے شام تک نہ معلوم کتنا اثر ہوتا رہتا ہے اس کو تو بطریقِ اولیٰ تعلیم دی گئی ہے۔

عملی صفائی اور لسانی صفائی :

ایک عملی صفائی ہے اور ایک لسانی صفائی۔ عملی صفائی یہ ہے کہ عملی کوتاہی ہوئی

کہ مستحب چھوٹ گیا خلال، اس کی تلافی ہو رہی ہے اور آئندہ کا اہتمام کہ وضوء کر لیا
انہیں چین کیسے آئے نماز دہرائی۔

تلافی کے لئے سو ۱۰۰ نقلیں روزانہ :

اب اس طرح نہیں ہوگا جو ہو گیا وہ ہو گیا اور سو ۱۰۰ نقلیں روزانہ چھ مہینے
تک پڑھتے رہے۔ اب تو وقت کی نماز کی نقلیں بھی نہیں پڑھی جاتیں۔

عباداتِ نافلہ میں آزادی ہے :

اور عباداتِ نافلہ میں آزادی دی گئی ہے، عباداتِ مفروضہ میں آزادی نہیں
وہ تو اپنے وقت میں جس تعداد کے ساتھ فرض ہیں اسکی ادائیگی ضروری ہے۔ اُس میں
نہ کمی ہے نہ بیشی نہ تبدیلی وقت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوافل میں مستحبات میں اختیار دیا
ہے آزادی دی ہے لیکن کس درجہ کی، یہ نہیں کہ چھوڑ دینے کی۔ اتنی نہ سہی تو اتنی کر لو اب
دوسرے کو حق نہیں حاصل کہ وہ مقید کر لے۔ تو وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایہا المزمِّلُ
کہہ کر کہ وہ محبت کا ایک عنوان ہے فرمایا تو اسکے معنی یہ نہیں کہ امت کے لئے حکم نہیں
ہے تو پہلے تو یہ تہجد کا پڑھنا فرض تھا ابتدائے اسلام میں۔ اب فرض اٹھ گیا ہے اور
سُنَّتِ تہجد باقی رہ گئی۔

ادب کی تعلیم :

اب یہ کہہ کر چھوڑ دینا کہ سُنَّتِ ہی تو ہے یہ ایک درجے میں خلافِ ادب
ہے۔ نہ پڑھنا اور بات ہے لیکن زبان سے یہ کہنا کہ چھوٹ گئی تو کیا ہوا یہ لہجہ اچھا
نہیں ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ :

چنانچہ ایک صحابی بیمار ہو گئے اور بعض صحابہؓ جہاد میں شریک نہ ہو سکے اور تبوک کا جہاد بہت سخت ترین تھا اور شریک نہ ہونے والوں پر عتاب ہوا۔ وہ صحابی جو کہ بیمار تھے وہ کہہ رہے ہیں، اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس موقع پر بیمار کر ڈالا۔ اگر میں بھی تندرست ہوتا اور ہو سکتا ہے میں بھی کوئی طریقہ ایسا اختیار کرتا کہ میں اجازت لے لیتا اور جہاد میں شریک نہ ہوتا تو مجھ پر بھی یہی عتاب ہوتا۔

حکمت سمجھ میں آگئی ان کے بیمار ہونے کی۔ تو مختلف ذرائع اور طرق سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کا جو بھی معاملہ ہو خواہ اس کے چاہنے کے موافق ہو خواہ خلاف ہو ہر حال میں اس کے لئے اس میں خیر ہے۔

باپ کی مثال :

بچہ باپ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اگر بچے کے لئے وہ چیز مفید ہے تو دیتا ہے اگر مفید نہیں ہے تو نہیں دیتا۔ اب بچہ رُوٹھ گیا کہ میں نے باپ سے روپیہ مانگا انھوں نے نہیں دیا۔ بظاہر تو مخالفت ہوئی لیکن یہ اس کے ساتھ عین ہمدردی ہے موٹی سی بات ہے۔ یہ معاملہ بڑے کا چھوٹے کے ساتھ باپ کا بیٹے کے ساتھ ہے۔ اور اگر اللہ میاں بھی یہ معاملہ کرے تو کیا اشکال ہے اور کیا کلام ہے۔ خیال ہی نہیں آنا چاہئے کہ یہ اشدیتِ محبت کے خلاف ہے۔

راضی برضائے الہی :

مؤمن بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی پیش

آئے یہ بندہ اس سے محبت رکھنے والا اس پر راضی ہے۔ خواہ مؤمن بندے کی حاجت کے موافق ہو جائے یا اس کی حاجت کے خلاف، دونوں صورتوں میں اس کے لئے خیر ہے۔

ادب کی تعلیم :

خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی جانب شر کی نسبت کرنا ادب کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں اس کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے؛

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ - (سورۃ اہل عمران)

یہاں بیدک الخیر فرمایا بیدک الخیر و الشر نہیں فرمایا اس میں ادب کی تعلیم ہے اس لئے کہ شر کا لفظ خالق کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے۔ خالق ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ شر کا بھی خالق ہے اور خیر کا بھی۔ لیکن مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت کرے۔

گویا کہ تعلیم ہوگئی کہ تیری چاہت کے خلاف جو کچھ پیش آیا ہے وہ تو (اے بندہ مؤمن) میری طرف سے پیش آیا ہے اور جب میری طرف سے پیش آیا ہے تو اس کو خیر سمجھ اپنے لئے۔

انصار کی محبت عین ایمان ہے :

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: حُبُّ الْأَنْصَارِ مِنَ الْإِيمَانِ (بخاری) کہ انصار کی محبت یہ ایمان میں سے ہے۔ یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ انصار کی محبت تو ایمان میں سے ہے تو مہاجرین کہاں چلے گئے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ مہاجرین کا

مقام تو بہت اُونچا ہے اور جب انصار کی محبت کو ایمان کی دلیل بتلایا ہے تو مہاجرین سے محبت تو بدرجہ اولیٰ ایمان میں داخل ہوگئی۔

یہ کلام کی بلاغت کہلائی جاتی ہے تو ایسے ہی یہاں پر ہے کہ جب نبی ﷺ کو کہا گیا ہے کہ جہاں احتمال ہی نہیں ہے خلاف کا تو نبی کی جو امت ہے اسکو تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہے۔

یہ غذائے روحانی کہ بات ہو رہی ہے اسکو غذائے جسمانی کی مثال سمجھ لیجئے۔

ارشادِ ربّانی ہے : **يَا أَيُّهَا الرَّسُلُ كُلُّ مِّنْ طَيِّبَاتٍ** -

(سورۃ مؤمن - پ ۱۸)

کہ اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ اولدیز پر ضائقہ چیزیں۔ یہاں بھی امر کا صیغہ ہے اور خطاب رسولوں کو ہے امتیوں کو نہیں لیکن چونکہ نبی ﷺ کو فرمایا گیا ہے تو امتی بھی بطریق اولیٰ شامل ہیں۔

طاہر و طیب میں فرق :

آیتِ کریمہ میں طیبّات فرمایا گیا ہے طہرات نہیں فرمایا کہ پاک چیزیں کھاؤ۔ اور طیبّات کے معنی لذیذ کے ہیں اور لذیذ حلال ہی کو کہتے ہیں حرام کو لذیذ نہیں کہتے۔

لذیذ کھانے سے محبتِ الہی میں ترقی :

اور ایک شریف الطبع فہم سلیم اور عقلِ مستقیم والا شخص جب کھائے اس طرح تو دل میں حق تعالیٰ کی محبت اور بڑھے گی اور اس کی عبادات میں اور اضافہ ہوگا۔ یہ کلام کی بلاغت ہے۔

سُنن و نوافل :

سُنّتِ غیرِ مَوَکَّدہ اور نوافل کو بھی ترک نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ فرض نمازوں کے بعد سُنن و نوافل ہیں اُن کو نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ اور فرض نمازوں کا تو اپنے وقتِ مقررہ پر ادا کرنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا**۔ کہ وقتِ مقررہ کے ساتھ مومنین پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی گئی ہیں۔ اب حق تعالیٰ کچھ اور فرما رہے ہیں کہ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد تم یہ سمجھے کہ فارغ ہو بیٹھے، ایسا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری چیز بھی ہے اگرچہ وہ بدرجہ فرض نہ سہی لیکن میرا مطالبہ ہے۔

”فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ“ کہ جب تم پانچوں وقت کی نماز ادا کر لیا کرو، تو یہ مت سمجھو کہ بس حق ادا ہو گیا بلکہ اس کے بعد ہی ذکر کا حکم ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ۔ یہ مطالبہ ہے اسکا کہ اللہ کا ذکر کرتے رہو قلباً و لساناً..... اللہ کا ذکر کرتے رہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر لیٹے ہوئے یعنی ہمہ وقت ہر حالت میں ذکر کرتے رہو۔

ذکر کے حکم میں تخفیف نہیں ہے :

نماز میں تو تخفیف ہے۔ سفر میں چار کی جگہ دو۔ سُنّت کا اختیار ہے ادا کرنا چاہے یا نہ چاہے۔ فرض کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو اور بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر، تخفیف ہو گئی۔ لیکن ذکر میں تخفیف نہیں ہے ہر وقت ذکر میں مشغول رہنا ہے کوئی لمحہ غفلت میں نہیں گزارنا۔

عین جہاد کے وقت ذکر :

بلکہ عین جہاد کے موقع پر بھی دل کو ذکر۔ دھیان، یاد، اور خیال اللہ تعالیٰ کا رکھنا پڑے گا ورنہ تو کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جہاد میں کہ جو حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہوگا اس موقع پر حالانکہ چاہئے کہ جہاد کے موقع پر بھی حکم کے خلاف کوئی معاملہ نہ اختیار کیا جائے اور جب حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی معاملہ کیا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تو اللہ کا ذکر بھول گیا ہے یا اس کی یاد بھول گیا ہے۔ تغافل تھا دل میں اللہ کی یاد سے۔

مجنون کی محبت :

کہ گلی کوچوں میں بھی اور جنگل میں بھی مجنون لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا ہے اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ کیا لکھ رہے ہو کیا کسی کو خط لکھ رہے ہو؟ تو کہتا ہے کہ خط کیا لکھ رہا ہوں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں کہ اس سے جی خوش کر رہا ہوں۔ لیلیٰ کا نام تو اتنا پیارا ہے کہ کسی وقت بھی دل و زبان سے نہ نکلے اور اللہ کا نام کسی وقت بھی نہیں لیتا۔ مؤمن کے لئے سبق ہے اس مجنون سے جو ایک انسان لیلیٰ کی محبت کی وجہ سے ہر وقت اس کا ذکر کرتا ہے اور یہ اپنے مولائے حقیقی محبوب حقیقی کے ذکر سے غافل ہے۔

استحباب کا مادہ حُب ہے :

مُستحبِ اسْتِحْبَاب سے ہے۔ مُستحبُّ ب پر تشدید ہے اسْتِحْبَاب باب اسْتِفْعَال کا مصدر ہے اور اس کا مادہ حَبَّ ب حَبَّ اور دونوں کو جمع کرو، ب کو تو حُب ہو گیا اور حُب کہتے ہیں محبت کو۔ لہذا مستحب ادا کرتے رہنے کے لئے حق تعالیٰ

کی محبت چاہئے۔ اور مستحب کا ادا کرتے رہنا دلیل ہوگی اس بات کی کہ اس کے اندر اس درجے کی محبت ہے اور مستحبات کا ادا نہ کرنا دلیل ہوگی اس بات کی کہ اس کے اندر حق تعالیٰ کی کم سے کم محبت ہے۔

فرائض کی کمی کا تدارک نوافل سے :

عذر تو اپنی جگہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاں جب بھی نماز کی فہرستیں کھلیں گی اور ان کا تلنا ہوگا اور اس میں کمیاں ہوں گی تو حق تعالیٰ کریم ہے اگر کچھ کمی ہو تو اپنے پاس سے ادا کر دے گا تا کہ ظہورِ کرم ہو جائے۔ تو حق تعالیٰ فرمائیں گے؛ دیکھو اس کے نامہ اعمال میں کہیں مستحبات بھی ہیں جنکو نفل بھی کہتے ہیں، اگر ہوں تو فرشتہ کہے گا کہ ہیں تو حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ فرائض میں جو کمی ہے اس کا تدارک اسکے نفلوں سے پورا کر لو۔ لیکن اگر نفلیں نہ نکلیں تو کیا ہوگا.....؟ اس سے مستحبات کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

جس وقت جس عمل کا مطالبہ ہو وہی عمل کرو :

گویا اللہ تعالیٰ اپنا ذکر اور اپنی یاد کا مطالبہ فرما رہے ہیں کہ جس عمل کے لئے جس وقت بھی میں نے تمہیں حکم دیا ہے اس وقت میں تم اس کام کو اس طریقہ سے کرنا کہ اس میں فرق نہ آئے کہ میں اپنی یاد اس درجے کی اس وقت میں نہیں چاہتا کہ اس عمل میں فرق آجائے اگر فرق آ گیا تو تم کو حکم دوں گا کہ نماز لوٹاؤ تم کو یہ بھی حکم دوں گا کہ تم سجدہ سہو کرو۔ اور تم تو کیا میں تو اپنے نبی ﷺ کو بھی حکم دوں گا کہ تمہاری نظر اس عبادت میں زیادہ اعلیٰ کی طرف چلی گئی تھی اس لئے اس وقت اس نماز میں فرق آ

گیا ہے لہذا اس کا تدارک کرو۔

دل و زبان صرف خدا کے لئے ہے :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زبان میں نے اپنے لئے دی ہے اور دل میں نے اپنے لئے دیا ہے تو یہ زبان کا اور دل کا بلاوجہ خرچ کرتے رہنا اور فضولیات و لغویات اور لایعنی میں خرچ کرنا یہ کیسی بات ہے اور دوسرے اعضاء میں نے تمہیں تمہارے کام کے لئے دیئے ہیں کہ سب دو دو لیکن زبان ایک ہی دی ہے اور دل ایک ہی دیا ہے تو دل اور یہ زبان اصلاً اپنے ذکر کے لئے دیئے ہیں، اپنی یاد کے لئے دیئے ہیں تو دل اور زبان کو اس کے موافق استعمال کرنا چاہئے۔



پیسویں مجلس

کلمہ طیبہ کا کیا تقاضا ہے.....؟

۲ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ بمطابق 11 جنوری ۱۹۸۹ء۔ بروز چہار شنبہ بوقت صبح

مجلس میں ذہن کا حاضر ہونا ضروری ہے :

ذہن کا حاضر ہونا، دل کا پوری طرح سے ادھر لگا رہنا، کانوں کا لگا رہنا پوری توجہ کے ساتھ ضروری ہے۔ کہ نہ دوسری طرف کان لگائیں اور نہ ہی دوسری طرف دل و دماغ لگیں۔ اور اگر مجلس میں آ کر تو بیٹھ گئے مگر مجلس میں بیٹھنے کے جو آداب ہیں، باتوں کے دل میں جمانے کا جو طریقہ ہے اسکی رعایت نہیں تو نفع کیسے ہوگا؟

اپنی اصلاح کی فکر :

مجلس میں اپنی اصلاح کی فکر کے ساتھ بیٹھنا چاہئے! جو کچھ کہا جائے یوں سمجھے کہ مجھے ہی کہا جا رہا ہے۔ اگر اپنی طرف سے غفلت برتی اور دوسروں کے عیوب کو دیکھتا رہا تو اصلاح ناممکن ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ اپنی ناک پر بھڑ بیٹھی ہوئی ہے اس کی

تو فکر نہیں اور دوسرے کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اس کے اڑانے کی فکر ہے۔ بعض دفع ایسے زور سے ایسے جلدی سے اڑاتا ہے کہ مکھی پر تو لگا نہیں ناک پر ہاتھ لگ گیا۔

رئیس کے ریچھ کا قصہ :

ایک رئیس نے کسی ریچھ کو تربیت دی پنکھا جھلتا تھا مکھی اڑاتا تھا۔ تو وہ رئیس صاحب تو سو جائیں اور ریچھ مکھی اڑائے۔ ایک دن کوئی ایسی مکھی آگئی بڑی تیز ضدی ناک پہ آکر بیٹھ جائے، ریچھ اڑادے مکھی پھر آجائے، ریچھ اڑادے مکھی پھر آجائے مکھی نے تو تانتا باندھ لیا ریچھ گھبرا گیا، آخر ریچھ ہے ایک پتھر اٹھایا کہ اب کے آکر بیٹھی اور اسے میں نے قلع بازیاں نہ کھلائیں، پس کر رکھ دوں گا اسے، اب کے ذرا آئے۔ تو وہ آگئی اور جوں ہی آکر بیٹھی ریچھ نے پتھر اٹھایا اور مارا۔ مکھی تو اڑ گئی لیکن بچارے آقا صاحب کا بھیجا نکل گیا ناک ٹوٹ گئی بیچارے کی۔

بہر حال جب تک خود اصلاح کی فکر نہ ہو اس وقت تک اصلاح کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ اصلاح کے لئے پہلے اپنے آپ کو مٹانا پڑتا ہے۔

اول قدم فنا ہے :

اول قدم فنا ہے۔ نفس سے جب تک تکبر نہ نکل جائے اس وقت تک صلاحیت فلاحیت پیدا ہونے کا صرف نام ہے۔ وہ وقتی نام فلاح و اصلاح کا ہے حقیقی اصلاح فلاح نہیں ہے جب تک تکبر اندر سے نہ نکل جائے۔ اس لئے نئی چیز پرانی چیز کو کہتی ہے کہ تو پرانی ہے۔ لیکن اسے پرانی کہنا جب تک کہ اس کے اندر سے تکبر نہیں نکلا ہے جس کو وہ خود بھی پہچان سکتا ہے ایسے حالات و واقعات سے جیسا خود انسان

واقف ہو سکتا ہے۔ دوسرے کا صحیح حقیقی طریقہ سے واقف ہونا بظاہر عادتاً مشکل ہوتا ہے مگر محال نہیں ہے مستعبد ہے۔

جب تک عمل نہ ہو پُرانی بات نئی ہے :

پس پہلی باتیں اگر کہو تو خیال کرتا ہے کہ یہ پُرانی باتیں ہیں اور وہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ پُرانی ابھی میرے لئے نئی ہیں تو اُس پُرانی بات کے سُننے سے جو اثر ہونا چاہئے تھا وہ اثر تو پیدا ہوا نہیں نفسانی جو بیماری تھی وہ تو گئی نہیں وہ تو اپنی جگہ پر ہے۔ گو چھوٹی بات کے خلاف طبع پیش آجانے پر تو غصہ نہیں کیا، رواداری کی وجہ سے ٹال دیا اور جب کوئی بھاری سی بات آگئی تو وہ جو اندر چور رکھا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا، طیش آ گیا غصہ آ گیا معلوم ہوا کہ ابھی تک اس سے غصے کی آگ نہیں نکلی، تکبر نہیں نکلا، فنائیت نہیں آئی۔ بس اس لئے تو وہ پہلی باتیں گونئی ہیں پُرانی تو جب ہوتی جب ان پر عمل ہو چکا ہوتا۔ تب آگے کی باتوں کو اگلی کہا جائے گا۔ اس کی مثال کھانے کی جیسی ہے کہ اگر کسی کو پہلا ہی کھانا ہضم نہ ہوا ہو اور نیا کھانا اس کو دیا جائے۔ اس نئے کھانے کو کوئی شخص رغبت کے ساتھ کس طرح کھا سکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ پہلا کھانا ہی ہضم نہیں ہوا اور نیا کھانا کھانے سے تو قبض ہو جائے گی۔ اسی طرح مجلس میں جو باتیں پہلے سُنائی جا چکی ہیں، پہلے ان پر عمل ہو جائے تو تب آگے جو باتیں سُنی جائیں گی وہ نئی ہوں گی مفید بھی ہوں گی۔ ورنہ اگر ابھی تک ان پر عمل ہی نہیں ہوا تو نئی بات سُنا ایسا ہی ہے جیسے بغیر پہلا کھانا ہضم ہوئے دوسرا کھانا کھانا غیر مفید ہوتا ہے۔ مجلس میں آنا عمل کی نیت سے ہونا چاہئے تب ہی مجلس میں آنا مفید ہوگا اس کے بغیر تو صرف بھیڑ جمع ہو جائے گی اور بھیڑ لگانا مقصود نہیں ہے۔ اور کون اپنی اصلاح کی نیت سے آتا

ہے، کس میں فنائیت آتی ہے، اس کا شیخ کبھی کبھی امتحان بھی لیتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اس میں ابھی تک غصے کی چنگاری ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتنی باقی ہے اور پھر اس کی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔

شیخ کی جانب سے مرید کا امتحان :

شیخ دیکھتا ہے کہ مرید میں آدمیت کہاں تک آئی ہے۔ چونکہ اصل تو آدمیت

ہے اسی کو کہا گیا ہے.....

آدمی را آدمیت لازم است عود را اگر یونہ باشد ہیزم است
یعنی انسان میں آدمیت کا ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ عود میں اگر خوشبو نہ ہو تو
محض ایک لکڑی ہے۔ ہیزم کہتے ہیں لکڑی کو اس میں خوشبو کا ہونا لازم ہے اگر نہیں تو
اس عود کی لکڑی میں اور دوسری لکڑی میں فرق کیا ہوا۔

علتِ غائی :

مثلاً چاقو کسی (بنانے والے) نے بنایا تو اس چاقو کے لئے جو لازم ہے یعنی
کانٹا وہ اس کے لئے بنانے کے وقت لازم ہے کہ وہ رکھا جائے اور جب اپنے چاقو کی
شکل دیکھ کر اور چاقو سمجھ کر کہ کاٹنے کے کام آتا ہے، لے لیا اور جب کاٹتے وقت بیٹھے تو
چیز کتنی نہیں اُس سے، تو چاقو کے لئے جو لازم تھا جب وہ نہیں پایا گیا تو چاقو کہاں پایا
گیا اُسے چاقو کہاں کہتے ہیں شکل میں داخل ہے لیکن واقع میں وہ چاقو کہ اس کے
لئے جو لازم چیز تھی وہ تو پائی نہیں جا رہی۔

إِذَا ثَبَتَ الشَّيْءُ ثَبَتَ بِلَوْازِمِهِ کہ جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو اس کے

لئے جو چیزیں لازم ہوا کرتی ہیں وہ اُسکے ساتھ ضروری ہیں۔

عالمِ دُنیا و عالمِ آخرت :

اللہ تعالیٰ نے دو عالم ایجاد فرمائے ہیں ایک عالمِ دنیا اور دوسرا عالمِ آخرت۔ دو عالم ہیں اصل مقاصد میں سے۔ لیکن اس عالمِ دنیا کے لئے جو اس کے لوازم تھے ان لوازم کو بھی اس عالمِ دنیا میں ساتھ ساتھ پیدا فرمایا ہے اور عالمِ آخرت کے لئے جو اُسکے لوازم تھے وہ اُسکے لئے پیدا فرمایا کہ اُسکے لوازم اور ہیں اور اُس عالم کے لوازم اور ہیں۔

عالمِ آخرت کے لوازم :

اُس عالمِ آخرت کے لوازم انجام کے طور پر ہیں کام کے طور پر نہیں ہیں نتیجہ کے طور پر ہیں ثمر کے طور پر ہیں اور بدلے کے طور پر ہیں۔

عالمِ دُنیا کے لوازم :

اس عالم کے لوازم انجام کے طور پر نہیں کام کے طور پر ہیں استعمال اور اکتساب کے طور پر ہیں اسی لئے اس عالم کا نام دارُ العمل ہے۔ تو اس عالم کے لوازم میں سے اعمال ہیں کام ہیں مختلف قسم کے جس کی تقسیم بہت لمبی ہے اور تفصیل ہوتی رہتی ہے، مگر بتانا یہ ہے کہ جب کوئی شے وجود میں آتی ہے تو وہ اپنے لوازم کے ساتھ آتی ہے اور جب یہ عالمِ دُنیا ظہور میں آیا تو اس کے لوازم میں سے کیا ہے اور عالمِ آخرت جب وجود میں آئے گا تو اُس کے لوازم کیا تھے؟ یہ ہے پہلی شرط! عالم کے لوازم میں سے تو اعمال ہیں اور اُس عالم کے لوازم میں سے جزاء، صلہ اور بدلہ۔ کیونکہ وہ دارُ الجزاء ہے اور یہ دارُ العمل ہے۔

یہ دنیا دار العمل ہے :

سب سے پہلے تو اس عالم دنیا میں اس کے پیدا کرنے والے بصفات کمالیہ و جویہ ازلیہ وابدیہ بذات قدیمہ یہ ہے کہ اُس ذات کا ماننا اب اس طرح ماننا ہوگا۔ تو یہ ماننا ایک چیز کو اپنے اندر وجود میں لانا اور اپنے اندر موجود کرنا ہے۔ اور ہر موجود کے کچھ لوازم ہوتے ہیں تو اس ماننے کے بھی کچھ لوازم ہیں۔ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَتَ التَّقْوَىٰ جو کلمہ اندر موجود ہے وہ کلمہ اپنے لوازم کے ساتھ ہو کر ہوگا اِذَا ثَبَتَ الشَّيْءُ ثَبَتَ بِلِوَاظِمِهِ لِهَذَا وَهَذَا کلمہ جما اپنے ساتھ تقویٰ کو لیکر آیا جو کہ اس کلمہ کے لئے لازم ہے۔

لازم مُنفک و لازم غیر مُنفک :

ایک لازم شی کا غیر مُنفک ہوتا ہے اور ایک لازم شی کا مُنفک ہوتا ہے۔ جب آنکھ کھولی جائے تو اس کے لوازم میں سے دیکھنا بینائی، یہ لازم غیر مُنفک ہے کہ وہ لازم اُس سے الگ نہیں ہو سکتا۔

دوسری قسم لازم کی وہ ہے کہ وہ جدا بھی ہو سکتی ہے اس کو لازم مُنفک بھی کہتے ہیں۔ کلمہ کے ساتھ تقویٰ کا لزوم یہ دوسری نوعیت کا ہے چونکہ کَلِمَةُ التَّقْوَىٰ فرمایا ہے یہاں کلمہ کی اضافت تقویٰ کی جانب سے اور مضاف اور مضاف الیہ میں وجود خارجی میں اتحاد نہیں ہوا کرتا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ جَاءَ غُلَامٌ زَيْدٌ تَوْ غُلَامٌ اور چیز ہے اور زید اور چیز، اپنے وجود خارجی میں دونوں الگ الگ ہیں۔

پس اسی طرح یہاں کلمہ مضاف ہے تقویٰ مضاف الیہ ہے یہاں بھی کلمہ اور تقویٰ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اپنے وجود ذاتی کے اعتبار سے، اور وجود صفاتی کے اعتبار سے متحد ہیں تو گو یہ دونوں مغایر الذات ہیں اور متحد الصفات ہیں

اسی لئے تو کلمہ حقیقی واقعی کمالی تب سمجھا جائے گا کہ جب اس کے ساتھ تقویٰ بھی ہو۔ جو بلا اس کے ہے وہ بلا تقویٰ کے ہے لیکن کمال کلمہ کا دل میں ہونا تب خیال کیا جاسکتا ہے، تب ثمرات قائم ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے لئے جو لازم تقویٰ ہے کلمہ کے لئے بھی وہ تقویٰ پایا جائے۔

مالدار کی مثال :

مثلاً کسی شخص کے بارے میں کہیں کہ فلاں مالدار ہے تو ذہن کہاں جائے گا؟ کیا جس کے پاس ایک ہی روپیہ ہے تو اس کی طرف ذہن جائے گا، حالانکہ ایک روپیہ بھی مال ہے لیکن عرف میں ایک روپیہ والے کو مالدار نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس کو کمال تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی نہیں کہا جاسکتا۔ گو وہ بھی مسلمان کہلائے گا، مؤمن کہلائے گا مگر کمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو متقی نہیں کہیں گے۔

چونکہ جب متقی بولا جاتا ہے تو ذہن صرف کلمہ گو مسلمان کی طرف جائے گا؟ چونکہ کلمہ کے لئے جو لوازم ہیں وہ اس شخص میں نہیں پائے جاتے۔ کلمہ کے لوازم ہی سے تو یہ شخص مؤمن ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے ہوئے تمام کاموں کو کرنے والا ہوتا ہے اور منع کی ہوئی تمام چیزوں سے رکنے والا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو متقی کامل نہیں کہیں گے اور یہ بھی خیال رہے کہ کلمہ اور تقویٰ دونوں کا محل ایک ہے اور وہ دل ہے۔

کلمہ اور تقویٰ دونوں کا محل دل ہے :

چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: **إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْعَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ الْجَسَدِ**۔ بدن میں گوشت کا ایک ٹوٹھرا ہے وہ

جب سنور جاتا ہے تو تمام جسم سنور جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْعَةٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

الّا حروفِ تنبیہات میں سے ہے۔ یعنی وہ دل ہی ہے۔ اور تیسری حدیث میں فرمایا۔ التَّقْوَى هُنَا وَاِشَارَ اِلَى الْقَلْبِ۔ تقویٰ یہاں ہے اور اپنے دل کی طرف اشارہ فرمایا اور ایمان کا محل اور کلمہ کا محل وہ دل ہے تو کلمے کا محل بھی دل اور تقویٰ کا محل بھی دل۔ تو جس طرح کلمہ کی تصدیق دل میں ہے ایسے ہی ایمان کی تصدیق بھی دل میں ہے اور تقویٰ کی تصدیق بھی دل میں ہے۔ تو دیکھئے یوں تو دونوں خارجی طور پر جہاں نسی غلام زید۔ الگ الگ ہیں لیکن یہاں اپنے آثار کے طور پر صفاتِ لوازم کے طور پر دونوں سے ایک ایک کلمہ ثابت ہوا تو اس کا لازم تقویٰ بھی ثابت ہوا۔ اِذَا ثَبِتَ الشَّيْءُ ثَبِتَ بِلَوْ اِزِمَهُ اس لئے الزمہم کَلِمَتِ التَّقْوَى فرمایا کہ جب کلمہ آیا اپنے لازمی طور پر تقویٰ کو بھی لایا وہ تقویٰ کہ جو کلمے کو مقتضی ہے اسی تقویٰ کو کہا گیا ہے التَّقْوَى ذَالِكْ خَيْرِ اس تقویٰ کو کہا گیا ہے جس میں شرکی آمیزش نہ ہو۔ نماز پڑھی، خدا کے حکموں کو مان کر طبیعت میں ڈر رکھتا ہو تقویٰ ہے۔ یہ خیر ہے اب جب مسجد سے نکلا تو لڑکے اور لڑکی کو نگاہِ بد سے دیکھ رہا ہے۔

بدنگاہی کا مرض :

بدنگاہی ایک عام مرض بن گیا ہے تو نماز کا پڑھنا خیر تھا اور بدنگاہی یہ شر ہے تو اس خیر کو اس وقت خیر کہا جائے گا جبکہ شر ملا ہو انہ ہو تو اس تقویٰ کو تقویٰ کہا جائے گا جس میں شر ملا ہو انہ ہو۔ تو ذاتِ باری تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا شر ہے جو ہم

موضوع بنائے ہوئے ہیں ہمیں اسی طریقہ سے تو چلنا چاہئے جو ہمارے ساتھ پیدا کر کے چیزیں لازم فرمائی ہیں اب اُس کے خلاف اگر کیا تو لازم سے ہٹ کر شرکیا۔

تقویٰ کی تشریح :

جس کو گناہِ کبیرہ کہتے ہیں اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہاں بات جب ہے کہ گناہِ صغیرہ پر بھی استمرار نہ ہو تو گناہِ کبیرہ تو بالکل ہی ترک ہو جائے گا یہ کلمہ تقویٰ ہے اور صغیرہ اتفاقاً ہوا ہو لیکن اس پر استمرار نہیں۔ یعنی دائمی دوام نہیں ورنہ پھر شر آ گیا۔

چنگاری کی مثال :

اگر چہ آگ کا انگارہ نہ آیا مگر چنگاری تو آئی اور کیا چنگاری اپنے چھتر میں ڈالنا گوارہ کرتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ انگارہ جلدی کام تمام کر دے گا اور چنگاری دیر میں لیکن جب بڑھ گئی چھتر میں تو وہ انگارہ سے بھی آگے ہو گئی کہیں ایسا نہ ہو کہ محلے کے چھتروں کو بھی جلادے۔ جب محلہ میں ایک شر آ گیا تو محلے والوں کو فکر ہو گئی۔ محلے میں ایک چور پیدا ہو گیا تو محلے والوں کو اس کی بھی فکر ہو گئی کہ خدا خیر کرے کہیں ہمارے گھر میں نہ گھس آئے تو گناہِ کبیرہ تو ظاہرہ و باطنہ بشمول اخلاقِ رزیلہ بالکل ترک اور صغیرہ ترک۔ گو بتدریج صحیح مگر اصل کیوں اس لئے کہ تقویٰ کو خیر فرمایا ہے اور خیر وہ ہے جس میں شر کی آمیزش نہ ہو اس لئے وہ تقویٰ تقویٰ کہلایا جائے گا۔



چھبیسویں مجلس

استقامت کی حقیقت و اہمیت

یکم جمادی اول ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۰ نومبر ۱۹۹۰ء۔ بروز سہ شنبہ بوقت صبح

جزئیاتِ ایمان :

ایمان کی تکمیل کے بہت جزئیات ہیں :

مِنْ حَيْثُ الْعِبَادَاتِ، مِنْ حَيْثُ الْمُعَامَلَاتِ، مِنْ حَيْثُ الْمُعَاشِرَاتِ،
مِنْ حَيْثُ الْأَخْلَاقِ، جو کہ اصل الاصول ہیں تمام عبادات و معاملات اور معاشرت
کے۔

مثال کے طور پر اگر ریاء کی گئی جس کا تعلق قصد سے ہے۔ اور ارادہ سے ہے
اختیار سے ہے و سارے کے سارے افعال غیر مقبول اور تمام افعال جو عباداتی کر رہا
ہے غیر مقبول ہیں۔ ریاء قصدی ہے و سوسے یا وہمی نہیں۔ جب ریاء کی گئی تو عبادت تو کر
رہا ہے لیکن غیر مقبول، ممکن ہے کہ صحیح ہو جائے مِنْ حَيْثُ الْعِبَادَاتِ لیکن مِنْ حَيْثُ
الرِّيَاءِ اختیاری اور قصدی مقبول نہیں۔

نماز میں ریاء :

جو نماز میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھ رہا ہے نماز کو فرض سمجھتا ہے اور فرض سمجھ کر ادا کر رہا ہے۔ لیکن اس میں ریاء بھی ہوگئی وہ اس طرح کہ لوگ دیکھیں گے، ذرا اچھا ہے اس وقت تو کوئی تھا نہیں میری اس عبادت کے وقت کوئی آگیا اب مجھے دیکھیں گے بہت اچھا ہے، اس کی نگاہ میں ذرا بزرگ و نیک شمار ہوں گا ذرا اچھی نگاہ سے دیکھے گا ذرا عزت کی نگاہ سے دیکھے گا یہ ریاء ہوگئی مگر ایک دوسرا پہلو اور ہے، اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ مجھے کسی بدی میں نہیں دیکھا جس کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں زلت ہوتی ہے رسوائی ہوتی ہے۔ اللہ تیرا شکر ہے کہ اس حالت سے مجھے محفوظ رکھا اے اللہ تیرا شکر ہے یہ نوعیت اور ہے اور وہ نوعیت دوسری ہے نیت کی، یہ ریاء نہیں ہے۔

وقت کی قدر :

وہ بھی کوئی آدمی ہے جس کو وقت کی قدر نہیں، وقت ضائع کر رہا ہے اُلجھن میں پڑ کر اس کے دل و دماغ میں انتشار ہوگا۔ اس کا لگاؤ جو اللہ کے ساتھ تھا اس میں نسیان اور پریشانی آئے گی اس میں ایمان کا تعلق تو ہے لیکن جس کو تعلق کہتے ہیں ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ اس مؤمن کا تعلق اس طرح نہیں تو اسے کیا اُلجھن اور گھبراہٹ؟ اور اللہ والے کو گھبراہٹ ہے کہ اتنی دیر کے لئے خواہ مخواہ انتشار دماغ میں پیدا ہو گیا، سکون میں بے سکونی پیدا ہوگئی بلکہ یادداشت میں فرق آگیا اللہ جان لیں گے کہ معذور ہے۔

اس وقت دھیان کیسے رہے گا دوسرے نے اس کا دھیان اپنی طرف موڑ دیا اس لئے اس کو گرانی ہوگئی، ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق تھا اس میں کمی آگئی ادھر

کام میں کمی آئی ادھر دھیان میں کمی آئی، اس سے پوچھو کہ اگر تمہارے پیشے میں کمی آجائے تو کیسارنج ہوتا ہے اور تندرستی جسمانی میں کمی آجائے تو کتارنج و غم ہوتا ہے۔

آدمی بننا چاہئے :

چونکہ بے آدمیت سے اپنے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے گو اس وقت محسوس نہ کرے مگر بعد میں احساس ہو جاتا ہے اور دوسرے کو بھی اس کی بے آدمیت سے سخت تکلیف پہنچتی ہے آدمی بے آدمی کا طریقہ اختیار کر رہا ہے اس وقت تو اس کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی لیکن بعد میں اس کو بھی تکلیف محسوس ہوگی اور بالخصوص جب اس کو سمجھا دیا گیا ہو تو اُس وقت اس کو اور بھی احساس ہوگا پھر کہے گا اوہو بہت بھاری غلطی ہوئی۔

اور آدمیت کی بات یہ ہے کہ پہلے سے اہتمام کرے اس بات کا کہ مجھے جو کہنا ہے کس طرح کہوں، جب یہ اہتمام رکھے گا تو غلطی کم ہوگی اور ہلکی ہوگی۔ اور جب یہ اہتمام نہیں ہوگا تو غلطی زیادہ ہوگی اور بھاری ہوگی۔ لیکن ہم بے فکر ہیں اسلئے حضرت سے جب کوئی کہتا تھا کہ میں نے جان کر آپ کو تکلیف نہیں دی تو حضرت والا فرماتے تو بہ، تو بہ، کسی کی نیت پر حملہ کرنا کہاں درست ہے کہ میں یہ کہوں تم نے جان کر تکلیف دی میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ”آپ نے اہتمام کیوں نہیں کیا کہ میرے اس طریق عمل سے، طرزِ کلام سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے“ اہتمام نہ کرنا یہی خلاف آدمیت اور خلاف انسانیت ہے الٹا کام کر لیا، لٹھ ماری بات کر لی لیکن جب ٹوک رہے ہیں تو ناگواری ہے، جب مریض کو طبیب بد پریزی کرتے ہوئے دیکھے گا تو ٹوکے گا یا پھر کرنے دے گا؟ تو ایسے ہی یہ حضرات جو اصلاح کے لئے بیٹھے ہیں آنے والے اپنے بھائی سے کوئی بے آدمیت کی بات دیکھیں گے تو وہ ٹوکیں گے اور یوں سمجھیں

گے کہ ہمارا کوئی رشتہ دار تو ہیں نہیں عزیز داری یا دوستانہ تعلقات بھی نہیں جو ملنے کے لئے آیا ہے وہ کوئی مریض ہی ہوگا اور اس کا مرض سامنے آ بھی گیا تو اب وہ طبیبِ باطنی ٹو کے گا یا نہیں ٹو کے گا.....؟ پھر ٹوکنے پر ناگواری کیوں ہوتی ہے بلکہ خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے مرض کو دفع کرنے کا طریق علاج بتایا جا رہا ہے۔

استقامت مطلوب ہے :

یہ استقامت کی فرع ہیں اور استقامت مطلوب ہے اگر استقامت مطلوب اور مقصود نہ ہوتی تو سورۃ الفاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ کا ذکر نہ ہوتا۔

نماز سے کیا فتح ہوتی ہے ؟

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ جب کبھی چل کر فتح ہوگی جس کا نام سُورَةُ الْفَاتِحَةِ ہے۔ فتح چاہتے ہیں اور نماز کا نام نہیں۔ اچھا صاحب نماز سے کیا فتح ہوگی؟ یہ مؤمن ہے جو ایسی بات کہے کہ نماز سے کیا فتح ہوگی؟ ارے نماز ہی کی فتح ہے ساری ہیبتیں پیدا ہوں گی ہیبتیں بیٹھیں گی۔ اگر نماز بستی میں وقت پر مسجد میں جا کر پڑھی جائے پرے کے پرے جا رہے ہیں تو کیا کفار کے دلوں میں ہیبت نہیں بیٹھے گی؟ رعب نہیں آئے گا ضرور آئے گا! یہ تو معراج ہے اور معراج کے معنی ہیں صعود، ترقی لیکن مؤمن مؤمن ہو کر یہ کہتا ہے کہ نماز سے کیا ملے گا نمازیوں سے محلے کے محلے خالی ہیں۔ یہ معراج ہے حدیث میں ہے۔ الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ (نماز معراج مؤمن ہے)۔

فَاتِحَةُ كَرَمُوز :

اللہ تعالیٰ کو استقامت مطلوب ہے اس لئے پوری فَاتِحَةُ میں اول تو ذات

باری تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مری ہیں ہر ہر عالم کے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں) مُلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ (جو مالک ہیں روز جزا کے) کہہ کر اپنا درجہ بتلا دیا، القاب و آداب بتلا دئے۔ جب کوئی آدمی کسی حاکم کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے گا تو کیا اس کے القاب و آداب نہیں ہوتے اور جیسا حاکم ہوگا ویسے ہی القاب و آداب زبان پر لائے گا اور درخواست میں لکھے گا تو اللہ تعالیٰ نے وہ القاب از خود بتلا دئے ہیں کہ مجھے یوں کہو اور کیوں نہ کہو جبکہ کلام باری تعالیٰ کا ترجمہ الباب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے اب آگے پورا کلام اس دعویٰ کی دلیلیں ہیں۔ یہ ترجمہ الباب ہے بِسْمِ اللّٰهِ الخ پورے قرآن کا۔ پھر آگے وہ دلائل ہیں۔ اور جب شروع کیا دعویٰ کے دلائل کو تو لفظ اللہ کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مری ہیں ہر ہر عالم کے۔

ترتیب کی مثالیں :

حمد کیوں ہے.....؟ اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے اور کس کی حمد ہوگی جبکہ زمین و آسمان کی وہ ترتیب کرے سورج و چاند تاروں کی وہ ترتیب کرے، بارشوں اور کھیتوں کی ترتیب کرے۔ یہ نہیں کہ بس انسان ہی کی ترتیب کرتا ہے کیا سورج اور زمین کی وہ ترتیب نہیں کرتا؟ زمین پر جو بھی رہتا ہے اُس کی ترتیب وہ کرتا ہے زمین کے اندر جو کچھ رہتے ہیں اُس کی ترتیب بھی وہ کرتا ہے پانی اور جو اس میں رہتے ہیں ان سب کی ترتیب وہ کرتا ہے پتھر کی ترتیب کرتا ہے اور پتھر کے اندر جو کیڑا رہتا ہے اُس کی ترتیب بھی وہی کرتا ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے آداب :

جتنی ہونا آسان ہے لیکن آدمی بننا بہت مشکل ہے، بکری یا کتا گھر میں گھستا ہے تو کیا اجازت بھی لیتا ہے۔ سلام بھی کرتا ہے؟ خواہ گھر کا کتا ہو یا باہر کا۔ اب یہ گھر کا آدمی باہر گیا اور باہر سے گھر واپس آ رہا ہے اور گھسا ہوا چلا گیا، اب بتائیں اس آدمی میں اور جانور میں کیا فرق ہے....؟ شکل میں آدمی مگر جانوروں والی صفت۔

اٹھارہزار عالم :

عالم کی دو قسمیں ہیں عالم دُنیا اور عالمِ آخرت، اور عالمِ دُنیا کی بہت جزئیات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اٹھارہزار عالم ہیں تو ان کی پرورش کون کرے، وہ کتنا قادر و طاقتور ہے۔ جو اتنی قدرت و ملامت ہے جس کے ہاں کُن فیکون والی قدرت ہے سب یہ تربیتا الہامی چیزیں ہیں دیکھو جب بچہ پیدا ہوا اس کو کس نے سبق سکھایا تھا کہ یہ لٹاں میں اور غیر لٹاں میں فرق کر رہا ہے، جب جائے گا تو لٹاں ہی کی گود میں اگر ماں ہٹ جائے تو رونے لگے گا۔ جب دودھ پئے گا اگر ناک میں لگا دیا تو کیا ناک سے دودھ پئے گا؟ یہ دودھ پینا پہلے ہی اس بچے کو کس نے سکھایا، یہ چوسنا کس نے سکھایا۔ یہ سب الہامی چیزیں ہیں، چھوٹا بچہ ابھی دو چار یا چھ مہینے کا یا سات مہینے کا اس سے ذرا چٹکی بجا دو تو یہ ہنسنا کس نے سکھایا۔ یہ سب فضلِ الہی کی مثالیں ہیں ابھی بول تو نہیں سکتا اور بولنا چاہتا ہے تو الفاظ و حروف ابھی نکل نہیں سکتے، یہ اس کی تربیت جو ہو رہی ہے جو اپنی ضرورت کی چیزوں کو پورا کر رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون سکھلا سکتا ہے۔

الہام مقامِ فخر نہیں ہے :

وحی کی بات اپنی جگہ لیکن اگر کسی کو الہام ہو جائے تو کیا کمال ہے وہ تو بچے کو بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی کو الہام ہونے لگا تو فخر کی کیا بات ہے، کیا بچے کو فخر ہوتا ہے؟ جو چیز عاقل بالغ مؤمن میں ہے وہی چیز غیر بالغ میں قدرتی طور پر بھی موجود ہے، اُس سے بھی وہ بات صادر ہو رہی ہے اور اس عاقل بالغ مؤمن سے بھی وہ بات صادر ہو رہی ہے تو مساوات ہو گئی لہذا اس پر ناز کرنے کی کیا بات فخر کرنے کی کیا بات ہے، وہ تو بچے میں بھی ہے۔

پہاڑ پر بھی اللہ تعالیٰ کی خشیت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اس پر بھی ہوتا ہے پھر نیچے گر جاتا ہے، درخت پر بھی ایک رقت سی آ جاتی ہے وہ بھی رونے لگتا ہے اس کے بھی آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ حضور ﷺ کا اُستوانہ تھا آپ ﷺ اس پر سہارا لے کر خطبہ پڑھتے تھے جب آپ ﷺ نے اس پر سہارا لگا کر خطبہ دینا چھوڑ دیا کہ منبر شریف بن گیا تو وہ اُستوانہ رویا۔ تو یہ باتیں شجر و حجر میں بھی ہیں اگر یہی باتیں انسان عاقل بالغ مؤمن میں بھی آجائیں تو کیا کمال ہوا، ہاں اس کے اثرات دائمی ہونے چاہئے وہ اگر نہیں آئے تو بتلاؤ اس آدمی مؤمن عاقل اور شجر و حجر میں کیا فرق ہے۔ اگر رویا تھوڑی دیر کے لئے تو کیا ہوا، اگر ڈر کے مارے جھک وقتی طور پر ہو گئی تو کیا ہوا؟ اس کا اثر کیا آنا چاہئے، اس رقت کا اس سوز کا اس خشیت کا اس خوف کا کیا اثر آنا چاہئے، جب وہ نہیں تو ایسا تو شجر میں بھی اور حجر میں بھی اضطراب ہوا اور جو شے اضطرابی قسم کی ہو اس میں کیا فخر اور کیا ناز کی باتیں ہیں۔

مجنون کو بھی کشف ہوتا ہے :

اطباء نے لکھا ہے کہ واقعی جو مجنون ہوتا ہے اس کو بھی کشف ہوتا ہے۔ تو مشترک چیز ایک انسان عاقل بالغ مؤمن میں بھی اور دوسرے میں بھی ہوئی اس میں کیا باز ہے وہ صاحب کشف ہے یا صاحب الہام ہے اس حقیقت کو ہمارے حضرات اکابر نے پہچان کر، کبھی اپنے لئے الہام و کشف پر ناز نہیں کیا۔

ہر عمل سے مقصود رضائے الہی ہونی چاہئے :

ہمارے اکابر نے اس حقیقت کو جان کر کبھی اس کی قدر نہیں کی قدر تو اس چیز کی ہے جس میں رضائے الہی حاصل ہو، قرب الہی حاصل ہو **اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلَیْ حُبِّكَ** کہ اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ایسے عمل کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی طرف قرب بڑھانے والا ہو اور جو آپ کی محبت کی طرف بڑھا دے۔

جب تک کہ اس رونے کا اثر اعمالِ صالحہ اور اجتنابِ معاصی پر نہیں پڑا، اس رونے سے کیا ہوا، وہ تو درخت بھی رویا، اے انسان جس عمل کا تجھے مکلف کیا گیا ہے اس پر کیا اثر پڑا اس عمل سے کہ حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں تیری محبت چاہتا ہوں اور محبتِ عمل چاہتا ہوں لیکن اس عمل کی جو عمل تیرے قرب میں معین بنے۔ یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں کہ اصل مطلوب ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت ہے ہاں نمکینی کے طور پر اس محبت میں کچھ حسیت بھی مل جائے صرف نمکینی کے طور پر، یہ نہیں کہ ہانڈی نمک ہی نمک کر دیا پھر تو اس کا کھانا مشکل، وہ تو تھوکن پڑے گا۔ مثال کے

طور پر ایک شخص کا ایک لڑکا ہے چہرہ سفید ہے سُرخ لائے ہوئے ہے لیکن جو نقشہ ہے چہرے کا وہ مناسب نہیں کیا کشش ہوگی؟ اور کچھ سانولا ہے لیکن نقش ایسا ہے کہ طبیعت ادھر کھینچتی ہے یہ چہرے کی نمکینی ہے۔ کیا حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی تشبیہات شامل میں مذکور نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں اَحْوَفُ الْأَشْيَاءِ كَا طَالِبٍ هُوں لیکن وہ آپ ﷺ کے ساتھ ایسا ہو جو میرے اور آپ کے درمیان آپ کے خلاف کرنے سے حائل ہو جائے۔

اہل اللہ کی محبت مطلوب ہے :

محبت حضور ﷺ کو کتنی تھی لیکن اس کے باوجود بھی درخواست کر رہے ہیں میں یوں چاہتا ہوں کہ کوئی بندہ ایسا ہو مومن کہ جس کو تجھ سے محبت ہو اور مجھے بھی اس سے محبت ہو لیکن اس کی محبت تیرے نزدیک تیری محبت میں نفع دے تو اس کی محبت چاہتا ہوں، کیا کم محبت تھی حضور پر نور ﷺ کو حق تعالیٰ سے اور پھر اس کے باوجود ذات باری تعالیٰ کے محبوب کی محبت چاہ رہے ہیں کہ اس کی محبت سے مجھے تیری محبت میں زیادتی کا نفع ہو، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت فراوانی محبت الہی ہے اور اس عمل میں جس میں تقرب الہی بڑھتا رہتا ہے خاص اثر رکھتا ہے۔ یہاں تو یہ فرمایا اور دوسری جگہ کچھ اور فرمایا، یہ قید ہی نہیں اس میں، فرمایا: اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبَّهُ عِنْدَكَ۔ یہاں یہ فرمایا کہ نفع دے اور دوسری جگہ یہ فرمایا: اللَّهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ اور اس شخص کی محبت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کو تجھ سے محبت ہے۔

معلوم ہوا کہ جس کو واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت ہو اُس کے پاس بیٹھنے سے بھی محبت باری تعالیٰ کو جو اس کے دل میں ہے اس کا اثر اس بیٹھنے والے پر ہوتا ہے۔ بلا بولے وہ کچھ نہیں کہہ رہا ہے پھر بھی نفع پہنچ رہا ہے۔

اہل محبت کی پہچان :

اب یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ مؤمن، عاقل، بالغ ذات باری تعالیٰ کی محبت واقعی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے وہ معلوم ہوگا کثرت عبادت اور اجتنابِ مشتمہات مع تکثیرِ ذکرِ لسانی و قلبی سے، یہ دلیل ہے۔ تو یہ دلالتِ مطابقی بھی ہے اور دلالتِ تضامنی و التزامی بھی، ساری دلائل اس میں موجود ہیں۔ یہ اشارات ہیں اس بات کے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ اب یوں وہ انسان ہے کبھی فروگذاشت ہو سکتی ہے تو اس وقتی فروگذاشت کا کیا اعتبار، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وہ اپنے دل میں محبتِ حق تعالیٰ رکھتا ہے، جب بھی موقع ملتا ہے اس کو تو ذات باری تعالیٰ کی عبادت کے لئے خالی رہنا نہیں چاہتا ہے جب بھی موقع مل جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے اپنے اوپر مشقت، تعب بھیجتا ہے چھوڑتا نہیں۔

خدمتِ خلق اور تبلیغِ دین بھی ذکر و عبادت ہے :

خدمتِ خلق میں لگا ہوا ہے صحیح صحیح احکامِ اسلام پہنچانے کے لئے خدمتِ خلق میں لگا ہوا ہے، نیتِ حق تعالیٰ جانتے ہیں اخلاص کے ساتھ لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں لگا ہوا ہے ان ہی کے ارشادات کی تعمیل میں لگا ہوا ہے۔ لیکن جو نہی خلقِ خدا کی خدمت کرنے سے فرصت ہوئی تو وہ اپنے لئے ذاتی عبادت کے واسطے اپنے اس وقت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا بلکہ عبادت میں کھڑا ہو گیا، بشرطیکہ طلوعِ شمس نہ

ہو، غروبِ شمس نہ ہوا اگر نفلی طور پر ہے تو بعد الفجر اور بعد العصر نہ ہو۔ یہ صحیح معنی میں نایب رسول ہے اور رسول اللہ کو ذاتِ باری تعالیٰ نے حکم دیا تھا **فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ** جب آپ ﷺ دعوتِ اسلام مخلوق کی طرف سے فارغ ہو جائیں تو اپنی ذاتی عبادت کے لئے اپنے اوپر مشقت اٹھائیے۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فِي تَعْمِيمٍ :

اب عبادات میں کسی قدر تعمیم ہے جو **فَإِذَا فَرَغْتَ** کے لفظ سے ظاہر ہے اسی لئے صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم رات کے آخر میں اٹھ کر عبادت میں قربِ الہی اور ثواب سمجھتے ہیں اسی طرح اپنی نوم و نیند کو بھی عبادت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سونا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے کہ رات اللہ تعالیٰ نے اس لئے بنائی اسی لئے نیند بنائی ہے۔ **وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝** جہاں لباس کہا ہے وہاں **سُبَاتًا** بھی کہا ہے :

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝
اور ہم نے ہی دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنائی۔

لباساً (پردہ) اور چیز ہے اور **سُبَاتًا** (راحت) اور چیز ہے تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ کیا کہتے ہیں کہ ہم رات کے سونے کو بھی عبادت سمجھتے ہیں اس لئے کہ تحت حکمِ الہی ہے۔ اب جب **فَإِذَا فَرَغْتَ** آگیا کہ فارغ ہو گئے تو تمام رات چار پائی پر لیٹے رہوں، مطالعہ تو آخری رات میں بھی ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ شروع رات میں کرو سو کر اٹھ کر کرو اور نیند چھوڑ کر اب دو چار رکعت نماز بھی پڑھ لی جائے۔

علم پر عمل کا فائدہ :

حدیث شریف میں آیا ہے: مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَكَّهُ اللَّهُ عِلْمًا مَا لَمْ يَعْلَمْ كَمَا جَوَّحَ عِلْمٌ بِطَرَفِهِ هُوَ يَكْرَهُ لِيَأْتِيَ اللَّهُ تَعَالَى اس کو ایسے علم کا وارث بنائیں گے علم نافع بخشیں گے کہ جو اس نے کبھی پڑھا ہی نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ :

جاہل لوگ امتحان لیتے پھرتے ہیں بزرگوں کا، ایک شخص پہنچ گیا ایک بزرگ کے پاس کہا مجھے آپ سے مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ حضرت! وضوء میں تو چند چیزیں فرض ہیں اور فرض کا درجہ بہت اعلیٰ ہوتا ہے، ہاتھ کہنیوں تک دھونا، چہرہ دھونا، سر کا مسح کرنا، ٹخنوں تک پیروں کو دھونا، بس یہ چار چیزیں ہوئیں تو پھر یہ کیا قصہ ہے کہ پہلے کھلائی تک ہاتھ دھوؤ پھر کھلی کرو پھر ناک میں یوں کرو تو یہ چیزیں فرض تو ہیں نہیں واجب بھی نہیں ہیں تو فرض کا نمبر بعد میں آ رہا ہے اور اس سے پہلے یہ فروعات جن کا درجہ کم ہے یہ کیا بات ہوئی؟۔

یہ بزرگ سنتے رہے اور پھر فرمایا کہ بجائے مجھ سے پوچھنے کے میرے اُس مُرید سے پوچھ لے خادمِ خاص جو ہر وقت پاس رہتا ہے مولوی نہیں ہے وہ، پاس رہتا ہے اُس سے پوچھ لے انہوں نے کہا کہ اس سے کیا پوچھوں جاہل آدمی سے۔

فرمایا آپ اس سے پوچھ لیجئے گا نہیں بتائے گا تو بعد میں میں بتلا دوں گا آپ کو۔ اس نے کہا دیکھئے وضوء میں چہرہ جو دھویا جائے گا وہ فرض ہے جو آپ بھی فرما رہے ہیں تو کس چیز سے دھویا جائے گا پانی سے یا کس سے؟ فرمایا پانی سے، تو پہلے یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ پانی اس قابل بھی ہے کہ اس سے فرض ادا کیا جاسکے۔ اس کے بعد ہاتھ

کو دیکھا جائے گا کہ ہاتھ بھی اس قابل ہیں کہ فرض ادا کر سکیں تو پہلے ہاتھوں کو دھویا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا واقعہ :

حضرت امام احمد بن حنبل ایک بزرگ کی زیارت کے لئے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے امام صاحب نے اس ساتھی سے کہا کہ دیکھو تم چل تو رہے ہو میرے ساتھ لیکن ان سے تم بحث و مباحثہ کچھ سوال مت کرنا بس ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کی باتیں سنتے رہنا اور اٹھ کر چلے آنا۔ لیکن وہ تھے مولوی صاحب، بھلا مولوی صاحب کہاں چپ رہ سکتا ہے اس ساتھی نے زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیا ان بزرگ کے سامنے۔ بزرگ نے کہا کہ اس کو تو آپ جانیں کہ اتنے اتنے نصاب پر اتنا اتنا زکوٰۃ ہے اور اس کو بھی تو آپ جانیں کہ کون سا غریب لائق زکوٰۃ ہے اور بتا بھی رہے ہیں لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسے شخص پر سزا ہونی چاہئے کہ اس نے اتنا مال جمع کیوں ہونے دیا کہ زکوٰۃ واجب ہوگئی اور اب ادا کرنی پڑ رہی ہے، وہ سزا کے قابل ہے کہ جتنا مال ہے اس کا اتنا اور خیرات کرنا چاہئے سزا کے طور پر۔ چپ ہو کر مولوی صاحب بیٹھ گئے، امام احمد بن حنبل نے باہر آ کر کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ان سے بات مت کرنا یہ سب کچھ جانتے ہیں (بندائے کشف) ان سے بات کر کے کیا ہوا، اپنے منہ کی کہائی۔

بزرگوں کے پاس خاموش ہو کر بیٹھنا چاہئے :

تو بزرگوں کے پاس جا کر بس خاموش بیٹھ کر سنتے رہو خاموشی کے ساتھ۔

ان سے بحث و مباحثہ، سوال و جواب مت کرو۔ اگر ان سے فیض لینا چاہتے ہو تو سُننے رہو بس، وہ بات ان کی کہیں نہ کہیں نکل ہی آئے گی کتاب میں تم ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم والی نعمت کہ جو ہماری زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں سب میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے توفیق ارزانی عطاء فرمائیں۔

(آمین یا رب العالمین)





ستائیسویں مجلس

علم و حلم تو امین ہیں

مورخہ ۶ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ ۲۳ مارچ ۱۹۹۱ء

بروز شنبہ بوقت صبح بمقام جلال آباد مظفرنگر

عالم صغیر عالم ابتلاء ہے :

یہ عالم صغیر عالم ابتلاء ہے تکوینی حیثیت سے نہ کہ تشریحی حیثیت سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا تُوِيه عالم، عالم ابتلاء تشریحی کہاں ہوا۔ یہ عالم عالم تکلیف من حیث التکوین ہے۔

تشریحاً اس عالم میں سہولت ہے :

تشریحاً تو بڑی سہولتیں ہیں بڑی آسانیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا ہے ایمانی حیثیت سے بڑی تسہیل ہے اور معاملاتی حیثیت سے بھی بڑی تسہیل

ہے۔

نکاح میں مشکلات ہم نے خود پیدا کی ہیں :

مثلاً نکاح کرنا اس میں کتنی تسہیل کی ہے، ہمارے نبی ﷺ جو کہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن پر تمام احکامات قیامت تک کے لئے مقرر کر کے بھیجے گئے ہیں انہوں نے شادیاں کر کے دکھلائی۔ حضور ﷺ کو امت کے لئے مذکر بنا کر بھیجا گیا آپ ﷺ لساناً بھی مذکر ہیں اور تعمیلاً بھی مذکر ہیں کہ آپ نے عبادات بھی کر کے دکھلائیں اور معاملات بھی، نکاح شادی وغیرہ بھی کر کے دکھلائی۔ اپنی صاحبزادی کی شادی کر کے دکھلائی اور اپنی ازواج سے بھی شادیاں کر کے دکھلائی جن میں ہر طرح کی سادگی تھی۔ اب بتلائیں کہ اس طرح شادیاں کرنے میں کونسی تکالیف ہیں..... -

مگر ہم نے اس عمل شرعی میں اپنے اختیار سے اتنی تکالیف پیدا کر لیں کہ الامان الحفیظ۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم لوگ ایک مکان بناؤ اور اس کے نیچے چار پائے لگاؤ اور اس میں بیٹی کو بٹھا دو اور اس میں سامان بھی پورا پورا ہر قسم کا رکھ دو اور پھر لڑکے والے کو کہنا کہ بھائی یہ مکان ہماری طرف سے تمہارے لئے ہے تو اگر پھر بھی لڑکے والے خوش ہو جائیں تو غنیمت ہے۔ تو پورا گھر دے دیا بیچارے نے اٹھانے کی تکلیف سے بچنے کے لئے نیچے پائے بھی لگا دیئے لیکن لڑکے والے پھر بھی راضی نہیں ہوتے۔ تو یہ تکلیف اس تشریحی امر میں ہم نے پیدا کی ہے شریعت میں تو بہت آسانی ہے۔

احکام خداوندی مشکل کیسے ہو سکتے ہیں :

بھلا جب باپ بیٹے کو جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو اس کا حکم نہیں دے سکتا تو اَرَحْمُ الرَّاحِمِینِ اپنے بندے کیلئے کوئی ایسا کام تجویز کرے گا جو بندے سے نہ اٹھ سکے.....؟ تو تکلیفیں خود ہم نے پیدا کی ہیں۔

نکاح کا ایک عجیب واقعہ :

ایک جگہ عجیب واقعہ ہوا کہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کے لئے بہت سامانِ جہیز تیار کیا اور لڑکے والوں کو دکھلایا۔ ہر قسم کا سامان تھا لیکن لڑکے والوں کو اسے دیکھ کر بھی گرانی ہوئی۔ جب قاضی نکاح کرانے بیٹھے اور مہر کا نمبر آیا تو لڑکی والے نے بہت اونچا مہر بتلایا۔ لڑکے والے نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے تو لڑکی والے نے کہا کہ اگر یہ بہت ہے تو میں نکاح نہیں کرتا، جب میں نے اتنا مال جہیز میں دیا اور تمہاری نظر میں نہیں آیا تو میں اس سے کم پر نکاح کیسے کروں، کیا میں اپنی لڑکی کو تمہارے ہاں بھیج کر لیل کراؤں، چنانچہ نکاح نہیں ہوا۔

ایک بننے کی حکایت :

میرے پاس ”چرتھاول“ کا ایک بنیاد عاء کرانے کے لئے آیا تھا تو اس نے باتوں باتوں میں کہا کہ اجی حضرت جی! ہمارے ہاں تو یہ پہلے ہی سے تھا کہ لڑکی والے سے سودا ہوتا تھا کہ کیا دو گے اب تو آپ کے یہاں لوگ ہم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ میں سن کر شرمایا گیا، تو یہ عالم ابتلاء تکوینی ہے تشریحی نہیں کوئی حکم بھی ہو چاہے نماز کا ہو چاہے روزے کا ہو، چاہے زکوٰۃ کا ہو، چاہے حج کا ہو، یا معاملاتی حیثیت سے ہو، معاشرتی حیثیت سے ہو، ان میں کوئی ایسی ابتلاء کی بات نہیں۔ ہاں فقر و افلاس کا ہونا، تنگدستی کا ہونا، بیماری کا ہونا، دشمنوں کے ڈر سے کسی کا غلبہ ہونا، یہ تکوینی حیثیت ہے۔ اسی کو قرآن میں فرمایا گیا ہے، ممکن ہے یہ دلیل بھی بنتی ہو، وَلَنْبَلُونَكُمْ بِشَىءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۝ یعنی ہم

تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے۔ تو یہ آزمائش تکوینی ہے۔ ایک اور آیت ہے تکوین سے متعلق انیسویں پارہ میں ہے: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ یعنی وہ بڑا عالی شان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

موت سے آزمائش اس طرح ہے کہ موت کے اعتقاد سے خسر کا اعتقاد ہوگا اور خسر کے اعتقاد سے حیات میں گناہوں سے بچنا اور خلاف کرنے سے ڈرتا رہے گا اور حیات اگر نہ ہو تو پھر وہ احکام کس لئے ہیں؟ احکام تو اسی لئے ہیں کہ دنیا کو میں نے زیبائش کے ساتھ پیدا کیا کہ اس دنیا میں زینت و رونق کی ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کو اپنی طرف کھینچنے والی ہیں۔ تو دیکھوں کہ اس پر فریفتہ ہو کر مجھ سے اعراض کرتے ہیں... اور جو نظروں کو اپنی طرف سے اعراض کر کے اعمال میں فریفتہ ہوتے ہیں اسی کی دوسری آیت میں تشبیہ کر دی۔ وَلَا تَمْدَنُ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ یعنی طرح طرح کی رونق کی چیزیں بڑی زیبائش اور زینت کی چیزیں یہ دنیوی زندگی کی چہل پہل ہے ان کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں بت بسانا.. یہ ان کفار کے لئے امتحان ہے، یہ ان کے لئے دھوکہ ہے اسی لئے تو کفار کہتے تھے کہ ہم سے اگر خدا تعالیٰ ناراض ہوتے تو یہ چیزیں ہمارے لئے کیوں پیدا کرتے، اے مسلمانو! تم سے ہوں گے ناراض نہ تمہارے پاس وہ جائیداد ہے نہ جاگیر ہے نہ غلام ہیں نہ باندھی ہیں نہ یہ ہے نہ وہ ہے تو یہ دھوکہ ہو گیا کفار کو اس لئے مسلمانوں کو

تنبیہ کردی کہ خبردار! ہرگز ایسا مت سوچنا، یہ عالم ابتلاءِ تکوینی حیثیت سے ہے۔

تکوینی ابتلاء کا فائدہ :

دو ہی مقام ہیں ایک صبر کا دوسرا شکر کا۔ اگر یہ آزمائش کی چیزیں پیش نہ آئیں تو پھر صبر کہاں ہوگا، یہ چیزیں پیش آئیں تو صبر سے کام لیا جائے، تحمل سے کام لیا جائے، اگر تمہارے مزاج کے مطابق پیش آئیں تو شکر سے کام لیں اگر طبیعت کے موافق ہیں تو اترانا مت اور خلاف طبیعت پیش آئیں تو گھبرانا مت، پریشان مت ہو جانا، دونوں حالتوں میں مجھے یاد رکھنا طبیعت کے خلاف پیش آتے رہنے پر تو یہ خیال کر لینا کہ میری معیت تمہارے ساتھ ہے اس کو سوچو! اس سے زیادہ اور کیا بات ہوگی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، جب تم اس کو سوچ لو گے تو تم برداشت کر جاؤ گے۔ تمہارا یہ حال ہوگا کہ اندر تمہارا دل خوش ہو رہا ہوگا جسم البتہ تکلیف محسوس کرے گا۔ مصیبت کے وقت اس کا مراقبہ کرنا ذرا سوچنا، اِنَّ اللّٰهَ مَعِيَ اللّٰهُمَّ میرے ساتھ ہے، غارتور میں جب ہجرت کی رات رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ کفار تو سر پر آگئے تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا، لَا تَحْزَنَنَّ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غَمٌّ نَحْنُ نَحْنُ ہمارے ساتھ ہے، بس غم دور ہو گیا خوشی حاصل ہو گئی۔ جب معیت کو سوچے گا تو دل میں اسے شادمانی ہوگی، بادشاہ ہوگا اگرچہ جسم کرب و بے چینی میں ہو۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

چار چیزوں کا حصول مثلِ دُنیا کا حصول ہے :

کہ زبانِ ذاکر ہو، دلِ شاد ہو، جسم صابر ہو، زوجہ ناظرہ ہو، انتظام و نگرانی

کرنے والی ہو، یعنی اپنی بھی نگرانی کرے کہ عفت و عزت سے رہے اور شوہر کے گھر کی چیز کی بھی نگرانی کرے اور انتظام کرے۔ تو اگر یہ چاروں چیزیں مسلمان کو مل گئیں تو حدیث میں ہے کہ اُسے دُنیا مل گئی، اُسے جنت کا لطف و فیض حاصل ہوا۔ تو صبر میں معیت ہے اور شکر میں زیادتِ نعمت ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اِگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اسی لئے کھانے کے بعد یہ دعاء ہے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اطْعَمَنَا

وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

اسلام پر شکر کرنا بقائے اسلام پر مہر ہے :

اسی میں و جعلنا من المسلمین بڑھا دیا تو یہ شکر کرنے سے مہر لگ گئی اپنے مسلمان ہونے پر۔ کیونکہ جب اسلام پر شکر کرتا رہے گا تو حسب وعدہ اسلام زیادہ ہوتا رہے گا اور آخر دم تک مسلمان بنا رہے گا یہی مہر لگنا ہے تو اس اسلام پر شکر کرنے کا خیال رکھنا اور کیسی رحمت ہے کہ کھانے پر شکر کرنے کے ساتھ مسلمان ہونے کو ملا دیا کیونکہ کھانا کھانے کے بعد طبعی طور پر شکر کیا ہی جاتا ہے تو اسی کے ساتھ اسلام پر بھی شکر ہو جائے گا۔

تو حق تعالیٰ نے فرمایا: زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْسِنَهُمْ فِيهِ خَيْرٌ دَارِ اس دنیوی زینت، زیبائش اور بہار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی مت دیکھنا، یہ آزمائش کی چیزیں ہیں اور ان سے بچنے کے لئے ایک چھوٹا سا مرقبہ بھی تعلیم فرما دیا کہ : وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَتَّعَلِبَكُمْ وَمَعْوَاكُمْ ۝ جب باہر نکلو تو یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تمہارے باہر کے چلنے پھرنے کو، اٹھنے بیٹھنے کو، ملنے جلنے کو، بازاروں میں سیر و تفریح کو، بازاروں

میں، پہاڑوں میں، دریاؤں میں، جہازوں میں سفر کرنے کو اللہ جانتے ہیں تمہارے چلنے پھرنے کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کیا مطلب؟ ہوشیار.....! آنکھوں کی حفاظت، زبان کی رُکاوٹ، کانوں کا بہرہ پن، قدم کا سوچ کر اٹھانا، غافل ہو کر نہیں، مجھ کو یاد رکھ کر قدم اٹھانا باہر، اور گھر میں بھی یوں مت سمجھنا کہ میں اپنے گھر میں ہوں جس طرح چاہوں رہوں سہوں، نہیں! بلکہ گھر میں بھی سوچو کہ بیوی کے ساتھ بات کس طرح سے ہو رہی ہے، اولاد کے ساتھ کس طرح سے ہو رہی ہے۔

میاں اور اُستاد کے اوصاف :

میاں بننے کا شوق ہے میاں بننا آتا نہیں، باپ بننے کا شوق ہے باپ بننا آتا نہیں، اُستاد مدرس بنا بیٹھا ہے بننا آتا نہیں۔ درس پڑھانے جائے تو ذرا سوچ کر جائے کہ اس زمانے میں طالب علم کس قسم کے ہیں میں ان کا اُستاد مدرس ہوں مجھے کتنا تحمل چاہئے، مجھے کتنا حلم چاہئے، کتنی برداشت چاہئے۔

ایک مرتبہ حضرت والا کے ہاں ظہر کی مجلس تھی، مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بھی تھے الحمد للہ ثم الحمد للہ ظہر کے بعد کی مجلس عام میں حاضری ہوتی تھی اور جب کچھ مخصوص صاحبان آجاتے تھے تو خاص مجلس ہوتی تھی اس میں بھی حاضری ہوتی تھی تو ظہر کی مجلس میں مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے فرمایا! آج طلباء کا حال تو بہت عجیب قسم کا ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ حضرت والا نے فرمایا عجیب قسم کا ہے تو کیا بات ہے؟ اگر شاگرد اُستاد کو مار بھی لے، لیکن پڑھ لے تو اُستاد کا کیا بگڑا، بہت بھاری بات ہے اگر شاگرد نے اُستاد کو مار بھی لیا لیکن پڑھ لیا تو اُستاد کا کیا بگڑا؟

یہ حضرت کی اخیر زمانہ کی بات ہے، ہاں مدرس تو بن بیٹھے لیکن مدرس بننا

آتا نہیں، اب کچھ بوجھ اس مدرس کو بھی اٹھانا چاہئے۔ اب تو سارا بوجھ اس شاگرد طالب علم پر ڈال رکھا ہے۔ مدرس کا اپنی جگہ پر ہو کر حاکمانہ طریق رکھ کر گزارہ نہیں ہو سکتا، حکیمانہ طریقہ اختیار کر کے ہی کچھ ہو سکتا ہے۔

ابتدائی اور انتہائی باتوں میں فرق :

کچھ ابتدائی باتیں ہوتی ہیں پھر آخری حالات آتے ہیں ان کے اعتبار سے احکام بھی دوسرے ہو جاتے ہیں۔ ابتداء میں بڑا جوش ہوتا ہے، ذرا سی طالب علم سے غلطی ہو جائے بس خارج کر دو، آخری حالات میں کہتا ہے ذرا سوچ لو، ذرا سوچ لو۔

تبدیلی حالات تبدیلی احکام کے موجب ہیں :

بعض صاحبان اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حضرت والا کانپور میں تھے تو تقریباً دس مہنتی طلبہ کو خارج کر دیا تھا اور کسی کی بات نہیں مانی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی حالات تھے بعد میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے خیالات میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔

تعزیرات میں تبدیلی ہو سکتی ہے :

پھر جو حدودی چیزیں ہوتی ہیں جیسے حد زنا، سرقہ، اس میں تو تبدیلی نہیں ہو سکتی اور جو تعزیری چیزیں ہیں اس میں حیثیات بدل جانے سے تعزیر بدل جاتی ہے، تو مدارس میں جو کچھ قوانینی چیزیں ہیں وہ تعزیری چیزیں ہیں، تو ہر طالب علم کے ساتھ یکساں معاملہ کیسا؟ وقت کو پہچانو، طلباء کا مزاج و شوق کو پہچانو۔

پہلے اور اب کے طلبہ میں فرق :

پہلے متقدمین کے زمانہ میں پڑھنے والے اور تھے، بڑے ذہین و ذکی ہوتے

تھے۔ بڑے بڑے اُوچے اور شریف گھرانوں کے ہوتے تھے اور اب پڑھنے والے گھر گالیاں سیکھ کر آتے ہیں اس لئے اندر بیٹھ کر حجرہ میں آپس میں گالیاں دیتے رہتے ہیں ایسے آئے ہیں پڑھنے والے نہ معلوم آج کل پڑھانے والوں کو خبر ہے کہ نہیں؟

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ دورہ شریف پڑھاتے تھے جب سال پورا ہو گیا اور سند دینے کا وقت آیا تو تمام طلبہ کو سند دی۔ ایک بنگالی طالب تھے اُن کو بھی سند دے دی۔ گنگوہ میں ایک مولوی صاحب تھے بڑے ظریف الطبع قسم کے انہوں نے اس بنگالی طالب علم سے کہا ارے میاں! سنا ہے آپ سند لے کر گھر جا رہے ہیں ہمیں بھی دکھاؤ چنانچہ انہوں نے خوشی خوشی سند دکھا دی۔ سند دیکھ کر کہنے لگے اوہو! دیکھو یہ تمہارے نام کے آگے بنگالی لکھا ہے تم سمجھے اس کا مطلب کیا ہے؟ وہ خاموش ہو گیا، مولوی صاحب نے کہا مطلب اس کا یہ ہے کہ تمہاری استعدادِ علمی اتنی کمزور ہے کہ گھر پا اور جالی لیکر بن میں چلے جاؤ وہاں سے لکڑیاں اور گھاس کاٹو اور جال میں رکھ کر لاؤ اور بازار میں بیچو اور اس سے کچھ پیسے آجائیں گے اس سے اپنا کام چلاؤ تم ایسے ہو یہ مطلب ہے بنگالی کا۔ وہ طالب علم ناراض ہو گئے اور ناراضگی کی حالت میں سند لئے ہوئے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند آگے ڈال دی ”یہ دیکھئے ادب“ کہ سند آگے ڈال دی اور کہا مجھے تمہاری سند نہیں چاہئے میں سند نہیں لیتا ہوں، آپ نے میری توہین کی ہے کیا میں ایسا ہوں کہ ”بن“ میں جاؤں گا، گھاس کاٹوں گا اور جال میں رکھ کر بیچوں گا، مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا: ارے بھائی! بیٹھو تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ تم ایسے ہو؟ اُس طالب علم نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب نے کہا ہے۔

مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا وہ ذرا ظریف الطبع ہیں اس لئے تمہارے ساتھ انہوں نے تفریح کی ہے، تم نے ہدایۃ النحو پڑھی ہوگی اس میں معرب کے بیان میں پڑھا ہوگا کہ کوئی لفظ عربی میں نہ ہو اس کی عربی بنائی جائے تو جو حرف عربی میں نہیں آتا اس کو عربی کے دوسرے حرف سے بدل لیتے ہیں جیسے: لکھام سے لجام تو بھائی یہ عربی کی سند ہے اب تمہارے نام کے ساتھ بنگالی لکھنا تھا اور گاف عربی میں آتا نہیں لہذا بنگالی کی جگہ بنگالی لکھ دیا گاف کو جیم سے بدل دیا۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہوا اور کہا اوہو حضرت! معاف فرمائے، حضرت گنگوہیؒ نے معاف فرما دیا اور سند اٹھا کر پھر دے دی، یہ ہمارے اکابر تھے اور آج کل کے مولوی صاحبان ناراض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

کم استعداد طلبہ کو سند دینے کا فائدہ :

ہمارے اکابر سمجھتے تھے کہ یہ پڑھا تو نہیں سکتا، لیکن سند کی لاج رکھتے ہوئے خیال کرے گا کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مولوی ہیں سند لئے ہوئے ہیں تو اس کی لاج سے ضروری ضروری باتوں کا لحاظ کرے گا موٹے موٹے گناہوں سے بچ جائے گا امامت ہی کر لیگا۔ کچھ نہ کچھ گزارہ ہو ہی جائے گا بیچارے کا، تو سند کی لاج سے معصیت کے قریب جائے گا؟ سینما دیکھنے جائے گا؟ ہرگز نہیں اور پڑھا نہیں سکتا۔ تو سند جو دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ پڑھا ہی نہیں سکتا ہو بلکہ ہمارے حضرات اکابر میں بڑی دور بینی، دور اندیشی ہے، ہماری کھوپڑی تو چھوٹی سی ہے، اس میں دور اندیشیاں کہاں ہیں؟

مفتی سعید احمد صاحب کا تفقہ :

مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی بہت اونچے درجے کے مفتی تھے۔ عربی ایسے

بولتے تھے جیسے عرب بولتے ہیں ادب، لغت اور منطق و فلسفہ تو ان کے گھر کی لونڈی تھی اور فقہہ میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب حضرت والا کی خدمت میں تھانہ بھون تشریف لائے تھے رمضان شریف کا زمانہ تھا بڑے بڑے حضرات مفتیان و علماء تشریف فرما تھے۔ ایک فتویٰ آگیا، حضرت والا نے مجلس میں استفتاء سنایا پھر فرمایا بھائی یہ لکھا ہے جواب دو۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، حضرت والا نے فرمایا کہ جی کو نہیں لگا۔ ہمارے مفتی صاحب خاموش بہت رہتے تھے عصر کی آذان ہو گئی سب مفتیان اٹھ کر چلے گئے مفتی صاحب بیٹھے رہے، میں بھی بیٹھا فرشی پنکھا جھلا رہا تھا، مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت ہو تو ایک بات میں بھی عرض کروں۔ حضرت والا نے فرمایا ”ضرور!“ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ ”یہ جواب سمجھ میں آتا ہے“ حضرت والا نے فرمایا تو اوند سے اصولی طور پر تو میرے جی کو بھی آپ کا جواب لگ رہا ہے لیکن میں کیا کروں فتویٰ کے لئے میرا جی چاہتا ہے کہ فقہاء کی نقل ہو کہیں لکھا ہوا مل جائے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جزئیاتی حیثیت سے کتاب میں ملتی نہیں تو اصول سے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

فقہی جزئیات تلاش سے مل ہی جاتے ہیں :

حضرت والا نے فرمایا یہ آپ نے صحیح فرمایا مگر مفتیان صاحبان میں ذرا کچھ سستی سی آگئی ہے۔ وہ مختلف کتابوں میں تلاش نہیں کرتے، جب متحدہ کتابوں میں تلاش کیا جاتا ہے تو کہیں نہ کہیں مل ہی جاتا ہے۔ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد آپ کتب خانہ میں تشریف لے آئیں وہاں اس مسئلہ کا جو جواب ہے اس میں دیکھ لیا جائے ذرا سی تکلیف فرمائے۔ چنانچہ وہ نماز کے بعد کتب خانہ میں تشریف لے

گئے جو حضرت والا کی نشست گاہ کے متصل ہی تھا۔ ایک کتاب نکالی دوسری کتاب نکالی، ایک کتاب کھول کر صفحہ جو پلٹ کر دیکھا تو بالکل وہی سوال اور بالکل وہی جواب جو مفتی صاحب نے دیا تھا اس کتاب میں موجود ہے۔ مفتی صاحب کو بڑی خوشی ہوئی اور حضرت والا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت والا نے فرمایا ماشاء اللہ دیکھئے نکل آیا، کوشش کی تو مل گیا۔

حضرت حکیم الامتؒ کا لحاظ :

پھر فرمایا مفتی صاحب! مسئلہ چونکہ آپ نے حل کیا ہے اس لئے اپنے قلم سے آپ ہی اس کا جواب اس کی پشت پر لکھ دیجئے۔

خیال فرمائے اسے کہتے ہیں لحاظ کہ چونکہ سوال آپ نے حل کیا ہے لہذا آپ ہی اس کی پشت پر اپنے قلم سے جواب لکھ دیجئے اور میں تصویبی دستخط کر دوں گا، تو مفتی صاحب نے لکھ دیا اور حضرت والا نے تصویبی دستخط کر دیئے۔ یہی مفتی صاحب جلال آباد مدرسہ مفتاح العلوم میں مفتی اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف فرما تھے۔ مغرب کے بعد غریب خانہ میں تشریف لے آتے تھے کھانا ساتھ لے آتے۔ ایک دن فرمایا کہ میں ایک مرتبہ کئی دن دارالعلوم دیوبند میں ٹھیرا اور تمام جگہ گھوما پھرا، کبھی کتب خانہ اور کبھی کسی اور جگہ، بیت الخلاء بھی گیا۔ میں نے ایک دن مہتمم صاحب مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے کہا کہ حضرت طلباء کا تو بہت ہی عجیب حال ہے، فرمایا کیا دیکھا؟ مفتی صاحب نے کہا کہ حضرت محدث جگہ ایسی ایسی واہیات باتیں پنسل سے لکھی ہوئی ہیں کہ دیکھ کر طبیعت شرماتی ہے اور بعض جگہ تو نام بھی لکھا ہوا ہوتا ہے اس پر نظر پڑی تو بہت افسوس ہوا۔

مہتمم صاحب نے فرمایا ”ہاں مجھے معلوم ہے اور بعض کا نام بھی معلوم ہے“
 مفتی صاحب نے فرمایا تو حضرت! خارج کر دیا ہوتا، فرمایا اخراج کا معاملہ دوسرا ہے
 اخراج کا معاملہ بہت پیچیدہ ہے اس پر غور کرنا پڑتا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب
 علماء میں بہت مدبر مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے خود فرمایا:
 ”یہ جو ادارے ہیں یہ چھوٹی سی حکومت ہیں ان میں سیاست کا استعمال کرنا بہت
 ضروری ہے کیونکہ حکومت کے لئے سیاست لازم ہے۔ اس لئے ہر ایک کو خارج نہیں
 کیا جاتا“ اب دیکھئے یہ قوانین مدرسہ کی تعزیرات ہیں۔“

نظام و انتظام کا تعلق اہتمام سے ہے :

ان ارشادات اکابر سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس زمانہ میں حیثیات بدل جایا
 کرتی ہیں یہ چیزیں بھی بدل جایا کرتی ہیں۔ سب کو ایک لکڑی سے نہیں ہانکا جاسکتا،
 اس لئے یہ اعتراض حقیقت سے ناشناسی کی بات ہے کہ فلاں کو خارج کر دیا اور فلاں کو
 خارج نہیں کیا گیا۔ طالب علم کو تو کوئی مطلب ہے نہیں مگر مدرس کو بھی کوئی حق نہیں
 پہنچتا۔ اہتمام کے سامنے نظامی و انتظامی امور میں مدرس کو بھی ہرگز حق نہیں پہنچتا اگر
 اس کے مزاج کے موافق وہاں کوئی خدمت نہیں ہے تو استعفا دے دو کہیں اور چلے
 جاؤ، مدرس کا انتظام میں دخل کیسا؟ اگر کچھ کہنا ہو تو مشورہ دے کر فارغ ہو جائے
 کیونکہ نظامی امور کا حکم الگ ہے، کوئی نص نہیں ہے، نظام ہے وہ اور نوعیت و حیثیت
 رکھتا ہے اور مدرس کے سامنے وہ نوعیت نہیں۔

مدرس کا کام صرف تدریس ہے :

مدرس جو آیا تھا مدرسہ میں اور اس نے جو درخواست دی تھی۔ تدریس کے

لئے دی تھی یا تنظیم و نظام کے لئے؟ ظاہر ہے کہ تدریس کے لئے دی تھی بس اس میں لگ جاؤ، وقت کی پابندی کے ساتھ صحیح طور پر حل کتاب کے ساتھ، طلباء کے ساتھ مزاج شناسی کے ساتھ پہلے سے حواشی شرح وغیرہ دیکھ کر، تقریر میں ترتیب و ربط رکھ کر اور درس گاہ میں آ کر تقریر کرو کیونکہ تم اسی لئے رکھے گئے تھے، تم نے اسی کے لئے درخواست دی تھی ہاں اگر کوئی ایسی بات کھلی ہوئی معلوم ہو رہی ہے تو تنہائی میں، خلوت میں مہتمم صاحب سے جا کر کہہ دو نہ کہ دوسروں کے سامنے کہتے پھرو یا آپس میں کمروں میں بیٹھ کر غیبتیں، جہمتیں، پُغلیاں تمامی کرتے پھرو، کیا اس کا حق ہے.....؟

مدارس میں فساد کی وجہ :

مدارس میں فساد اس لئے پھیل رہا ہے کہ جس کو استحقاق نہیں ہے وہ اپنا استحقاق ظاہر کر رہا ہے، حضرت والا تو اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ مدرس اضافہ تنخواہ کے لئے درخواست دے۔ اگر موافقت نہیں ہے استعفیٰ دے دو مہتمم صاحب پر تو اعتماد ہونا چاہیے۔

مہتمم صاحب کے اوصاف :

اور مہتمم صاحب بھی ایسے ہی عادل ہونے چاہئیں کہ نہ کسی سے عداوت رکھیں نہ کسی کی طرف جھکیں۔ جب کسی سے عداوت ہوگی، طبیعت میں رعایت نہ ہوگی تو عدل اٹھ جائے گا مہتمم کو ایسا نہیں ہونا چاہیے، عدل کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے، اِعْدِلُوْهُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی عدل کا تو شریعت اسلام میں عینِ قتال کے وقت بھی

حکم ہے جس کو جہاد کہتے ہیں کہ تم اہل اسلام سے حربی کافر کے ساتھ کوئی بات اس طرح سے نہ ہو جائے جو خلاف عدل ہو، اب بتائیگا کہ وہ جہاد کرنے والے جو اپنے اندر صفتِ حلم لئے ہوئے ہوں گے کس قدر قابو یافتہ ہوں گے۔ تو مدرس کو، مہتمم کو، ناظم کو نفس پر کتنا قابو یافتہ ہونا چاہئے، نفس کو کتنا کچلے ہوئے ہونا چاہئے، اور نفس پر تھوڑا نہیں بہت قابو ہونا چاہئے ورنہ

منسوف تری اذا نكشف الغبار أفرس تحت رجلك ام حمار
 قریب ہی جب غبار چھٹے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیری ران کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا؟ تو دعویٰ تو بہت آسان ہے لیکن امتحان کے وقت حال کھل جائیگا۔
 اب سوچا جائے کہ مُدرِّسین کا کیا حال ہے، کتنے صحیح اخلاق والے ہیں اسی طرح تدریس ہے اسی طرح اہتمام ہے اگر کسی کی طرف سے دل آزاری آجائے تو عدل ہوگا؟ اگر کسی طرف سے طبیعت میں کچھ ٹھہبن ہو جائے تو عدل ہوگا؟ ہرگز نہیں، عدل کیا تو عین قتال کے وقت عدل کا قائم رکھنا ضروری ہے اس سے الگ ہونے کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں، عدل کوئی معمولی چیز نہیں، افراط و تفریط کے بیچ میں ہے۔ تو مدرس نے تو تدریس کے لئے درخواست دی تھی اور بس، انتظام و نظام کا کام مہتمم جانے۔

تجربہ بہت دیر سے حاصل ہوتا ہے :

زمانہ ابتدائی ایسا ہی نا تجربہ کاری کا ہوتا ہے پھر تجربہ ہو جاتا ہے اچھی طرح سے، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اوہو! یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو اظہارِ محبت کر کے اپنا کام نکالتے ہیں تو تجربہ کار ہو کر مضبوط ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

مُتَقَلِّبُكُمْ وَمَثْوَا لَكُمْ -

ہے تو چھوٹی سی آیت مگر بڑی عجیب ہے۔ کہ گھر میں بھی رہنا ہو تو عدل و انصاف کے ساتھ رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں مگر آج کل تو عجیب گڑبڑ ہو رہی ہے، کبھی بیوی کی سرداری ہو رہی ہے، کبھی بیوی کے بھائی کی سرداری ہو رہی ہے کبھی بھائی صاحب پر گرم ہو رہا ہے، تم اتنے آدمی ہو وہ فلاں کام کیوں نہیں ہوا، رشتہ داری میں یہ سب ہوتا ہے۔ عدل و انصاف والا سب طرف نگاہ رکھتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب کی تشبیہ کا واقعہ :

مہتمم صاحب نے اپنے خدمتگار جو خدمت کے لئے ہر وقت پاس رہتے تھے ان سے کہا ”مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے پاس جاؤ انہوں نے یہاں سے ایک کتاب لی تھی وہ کتاب ان کے پاس سے لے آؤ“ وہ گئے مولانا صاحب کے پاس وہ اُس وقت ناظم تعلیمات تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے جہاں سے لی تھی وہیں رکھ دی ہے، انہوں نے آکر مہتمم صاحب سے نقل کر دیا کہ وہ یوں کہتے ہیں، فرمایا کہ وہاں دیکھ لو..... خدمتگار نے دیکھا نا معلوم کس طرح دیکھا آکر کہہ دیا، حضرت وہ تو نہیں ہے فرمایا مولانا صاحب سے پھر جا کر کہو۔ پھر جا کر کہہ دیا اور مولانا مرتضیٰ صاحب خود شریف لائے اور عرض کیا کہ حضرت جہاں سے لی تھی وہیں رکھ دی تھی، گئے اور وہاں سے اٹھا کر دیدی۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب اس وقت کچھ نہ بولے جب مولانا مرتضیٰ صاحب چلے گئے تو ان خادم سے کہا ”تم نے خواہ مخواہ ایک عالم کو تکلیف دی تم نے غور سے نہیں دیکھا، دیکھو کتاب جہاں بتائی تھی وہیں رکھ دی تھی، اس طرح تشبیہ کی یعنی تیز نہیں ہوئے نرم عنوانات کے ساتھ تشبیہ فرمائی اور اس طرح کیوں نہ ہو، جتنا

زیادہ سے زیادہ علم صحیح واقعی بڑھتا چلا جائے گا، علم بڑھتا چلا جائے گا۔

حلم میں ایک لطیفہ :

حلم میں تین حروف ہیں ح، ل، م، میم کو بیچ میں لے آئیں حمل ہو گیا یعنی
بوجھ اٹھانا دیکھو حمل والی عورت کو کیسی تکلیف ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ**

وَهُنَّ عَلَيَّ وَهْنٌ، ارے انسان تجھے تیری ماں نے پیٹ میں رکھ کر کتنا بوجھ اٹھایا ہے
کتنی تکلیف اٹھائی ہے تو ادائے حق کے لئے سوچ! تو حلم حرف ”میم“ بدل کر حمل ہو
گیا اور حامل پر محمول کے اٹھانے میں کتنی زور پڑتی ہے تو حلم میں کتنی زور پڑے گی۔

مدرسہ امدادیہ خانقاہ کا ابتدائی اور انتہائی زمانہ :

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مدرسہ میں ابتداء پٹائی ہوتی تھی، مولانا اسعد
اللہ صاحب کی بہت پٹائی ہوتی تھی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھی تھیں تھانہ بھون میں،
آخر میں تجربات کے بعد قانون بدل گیا کہ کسی مدرس کو پٹنے کی اجازت نہیں کیونکہ
حالات بدل گئے اس لئے حکم بھی بدل گیا۔ ایک استاد نے خانقاہ میں ایک طالب علم
کو پٹا تو تھا نہیں مگر کان پکڑوادیئے تھے۔ ایک تو کھڑا کر کے کان پکڑوانا ہوتا ہے اور
ایک مرغہ بنانا تو انہوں نے مرغہ بنا دیا تھا۔ یہ بات حضرت والا کو پہنچ گئی۔ حضرت والا
کے ہاں تحقیق ہوتی تھی ان مدرس کو بلایا اور پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ لڑکے سبق کو
یاد نہ ہونے پر آپ نے مرغہ بنا دیا تھا، انہوں نے کہا کہ جی ہاں! پھر فرمایا یہ سنا ہے کچھ
دیر تک بنایا تھا فرمایا ہاں حضرت ایسا ہی ہوا تھا، فرمایا اچھا! حوض پر جاؤ اور مرغہ بن

جاؤ۔ مُرنے بنا دیا ان کے شاگر کے سامنے مُرنے بنا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کچھ ٹانگوں میں درد تو نہیں ہوا عرض کیا ہوا حضرت غلطی ہوگئی، ہاں غلطی ہوگئی اب کہتے ہو۔ بچے کو تکلیف نہیں ہوتی یہ ہے رحم دلی۔ فرمایا اچھا جاؤ، اب کوئی نہیں پکڑوا سکے گا کان؟ یہ واقعہ اس پر سنایا کہ ابتداء میں خانقاہ میں پٹائی ہوتی تھی مگر بعد تجربہ کے منع کر دیا گیا۔ یاد رکھو کسی چیز کا ابتدائی زمانہ اور ہوتا ہے اور انتہائی زمانہ اور ہوتا ہے۔ نماز جو کہ ایک رکن ہے کیا ابتداء میں اسی طرح تھی، انہی قیود کے ساتھ تھی؟ نہیں بلکہ باندھ کر کھڑا ہو گیا کسی نے سلام کیا اس کا جواب دے دیا، بھوک لگی کھانا کھا لیا پھر آ کر نیت باندھ لی پھر حکم ہو گیا: ما الاحسان ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ایسی عبادت کیا کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ دیکھنے قید لگ گئی نہ سلام کا جواب دے سکتا ہے نہ بول سکتا ہے معلوم ہوا کہ زمانے کے حالات سے احکام بدل جاتے ہیں۔

علم وِ حِلْمِ دُونوں میں شرح صدر مطلوب ہے :

حق تعالیٰ رسول اللہ سے فرماتے ہیں: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، کیا ہم نے تمہارے سینے کو نہیں کھولا آپ ﷺ کا شرح صدر نہیں فرمایا، جانتے ہو شرح صدر کیا ہے؟ تم کہتے ہو یہ مسئلہ تو حل ہو گیا مگر شرح صدر نہیں ہو ابشاشت کے ساتھ سمجھ میں نہیں آیا تو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں رسول اللہ کو کیا ہم نے آپ ﷺ کا شرح صدر نہیں کیا استفہام انکاری ہے یعنی ضرور کر دیا، اب یہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کا فلاں چیز میں شرح صدر فرمایا تو مفسرین نے لکھا ہے کہ علم وِ حِلْمِ میں شرح صدر مراد ہے۔ یعنی ہم نے آپ ﷺ کے سینے میں بطریق شرح صدر علم بھی رکھا اور حِلْم بھی

رکھا۔ جب علم نہیں ہوگا تو علم کا مقام حاصل کرنا اور دوسروں تک علم پہنچانا مشکل ہے جیسے علم میں شرح صدر ہو اسی طرح حلم میں بھی شرح صدر ہو۔

غلطی پر سزا دینے کا طریق :

حضرت والا نے فرمایا کہ اگر کسی سے غلطی ہوگئی تو سوچو کہ اس کا قصور کس درجے کا ہے، پھر سوچو کہ اس غلطی کرنے والے شخص کا درجہ کیا ہے تو اس درجہ پر کیا سزا ہونی چاہیے، اس سوچنے کے بعد جب طبیعت یک رخ ہو جائے (یعنی شرح صدر ہو جائے)، تو اتنی دیر میں سوچتے رہنے سے تو غصہ چلا جائے گا اور اس کو نہ سوچا اور غصہ آ گیا تو غصہ میں رہے گا عدل پر حلم میں ہرگز نہیں رہے گا ایک کے عوض میں دو طمانچے مارے گا۔ اسی لئے حضرت والا نے فرمایا: یہ میاں جی حافظ جی مولوی صاحبان جو بچوں کو مارتے ہیں اور بڑی طرح مارتے ہیں ان کی کھال کھینچی جائے گی۔

بزرگوں کے حلم کا واقعہ :

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے کسی نے کہا حضرت! صوفیاء دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیسے ہوتے ہیں۔ فرمایا کیا کرو گے اپنے کام سے کام رکھو۔ دو چار دن بعد پھر دوبارہ پوچھا، شاہ صاحب نے فرمایا اچھا فلاں مسجد میں چلے جاؤ وہاں تین بزرگ بیٹھے ہیں ذکر میں مشغول ہیں ہر ایک کی کمر پر ایک مٹکا مار دینا، یہ چلے گئے ایک کے جا کر مٹکا مارا وہ اٹھے اور انہوں نے بھی کمر پر ویسا ہی ہلکا سا مٹکا مار دیا اور بیٹھ گئے۔ پھر دوسرے کو ایک مٹکا مارا وہ بھی اسی طرح ذکر میں لگے رہے اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہیں پھر تیسرے کو ایک مٹکا مارا، وہ اٹھے اور اٹھ کر ان کے ہاتھ کو سہلانے لگے کہ تمہارا ہاتھ ڈکھ

گیا ہوگا اسی طرح ہاتھ کو سہلا کر بیٹھ گئے یہ ماجرا دیکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں آئے، پوچھا دیکھ آئے۔ عرض کیا جی ہاں! تماشہ دیکھا، فرمایا کیا دیکھا؟ انہوں نے پوری تفصیل عرض کر دی، فرمایا پہلے بزرگ ابھی شریعت پر ہیں اس طرح کہ تم نے مٹکا مارنے سے پہلے کچھ کہا تھا کچھ بولے تھے؟ کہا نہیں، تو وہ بھی نہیں بولا اور انہوں نے جو مٹکا مارا تھا تو انہوں نے بھی کچھ کہا تھا جس طرح تم نے آہستہ سے مارا تھا اسی طرح انہوں نے بھی بہت نرمی سے اسی کے قریب مارا تو یہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، جزاً سنیۃ سنیۃ یہ ہے عدل اور شریعت کہ اگر تمہیں کسی نے طبیعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو اسی بات کو تم بھی کہہ دو، تم نے کسی کو مارا ہے تو تم بھی اسی طرح مارو، تمہارے اندر ابھی حوصلہ پیدا نہیں ہوا۔ دُنیا میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں لہذا ایسے بھی ہوں گے کہ ضبط نہ کر سکیں گے لیکن رہیں وہ عدل پر۔ دیکھو! وہ بزرگ عدل پر رہے کیونکہ وہ مجاہدہ کئے ہوئے تھے تو بلا تصوف بلا مجاہدہ ایسا ہو سکتا ہے کیا وہ عدل پر رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلا مجاہدہ کئے ہوئے اگر کوئی مار دے تو پہلے تو وہ اٹھ کر دس باتیں کہے گا کہ آپ کو کیا حق تھا آپ نے پیچھے کیوں مارا۔ اور پھر اس کے بعد اگردیکھا کہ وہ کمزور سا ہے برابر کا سا ہے تو اُس کی خوب پٹائی کر دے گا اور اگر قوی ہے تو کہے گا ارے میاں جو ہو گیا سو ہو گیا مصلحت سامنے آجائے گی کہ یہ تو بڑا پہلوان سا ہے ایسا نہ ہو کہ اگر میں ایک ماروں تو یہ دس مارنا شروع کر دے گا تو مصلحتِ زماں کو دیکھ کر رُکا ہے رضائے الہی یا سلوک کا جو طریق ہے اس کی وجہ سے نہیں رُکا، اس لئے مصلحت کے خیال سے باہر تو رُک گیا اور جب بیوی نے کچھ مزاج کے خلاف کہا تو غصہ ہو گیا اور ایسا غصہ کہ خدا کی پناہ کہ پہلی ہی رات میں طلاق ہو گئی۔

تو ان بزرگوں کا واقعہ بیان ہو رہا تھا کہ اب رہے دوسرے بزرگ تو حضرت والا نے فرمایا کہ وہ تو اپنے ذکر کے کام میں لگے ہوئے تھے انھوں نے دل میں کہا کہ مار لیا تو مار لیا، میں اپنا وقت کیوں خراب کروں یہ ہے طریقت۔ اب رہ گئے تیسرے بزرگ تو وہ حقیقت کو پہنچے ہوئے تھے کہ نافع و ضار اللہ تعالیٰ ہیں کوئی بھلا کسی کو کیا مار سکتا ہے اگر وہ نہ چاہیں، یہ ہے حقیقت۔

ایمان اور شرک کا فرق :

مؤمن اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے کہ نافع بھی وہی ہے اور ضار بھی وہی ہے اور یہ یقین ہے لیکن ضرر پہنچنے پر اس کے اعتقاد و ایمان میں فرق نہیں آیا، چھوٹنے کا تو کیا مطلب؟ اور اگر اس کو یہ یقین ہو جائے کہ جس کی میں نے پوجا کی ہے یہ ضرر اس کی طرف سے آیا ہے اس کو چھوڑ بیٹھا، تو وہ تو ہے ایمان اور یہ ہے شرک تو اپنے کو مٹا دو دیکھئے یہ تیسرے بزرگ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھے تب ہی تو اس کا ہاتھ سہلانے لگے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ بلا مجاہدہ کے شریعت پر عمل نہیں ہو سکتا وہ مجاہدہ کئے ہوئے تھے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ تو مجاہدہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ الہام فرمادیتے ہیں۔

راستہ اللہ تعالیٰ طے کراتے ہیں :

بیچ میں ایک بات یاد آگئی کہ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اے مؤمن تم ڈرنے لگے کہ یہ راستہ کس طرح طے ہوگا تو تم اس کی فکر مت کرو اور تم مجاہدہ کرو چلانا اور راستہ طے کرانا ہمارا کام ہے۔ بخاری شریف میں پہلا باب ہے بَدَاَتِ الْوَحْيِ وَحْيِ كِي

کیفیت اور پہلی حدیث ہے: **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** پھر شبہ ہوتا ہے کہ بھلا اس حدیث کو اس باب کے ترجمہ کے ساتھ کیا جوڑ ہے، کیا مناسبت ہے؟ تو یہاں تقریر کی جاتی ہے کہ بہت لمبی مناسبت ہے۔ اس میں اخلاص کی ترغیب دی گئی ہے کہ طالب علم وحی میں اخلاص ہونا چاہئے تو دیکھو! جب قدم باہر نکلا تو حق تعالیٰ نے فرمادیا: **اللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبِكُمْ** جب قدم نکالو تو استحضار کے ساتھ نکالو اور استحضار کا نام نیت ہے یہ نہیں کہ بس ایک دفع خیال کر لیا کہ ہاں میں اس نیت سے جا رہا ہوں اور پھر نیت کا کچھ استحضار نہیں۔ ہمیشہ اس استحضار کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ جو حروف زائدہ تھے وہ سب ختم ہو گئے اور ”حضور“ رہ گیا۔ اور یہ استحضار باب استفعال سے ہے جس کی خاصیت طلب ہے تو برابر طلب رہے یہاں تک کہ مطلوب مل جائے۔

خانقاہ بے فائدہ نہیں ہے :

بعض لوگ خانقاہ کو بے فائدہ سمجھتے ہیں ارے ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ بلا خانقاہ کے کام نہیں چلتا اور اپنے شیخ کو نفع رسانی میں بالکل یکتا سمجھے اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو اپنے گھر جاؤ، یہاں کیوں آئے تھے۔

شیخ سے عقیدت :

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے اگر کسی مجلس میں حضرت جنیدؒ و شبلیؒ ہوں اور حضرت حاجی صاحبؒ بھی ہوں تو ہم حضرت جنیدؒ کی طرف رخ بھی نہ کریں گے، حضرت حاجی صاحبؒ کو ہی دیکھیں گے۔ ہاں حضرت حاجی صاحبؒ حضرت جنیدؒ سے کچھ حاصل کریں تو حاصل کریں کیونکہ ہمارے شیخ تو حضرت حاجی صاحبؒ ہیں

”لا الہ الا اللہ“ یہ ہے اعتقاد شیخ کے ساتھ، تو بے فائدہ نہیں ہے، یہاں رہ کر استحضار برابر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ حروف زوائد نکل گئے اور حضور آ گیا اب جو عمل ہو گا ذکر کیساتھ، تلاوت کے ساتھ، نوافل کے ساتھ اور رمضان شریف کے روزے کے ساتھ، کان کی حفاظت کے ساتھ، دل کی خلوت کے ساتھ حجرہ سے باہر قدم اٹھانے کے ساتھ، ان تمام اعمال میں حضور رہے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** یعنی اے مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقین کے ساتھ رہو۔ شیوخ جو صادقین میں سے ہیں وہ مذکر ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک کے خاص حقوق :

رمضان شریف کے دو حق خاص ہیں ویسے وہ دونوں حقوق ہمیشہ ہیں لیکن رمضان المبارک کے ساتھ ان کو خصوصیت حاصل ہے۔ ایک ہے تقویٰ اور اگر کبھی غلطی بھی ہوگئی اور معافی مانگ لی تو یہ بھی تقویٰ ہی ہے اگر اصرار نہیں ہے تو یہ بھی تقویٰ ہی ہے۔ تو ایک حق رمضان شریف کا تقویٰ ہے اور دوسرا حق کثرت تلاوت بلحاظ فرصت، صحت و سہولت کہ کسی ضروری کام میں حرج نہ ہو کیونکہ قرآن پاک رمضان شریف میں نازل ہوا تو رمضان کے ساتھ قرآن کو خاص مناسبت ہے۔ تقویٰ کی خصوصیت پر یہ آیت دلیل ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** یعنی اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ اور شہر رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ سے اس ماہ کو قرآن پاک کے ساتھ خاص مناسبت

معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ اور کثرتِ ذکر و تلاوت کیساتھ زبان، آنکھ، کان اور دل کی حفاظت کرتے ہوئے بعلم و حلم برکاتِ رمضان المبارک حاصل کرنے کی توفیق ارزانی سے نوازیں۔ (آمین)





اٹھائیسویں مجلس

خانقاہ میں قیام کا طریقہ اور اغراض و مقاصد

۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۳۰ مارچ ۱۹۹۱ء بروز شنبہ بوقت صبح

ہمارے اکابر کی تواضع :

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بار بار فرمایا :
”ارے بھائی ! جلتی ہونا تو بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ مجھے جنتیوں کی
جو تیوں کی جگہ پر بیٹھنے کے لئے اگر فرمائیں۔ تو یہ ان کی رحمت ہے۔“
یہ محاورہ ہے اب خبر نہیں کہ جنت میں جو تیاں بھی ہوں گی یا نہیں بظاہر تو جنت
جو تیاں ہونے کی جگہ ہے نہیں، جوتی تو پیروں کی حفاظت کے لئے نجاست سے گندگی
سے بچنے کے لئے ہوتی ہے وہاں یہ چیزیں کہاں؟ تو جوتی کا کیا سوال مگر محاورہ ہے کہ
کم درجہ جگہ کو جو تیوں کے مقام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیکھئے یہ تھے ہمارے حضرات
کبھی ذہن میں بھی نہیں لاتے تھے کہ ہمیں جنت میں جگہ مل جائے اور آپ تو ماشاء
اللہ مشاہدین میں سے ہیں ذاکرین میں سے ہیں صائمین میں سے ہیں نائمین میں

سے نہیں۔ بھلا ایسے حضرات ناہمین میں سے کہاں، حدیث شریف میں ہے ان کا نوم بھی صوم ہے۔

حالتِ صوم میں کس طرح رہنا چاہئے :

حالتِ صوم میں صُم بکم عُمی ہو کر رہنا ہے اور ایسا صُم بکم عُمی کہ لَیَجْعُونَ کا مصداق بن جائے۔ اس طرح کہ اللہ ناظری کے تصور سے مشاہدہ کی حالت ایسی ہو کہ نہ بلا ضرورت کسی کی بات سنتے ہیں، نہ کسی سے بولتے ہیں نہ کسی کو دیکھتے ہیں اور اس حالت میں ایسے مستغرق ہیں کہ لوٹے نہیں ہیں! تو اہلِ کا نوم بھی صوم بن گیا۔ کیونکہ بیچارے گھر سے بے گھر ہو گئے گھر میں جو راحت ہے، سکون ہے، آزادی ہے کھانے کے اعتبار سے، پونے کے اعتبار سے، رہنے کے اعتبار سے، سہنے کے اعتبار سے، ہر اعتبار سے اس آرام کے گھر کو چھوڑا تو بے گھر ہو گئے اور پھر السَّفرُ کالسَّقر (سفرِ روزخ ہے) اس سفر کو اختیار کیا جب اُن سے پوچھا جائے کہ آپ اپنے گھر کو چھوڑ کر بے گھر کیوں ہوئے اور السَّفرُ کالسَّقر کیوں اختیار کیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: السَّفرِ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ سفرِ روزخ کا ایک ٹکڑا ہے، ہم پچپن میں اپنے بوڑھوں سے سنا کرتے تھے سفر کالسَّقر یہ اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔

خانقاہ کی طرف کیوں سفر کیا جاتا ہے :

تو جب اُن سے کہا جائے کہ آپ نے السَّفر کالسَّقر کیوں اختیار کیا تو تشریف لانے والے بزبانِ حال یوں کہہ رہے ہیں تو یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے سفر کیا لیکن ہمارا گھر بھی سقر بنا ہوا تھا۔ بظاہر تو گھر میں تھے لیکن وہ گھر سقر بنا ہوا تھا۔ ہمارا گھر تو

فجور سے بھرا ہوا تھا اس فجور کے گھر کو فجر بنانے کے لئے آئے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے قسم کھائی ہے (والفجر) تاکہ پھر لوٹ کر ہمارا بافجور گھر فجر ہو جائے اس لئے آئے ہیں۔ بزبانِ حال یوں کہہ رہے ہیں کہ یہ طلب لے کر آئے ہیں اس کے سوا اور کوئی طلب نہیں۔ تو معنوی طور پر جو ایمان رکھا ہوا ہے جس کا تقاضا مشاہدہ کا تھا تو یہ بیچارے معنوی طور پر مشاہدین میں سے مجاہدین میں سے ذاکرین میں سے اور صائمین میں سے ہو گئے بے حسی جاتی رہی اب حسی طور پر اس کا اثر یہ ہوا کہ احساسِ خیر پیدا ہو گیا یعنی احساسِ فجر بترکِ فجور۔

خانقاہی زندگی کے ضوابط :

بس تو پھر دل اڑا اڑا نہ رہے زبان چلی چلی نہ رہے آنکھ کھلی کھلی نہ رہے

بس فجور گیا اور فجر آ گیا۔ مولانا روم نے اسی کو کہہ دیا.....

چشم بند و گوش بند و لب بند گر نہ بنی نوزِ حق بر ما بخند

اسی کو اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: **إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ**

كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ یعنی ہوشیار! آنکھ بند، زبان بند، کان بند دل بند کہ یہ خلافِ حکم نہ

چلیں سب سے سوال کیا جائے گا اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **اللَّهُمَّ لَا تَكَلِّبْنِي**

إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ۔ اللہ اکبر! حضور ﷺ جو کہ نوزِ مجسم ہیں.....

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کیا فرما رہے ہیں: **لَا تَكَلِّبْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ** پلک جھپکنے کے برابر

بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے اور آنکھ کان زبان دل اس مجموعہ کا نام نفس

ہے۔ اسی لئے متقہ مین کے ہاں انگلیوں سے ہونٹوں کو کان و آنکھ کو بند کرا کے ذکر کرایا

جاتا تھا۔ تو نفس نام ہے آنکھ کان دل زبان کے مجموعے کا تو اس سفر گالسفر میں اس طرح رہنا چاہئے کہ آنکھ بند رہے کان بند رہے تاکہ گھر فجر ہو جائے، جب ہم جائیں تو ہمارا گھر کھلا ہو فجر ہو فجر سے ہٹا ہوا ہو، بچا ہوا ہو۔

مقصودِ اصلی آخرت کے گھر کی درستی ہے :

اور جب اس عارضی گھر کو اس طرح بنانے کے لئے بے گھر ہوا ہے تو اصل آخرت کو چھوڑ کر اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے تو یہ پوری عمر کا لمبا سفر بھی کالسفر ہے تادم آخر تو یہ سالک بزبان حال یوں کہہ رہا ہے کہ اپنے گھر سے بے گھر اس لئے ہوئے کہ حقیقی اور اصلی گھر صحیح معنی میں مل جائے۔ اصلی گھر جہاں ہم دنیا میں آنے سے پہلے تھے مل جائے، بس جاتے ہی گھر میں گر جائیں ادھر گئے ادھر گئے وہ گھر مل گیا جس گھر کا نام اللہ تعالیٰ نے جنت رکھا ہے۔

مقصودِ اصلی رضائے الہی ہے :

بس معلوم ہو گیا کہ حقیقتاً یہ مؤمن بندہ اس عارضی گھر سے بے گھر اصل گھر کے لئے ہوا ہے اس کی نیت معلوم ہو گئی کہ اس کی طلب سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ انہوں نے وہاں (آخرت میں) اول وہلہ میں اپنی رضاء کے ساتھ رکھا تھا۔ ہم رضا کے ساتھ رہے یہاں دنیا میں بھی انہوں نے اپنی رضاء کے لئے بھیجا ہے ہم راضی راضی چلے آئے کہ مقصود تو اُس کی رضاً ہے اب ہم کو چاہئے کہ یہاں رضاً کے ساتھ رہیں اور رضاً کے ساتھ چلے جائیں اور ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہ کے مصداق بن جائیں کہ وہ ہم سے راضی اور ہم اُس سے راضی۔

رضاء کی پہچان :

اب رہا یہ سوال کہ ہماری رضاء کس طرح معلوم ہوگی اور پھر اس کی رضاء کیسے معلوم ہوگی تو اس طرح معلوم ہوگی کہ ہم سمجھ گئے کہ یہاں پر اس ذات نے اس خالق نے ہمیں صرف طاعت کے لئے نہیں بھیجا بلکہ عبدیت کے لئے بھیجا ہے علامت کے لئے بھیجا ہے اور فارسی زبان میں بندگی کے لئے بھیجا ہے بس اسی تحصیل عبدیت میں لگا رہے یہی علامتِ رضاء ہے اور علامتِ عبدیت کے لئے اس لئے بھیجا ہے کہ طاعت میں تو ایک کام مقرر ہوا کرتا ہے، علامتِ عبدیت کے لئے ایک کام نہیں ہوا کرتا۔

انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے طاعت کے لئے تو فرشتے بہت ہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک فرشتے کو ایک کام میں لگا دیا بس لگا ہوا ہے یہ ہے طاعت۔ اور طوعاً خوشی خوشی لگے ہوئے ہیں کرہاً زبردستی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک جماعت فرشتوں کی ایسی پیدا کی گئی ہے کہ روزانہ بیتُ المعمور کا طواف کرتے ہیں اور روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور جن کی باری ایک مرتبہ آگئی پھر دوبارہ نہیں آتی۔ تو کس قدر فرشتے ہوں گے تو ایک کام پر لگا دیا یا کئی کاموں پر لگا دیئے۔ بس لگے ہوئے ہیں اسے کہتے ہیں طاعت، تو وہ فرشتے اجیر کی حیثیت سے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں.....

یا بم اور ایا نیا بم جستجوئے می گنم
حاصل آید یا کنیا بد آرزوئے می گنم
(یعنی)

ملنے اور نہ ملنے کا وہ مختار آپ ہے
پر تجھ کو چاہئے کہ تگ و دو لگی رہے

تک و دو یعنی کام میں لگا رہے یہ تصور کے ساتھ کیا ملے گا تو رضاء پر چلتا رہے میری طرف سے مرضیہ ہے ہی، اور اگر اسی کا جواب چاہتا ہے کہ کیا ملے گا؟ تو فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں ملوں گا بس ہوگئی انتہاء تمام اغراض سے خالی الذہن ہو گیا اور قطع نظر عن الخلق ہوگئی، معیت خالق حاصل ہوگئی تو معلوم ہوا کہ عارضی گھر جو چھوڑا ہے اصلی گھر کے لئے تو اصلی گھر کا بھی ایک نام ہے بلکہ تو نے گھر کو چھوڑا ہے ” معیت خالق کے لئے“ اصلی گھر کا بھی ایک نام ہے جسکو جنت کہا جاتا ہے بلکہ گھر سے جو بے گھر ہو گئے ہیں درحقیقت معیت حق کے لئے ہوئے ہیں لہذا جو درد بھی آتے ہیں اے عبد وہ کیا درد؟ اسکی کچھ پروا نہیں تجھ کو پیدا ہی درد کے لئے کیا گیا ہے۔ تو اصل معیت خالق ہے مگر اس معیت خالق اور معیت محبوب حقیقی کا محل جنت ہے۔

جنت معیت حق کی وجہ سے مطلوب ہے :

تو جنت اس مؤمن بندہ کا مطلوب حقیقی نہیں ہے مطلوب حقیقی تو معیت حق ہے مگر چونکہ اس معیت کا ایک محل ہے اسی کا نام جنت ہے تو جنت بھی مطلوب ہے۔

ابن فارض کی حکایت :

ابن فارض بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں ان کے نزع کا عالم ہے روح نکلنے والی ہے اسی حال میں آٹھوں جنتیں پیش کر دی گئیں۔ ان جنتوں کو دیکھتے ہی بول اٹھے.....

إِنْ كَانَ مَنْزِلَتِي فِي الْحُبِّ عِنْدَكُمْ مَا قَدْ رَأَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ أَيَّامِي
یعنی کیا آپ کی محبت میں میری یہی منزلت ہے کہ آٹھوں جنتیں میرے

سامنے کر دی گئیں تو پھر میں نے اپنا تمام زمانہ عمر ضائع کر دیا برباد کر دیا۔ یہ کہتے ہی آٹھوں جنتیں سامنے سے ہٹ گئیں، ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلّی ہوئی، بس اسی حال میں روح نکل گئی اس سے ثابت ہوا کہ مقصودِ اصلی مسلمان کا معیتِ حق ہے۔

فسادِ نیت باعثِ پریشانی ہے :

یہ عبد اور غلام ہے پھر یہ نوکری کیوں چاہتا ہے اجرت کیوں طلب کرتا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا رہوں، روزہ بھی رکھتا رہوں، تلاوت بھی کرتا رہوں، ذکر بھی کرتا رہوں، تسبیح بھی پڑھتا رہوں، حرام بھی چھوڑتا رہوں، حلال کما تا رہوں، لیکن میرے گھر کی بیماری وہیں کی وہیں ہے، میری غریبی وہیں کی وہی ہے، میری قرضداری وہیں کی وہیں ہے۔ اس کی عبادت پر تو لگا ہوا ہوں مگر افسوس میرا حال وہیں کا وہیں ہے۔ اچھا معلوم ہو گیا کہ یہ تمام عبادت اس کے لئے تھی، یہ نیت تھی تیری عبادت کی۔ تو یہ عبدیت اور غلامیت کے خلاف ہے جب ہی تو دل میں درد اٹھ رہا ہے اگر یہ نیت نہ ہوتی اور وہ نیت ہوتی تو یہ تیرے دل میں درد نہ اٹھتا۔ وہ درد نہیں رہا اس لئے یہ درد اٹھا پس معلوم ہو گیا تو غلام نہیں ہے اجیر ہے معلوم ہو گیا کہ یہ شانِ عبدیت عبادت نہیں ہے بلکہ بلحاظِ اجرت عبادت ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت :

قرآنِ پاک میں حضرت لقمان علیہ السلام کا ذکر آیا ہے : **وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ** حق تعالیٰ نے یوں فرمایا تھا: ”لقمان علیہ السلام نبوت دی جائے یا حکمت؟ لقمان علیہ السلام نے عرض کیا ”حکمت“ چنانچہ حکمت دے دی گئی۔ پس پند نامہ

کے آخر میں لقمان علیہ السلام کی وعظ و نصیحت مذکور ہیں۔ حضرت لقمان علیہ السلام کسی امیر کے قبضہ میں آگئے اور غلام بن گئے۔ آقا نے اپنے باغ میں نگرانی کے لئے مقرر کر دیا۔ آقا ایک دن باغ آیا ٹہلتا رہا، لقمان علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے باغ میں جو گلڑی ہیں ان میں سے ایک گلڑی توڑ کر لاؤ، عرض کیا بہت اچھا! گئے اور ایک گلڑی لے آئے، لا کر آقا کو دے دی آقا نے توڑی کچھ خود رکھی کھانے کیلئے اور کچھ لقمان علیہ السلام کو دے دی۔ آقا نے جو ہونٹ پر رکھی تو گلڑی بڑی کڑوی، فوراً منہ سے نکال دی اور لقمان علیہ السلام اس کو کھا رہے ہیں آقا دیکھ رہا ہے زبان پر تو کیا ذکر آتا چہرہ پر بھی اس کا اثر نہیں آیا آقا نے تعجب سے کہا لقمان! یہ گلڑی اتنی کڑوی اور تم زبان پر تو کیا اس کا ذکر لاتے پیشانی اور چہرہ سے بھی کوئی کڑواہٹ ظاہر نہیں کر رہے ہو اور شیرین سمجھ کر کھا رہے ہو؟ لقمان علیہ السلام نے جواب دیا ”میرے آقا جس ہاتھ سے ہمیشہ میٹھا کھایا ہو آج اگر اس کے ہاتھ سے کڑوا پہنچ گیا تو زبان پر لاؤں.....؟“

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت والا نے فرمایا دیکھا غلام انسان کیا کہہ رہا ہے اور انسان، غلام حق تعالیٰ، اسکی زبان پر شکایت ہی شکایت آئے۔

غلام کا کام متعین نہیں :

غلام کا کام متعین نہیں۔ غلام سے کبھی کہا جاتا ہے لوٹے میں پانی بھر کر لاؤ، پیروں کو دباؤ، کھانا پکاؤ برتن دھوؤ، فلاں سامان لاؤ اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ آقا کہتا ہے ”مجھ کو بادشاہ نے بلایا ہے میں نہیں جاؤں گا تمہارے سر پر میں اپنا تاج شاہی رکھ دیتا ہوں بادشاہ کے ہاں دعوت میں بجائے میرے تم جاؤ“ اپنا خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے۔ قرآن شریف کی آیت ہے: **ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ**

کَیْفَ تَعْلَمُونَ O خلافت جمع خلیفہ کی ہے ذرا سوچو خلیفہ کس کو بنایا جاتا ہے؟ اس کو بنایا جاتا ہے جس میں اصل کے صفات پائے جا رہے ہوں۔

انسان کو با اختیار بنا کر بھیجا گیا ہے :

تو ذات باری تعالیٰ نے اس انسان کو زمین میں با اختیار بنا کر بھیجا ہے یعنی اختیارات کی شان اس میں رکھ کر بھیجا ہے کہ جس طرح چاہے جس وقت چاہے اپنے کو موڑ سکتا ہے پھر بنا کر نہیں بھیجا، نباتات میں سے نہیں جمادات میں سے نہیں جو بے اختیار ہیں بلکہ اس کو اختیار ہے، جب چاہے کھڑا رہے، جب چاہے چلے، جہاں چاہے چلے۔ بخلاف پانی کے کہ وہ نشیب کو جائے گا اس میں اوپر کو جانے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔

ایک ضدی بیوی کا قصہ :

ایک شخص کی بیوی تھی بڑی ضدی جو کام کرے اُلٹا میاں کے خلاف، وہ شخص تھا کاشتکار کبھی کہہ جاتا کہ ارے بھلی مانس! آج میں تھکا ہوا بھوکا آؤں گا ذرا روٹی پکی پکائی ملے۔ تو اور دن تو پکا بھی دیتی تھی لیکن جب اس دن لوٹ کر آیا تو کیا دیکھتا ہے روٹی ہی نہیں۔ روٹی پکتی تو کیا چولہے میں پانی پڑا ہوا ہوتا؟ آگ کا نام ہی نہیں، ایک دن کہہ کر گیا میں بہت تھکا تھکا آؤں گا چار پائی پر بستر لگا لگایا ملے۔ جب آیا تو بستر کیا لگتا چار پائی کھوٹی پر لٹکی ہوئی ہے۔ یہ شخص پریشان ہو گیا اس کا کوئی سمجھدار دوست تھا، اس سے کہا کہ میں اپنی بیوی سے پریشان ہوں جو کام کرتی ہے خود جو چاہے کرے لیکن میرے کہنے کے ہمیشہ خلاف ہی کرے، جان مصیبت میں آگئی ہے کوئی رائے دو کہ میری جان چھوٹ جائے۔

دوست نے کہا اچھا بھائی! ترکیب تو میں بتلا دوں گا کرنا تمہیں پڑے گا۔

اس نے کہا ضرور کروں گا۔ دوست نے کہا وہ تمہارے یہاں دو بیل ہیں ایک بیل پانی میں بیٹھ جاتا ہے، تو اس سے یہ کہنا کہ بہت دن ہو گئے ہیں تم اپنے میکہ نہیں گئی ہاں جانا بھی نہیں چاہئے وہ کہے گی میں تو جاؤں گی تم کہنا دیکھو نندی چڑھ رہی ہے اس بیل پر مت جانا جو پانی میں بیٹھ جاتا ہے وہ کہے گی میں اسی پر جاؤں گی بس تم خاموش ہو جانا۔ چنانچہ جب وہ گھر گیا تو بیوی سے کہا اوہو! بہت دن ہو گئے تم میکہ نہیں گئی اور جانا بھی نہیں چاہئے تمہارا اپنا گھر تو یہی ہے نا۔ اس نے کہا میں تو جاؤں گی۔ اس نے کہا اچھا! توندی چڑھ رہی ہے اس بیل پر مت جانا جو پانی میں بیٹھ جاتا ہے دوسرے پر جانا۔ اس نے کہا میں تو اسی پر بیٹھ کر جاؤں گی۔ بس کپڑے باندھ کر بیل پر سوار ہو کر چل دی..... آگے آئی نندی یہ بیل پر سوار، بیل گھسن گیا پانی میں جب بیل پانی میں گھستا چلا گیا تو آگے چل کر پانی میں بیٹھ گیا، بیل کا تو بیٹھنا تھا اور پانی گہرا تھا ڈوب گئی۔ یہ شخص اس کو تلاش کرنے نکلا تو بجائے پانی کے نشیب کی طرف ڈھونڈنے کے اوپر کی طرف ڈھونڈنے جا رہا تھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ سمجھ گئے کہ کسی چیز کی تلاش میں ہے کسی نے پوچھا کیا تلاش کر رہے ہو تو اس نے کہا میری بیوی اس بیل پر بیٹھ کر جا رہی تھی وہ بیل پانی میں بیٹھ گیا اور وہ ڈوب گئی، اس کو تلاش کر رہا ہوں۔ اس نے کہا تو بڑا بے وقوف ہے اگر تلاش کرنا ہے تو پانی کے بہاؤ کی طرف جاؤ وہاں ڈھونڈ اوپر کی طرف کیوں ڈھونڈ رہا ہے اس نے کہا کہ میری بیوی کا ہر کام الٹا تھا اگر بہے گی تو الٹی طرف ہی بہے گی۔

بیوی نے اپنے میاں کے ساتھ الٹی رفتار اختیار کی اس لئے ڈوبی تو یہ بشر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جب الٹی رفتار اختیار کرے گا تو ڈوبے گا۔ اسی سے سمجھیے کہ جب

آقائے حقیقی کے ساتھ اس کا کام خلاف مرضی الٹا ہوگا تو تیرے گایا ڈوبے گا؟ انسان اور بالخصوص مسلمان غلام ہے اور غلام کا کوئی کام مقرر نہیں اسی لئے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ لِيُصَلُّوا وَيُصُومُوا

نہیں فرمایا: لِيَطُوفُوا نہیں فرمایا۔ اے عبد! تیرا کوئی کام مقرر نہیں ہے اجارہ کا کیا سوال، اجرت کا کیا سوال.....

ملنے اور نہ ملنے کا وہ مختار آپ ہے

پر تجھ کو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے

عبدیت پر وہ ملے گا جو بتایا نہیں جاسکتا:

کام میں لگا رہے بس اور کیا ملے گا؟ اس دُنیا میں اس کو بتایا بھی نہیں جاسکتا

اسی کو حدیث میں فرمایا ”ارے تجھ کو وہ ملے گا جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے

سنا حتیٰ کہ دل میں بھی کبھی اس کا خیال نہیں گزرا۔

تمام مخلوق سے قَطْعِ نَظَرٍ وَلَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا تَبَّ اللَّهُ كِي مَعِيَّتِ حَاصِل

ہوگی اور سکون حاصل ہوگا۔





اثنیسویں مجلس

مجموعیت معنوی اور اس کے آثار

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۳۱ مارچ ۱۹۹۱ء بروز یکشنبہ جو وقت صبح

ذاتی کام لینے کے لئے غایت بے تکلفی ضروری ہے :

یہ الگ بات ہے کہ کسی وقتی اظہارِ محبت پر کچھ بے تکلفانہ تعلق پر طبیعت کے گھلی ہوئی ہونے کے طور پر کسی دوسرے کام کو جو وقتی طور پر پیش آ گیا ہے کہہ دیا جائے تو وہ دوسری بات ہے۔ اس میں اجرت نہیں ہوتی چونکہ وہ بے تکلف ہے اس لئے اسے کہہ دیا گیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے اپنے ذاتی کام کے لئے کہنا نہیں چاہئے اور اُسے بھی ایسے کام کے لئے کہا جائے گا جس کو وہ کر سکے، اس میں استعداد اس کام کرنے کی ہو اگر چہ اُس وقت کچھ صعوبت ہو لیکن ایسا تعلق والا ہے تو اس کی مصلحت سے اس کی طبیعت میں کسی حکمت سے کام لینا آ گیا۔

استعداد کھولنے کے لئے بھی کام سپرد کیا جاتا ہے :

استعداد ہے اس میں اور اس قسم کا بے تکلفانہ اس سے تعلق ہے تو اس کام

لینے والے کو چاہئے کہ اس میں جو استعداد ہے اس کا ظہور عملی ہو جائے اس لئے کام لیتا ہے کہ اس میں جو استعداد معنوی رکھی ہوئی ہے وہ استعداد معنوی ظہور میں آجائے اگر منع کرتا ہے اور اس کام کو زبان سے انکار نہ کرنے کے ساتھ عملاً نہیں کرتا ہے تو اس کا امتحان ہو گیا اس لئے آئندہ اس سے کام لینے میں احتیاط کرے گا اور چونکہ وہ عالم الغیب نہیں ہے اس لئے آئندہ کے لئے بھی اس کی طبیعت احوطی ہو گئی اس لئے اب کسی کی طرف سے اظہارِ محبت اور بے تکلفی کے باوجود کام لینے میں احتیاط پیدا ہو جائے گی ہر ایک مظہرِ محبت سے، بے تکلفانہ طبیعت ظاہر کرنے والے سے آزادانہ خدمت لینے کی طبیعت نہیں ہوگی۔ وہ تو اس کو کچھ بنانا تھا اس میں استعداد کا کچھ ظہور ہونا تھا مثال کے طور پر مدارس میں طلباء طلب علم کے لئے آتے ہیں ان کو تلامذہ کہتے ہیں اور جو تعلیم دیتے ہیں ان کو اساتذہ کہتے ہیں تو استاد صاحب نے پانی کی ضرورت اپنے لئے سمجھی اب نظر ڈال رہے ہیں کہ کوئی بے تکلف طالب علم آئے اور اس سے پانی منگواؤں۔

اُستاد کو حتی المقدور اپنا کام خود کرنا چاہیے:

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اُستاد صاحب کو جب کوئی معذوری لاحق نہیں ہے تو خود ہی پانی کا برتن مثلاً لوٹا لے کر در سگاہ سے کمرہ تک نلکے پر جا کر اس سے پانی لے کر جس جگہ سے اُٹھایا تھا اس جگہ پر رکھ دے اور اس لوٹے کو بھی دیکھے کہ اپنا ذاتی ہے یا غیر کا؟ اب غیر کا ہے تو بلا اجازت استعمال میں نہ لایا جائے اگر مدرسہ و مسجد میں رکھے ہوئے ہوں تو خیر اس کی اجازت ہے ہی، اور اجازت کے بعد جہاں سے اُٹھایا تھا وہیں پر جا کر رکھے کہ جس کا لوٹا ہے جہاں رکھا ہوا تھا وہیں تلاش کرے گا۔ اس کو

ضرورت ہو تو تلاش کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے بارِ خاطر نہ ہو۔

اُستاد کی طبیعت میں شانِ مجبوعیت ہونی چاہیے :

اُستاد کی طبیعت تحصیلِ علم، بحصولِ علم باحسابِ طبیعت بن گئی تو پہلے مجبوعیت اُستاد کی اس طرح ہونی چاہئے کہ درمیانِ جاعل و مجعول کے جعل میں تخلف نہ ہو تو پہلے اُستاد میں اس شان کی مجبوعیات ہونی چاہئے تب جالِ خدمت کا پھیلاانا ناجائز نہیں ہے۔

خدمت کیوں لیجاتی ہے ؟

تو اُستاد جس میں مجبوعیت کی شان آگئی ہے وہ اپنی راحت کے لئے خدمت نہیں لینا چاہتا ہے خود ہی اپنی ضرورت کو لوٹا لے کر پانی لے کر پورا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی شاگرد تلمیذ ایسا ہے جس کی طرف سے اظہارِ محبت میں بے تکلفی ہے خدمت بے لوٹ، بے غرض کا جذبہ ہے تو اس میں جو استعداد نظر آرہی ہے اس کے عملی ظہور کے لئے لوٹا دیدیا اپنی راحت کے لئے نہیں اس میں جو استعداد رکھی ہوئی ہے اس استعداد کے ظہورِ عملی کے لئے اور ترقی استعداد کے لئے، طبیعتِ جعلی بنانے کے لئے اس کی ترقی استعداد قائم ہونے کے لئے نہ کہ اپنی راحت کے لئے اُستاد کو اپنی راحت کے لئے خدمت لینا جائز نہیں ہے۔

خدمت لینے کے لئے استعداد کی پہچان :

اور اس استعداد کی پہچان یہ ہے کہ وہ خدمت کے لئے شوق سے جا رہا ہے سکر اہٹ کے ساتھ جا رہا ہے اس کی تو عید آگئی۔ اُستاد صاحب نے جس ضرورت

کے لئے چاہا تھا اس کو فوراً پورا کر دیا۔ اور اگر وہ مخاطب ہوتے ہوئے مخاطب نہیں ہوتا متحرک نہیں بنتا، اُستاد پر ظاہر ہو گئی اسکی استعداد بس سکوت اختیار کر لیا۔ الغرض تلمیذ سے خدمت لینا اس کی منفعت کے لئے، ترقی استعداد کے لئے اور طبیعت کی مجموعیت کے لئے ہونی چاہیے محض اپنی راحت کے لئے نہیں ہونا چاہیے۔

طالب حقیقی کے ساتھ روک ٹوک کی وجہ :

اس لئے حضرات مشائخ جو طالب واقعی طلب و صدق کے ساتھ اندرونی استعداد جعل کے لئے حاضر ہوا ہے اس کے ساتھ اسی طرح سے تعلق طریق اتالیقی اختیار کرتے ہیں وہ شانِ جعلی مجموعیت ذاتِ باری تعالیٰ نے جو اس میں رکھی ہے وہ اس درجہ کی آجائے کہ عمل میں کوتاہی نہ ہو اسی لئے وہ اعمال کی حیثیت سے جو ظہورِ عملی جسمانی ہے ٹوکتے ہیں استعدادِ معنوی اخلاقی من حیث التزکیہ من حیث الجعل جو رکھی ہوئی ہے اس پر بھی اس کو ٹوکتے ہیں تاکہ اس میں جو کمالِ جعلی معنوی رکھا ہوا ہے اس کا ظہورِ عملی احساسی میں نہایت پاکیزہ طریقہ سے ظہور میں آئے۔ اسی لئے ان اولیاء اللہ کے طالبین کے ساتھ بظاہر ایسے سلوک ہوتے ہیں جو دوسروں کے عقل و فہم اور ذہن میں نہیں آسکتے بلکہ دیکھنے والا ان کو ظالم کہہ سکتا ہے ظالم کہہ دیتا ہے۔ حالانکہ اُس شیخ نے اس کے ساتھ عجیب عدل کا معاملہ کیا ہے اور بلا اس کے تزکیہ اور اصلاح کے سوال کے خود ہی طالب میں بکرم مجموعیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

شیخ کلام میں بھی سکون کے لئے اصلاح کرتا ہے :

کلام میں جو کہ بظاہر احساسی چیز ہے لیکن درحقیقت وہ معنوی ہے اس میں بھی شیخ استعدادِ خاص قائم کرنا چاہتا ہے اس کو اپنی ذات میں بھی سکون سے رہنے کے

لئے اور دوسروں کو مخاطب بناتے ہوئے ان میں بے سکونی پیدا کرنے سے بچنے کے لئے محرک بھی ہے متحرک بھی ہے حرکت بھی ہے مگر باوجود اس کے سکوت من حیثُ الجعل و المجعل بقلب بھی اور دونوں مجرد ہیں اسی لئے شیخ کہتا ہے تم نے ایسے الفاظ منہ سے کیوں نکالے اس طرح تم نے کیوں کلام کیا؟

ایک بزرگ کا عجیب طریق تربیت :

ایک بزرگ تھے اُن کے یہاں جب کوئی بیعت و تزکیہ کے لئے آتا تو فرماتے، اچھا اچھا بہت اچھا، اُس کے لئے شیخ کے گھر سے کھانا آتا تھا، جب کھانے کے برتن واپس جاتے تو خود دیکھتے تھے کہ روٹی بچی ہے کتنا سالن ہے یا روٹی ہے یا سالن نہیں ہے یا سالن اتنا بچا ہوا ہے کہ اس کے مطابق روٹی نہیں ہے۔ الغرض اگر روٹی اور سالن میں مطابقت نہ ہوتی تو تشریف لاتے اور فرماتے ”ہمارا اور آپ کا نباہ نہیں ہوگا سالن اور روٹی میں تناسب نہیں ہے تو جس چیز کے لئے آپ تشریف لائے ہیں اس کے حصول میں دیر ہوگی وہ ایک معنوی چیز ہے۔ لہذا پہلے محسوسات میں تناسب فرمائیے۔“

اب تو انحطاط کا زمانہ ہے چل رہا ہے معاملہ جیسا چل رہا ہے غور فرمائیے وہ حصول معنویات کے لئے طالب ہو کر آیا تھا اصلاح شروع ہوگئی یا ظلم کیا؟ ظاہر حال کو دیکھ کر مفتی صاحب یا مولوی صاحب تو نہ معلوم کیا کہہ دیں گے، اسی لئے اُن حضرات کے افعال و اقوال پر اعتراض ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

سُلطان نظام الدین کا اصلاحی کلام :

دو اشخاص بڑا المبا سفر کر کے سُلطان نظام الدین صاحب کی خدمت میں

حاضر ہوئے اظہار بیعت کیا، فرمایا بہت اچھا! ٹھہر و نماز کا وقت ہے نماز کو چلیں دونوں شخص حوض پر بیٹھے ہوئے وضوء کر رہے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں سلطان صاحب نے دیکھ کر فرمایا وضوء کرتے ہوئے باتیں کرتے ہو حالانکہ وضوء کے وقت دنیاوی باتیں نہیں کرنی چاہیے، وضوء نماز جیسی چیز کے لئے طہارت حاصل کرنا ہے جو کہ بظاہر حسی ہے لیکن اندر قلبی اثر کی حیثیت سے معنوی ہے۔

وضوء میں نورانی چادر :

حدیث شریف میں ہے جب آدمی وضوء کرنے بیٹھ جاتا ہے تو چار فرشتے نورانی چادر اس وضوء کرنے والے کے اوپر تان لیتے ہیں جب وضوء کرنے والا دنیاوی بات کرتا ہے تو ایک فرشتہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے، دوسری مرتبہ بات کی تو دوسرا چھوڑ کر چلا جاتا ہے تیسری مرتبہ بات کی تو تیسرا اور چوتھی مرتبہ بات کی تو چوتھا فرشتہ اُس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور وہ نورانی چادر چلی جاتی ہے۔ وضوء حسی کا تعلق معنوی کہ اگر بات نہ ہوگی تو وضوء نورانی ہوگا اور جب وضوء نورانی ہوگا تو نماز کچھ کم نورانی ہوگی؟ کیونکہ جیسا واسطہ ہوگا ویسا ہی ذی واسطہ بھی ہوگا۔ جب وضوء میں ضیاء نور ہوگا تو اندازہ کرو کہ نماز کیسی نورانی ہوگی۔ تو سلطان جی نے فرمایا کیا باتیں کر رہے ہو؟ عرض کیا حضور! ہم یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے ہاں کا حوض یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے فرمایا! اچھا وضوء کر کے نماز پڑھو اور نماز پڑھ کر گھر واپس چلے جاؤ اور اپنے ہاں کا حوض ناپ کر آؤ، وہ دونوں شخص طالب تھے گئے اذرناب کر آئے۔ پہلے ایسا اعتقاد ہوتا تھا آجکل کا سا اعتقاد نہ تھا آجکل کے ہوتے تو کہتے اتنی دور سے آئے ہیں مرٹے اور یہ یوں کہہ رہے ہیں چلو جی کہیں اور جا کر مرید ہو جائیں گے مگر وہ ایسے نہ تھے گئے۔

آجکل کی طرح سفر کی آسانی بھی نہ تھی اور ناپ کر آگئے سلطان جی نے پوچھا کتنا فرق ہے؟ عرض کیا ہمارے ہاں کا حوض یہاں کے حوض سے ایک بالشت بڑا ہے فرمایا کہ آپ صاحبوں نے تو یہ کہا تھا کہ بہت بڑا ہے ایک بالشت کو بڑا تو کہتے ہیں لیکن بہت بڑا نہیں کہتے۔ معلوم ہو گیا کہ تمہاری طبیعت میں جھوٹ سے بچنے کی احتیاط نہیں، لہذا ہم تم کو بیعت نہیں کرتے اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔

سلطان جی کے طریق اصلاح میں حکمت :

ہم تو عام طور پر بس کہہ دیں گے کہ کتنا بڑا ظلم ہے، نہیں یہ ظلم نہیں! بڑا عدل ہے شیخ کا بڑا کرم ہے جو اس موسم انحطاط میں طالبین کے ساتھ استعمال نہیں کیا جا رہا ہے اس میں یہ تھا کہ جس چیز کے لئے تم آئے ہو یہاں وہ ذرا کچھ ایسی ہی باریک چیزیں ہیں تو پہلے جو جھوٹ سے احتیاط وغیرہ کی حسی چیزیں ہیں وہ نکلیں تب یہ باریک چیزیں جس کے لئے تم آئے ہو وہ توفیق الہی سے جلدی حاصل ہو جائے گی ورنہ ان چیزوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے عمل میں لاتے ہوئے کتنا زمانہ گزر جائے گا پھر ان باریک باتوں کی نوبت کب آئے گی۔ تو گھر سے بے گھر ہو کر اہل و عیال کی نگرانی سے دور ذمہ داری اور ادائے حقوق سے کمال نگرانی سے بعد کب تک ہوگا اور معلوم ہو گیا کہ تم طالب صادق ہو لہذا جاؤ اور ایسی ایسی چیزیں جو **مِنْ حَيْثُ الْعَقْلِ بَطْلٍ** صدق محسوس چیزیں ہیں ان موٹی موٹی چیزوں کو جو تم کرتے رہو اور موٹی موٹی چیزیں ترک کرنے کی ہیں ان کو چھوڑتے رہو جب ان میں تمہاری طبیعت سلامتی کی ہو جائے تب آنا بس پھر انشاء اللہ کافی ہوں گے کہ آئے اور لگ گئے اور کام بن گیا، یہ وجہ تھی واپس کرنے کی کہ ان میں مجبوری پیدا کرنی تھی کہ اپنے لئے بھی پرسکون ہو اور

دوسروں کے لئے بھی پُر سکون رہے خانگی زندگی میں بھی اور بیرونی زندگی میں بھی اپنوں کی زندگی میں بھی اور غیروں کی زندگی میں بھی۔

مرزا جانِ جاناں کا طریق تربیت :

مرزا جانِ جاناں کے ایک خادمِ خاص طالبِ صادق غلام علی تھے اگرچہ وہ بعد کو ہو گئے غلام علی شاہ بادشاہوں کو شاہ کہتے ہیں مگر ان اہل اللہ کو شاہ صاحب کہتے ہیں تو غلام علی شاہ بے تکلف محبتِ صادق تھے حضرت والا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ دہلی میں لوز کے نام سے بشکلِ بادام بہترین مٹھائی ہوتی تھی ایک شخص نے بے تکلف محبت میں لوز لایا اور مرزا صاحب کی خدمت میں پیش کئے، قبول فرمائے وہ شخص چلا گیا مرزا صاحب نے فرمایا غلام علی!..... جی حضور!..... لوز کھائے گا؟ عرض کیا جی حضور! کھاؤں گا۔ فرمایا لوجھٹ غلام علی شاہ نے ہاتھ آگے کر لیا، اوہو! تو مجھے کیا چار پائی ہی پر ڈالے گا ہاتھ کر لیا آگے ارے کوئی کاغذ وغیرہ لا..... کاغذ لائے دیدئے کاغذ میں الٹا سیدھا لپیٹنے لگے، دیکھ کر فرمایا تو مجھے مار ہی دے گا ادھر لا کاغذ لے کر باقاعدہ اسکے کنارے یکساں کر کے پڑیا باندھ کر دے دیئے۔ حسیات کی مرزا صاحب نے تعلیم فرمائی کہ کاغذ کو لوز کے الٹا سیدھا لپیٹنے سے منع کر دیا بلکہ بالکل یکساں لپیٹ کر دیئے۔ ایک دن پوچھا غلام علی وہ لوز کھائے تھے؟ عرض کیا جی حضور کھائے تھے۔ ابھی باقی ہیں؟ حضور وہ تو میں نے اسی دن سب ایک ہی وقت کھائے تھے۔ افوہ ارے.....! وہ کھانے کے لئے تھوڑے ہی ہوتے ہیں؟ وہ تو ذائقہ کے لئے ہوتے ہیں تو کہہ رہا ہے کھالیئے، کھانا کھایا بطور ذائقہ اس میں سے کچھ چکھ لیا..... یہ حسیات کی تعلیم ہو رہی تھی۔

بعض آداب کی باتیں :

یہ نہیں کہ کتاب اٹھائی جائے ہاتھ میں، جوتے ہیں دائیں ہاتھ میں اور چلے جا رہے ہیں۔ اللہ اکبر اڑے خوب ادب کیا کتاب کا کھانا لینے گئے مطبخ میں روٹی نیچے رکھ لی پیالہ اس کے اوپر رکھ لیا اور لئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ روٹی کا درجہ سالن سے اونچا ہے اور سالن کا پیالہ سے اور جس کا درجہ نیچا ہے اوپر رکھ دیا۔ یہ خلاف ادب ہے اسی طرح چارپائی الٹی سیدھی پڑی ہے اس سے اندر کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہی غلام علی شاہ ایک دن مرزا صاحب کو پنکھا جھل رہے تھے لیکن بہت آہستہ آہستہ جھل رہے تھے۔ مرزا صاحب نے فرمایا ”کیا تیرے ہاتھ میں جان نہیں ہے؟“ غلام علی صاحب نے پنکھا ذرا تیز کر دیا کچھ توقف کے بعد فرمایا ”کیا مجھے اڑا ہی دے گا“ غلام علی شاہ صاحب کی زبان سے نکل گیا بہت آہستہ ”نہ یوں بن پڑے نہ یوں بن پڑے“ مرزا صاحب کے کانوں میں آواز پہنچ گئی فرمایا ”پنکھا یہاں رکھ دو اور خانقاہ سے نکل جاؤ۔ ممکن ہے عام آدمی دیکھ کر، سُنکر کہنے لگے دیکھو! کتنا غصہ کر رہے ہیں، ہم تو سُنا کرتے تھے کہ بزرگ حلیم، متمم المزاج ہوتے ہیں یہاں تو حلیم کا نام ہی نہیں ہے۔ اعتراض کرنا آسان ہے مگر حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔

شیخ نے اُن کا چور پکڑ لیا کہ ان کے اندر ابھی غصہ کی چنگاری موجود ہے یہی شغلہ بن سکتی ہے لہذا اس کو نکالو اور اس کے نکالنے کی یہ تدبیر کی گئی ہے۔ جانتے ہیں کہ محبت صادق ہے، کہیں جائے گا نہیں اور طبیعت پر بوجھ پڑے گا جس سے وہ اندر کے غصہ کی چنگاری نکل جائے گا۔ چنانچہ خانقاہ سے نکل گئے، اب لگے رونے خوب اچھی طرح سے آہ و بکا ہورہی ہے۔

محبتِ شیخ کیوں ضروری ہے؟

ظاہر میں محبت تھی شیخ سے اس کا ظہور ہے اور حقیقت میں محبتِ الہی ہے لیکن بلا محبتِ شیخ کے محبتِ الہی دائمی حاصل نہیں ہو سکتی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ باری تعالیٰ سے درخواست کر رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ اے اللہ رزق عطاء فرما دیجئے مجھ کو محبت کا محبت نام ہے تعلقِ لطیف کا قلبِ مجرد کے ساتھ تو فرما رہے ہیں اے اللہ محبت کا مجھے رزق عطاء فرما دیجئے اور اس شخص کی بھی محبت عطاء فرمائیے جسکی محبت آپ کے نزدیک آپ کی محبت میں نفع دے۔ غلامِ علی صاحب اس بات کو سمجھے ہوئے ہیں کہاں چھوڑ سکتے ہیں شیخ کی میعت کو کہیں وہ (اللہ رب العالمین) نہ روٹ جائیں اس لئے رورہے ہیں اور معافی کی درخواست ہو رہی ہے چنانچہ درگزر کیا گیا معاف کیا ہو گیا۔ دراصل نکالا نہیں گیا تھا بلکہ وہ نکالنا نکھارنا تھا کسی اور چیز کے آنے کے لئے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

شیخ نے سمجھ لیا کہ ابھی مادیت کی چنگاری موجود ہے میرے اس کہنے پر کہ کیا تیرے ہاتھ میں جان نہیں ہے اور کیا تو مجھے اڑا ہی دے گا۔ دو متضاد چیزیں سامنے آ گئیں جس سے گرانی آگئی، خارا گیا، بوجھ پڑ گیا، شعلہ نہ سہی چنگاری تو آگئی چنگاری بھی کسی کپڑے پر رکھ دو تو کپڑا خاکستر ہو جائے گا اور جب میرے اس کہنے پر چنگاری آگئی تو باہر کے خلاف طبیعت سے کوئی کچھ کہہ بیٹھے گا تو کہیں شعلہ نہ بن جائے۔ ابھی کسر ہے اس کو نکالنا چاہئے اس لئے ایسا کیا تھا تو دیکھیے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ بڑا ظلم کیا ہے کہ خانقاہ سے نکال دیا مگر اس تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ بڑا رحم و کرم تھا کہ بلا درخواستِ معالجہ کے شیخ ان کا معالجہ فرما رہے ہیں اسی کو کرم کہتے ہیں۔

جو دو کرم میں فرق :

جو دو کرم میں فرق ہے۔ جو دو کے معنی سخاوت کے ہیں اور سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص واقعی صاحبِ حاجت نہ کہ پیشہ ور، آپ کے پاس آئے اور خالی ہاتھ نہ جائے اس کی ضرورت اپنی حیثیت دیکھ کر پوری کر دی جائے، اس کو جو دو سخاوت کہتے ہیں اور کرم یہ ہے کہ کسی شخص کا واقعی صاحبِ حاجت ہونا معلوم ہو یا یہ شخص اسکی حاجت کو معلوم کر کے اپنے گھر سے کچھ لے کر اس کے مکان پر پہنچا اور جا کر اس کو دے دیا اسکو کرم کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کریم بھی ہیں اور جو اد بھی ہیں زیادہ تر ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے کرم ہی ہے اسی طرح اہل اللہ کی طرف سے بھی زیادہ تر کرم ہی ہوتا ہے تو مرزا صاحب کا یہ کرم تھا کہ اصلاح فرمائی یہ بھی تو محبت ہی ہے کہ باپ بیٹے کو انجکشن لگوارہا ہے بلکہ آپریشن کر رہا ہے تاکہ پورا جسم محفوظ ہو جائے۔

مشائخ بھی کبھی کبھی آپریشن کرتے ہیں :

اسی طرح مشائخ بھی کبھی کبھی انجکشن لگاتے ہیں آپریشن کرتے ہیں اسکی معمولیت کے لئے جسکا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ دو خادم ایک شیخ کے پاس رہتے تھے شیخ نے ایک دفع ذکر کیا ارے بھائی، کھیر کھانے کو جی چاہ رہا ہے لیکن کھیر کہاں سے ملے نہ دودھ ہے نہ چاول ہیں نہ میٹھا ہے۔ ایک دن ہدیہ میں دودھ چاول اور میٹھا آ گیا، شیخ نے قبول کر لیا۔ مریدوں نے کہا حضرت اب تو کھیر کا سامان آ گیا ہے آپ کئی مرتبہ فرما چکے ہیں اب تو کھیر پکالیں، فرمایا ہاں پکالو۔ چنانچہ کھیر پکائی پک کر تیار ہو گئی رکابی میں نکالی جب کچھ ٹھنڈی ہوئی پیش خدمت کر کے عرض کیا کہ حضور کھیر حاضر ہے فرمایا

اچھا! اور کھیر چمچہ سے لے کر منہ تک لے آئے لیکن کھاتے نہیں کہ ہونٹ کے اوپر ناک ہے اور پھر ناک کے آگے دل کی ناک ہے۔ اس دل کی ناک سے کچھ بُو آئی خادموں نے کہا حضور آپ کی تو کھیر کھانے کی تمنا تھی پک کر پیش خدمت ہے، نوشِ جان نہیں فرماتے کھاتے نہیں؟ فرمایا کھاؤں کس طرح اس میں سے تو چوری کی بو آرہی ہے، عرض کیا حضرت! پکتے وقت ہم دونوں موجود تھے اور شروع سے آخر تک رہے کوئی اور تھا نہیں پھر چوری کیسے ہوگئی؟ فرمایا میں کیا کروں مجھے تو اس میں سے چوری کی بو آرہی ہے۔“

مادیات اور مجردات کا فرق :

فرمایا چوری کی بو آرہی ہے، ہمارے اندر تو مادیات ہیں مجردات سے تو ہم خالی ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو گرمی کا موسم تھا پیاس لگی پانی پینے کو جی چاہ رہا تھا ایک طالب علم اُٹھے اور مٹی کے کٹورے میں پانی لائے جب پیا تو فرمایا، اس میں تو مُردے کی بو ہے سب حیران ہو گئے کہ مُردے کی بو کہاں سے آرہی ہے۔ بعض طلبہ شوخِ چشم اور طباع ہوتے ہیں ایک طالب علم گمہار کے پاس گیا جو مٹی کے برتن بناتا تھا اور کہا ارے بھائی! تم نے ابلے جو برتن بنائے تھے اس کی مٹی کہاں سے لائے تھے۔ گمہار نے کہا تم کیوں پوچھتے ہو، طالب علم نے قصہ سنایا۔ گمہار نے کہا کہ کچھ برسات ہو رہی تھی مٹی ملتی نہیں تھی تو میں قبرستان چلا گیا رات کو وہاں سے مٹی لایا تھا اب کے اس مٹی کے برتن بنائے تھے۔ جب برتن بنائے تو دھوپ میں سوکھنے کے لئے رکھے اور دھوپ میں سوکھا کر پھر میں آ گیا، آگ میں پکے تھے، سب کچھ ہوا تھا مگر پھر بھی حضرت کو اس برتن میں مُردے کی بو آرہی تھی۔ یہ ہیں معنویات و مجردات اسی طرح شیخ فرما رہے ہیں کہ اس میں چوری کی بو آرہی ہے خدام نے کہا حضرت ہم

وہیں تھے پھر چوری کیسے ہوگئی؟

فرمایا جاؤ سوچو، دونوں بیٹھ کر سوچنے لگے سوچتے سوچتے ایک نے کہا بھائی ایسا تو ہوا تھا کہ جب ہم پکار رہے تھے تو دودھ کچھ اُبل کر اوپر آ رہا تھا تو میں نے اور تم نے اُس اُبلتے ہوئے دودھ کو چمچے میں لیکر پی لیا تھا، چلو عرض کر دیں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت! پکاتے ہوئے ایسا ایسا ہوا تھا۔ فرمایا یہی تو کہہ رہا ہوں کہ چوری کی بُو آرہی ہے یہ تصرف بلا اجازت پیر کو بھی نہ چھوڑا؟ اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا تھا.....؟ عرض کیا حضور غلطی ہوگئی درگزر فرما دیجیے۔ فرمایا اچھا یہ درگزر فرمائے جانے کی بات نہیں ہے جاؤ، دھوپ میں کھڑے ہو جاؤ، دھوپ میں کھڑے ہو گئے اب گرمی کا موسم تھا پسینہ آ کر ٹپک گیا، تو شیخ میں فطری ترمم ہے، لہذا شیخ کی جانب سے تلقین شروع ہو گئی بجائے تعلیم کے تلقین شروع ہوگئی۔

تعلیم و تلقین میں فرق :

نزع کے وقت مرنے والے کے پاس اتنے زور سے کلمہ پڑھنا شروع کر دے کہ اس کے کان میں آواز پہنچ جائے اور وہ بھی کلمہ پڑھنے لگے یا زبان حرکت نہ کر سکے تو دل میں کلمہ کا استحضار ہو جائے اسے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے یہ تلقین ہے اور اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا جائے یہ تعلیم ہے۔

اسی طرح وہاں شیخ نے دیکھا کہ پسینہ ٹپک رہا ہے تو تلقین کی کیا کہنا چاہتے ہو، کیا کہتے ہو؟ عرض کیا حضور غلطی ہوگئی آئندہ ایسا نہیں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فرمایا اچھا جاؤ آگے۔ اس کے بعد شیخ نے ایک مرید خادم سے کہا دیکھو بستی میں فلاں شخص فصد کھولنے والا ہے اُس کو بلا لاؤ۔ خادم گیا اور بلا کر لے آیا، شیخ نے فرمایا ارے بھائی!

آپ تو بڑے پرانے تجربہ کار ہیں دیکھو یہ زمین پر کچھ پانی سا گرا ہوا ہے تری سی ہو رہی ہے یہ تری سی کتنے پانی میں ہو سکتی ہے اس نے کہا حضور! پانی تو پھیل جاتا ہے گرا اور پھیل گیا تو یہ تری اتنے تولہ پانی میں ہو سکتی ہے فرمایا ”دیکھو یہ پانی نہیں ہے یہ میرے دو دوستوں کا پسینہ ہے جہاں ان کا یہ پسینہ گرا ہے میں اپنے جسم کا اتنا خون نکالوانا چاہتا ہوں مرید نے عرض کیا حضور آپ نے ہماری اصلاح کے لئے جس کے لئے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں ایسا کیا ہے فرمایا، ایسا نہیں ہو سکتا جہاں تمہارا پسینہ گرا ہے میں اپنا خون گراؤں گا۔“

آج کل دوست کہتا ہے ارے یار! خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آئے تو پھر تم مجھے دیکھنا جہاں تیرا پسینہ گرے گا وہاں میں اپنا خون گراؤں گا اور جب وقت آیا تو بھاگ گیا۔

دنیوی محبت کا واقعہ :

ایک شخص کا بیٹا تھا اس کی کسی سے دوستی ہو گئی رات کو دیر سے آنے لگا کافی روز اسی طرح ہو گئے تو باپ نے کہا بیٹا تم بہت دیر کر کے آتے ہو ایک دو دن کی بات ہو پانچ دس دن کی بات ہو تو خیر، کافی روز ہو گئے اتنی دیر سے کیوں آتے ہو؟ بیٹے نے کہا کہ میرا ایک دوست ہے ایسا ویسا میں وہاں چلا جاتا ہوں اس لئے دیر ہو جاتی ہے۔ باپ نے کہا: اوہو.....! میں تو سمجھا تھا کہ آج کل وہ دوست کہاں جو ہوا کرتے تھے معلوم ہوا کہ اب بھی ہیں۔ اچھا کل جاؤ تو مجھے بھی ساتھ لے چلنا، بیٹے نے کہا بہت اچھا۔ جب جانے کا وقت آیا تو باپ نے جاتے جاتے کافی دیر کر دی بیٹا تقاضا کر رہا ہے باپ ٹال رہا ہے۔ جب کافی دیر ہو گئی تو دونوں چلے، دوست کے دروازے پر پہنچے

کافی دیر ہو چکی تھی گنڈی لگائی جا چکی تھی بیٹے نے دستک دی آواز دی اندر سے آواز آئی کون ہے؟ اس نے کہا ارے یار! کیا کہتے ہو میں ہوں تمہارا دوست، وہ بولا اتنی دیر کے بعد آپ آئے ہیں میں سونے جا چکا تھا خیر گنڈی کھولی، بیٹے کو باپ نے کچھ سکھایا تھا کہ اس طرح کہنا۔ اس نے زبان کچھ کہنے کے لئے کھولی ہی تھی کہ دوست کہنے لگا میری آنکھوں میں نیند کا خمار ہے اچھا پھر دیکھا جائے گا اور گنڈی لگا کر چلا گیا۔ بیٹے کو بڑی حیرانی ہوئی باپ نے کہا میں نے کہا تھا نا کہ اس زمانہ میں ویسے دوست کہاں ہیں جو ہوا کرتے تھے۔ ہماری بھی کسی زمانہ میں دوستی تھی ہمارا بھی بڑھاپا آ گیا ان کا بھی بڑھاپا آ گیا بہت سالوں کا عرصہ ہو گیا ان سے ملے نہیں یوں جی چاہتا ہے کہ ذرا وہاں چلیں، بیٹے نے کہا بہت اچھا۔ چلے گئے دستک دی پھر نام لے کر آواز دی تو بولا آہا یار! بہت دنوں بعد تشریف لائے ہو بڑا جی خوش ہوا ابھی آتا ہوں۔

آواز سننے ہی پہچان گیا اور وہاں پوچھا جا رہا تھا کون ہے؟ پہلا فرق تو یہی ہوا پھر آیا تو اس بہتیت سے آیا کہ سر پر کھانے کی سینی رکھی ہوئی ہے سیدھے ہاتھ میں لاٹھی ہے، بائیں ہاتھ میں تھیلی لٹکی ہوئی ہے۔ بوڑھے باپ نے اپنے دوست سے پوچھا یہ کیا، اس بہتیت سے کیوں آئے ہو؟ بوڑھے دوست نے جواب دیا اس غیر مناسب وقت میں آئے ہو میں گھبرا گیا کہ میرے دوست پر کوئی مشکل پیش آئی ہے یا تو خدا نخواستہ کچھ فاقہ ہو گیا ہے تو یہ کھانہ سر پر رکھا ہوا ہے پہنچا دوں گا اور یا کسی دشمن سے جھگڑا ہو گیا ہے یا تو ہو گئے ہیں ہم بوڑھے مگر ایسی بھی کیا دوستی، دو ایک لاٹھی تو ہم بھی مار دیں گے یہ لاٹھی اس لئے لایا ہوں اور یا کوئی عزت یا ذلت کی بات پیش آئی کہ کسی کا قرضہ ہو گیا ہے تو یہ تھیلی روپوں کی حاضر ہے۔ میرے خیال میں یہ احتمال آیا،

اس لئے اس طرف آیا ہوں۔ بڑھے باپ نے کہا ارے میاں! خدائے تعالیٰ کا شکر ہے نہ فاقہ ہے نہ کہیں لڑائی ہے نہ کسی کا قرضہ ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے آپ کی محبت کا شکر یہ، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں۔

اپنے بیٹے کو کچھ دکھانا تھا کہ آج کل دوستی اور پرانے زمانے کی دوستی میں کیا امتیاز ہے؟ سلام و مصافحہ کر کے واپس آ گیا۔

واقعہ سنایا جا رہا تھا کہ شیخ نے کہا: ”جہاں تمہارا پسینہ گرا ہے میں اپنا خون گراؤں گا۔“

ترکیب مادّی جسمانی میں غیر مادی مجرد جعل مجعول کے درمیان جو جعل معنوی ہے اس مجعولیت کے حالات بتائے جا رہے ہیں کہ حرکت میں سکون کہ محرک بھی موجود، تحریک بھی موجود لیکن ”سکون“ کہ ہاتھ پاؤں ملتے ہی نہیں زبان ہلتی ہی نہیں، دل اور روح اپنی جگہ جو کہ مجردات میں سے ہیں انھیں بھی سکون ہے اور مجعولیت معنوی میں سکون ہے تو اتر مادی میں بھی سکون ہے کہ نہ اشتعال ہے نہ شعلہ ہے بلکہ سکون ہے دل و روح میں وقار ہے وقر سے توقیر ہے اور توقیر کا اثر تسکین ہے جب یہ مجعولیت باطنی حاصل ہوتی ہے تو جسم میں بھی جسم کے حالات میں بھی بجائے اشتعال کے سکون آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صدق و سچائی کے ساتھ حقیقت شناسی کے لئے حقائق کی معرفت کی طلب کی توفیق ارزانی سے نوازے۔ آمین۔





تیسویں مجلس

حقیقتِ مجاہدہ و ہجرت

۱۶ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۹۱ء بروز سہ شنبہ بوقت صبح
مقام جلال آباد ضلع مظفرنگر

جلوت و خلوت کے احساسات :

جلوت کے احساسات کچھ اور ہوتے ہیں اور خلوت کے احساسات کچھ اور ہوتے ہیں۔ اگر یہ بشر، بشر ہو کر توفیق الہی سے بے شر ہو گیا تو اس کے احساسات اور ہیں اور اگر یہ بشر باشر ہو گیا تو اس کے احساسات کچھ اور ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا: انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ۔

بشر کا بے شر ہونا کمال ہے :

تو ملائکہ کا بے شر ہونا کوئی ایسی کمال کی بات نہیں۔ کمال کی بات بشر ہو کر بے شر ہونا ہے جو کہ وہ اس بشر میں وجود حیوانی کے ساتھ با تمیاز عقل مستقیم و فہم سلیم رکھا ہے۔

انسان اور جانور احساسات حیوانی میں شریک ہیں :

ورنہ پھر اس بشر حیوانی میں اور غیر بشر حیوانی میں جس کو جانور کہتے ہیں کیا فرق ہے جو احساسات حیوان مطلق (جانور) میں رکھے ہوئے ہیں اس حیوان بشر میں بھی رکھے ہوئے ہیں۔ کھانے کا احساس، پینے کا احساس، سونے کا احساس، رنج کا احساس، خوشی کا احساس مختلف چیزوں کی طرف مختلف میلانات کا احساس، قوتِ غصبیہ کا احساس، قوتِ شہوانیہ کا احساس، نرو مادہ ہونے کا احساس، اولادیت کا احساس، پھر اولادیت کے ساتھ طبعی حیوانی کا احساس، محبت کا احساس، جدائی کا احساس، اسی طرح سوچتے چلے جاؤ۔

جیسے حیوان مطلق میں یہ احساسات ہیں کیا حیوانِ ناطق میں نہیں ہیں؟ وہاں حیوانِ مطلق ہے یہاں حیوانِ ناطق ہے۔

انسان اور حیوان میں وجہ امتیاز عقل مستقیم ہے :

اگر کوئی شخص پوچھے: مَا الْإِنْسَانُ (انسان کی حقیقت کیا ہے) تو اس سوال کے جواب میں جو پوری حقیقت و ہیئتِ کاملہ پوری ہے، حیوانِ ناطق کہا جائے گا اب اس میں امتیاز حیوانِ مطلق کے مقابلہ میں آگیا کہ جو احساسات حیوانِ مطلق کے تھے وہ اس میں ہیں مگر زیادتِ الفاظ پر دلالت کرتے ہیں زیادتِ معانی پر نہیں۔ وہاں حیوانِ مطلقاً ہے اور یہ حیوان مقید بقید ہے۔ لہذا احساس بھی مقید بقید امتیاز ہوں گے کہ جو احساسات اس حیوانِ مطلق میں ہیں وہ سارے احساسات اس حیوانِ ناطق بمعنی بشر میں ہیں لیکن اُن احساسات اور ان احساسات میں امتیاز لازمی ہے۔

وساوس پر پریشانی حیوانیت کا اثر ہے :

سنا ہے تجربہ کاروں سے کہ گھوڑا اپنے سایہ سے بھی بدکتا ہے تو ایسے ہی انسان بھی اپنے مخیلاتِ غیر اختیاریہ، اوہامِ غیر اختیاریہ اور وساوسِ غیر اختیاریہ سے بدکنے لگے تو حیوان ہے، جو چیزیں اپنے اختیار سے بالکل باہر ہیں ان باہر کی چیزوں سے جن کا نام وساوس و اوہام و مخیلات ہے (انسان بھی) بدکنے لگے پریشان ہوئے لگے تو اس بشر حیوانِ ناطق میں اور حیوانِ مطلق میں کیا فرق ہے؟ سُننے اور سمجھنے کے بعد بھی، پھر بے سمجھی، علم امتیازی کے بعد سمجھنا کہ ناطق ہے پھر بھی وساوسِ خیالات اوہام و خطرات کا ابتلاء، تو اس حیوانِ ناطق نے کیا سنا اور کیا سمجھا؟ جب وہیں کا وہیں رہا مثلاً بھینس کا بچہ جو ماں کے پاس بندھا ہوا تھا جس نے پال رکھا ہے وہ وہاں سے کھول کر پانی پلانے کے لئے نل کے پاس لایا گیا، ماں سے جدا ہو گیا اب بھینس چیخ رہی ہے احساس اس کو جدائی کا ہوا اسی طرح آدمی بھی ایسی جدائی پر چیخنے لگے تو پھر اس بھینس اور انسان میں کیا امتیاز ہوا، یہ ناطقیت سے تقریظ نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ اس حیوانِ ناطق کے کچھ حدود ہیں حیوانِ مطلق کے احساسات حدود سے باہر ہیں، حدود سے خارج ہیں!

یہ علم امتیازی ساری عمر کا علاج ہے جو وساوس دوڑتے رہتے ہیں اوہام چلے رہتے ہیں خیالات اُبلتے رہتے ہیں۔ خطرات میں ڈالنے والے آتے رہتے ہیں یہ اُن کی ساری عمر کا علاج ہے تو کیا اب بھی اوہام، خیالات و وساوس اور خطرات کے ساتھ خلط ہونا چاہیے، یہ بات بتوفیقِ الہی متعدد بار عرض کی جا چکی ہے اور جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ چیزیں جو امورِ غیر اختیاریہ سے متعلق ہیں وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہیں تو

اس بشر مخلوق کو جو حیوانِ ناطق ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ الست برکم قالو بلی میں ہوا ہے تو پھر اس کو تعلق مع الخالق ہونا چاہیے، علاقہ اُس خالق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تو معلوم ہوا کہ بالخصوص ایسی مخلوق جو اپنے امورِ اختیار یہ سے باہر ہے اس سے انقطاع اور اس خالق کے ساتھ تعلقِ قطعی ضروری ہے، وہاں انقطاع ہے اور یہاں تعلقِ قطعیت کے ساتھ ہے۔

وساوس کا علاج کلیۃً بے التفاتی ہے :

کیا پھر بھی وساوس و خیالات کی طرف اور خطرات کی طرف سے جو خطرہ ہے سلوک کے لئے التفات ہرگز نہیں ہونا چاہئے، بس علاج ہو گیا کلیۃً یکسوئی آگئی، اور اگر نہیں ہوا تو جیسے کہ پہلے ان چیزوں سے سوئیاں چبھ رہی تھیں اب بھی سوئیاں چبھتی رہیں گی۔

وساوس باطنی سوئیاں ہیں :

جیسے پہلے ان اوہام میں سوئیاں چبھتی رہیں اب بھی سوئیاں چبھتی رہیں گی تو یکسوئی کہاں ہے پھر ایک تو سوئی کا چبھنا کسی دوسرے کی طرف سے ہو اور ایک خود اپنے اندر سوئی چبھوانا کہ ان وساوس کی سوئیوں کو التفات کر کے خود اپنے اندر چبھوانا کہ ان وساوس کی سوئیوں کو التفات کر کے خود اپنے اندر چبھارہا ہے تو یہ حیوانِ ناطق ہوایا حیوانِ مطلق کہ خود سوئی اپنے اندر چبھوارہا ہے، خدا کرے کہ ہماری سمجھ میں آجائے۔

پریشانی کا سبب خود رائی ہے :

سالک خود سوئی چبھوارہا ہے اس لئے کہ اس میں ابھی خود رائی ہے، اعتقاد

اپنے پر ہونہ کہ مصلح پر۔

خود رائی شرک فی الطریق ہے :

اور یہ خود رائی خودی ہے بلکہ ایسی خود رائی گویا خدائی ہے اور خدائی شرک ہے لہذا خود رائی، خودی میں بتلاء ہونا شرک ہے ترتیب مقدمات سے نتیجہ نکال لیجئے ابھی ہم شرک کو بھی نہیں سمجھے، یہ بھی گویا کہ شرک ہے سالک میں۔ تو ایسی چیزیں جو متعلق بامور غیر اختیار یہ ہیں ان سب سے یکسو ہو جاؤ جس کو انقطاع اور جمعیت خاطر کہتے ہیں تو تمام خطرات سے خالی الحاطر ہو کر رہے خاطر جس کے معنی دل میں اس دل کی جمعیت ذات حق کے ساتھ رہے جس نے امور غیر اختیار یہ کو ہر طرف سے اٹھالیا ہے یعنی اس پر مواخذہ نہ ہوگا، تو آدھا سلوک تو طے ہو گیا۔ اب آدھا سلوک باقی رہ گیا کہ جن تھوڑے سے امور غیر اختیار یہ کا مکلف تھا تو وہ رہ گئے وہ احساسات جو حیوانی قسم کے تھے وہ سب ختم ہو گئے خطرات سے نکل گیا اور جو امور غیر اختیار یہ ہیں وہ خطرہ سے صاف ہیں ان میں جو ماً مور بھا ہیں ان کو بجالائے اور جو منہی عنہا ہیں ان سے اجتناب کرے تو با متثال ماً مور بھا اور اجتناب منہی عنہا یہ بشر با شر بے شر ہو گیا۔

یہ ہے امتیاز بشر اور ملائکہ کے درمیان کہ با شر ہو کر بے شر ہو گیا اور یہی ہے اس بشر کا کمال۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی تو یہی فرمایا ہے: **إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** لیکن اس کے ساتھ قید لگا دی، **يُوحَىٰ إِلَيْهِ** ہاں میرا ایک امتیاز ہے اور وہ یہ کہ مجھ پر وحی آ جاتی ہے جو کہ علم حقیقی ہے بشر ہونے کی حیثیت سے تو جیسے آپ لوگ بشر ہیں میں بھی ایک بشر ہوں "انما" حصر کے لئے آتا ہے میں بشر ہی تو ہوں اور آپ ﷺ سے کوئی بشر کی نفی کرے تو قطعیت کا انکار ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم اجسام میں بشر اور ابتدائے خلق میں نور ہیں:

یہ الگ بات ہے کہ اس عالم اجسام جس کو دنیا کہتے ہیں آپ اپنے کو بایں جسم بشر فرما رہے ہیں لیکن ابتدائے خلق میں آپ ﷺ کیا تھے اس کو آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں بیان فرمایا کہ اول خلق میں اُس خالق کی طرف سے میں ”نور“ تھا سیر کی روایت بالمعنی ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری پھر وہ نور تقسیم ہوا، حضرت والا نے بھی نَشْرُ الطَّيِّبِ میں رسول پاک ﷺ کے لئے نور کا لفظ استعمال کیا ہے، تو کیا ہماری طرف سے انکار نور ہوا.....؟ نہیں بلکہ اقرار نور ہوا باعتقاد صحیح، پھر اُس نور کا نام نور ذات باری تعالیٰ نے اس عالم میں ”لباس جسم“ بشر رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی نقلی و عقلی دلیل :

وہ جو اول خلق میں نور تھا جب اس جسم میں جسم بشر ظاہر ہوا تو انہوں نے خود فرمایا : اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ میں تو بشر ہی ہوں۔ ہم آپ ﷺ ہی کے فرمانے پر آپ ﷺ کو بشر کہہ رہے ہیں کیا اس سے نور کا انکار ہوا؟ ہرگز نہیں۔ یہ ہے حقیقی ایمان کہ آپ ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی، کیونکہ بشر میں جو احساسات ہوتے ہیں حیوانی اطلاق سے الگ ہو کر تو کیا حضور ﷺ میں وہ احساسات نہیں تھے؟ بھوک کا احساس نہیں تھا، مرض کا احساس نہیں تھا صحت کا احساس نہیں تھا، رنج کا احساس نہیں تھا، میلانی احساس نہیں تھا کیا اولاد نہیں تھی؟ یہ تمام احساسات تھے تو یہ احساسات جسم کے ساتھ ہیں ملائکہ میں یہ احساسات نہیں ہیں اس لئے کہ ملائکہ کے لئے ایسا جسم نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو جسم دیا گیا تو یہ احساسات بھی دئے گئے جو خاصہ بشر ہیں اور امتیازی ہیں۔

رنج و تکلیف کا احساس بھی بحمدِ شرعِ سنت ہے :

یہ احساسات بھی مشابہہ احساساتِ رسولِ پاک ﷺ ہیں یہ احساسات بھی مشابہہ **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝** کے ہیں۔ تو سالک کو یہ احساسات بھی باسوءہ حسنہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور جب کوئی کام باسوءہ رسول اللہ ﷺ ہوگا تو عبادت ہوگی، تو یہ احساسات بھی عبادت ہو گئے اور ہر عبادت پر ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے تو ایسے احساسات پر بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ احساسات خلافِ طبعِ بمشابہہ اسوءہ حسنہ متعلق بالصبر ہیں اور جو متعلق بالصبر ہیں اس کے موصوف کو اللہ تعالیٰ کیساتھ معیتِ حال ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اس صابر سے خوش ہیں ”یہ راضیہ بھی ہے مرصیۃ بھی ہے“۔

بشر وہ ہے جو باسوءہ رسول اللہ ﷺ اور باسوءہ ذاتِ باری تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی صبور ہے، صبر و ضبط سے کام لے۔ ایسا بشر حیوانیت سے جس کی تعبیر نفسانیت کیساتھ ہے اس سے نکل گیا اس میں روحانیت آگئی وہ خلافِ طبع پر کیا قدم بڑھائے گا، یہ بشر ہے صحیح معنی میں۔

شرکی بات پیش آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا :

اگر کبھی شرکی بات خلافِ طبع پر آجائے تو یوں کہہ دے جیسے حضور ﷺ فرمایا تھا: **إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَذِيْتَهُ أَوْ شِمْتَهُ أَوْ جَدَدْتُهُ أَوْ لَعْنْتُهُ عَلَهَا لَهُ صَلَوةٌ وَزَكَاةٌ وَقُرْبَةٌ تَقْرِبُهُ إِلَيْكَ**۔ (مناجاتِ مقبول۔ ص۔ ۴۲)

کہ میں بھی ایک بشر ہوں، ہو سکتا ہے خلافِ طبع پر کوئی شرکی بات پیش آجائے تو اس شر کو مبدل بخیر فرما دینا اس شر کو اس کے لئے صَلَوة (رحمت) بنا دینا

اور پاکی بنا دینا اور ذریعہ نثر ب بنا دینا کہ اس سے اس کو تقرب حاصل ہو جائے، اس پر آپ کی طرف سے رحمت نازل ہو جائے۔ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ بشر میں خلاف طبع پر اثر آسکتا ہے لیکن وہ اثر اس درجہ مغلوب ہو کہ بشر میں خلاف طبع بات پر شرکی طرف اقدام نہ ہو بلکہ شر کو مبدل بخیر کر دے، اب چاہے وہ خلاف طبع بات بیوی کی طرف سے پیش آجائے جو آتی رہتی ہے اولاد کی طرف سے پیش آجائے۔ نوکر کی طرف سے پیش آجائے وغیرہ وغیرہ تو اے اللہ مجھ بشر کو بھی اسی طرح رکھنا جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں بھی بتقاضائے بشر کچھ کہہ دوں تو اس کے لئے وہ نافع بن جائے یعنی مبدل بخیر ہو جائے اور جب اپنوں کی طرف سے خلاف طبع پیش آنے پر یہ دعاء ہے تو جو اپنائیت نہیں رکھتے، غیر ہیں ان کی طرف سے کوئی خلاف طبع بات پیش آجائے تو بطریق اولیٰ یہ دعاء ہے کہ نفس ہماری سواری ہے اس پر قابو ہو۔

جہادِ اکبر جہادِ بالنفس ہے :

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام جہادِ کفار سے لوٹے تو آپ ﷺ نے حوصلہ افزائی فرمائی اور ہماری طرف متوجہ ہو کر انتقالِ دہنی کے لئے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جب جہادِ کفار جہادِ اصغر ہے تو جہادِ اکبر کیا ہے؟ تو اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث میں ارشاد ہے فرمایا: آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ**۔ حضور ﷺ جہادِ نفسی فرما رہے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حقیقی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے یعنی جس نفس میں خیر کے مقابل شر رکھا ہوا ہے اس کو زیر کرنے کے لئے اس پر قابو پانے کے لئے پورا ماتحت بنانے

کے لئے اس کا پورا مقابلہ کر رہا ہے، یہ ہے جہادِ اکبر۔

ہجرتِ حقیقی منہیات کو چھوڑنا ہے :

ظاہر میں تو ہجرت اسے سمجھا جاتا ہے کہ گھر بار چھوڑ کر اللہ کے لئے ترکِ وطن کیا جائے جیسا کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی گئی تھی۔ ظاہری ہجرت تو یہی ہے اور صحابہؓ اس ہجرت کے ساتھ موصوف بھی تھے کہ انہوں نے مکہ معظمہ میں اپنا تمام مال گھر بار چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ حَقِيقِي مِهَاجِرُوهُ** ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے۔

ہجرتِ صورت و حقیقتا :

ایک ہجرتِ صورت ہے اور ایک حقیقتا اگر حقیقتِ ہجرت کسی میں نہیں تو وہ صورت بھی ہجرت نہیں کر سکتا۔ تیرہ سالہ ملکی زندگی میں نفس کی مخالفت کرتے کرتے صحابہؓ سے شرکی چیزیں نکل گئیں تھیں نفس کی بیماریوں کو چھوڑتے رہنے میں حقیقتاً مجاہدہ بھی کرتے رہے اور مہاجر بھی بنتے رہے۔ تو اب یہ صورتی ہجرت اس معنوی ہجرت پر متفرع ہوگئی۔ تو پہلے صحابہؓ مہاجر اور مجاہد معنوی طور پر بنے تب ہجرت و جہادِ صورتی ظہور میں آیا۔

نفس کی مثال مرعوبِ اُلمدھے جیسی ہے :

مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے؛ فرمایا ایک سپیرا تھا ”سانپوں کے تماشے والا“ وہ بڑا صاحبِ فن تھا سانپوں کے رہنے کی جگہ چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک

سانپ بڑا لمبا چوڑا جسکو اجدھا کہتے ہیں مرا ہوا پڑا ہے اس نے اٹھا لیا اور جھولی میں ڈال لیا بڑا خوش ہوا، بستی میں آیا جھولی سے اجدھا نکال کر زمین پر ڈال دیا لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے کہ ایسا سانپ تو کبھی نہیں دیکھا، اجدھا لمبا چوڑا موٹا زمین پر پڑا ہوا ہے سپیرا بین بجا رہا ہے لوگ بھی بے فکر تماشہ دیکھ رہے ہیں، مخلوق جمع ہو گئی۔ سورج نکل کر اپنی توانائی پر آ کر میدان میں پھیل گیا اس اجدھا پر بھی دھوب پڑنے لگی جو اجدھا مرا ہوا معلوم ہو رہا تھا دھوپ کی تمازت سے وہ حرکت کرنے لگا کیونکہ وہ سردی سے مر اسسا ہو گیا تھا، دھوپ کی تمازت اس کے لئے محرک بنی اس لئے اس میں حرکت آ گئی اب جوں جوں حرکت آتی گئی لوگ خوفزدہ ہونے لگے اس نے دیکھا کہ چاروں طرف میرے دشمن مجھے گرفتار کرنے کے لئے کھڑے ہیں بس اجدھا ایک حرکت سے کھڑا ہوا اور جھومنے لگا۔ یہ حال دیکھ کر تمام مخلوق بھاگی، یہ صاحب فن بھی گھبرا گیا کہ جھولی اٹھانا مشکل پڑ گئی یہ بھی بھاگا اور مخلوق ایک دوسرے پر گرتی پڑتی مستغرق ہو گئی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا روم نے اس حکایت کو بیان کر کے فرمایا کہ نفس کی مثال اجدھا کی طرح ہے وہ معدوم اور مردہ نہیں ہے دباؤ میں آ گیا ہے مرعوب ہو گیا ہے مغلوب ہو گیا ہے کیونکہ اس کی فطرت شرکی ہے داؤ لگائے ہوئے ہے جب کبھی غافل دیکھے گا فوراً ڈنک مارنے کی کوشش کرے گا۔

سائیک کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہئے :

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا۔ اصْبِرُوا اور صَابِرُوا کے بعد رَابِطُوا فرمایا کہ اے مجاہدین! اگر جہاد کا موقع نہیں رہا تو دیکھو اپنی سرحد کی حفاظت کو مت بھولنا اس کو چاروں طرف سے

مضبوط رکھنا کہ فوج سے سرحد خالی نہ رہے نہ معلوم تمہاری اس غفلت کو دیکھ کر دشمن سرحد کے کس کنارے سے اندر پہنچنے کی کوشش کرے۔ لہذا اے مہاجرین حقیقی ہجرت نفس اور اے مجاہدین حقیقی جہادِ نفس تم بھی مرابطہ یعنی اپنی سرحد کو قوی رکھنا بے فکر مت ہونا ہجرت اور مجاہدہ سے نفس، دشمنِ سرّی اگر مبدل بخیر ہو جائے تو کبھی اس کے شر سے مأمون مت ہونا ہمیشہ ہمیشہ با فکر رہنا گو اس درجہ کی فکر نہیں جیسی ہجرت اور مجاہدہ سے پہلے تھی کیونکہ فضلِ الہی سے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ کی رو سے تم حوصلہ اور ہمت کی وجہ سے اس کا سر دبا دو گے۔

نفس کو سرزنش کرنے کا واقعہ :

حضرت شبلیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید و خلیفہ جن کا نفس مغلوب و مرعوب ہو گیا تھا دب گیا تھا ایک مرتبہ سر اٹھانے لگا کہ میں تو حلوہ کھاؤں گا۔ نفس اپنے داؤ پر ہے بیٹھے کا تقاضا کیا۔ حضرت شبلیؒ نے یہ نہیں کہا کہ حلوہ کھاؤ، نفس سے کہا ارے کہاں سے حلوہ کھاؤں۔ مؤمن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے تو سالک اپنے آپ کو ذلیل کرے یہ کہاں درست ہے؟ سوال کرے تو ذلت ہے قرض مانگے تو ذلت ہے۔ ان سب سے ہٹ کر جسمانی محنت سے حاصل کرے یہ عزت ہے۔

الغرض حضرت شبلیؒ کے نفس نے پھر تقاضا کیا انھوں نے سوچا اوہو! یہ تو سر اٹھانے لگا مجھ پر قابض نہ ہو جائے، اس کو سزا دینی چاہئے۔ تھے بیچارے سفر میں دیکھا کہ ایک کاشتکار کا ہرٹ چل رہا ہے اس میں اُونٹ جتا ہوا ہے۔ حضرت شبلیؒ نے کاشتکار سے کہا ارے بھائی! یہ اُونٹ بیچارہ تھک گیا ہوگا مجھے رحم سا آ رہا ہے لہذا اس اُونٹ کو تم کھول دو اور اس کی جگہ مجھے لگا دو۔

اب سے غروبِ آفتاب تک کی مزدوری مجھے دے دینا یہ بیچارہ آرام کر لے گا، مالک نے اُونٹ کھول دیا اور یہ لگ گئے۔ پہلے لوگ ایسے ہی قوی تھے جب غروبِ آفتاب ہوا تو کاشتکار نے ان کو چھوڑ دیا اور پیسے دیدئے۔ پیسے لے کر بستی میں گئے اور وہاں جا کر حلوہ خریدہ، حلوہ لے کر بستی سے باہر کنارہ پر پوشیدہ جگہ پر گئے کہ کھانا پینا کسی کے سامنے مناسب نہیں۔ راستہ میں کھاتا ہوا نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ انسان ہے جانور نہیں راستہ میں کھانا پینا جانور کا کام ہے الغرض حضرت شبلی کسی کونہ میں گئے اور نفس صاحب کے سامنے حلوہ رکھ کر کہنے لگے لو میری جان حلوہ آ گیا حلوہ کھا لو۔

تو نفس نے کہا! حضور مجھ سے غلطی ہوگئی میں سمجھا تھا کہ مجاہدہ کو کافی عرصہ ہو گیا کچھ غفلت سی آگئی ہوگی۔ اس لئے میں اُچھل پڑا اپنا داؤ چلایا مگر آپ تو بڑے بیدار ہیں بے فکر نہیں نکلے، میری چال اور چالاکی کو معاف کریں۔ اب تو میں نے کچھ عرض کر دیا، کر دیا میں ہاتھ جوڑتا ہوں آئندہ پھر اپنی عرضداشت پیش نہیں کروں گا۔ اس دشمنِ نفس سے مجاہدہ اور جہاد کے بعد بیداری..... ضروری ہے، تو جو نفس کے مقابل شر اور اس کے مبدل بخیر ہونے کے لئے کھڑا ہے وہ مہاجر ہے، مجاہد ہے؛۔





اکیسویں مجلس

مجلس شیخ سے بتجلیل استفادہ کا طریقہ

۷ ارمان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح
مقام جلال آباد مظفرنگر

وضوء طہارت کی ضیافت ہے :

طالب علم کو ہر وقت با وضوء رہنا چاہیے جو طالب علم با وضوء رہتا ہے وہ
طہارت کی ضیافت کر رہا ہے اور ضیف مہمان کی جتنی اچھی ضیافت ہو وہ اتنا ہی خوش
ہوتا ہے تو وضوء بھی خوش اور وضوء کرنے والا بھی خوش۔

رسول اللہ ﷺ کا استحضار موت :

ایک مرتبہ حضور رسول پاک ﷺ فراغ البول کے بعد تیمم فرمانے لگے۔ بعض
صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہاں قریب ہی سامنے پانی ہے وہاں وضوء ہو جائے گا اللہ
اکبر آپ ﷺ نے کیا فرمایا کہ وہاں تک نہ پہنچوں اور روح بلا طہارت نکل جائے۔ رسول
اللہ ﷺ طہارت کا کس قدر اہتمام فرما رہے ہیں پانی پر پہنچنے سے پہلے ہی تیمم فرما

رہے ہیں حالانکہ نبی و رسول کی روح بلا اجازت نہیں نکالی جاسکتی، فرشتہ آ کر پہلے اجازت لیتا ہے کہ حضور! اللہ نے بھیجا ہے اگر اجازت ہو تو روح نکال لوں؟ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ کیا عجب ہے کہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی روح نکل جائے۔ یہ ہے عمل کا اہتمام اور شریعت کی پاسداری حالانکہ آپ ﷺ کی ہر چیز با وضو ضیائی روشنی سے پُر اور نور علی نور ہے۔ چنانچہ آپ دعاء فرمایا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَاجْعَلْ فِي عَصَبِي نُورًا وَفِي لَحْيِي نُورًا وَفِي دَمِي نُورًا وَفِي شَعْرِي نُورًا وَفِي بَشْرِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا۔ (مُنَاجَاتِ مَقْبُول۔ ص۔ ۲۷)

اے اللہ! میرے دل میں نور فرما دیجئے اور میری آنکھ میں نور فرما دیجئے اور میرے کان میں نور فرما دیجئے اور میرے پٹھے میں نور فرما دیجئے اور میرے گوشت میں نور فرما دیجئے اور خون میں نور فرما دیجئے، میرے بال میں نور فرما دیجئے میری کھا میں نور فرما دیجئے اور میری زبان میں نور فرما دیجئے۔

لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ با طہارت رہا کرتے تھے تو کوئی وجہ ہے کہ آپ ﷺ با وضو رہتے تھے۔

ایک طالب علمانہ شبہ اور اس کا جواب :

یہاں ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نور ہیں تو پھر اپنے اعضاء میں نور ہونے کی دعاء کیوں فرماتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ طلبِ زیادت کے لئے فرماتے تھے تاکہ دعاء سے نور میں اور زیادتی ہو۔

فضائلِ بلا علم و عمل حاصل نہیں ہوتے :

فضائل تو پڑھ لئے مگر کیا فضیلتِ بلا علم مسائل اور عمل حاصل ہو جائے گی؟
 فضیلت حاصل ہونے کے لئے علمِ مسائل اور عمل ضروری ہے۔ ایک صاحب ملنے کے لئے آئے تو انکے متعلق معلوم ہوا کہ آج ان کا روزہ ہے، عید کا دن اور روزہ۔ اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اُن سے کہا گیا کہ عید کے دن روزہ حرام ہے یہ سن کر ان کی آنکھ کھل گئی اور پھر پانی منگوا کر پہلے خود اُن کے سامنے پانی پیا گیا اور پھر اُن کو پلایا گیا، اس طرح روزہ ختم ہوا۔ تو بلا مسائل جانے فضیلت حاصل کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حرام کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اس لئے فضائل کے ساتھ مسائل کا جاننا ضروری ہے تاکہ علمِ مسائل سے عمل صحیح ہو اور عمل صحیح سے فضیلت حاصل ہو۔

مشکوٰۃ شریف سے پہلے ہدایہ، شرح وقایہ، کنز وغیرہ میں عباداتی اور معاملاتی مسائل آتے ہیں۔ لیکن جب مشکوٰۃ شریف ہاتھ میں آئی تو فضائل کا بیان شروع ہو جاتا ہے۔ تو ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے اعمال کی ضرورت ہے اگر عمل کی فضیلت پڑھ لینے کے باوجود بھی عمل کا جزبہ پیدا نہیں ہوا تو علم برائے معلومات ہے۔ علم حقیقی وہ ہے جو مقارن بالعمل ہو یہی معنی ہیں علم کے نافع ہونے کے کہ وہ مقارن بالعمل ہے اصل تو تقاضائے ایمان یہ ہے کہ مؤمن با وضوء رہے۔

مراقبہ، مشاہدہ، معائنہ کی حقیقت :

شیخ کا ادب یہ ہے کہ اس کے چہرہ پر بلا وضوء نظر نہ پڑے تو مشاہدہ رب میں بلا وضوء نظر کیسی؟ بمراقبہ، مشاہدہ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں یعنی سوال

جبرائیل میں ہے: مَا الْإِحْسَانُ، احسان کیا ہے جواب دیا گیا: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا تو دیکھ رہا ہے یہ کامل معائنہ ہے۔ اور اگر ابھی ایسا نہیں فَاِنْ لَمْ تُكُنْ تَرَاهُ تُوْفَانَهُ يَرَاكَ تُوْضُرُورُهُ يَعْنِي يَقِينًا وَهُ تُوْتَجُّهُ دِيكُوه رِهَاهُ، یہ مراقبہ ہے، مراقبہ کرتے کرتے مشاہدہ ہو جاتا ہے اور مشاہدہ ترقی کر کے معائنہ بن جاتا ہے۔

تو مراقبہ بمشاہدہ معائنہ بن جاتا ہے اور معائنہ عین سے ہے گویا کہ عین (آنکھ) سے دیکھ رہا ہے پھر بلا وضوء کیسے رہے؟

نیز قرآن پاک میں ہے: وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبِكُمْ وَاَمْثُوَاكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی تمہارے باہر چلنے پھرنے اور گھر میں رہنے سہنے کو جانتا ہے۔ جب اللہ ہمارے چلنے پھرنے اور گھر میں رہنے سہنے کو دیکھ رہے ہیں تو یہ چلنا پھرنا عبادت ہونا چاہئے اور عبادت بلا وضوء کیسی؟ لہذا جب گھر میں رہو یا گھر سے باہر نکلو تو با وضوء ہو۔

سفر کرنے سے پہلے نوافل سفر پڑھ لینا چاہئے :

اور اگر لمبا سفر ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر نکلو، کیا خبر ہے باہر جا کر لوٹ کر بھی آؤ گے یا نہیں بالخصوص آجکل کے دور میں کہ ریل، بس، ہوائی جہاز کے حوادث کثرت سے ہو رہے ہیں گھر والے بھی دعاء کر رہے ہیں کہ خیریت سے لوٹ کر آئے۔ تو جب انسان خطرات سے گھرا ہوا ہے تو با وضوء رہنا چاہیے رفتار بھی با وضوء اور گفتار بھی با وضوء۔

یاد دہانی کرتے رہنا شیخ کے فرائض سے ہے :

الدِّينُ النَّصِيحَةُ کہ دین نام ہے نصیحت کا اور مبتدأ خبر دونوں معرفہ ہیں

اور جب دونوں معرفہ ہوں تو ہر ایک کا دوسرے پر حمل صحیح ہوتا ہے تو دین ہوا نصیحت اور نصیحت ہوئی دین۔ اور حدیث کی رو سے نصیحت بھی دین ہے اور دین عبادت ہے تو نصیحت بھی عبادت ہے تو جہاں تک ہو سکے نصیحت جو لسانی عمل ہے وہ بھی با وضو ہو تو یاد دہانی نصیحت ہے یہ بھی ایک قسم کی ذمہ داری ہے۔

خیر خواہی پہلے اپنے لئے ہے :

نصیحت کے معنی فارسی زبان میں خیر خواہی، اُردو میں معنی کسی کے لئے خیر چاہنا جب کسی کے لئے خیر چاہنا دین ہے تو اپنی ذات کے لئے خیر کا نہ چاہنا یہ کیسے صحیح ہوگا؟ ارشادِ نبوی ہے۔ **إِنَّ النَّفْسَ عَلَيْكَ حَقًّا** کہ تمہارے نفس کے لئے تم پر حق ہے۔ اپنے لئے خیر کا چاہنا پہلے ہے عباداتِ متعدّدہ یعنی جن میں دوسروں کو نفع پہنچایا جائے کی اُس وقت اجازت ہے جبکہ اپنی عباداتِ ذاتیہ سے غفلت نہ ہو۔ اولاً ذاتی عبادت ہے تو پہلے اپنے کو نصیحت کرو پھر دوسروں کو، جب کوئی اپنے لئے خیر خواہ نہیں ہے تو بھلا دوسروں کے لئے کیا خیر خواہ ہوگا اگر ہوگا تو وقتی خیر خواہی ہوگی اور وہ بھی کسی مصلحتِ ذاتی کی وجہ سے ہوگی۔

سلوک میں اوّل مقام فنا ہے :

سلوک میں اوّل مقام فنا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت والا علاج کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت والا جہاں تشریف رکھتے تھے چاہے ریل کے ڈبے میں کیوں نہ ہو مجلس شروع ہو جاتی تھی۔ کچھ ساتھی ہمراہ ہوتے تھے۔ حضرت کے پاس آکر بیٹھ جاتے تھے بس ملفوظات شروع ہو جاتے تھے اسی دستور کے موافق لکھنؤ میں بھی مجلس ہوتی تھی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی لکھنؤی جو بڑے عالم تھے فلسفی

تھے۔ ان کے صاحبزادے بھی مجلس میں موجود تھے وہ بھی صاحب علم تھے۔ حضرت والا ارشاد فرما رہے تھے کہ میرے ہاں سلوک کا اوّل قدم فنا ہے؛ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو سنا ہے اور لکھا ہوا بھی دیکھا ہے کہ آخری قدم فنا ہے۔ فرمایا ہاں! ٹھیک ہے لیکن میرے ہاں تو اوّل قدم فنا ہے اس پر بات ختم ہوگئی۔

احقر کہتا ہے کہ حضرت کا یہ ارشاد برحق ہے۔ اوّل قدم تھا اور آگے بھی قدم ہوگا تو دونوں قدموں کے درمیان فنا ہی ہوگا۔ ہاں اوّل فنا کے بعد کچھ موجود ہے لیکن یہ وجود، وجودِ باری تعالیٰ کے سامنے فنا ہے۔ مثلاً جگنو، شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ کسی نے جگنو سے پوچھا تم دن میں نظر نہیں آتے اور جہاں رات ہوئی چمکنے لگتے ہو، دن میں کہاں رہتے ہو۔ جگنو نے کہا.....

من روز و شب جز بہ صحرانیم دے پیش خورشید پیدا نیم

جگنو نے کہا میں یہیں رہتا ہوں لیکن جب خورشید (سورج) تشریف لاتے ہیں تو میں غیر موجود ہو جاتا ہوں۔ جگنو سے سبق لے لو، جگنو کہہ رہا ہے کہ یہیں رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے ناپید، فنا ہو جاتا ہوں۔ جگنو کی سورج کے سامنے اپنے وجود پر نظر نہیں تو ”وجود ذاتِ وجوبی“ کے سامنے بمشاہدہ و معائنہ سالک کا وجود کہاں ہے؟ سالک بھی باری تعالیٰ کے وجود کے سامنے معدوم ہو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے ”وَحَدَّةُ الْوُجُودِ“ اور کسی نے کہا ”وَحَدَّةُ الشُّهُودِ“ معنی ایک ہیں وَحَدَّةُ الْوُجُودِ کے قائل شیخ ابن عربی اور وَحَدَّةُ الشُّهُودِ کے قائل مجدّد الف ثانی ہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ حقیقی وجود ذاتِ باری تعالیٰ ایک ہی ہے لیکن اس کے عطا کرنے سے ممکن کو بھی وجود عطا ہو گیا مگر اس عطا پر نظر اور اپنے کو موجود سمجھنا یہ خطا ہے اور باستحضار فنا عطا ہے۔

یہ سلوک کے باریک مسائل ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ باریک نہیں موٹے موٹے مسائل ہیں۔ باریک میں تو بار ہو جائے گا۔ جب یہ علم تو فوق الہی سے بار بار حاصل ہو جائے گا کہ اپنے کو موجود سمجھنا خطا ہے باریک کا بار آ گیا بلکہ اپنے وجود پر نظر کا ہونا بار پڑ گیا۔ کم از کم - وَحَدَّةُ الْوَجُودِ کا اجمالی علم تو ہو جائے ہر قسم کی طبیعتوں کے ظالین صادقین ہوتے ہیں کیا عجب ہے کہ بعض ایسے بھی ہوں کہ ابھی ابھی ان میں فنایت آگئی ہو۔ حقیقتاً بقاء تو وہاں ہے جہاں پھر فنا نہ ہو اور جو دو فناؤں کے درمیان ہے وہ باقی کہاں ہے، وہ توفانی ہے۔

سلوک جو کہ جُزْءِ اعْظَمِ ہے شریعت کا بلا اس کے شریعت کامل نہیں۔ ایک نفس شریعت ہے اور ایک شریعتِ کاملہ ہے، تو شریعت کے کامل ہونے کی سعی کرنا ضروری ہے۔ جب سلوک میں آیا ہے تو مجاہد ہو گیا ہے مہاجر ہو گیا ہے تو پھر وہ شریعت کا جُزْءِ اعْظَمِ ”سلوک“ کہاں چلا گیا جب ہجرت بھی ہو گئی اور بمساعی جہاد بھی ہو گیا پھر سہل الحُصُولِ کہاں رہا بلکہ حصول رہ گیا کہ شریعت کو حاصل کرتے رہو اور شریعت کا حاصل کرتے رہنا عبادت ہے تو سالک تو ہمہ وقت عبادت میں ہے اور عبادت بطہارت ہے، لہذا سالک کو ہمہ وقت بطہارت ہونا چاہیے کہ شیخ کے مبارک چہرہ پر بھی بلا ضونظر نہ پڑے، فنا فی الشیخ ہو گیا جب فنا فی الشیخ ہو گیا تو پھر آگے فنا سے کون مانع ہے اَللّٰهُمَّ زِدْ فِدْدِ پھر فنا فی الرسول ﷺ ہے اَللّٰهُمَّ زِدْ فِدْدِ پھر فنا فی اللہ ہے جو اصل مقصود ہے۔ جب فنا ہی فنا ہے تو پھر بقا پر نظر کیسی؟ بلکہ اپنی نظر فنا کی ہو اور اللہ پر نظر بقا کی ہو۔

حضرت والا اور متقدمین کے کلام میں تطبیق :

حاصل یہ کہ حضرت والا نے جو فرمایا کہ ”میرے یہاں تو اول قدم فنا ہے“

اس سے فنا فی الشیخ مراد ہے اس کے ساتھ سلوک پر اقدام کرنے سے سلوک سہل ہو جائے گا طبیعت فنایت کی بنتی چلی جائے گی تو شریعت کے سارے احکام طبیعت بن جائیں گے۔ جب شریعت طبیعت بن جائے تو با وضوء رہنا بھی طبیعت بن جائے گا۔ پھر بلا وضوء کہاں رہ سکے گا۔

ازالہ اخلاقِ رزیلہ کا علاج کُلّی :

اور جب ایسا ہے تو ایک ایک اخلاقِ رزیلہ ذمیمہ کا کہاں تک علاج کرتے رہو گے۔ جب فصلِ الہی سے اپنے حضرت شیخ مُرشد کی برکت سے فنایت آگئی تو اخلاقِ ذمیمہ ایک ساتھ نکل گئے۔ کیا پھر بھی تکبر رہا کیا پھر بھی حسد، لمبے منصوبے، ریاء، غضب کینہ ہے؟ فنائے حقیقی آئی تو اخلاقِ ذمیمہ کا بھی فنا ہو گیا۔ ایک ایک خلقِ ذمیمہ کا علاج کب تک کرتے رہو گے، اس کے لئے تو عمرِ حضر علیہ السلام بھی کافی نہیں۔ یہ سب یکنخت و یکمشت چلے جائیں، کب تک کا پیوں میں لکھ لکھ کر علاج پوچھو گے۔

بہت سی چیزیں خیالی ہوتی ہیں بس خیال سے خالی ہو جاؤ تو ان چیزوں سے خالی ہو گئے، کہاں حسد کہاں ریاء، کہاں تکبر یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ تو خیالات سے یکسو ہو کر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ.....

یک چشم زدن غافل از ان شاہ نباشی

شاید کہ نگہ نکند و آگاہ نباشی

آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی اس شاہ سے غافل مت ہو کہ شاید نگاہِ رحمت فرمائیں

اور تو باخبر نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ اپنے واسطے دعاء فرما رہے ہیں جو درحقیقت ہمارے واسطے

سبق ہے کہ اللّٰهُمَّ لَا تَكْلِبْنِي اِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ (اے اللہ مجھے آنکھ جھپکنے کی مقدار مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما) یہ فنا ہی تو ہے۔

شیخ کی تسلی طالب صادق کی تسلی کا باعث ہے :

شیخ کی تسلی طالب صادق کی تسلی کا باعث ہے۔ حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی جو حضرت شیخ مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کے مرید اور خلیفہ ہیں، مولانا بڑے درجہ کے عالم، مورخ، مصنف و مؤلف اور بڑے صاحب فصاحت و بلاغت شخص ہیں ان کو کوئی حال سلوک میں پیش آیا۔ اپنے شیخ کو لکھا شیخ نے جواب دے دیا۔ مولانا نے لکھا جواب سمجھ میں نہیں آیا، حضرت شیخ نے لکھا ”اپنا یہ حال تھانہ بھون مولانا تھانوی کے پاس لکھ بھیجو“ چنانچہ تعمیل ارشاد کی اور اپنا وہ حال حضرت والا کی خدمت میں تھانہ بھون لکھا، حضرت نے جواب ارشاد فرمایا۔ مولانا عاشق الہی صاحب نے لکھا کہ جواب سمجھ میں تو آ گیا مگر تسلی نہیں ہوئی۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ ہمیں تمہاری تسلی کی ضرورت نہیں تمہارے اس حال سے ہمیں تسلی ہے۔ اس کا جواب مولانا کے پاس سے آیا کہ اب تسلی ہو گئی۔ دیکھیے مصلح کی تسلی سے طالب کی تسلی ہو گئی۔

شیخ کا ارشاد محض طفلانہ تسلی نہیں ہوتا :

یاد رکھو! شیخ مصلح محض طفلانہ تسلی کی بات نہیں لکھتا حقیقت لکھتا ہے۔ میں یہ کہتا تھا کہ طالب کی تسلی اس کی تسلیم و انقیاد اور اعتماد و اعتقاد پر موقوف ہے جیسا اعتماد و اعتقاد ہوگا ویسی ہی تسلی ہوگی تو کاپیاں لکھ کر احقر کو تسلی ہو گئی اس لئے بھی کہ جب

ملقہ کام سے فراغت ہو جاتی ہے تو تسلی ہو جاتی ہے کہ فریضہ اداء ہو گیا۔
 اُن سے فارغ ہو کر آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے جب چار پائی پر آیا تو
 یہ تھی کہ مجلس تفصیل کے بعد ضرورت تو ہے نہیں نہ کاپیوں کے لکھنے کی اور نہ زبانی
 پہننے کی۔ اسلئے کہ دور رہتے ہوئے تو اور بات ہے لیکن پاس رہ کر تو مجلس میں شرکت
 مجلس میں کلام سننا ہوتا ہے اور اپنے اوپر جانچ پڑتال کرنا پڑتا ہے اس کا دل کہہ رہا
 ہے کہ یہ بات کی مجھ میں کمی تھی کم ہوئی یا نہیں بلکہ کم ہوئی یا نہیں اور یہ بات مجھ میں خیر
 کی تھی خیر میں خیر کیسا؟ تو یہ خیر کی بات جم گئی یا نہیں اور جب اس طرح سے مجلس کا
 لباس یعنی بیٹھنا ہو رہا ہے تو اس وقت ہی ایک ایک خلق کا علاج کر کے عمرِ حاضر علیہ
 سلام سے بچتے ہوئے تعمیر مضبوط ہو گئی تو پھر لکھنے اور زبانی پوچھنے کی ضرورت تو ہے
 نہیں ہاں! اس خلق کی اور مضبوطی اور زیادت کے لئے نہ کہ بطریق معالجہ بلکہ مزید
 تسلی کے لئے اطلاع کی ضرورت ہوتی ہے۔

غائبانہ مکاتبت کی ضرورت :

اور جب حاضرانہ مزید تسلی کے لئے مکاتبت یا مخاطبت کی ضرورت ہے تو
 غائبانہ وطن میں رہتے ہوئے مکاتبت کی ضرورت کیوں نہ ہوگی؟

طالبِ صادق کی شیخ سے محبت :

مکاتبت سے خالی اور محروم کیوں رہے گا کہ مکاتبت بھی ایک نوع کی
 مجالست ہے اور سالک یوں چاہتا ہے کہ مکاتبت بھی رہے اور مجالست بھی رہے کیونکہ
 طالبِ صادق کو دنیا بھر میں شیخ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں، اس بات کا تقاضہ ہمہ
 وقت مجالست ہمہ وقت مخاطبت و مکاتبت کا ہے، تو وطن پہنچ کر مکاتبت سے غافل کیسے

ہوگا جبکہ مکاتبت مثل مخاطبت ہے۔ جب خط پہنچا کھولا تو مجلس شروع ہوگئی اور جب پڑھنا شروع کیا تو مخاطبت شروع ہوگئی بھلا کہاں چین محبت میں، اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔

إِنْتِظَارُ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ لِعَنِ نَمَازِ كَا انْتِظَارِ بَهِی نَمَازِ هِی هے۔ فجر کی نماز پڑھ ظہر کا انتظار ظہر کی پڑھ لی عصر کا انتظار عشاء کی پڑھ لی اور رات کو سویا کہ بایں تمنا کہ کی نماز باجماعت مل جائے تو اس کا سونا بھی نماز ہو گیا تو ہمہ وقت نماز میں ہے۔

اس انتظار کو حدیث شریف میں رباط فرمایا گیا ہے کیونکہ مرابطت اور رباط کے ایک معنی مَوَاطَبَتْ عَلَی الْأَمْرِ ”حکم کی پابندی کرنا“ ہیں اور جب نماز کے انتظار میں ہے تو مَوَاطَبَتْ عَلَی الْأَمْرِ آگیا اس لئے اس کو رباط کہا گیا ہے رباط دوسرے معنی کفار کے مقابلہ میں سرحد کی حفاظت کرنا، اس معنی کے اعتبار سے انتظارِ صلوة کو رباط کہنا تشبیہاً صحیح ہے کیونکہ جو انتظارِ صلوة میں ہے تو وہ نفس و شیطان کے مقابلہ میں اپنی سرحد دین کی حفاظت میں مستعد ہے۔ اسی مرابطت کو قرآن پاک میں بھی بیان فرمایا گیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا۔

اے مسلمانو! خود بھی صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں بھی صبر کرو۔

اس کے بعد ہے وَرَابَطُوا یہاں بھی مفسرین نے وہی دو معنی بیان کیے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے۔ اور رباط کی تفسیر میں نماز کو خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا گیا کہ نماز آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان کیا ہے جَعَلْتُ قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اسی لئے

ازی اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ہے۔

سخ سے زیادتِ محبت کا مطلب :

اور یہ جو کہا ہے کہ مُرید کو اپنے شیخ سے زیادہ دُنیا بھر میں کسی سے محبت نہیں تو طلب یہ ہے کہ اپنی اصلاح میں واسطہ ہونے کی حیثیت سے دُنیا بھر میں شیخ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ماں باپ سے محبت نہیں، ان کی محبت کی رعیت اور ہے اور شیخ کی محبت کی نوعیت اور ہے تو مکاتبت بھی مجالست ہے۔ اس کی دلیل انا جلیس من ذکرہ فی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یاد کرنے والے کا میں جلیس ہوں اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی یاد بھی مجالست ہے اسی طرح مکاتبت بھی یاد ہے۔ لہذا یہ بھی مجالست ہے۔

حضرت والا کے ہاں یہ قانون تھا کہ ظہر سے عصر تک مجلس ہوتی تھی، حضرت والا ڈاک لکھتے تھے، اگر کوئی تعویذ کے لئے آتا اور اس نے پوری بات کہہ دی تو لکھ دیا اور اگر پوری بات نہیں کہی تو اس کے کلام کی اصلاح ہو رہی ہے۔ چونکہ ان حضراتِ مشائخ کے ہاں جس طرح کلام و عمل کی اصلاح ہوتی ہے۔ ظاہری عمل کی بھی اور باطنی عمل کی بھی اسی طرح کلام کی بھی ہوتی ہے کہ آکر پوری بات کیوں نہیں کہی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب تعویذ لینے آئے اور کہا تعویذ دو۔ حضرت نے فرمایا بھائی میں سمجھا نہیں! اُس نے پھر زور سے کہا اجی تعویذ دیدو! حضرت نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا بھائی میں نے کب کہا ہے کہ سنا نہیں، میں نے یہ کہا کہ سمجھا نہیں۔ الفاظ دیکھئے آپ صاحبان کہ اسے کہتے ہیں علم! ذوقِ علم والا ہمہ وقت علم حاصل کر رہا ہے۔ ہم درسگاہ میں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہاں صاحبِ علم ہیں اور جب درسگاہ

سے باہر گئے تو پتہ نہیں چلتا کہ صاحب علم ہیں۔ علم کا تقاضہ عالمانہ طریق کا ہے۔

تو حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے کب کہا کہ میں نے سنا نہیں کہ تم زور

سے بول رہے ہو میں کہہ رہا ہوں کہ سمجھا نہیں، سننے میں اور سمجھنے میں فرق ہے اُس

پھر کہا جی کہہ تو رہا ہوں کہ تعویذ دے دو، حضرت نے فرمایا اچھا باہر جاؤ کسی سے پوچھ

کر آؤ حالانکہ خود بتلا سکتے تھے لیکن بتلایا نہیں۔ ان صاحبان کے ہاں مطالعہ کرایا جا

ہے جیسے اُستاد صاحب کو حق ہے کہ شاگرد کو مطالعہ کرائیں شیخ کو بھی حق حاصل ہوتا

کہ مطالعہ کرائے کہ آئندہ کے لئے دل میں خوب بیٹھ جائے اس لئے حضرت والا

تعویذ کے طالب سے فرمایا کہ جاؤ باہر کسی سے پوچھ آؤ۔ وہ گیا اور پوچھ کر آیا آ کر

اجی! بخار آتا ہے جاڑے کے ساتھ اس کا تعویذ دے دو، فرمایا اب پوری بات کہی فر

کچھ سمجھے بھی کہ کیا کی تھی؟ عرض کیا بڑی کمی تھی بھلا آپ کس چیز کی تعویذ دیتے، میر

غلطی تھی، حضرت نے فوراً تعویذ لکھ کر دے دی اور مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا یہ دیر میر

طرف سے ہوئی تھی یا آپ کی طرف سے؟ یہ سب اصلاحی باتیں ہیں۔

مکاتبت کی کمی سے مناسبت میں کمی آجاتی ہے :

خواجہ صاحب نے ایک خلیفہ صاحب کا نام لے کر عرض کیا کہ ان کی

مکاتبت جاری ہے؟ ان کے خطوط آتے رہتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کافی عرصہ

گیا ہے کہ خط نہیں آیا، پھر فرمایا کہ ”اس طرح تاخیر مکاتبت سے مناسبت میں کمی

جاتی ہے“ حالانکہ وہ خلیفہ تھے اور کچھ پُرانے خلیفہ تھے اس کے باوجود فرمایا کہ مکاتبت

کی کمی سے مناسبت میں کمی آجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خلیفہ ہو کر بھی

خط و کتابت ضروری ہے تو غیر خلیفہ کے لئے کس قدر ضروری ہوگا۔ اگر خط و کتابت

میں دیر کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھ رہا ہے کہ تاخیر پر تاخیر ہو رہی ہے۔

مکاتبت کی اہمیت :

حالانکہ خط و کتابت اس قدر ضروری ہے کہ حضرت والا کو ایک صاحب نے لکھا میرے پاس لفافے کے لئے پیسے نہیں ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے حالات کی اطلاع دیتا رہوں۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا بالترتیب اصلاح کے لئے مکاتبت ضروری ہے۔ آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو میں ہر مہینہ ایک روپیہ بھیج دیا کروں گا۔ اس وقت سستے کا زمانہ تھا ایک روپیہ کافی دنوں کو کافی ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ حالات کی اطلاع دیتے رہے جب روپیہ ختم ہو جاتا وہ ختم کی اطلاع دیتے حضرت والا دوسرا روپیہ منی آرڈر کروا دیتے۔ الغرض اصلاح کے لئے مکاتبت لازم ہے۔

گفتگو ہر وقت با وضو رہنے کی ہو رہی تھی۔ پھر اس کا ذکر آیا کہ شیخ کے چہرہ پر با وضو نظر کرنا بھی سلوک کا ادب ہے اور مجلس میں شرکت کرنا بھی با وضو کرنا ادب ہے البتہ غلو سے ممانعت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں طلبِ صادق و خلوص سے رہنے کی توفیق ارزانی سے

نوازیں۔ (آمین یا رب العالمین)

علاوہ ازیں فقہ کی طرح حدیثِ نبوی ﷺ میں اجتہاد کا دروازہ ابھی تک کھلا ہے او کھلا رہے گا۔ اس لئے جو شخص حدیث کی روایت و درایت میں ماہرانہ بصیرت رکھتا ہو اور متقدمین کی طرح اس میں اجتہاد کے شرائط پائے جاتے ہوں تو وہ

کسی حدیث پر ضعف کا حکم لگا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے اس حدیث کے جمیع طرق اسانید کا بغور مطالعہ کر لیا ہو اور اس کا ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کا متن دوسری کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

علم حدیث کا جو طالب علم اس فن میں نا آشنا اور مبتدی ہو۔ جب وہ ایسی روایت نقل کرے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہ ہو کہ آیا صحیح ہے یا ضعیف تو اسے بڑے محتاط انداز میں یوں کہنا چاہئے ”کہ آپ سے یوں روایت کیا گیا“ یا فلاں بات ہمیں اس طرح پہنچی“ اور یہ بات جائز نہیں کہ مشکوک الفاظ کے ساتھ کہے کہ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کی سند بھی بیان نہ کرے۔ اس لئے کہ اس سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ پورے جزم و وثوق کے ساتھ کہے کہ ”آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے“۔



بتیسویں مجلس

ایفائے عہدِ میثاق

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۶ اپریل ۱۹۹۱ء بروز شنبہ بوقت صبح

وقت کی قدر :

وقت کی قدر وہی سمجھے گا جو والعصر میں ذاتِ باری تعالیٰ کے وقت کی قسم کھانے کو سمجھے گا..... حق تعالیٰ وقت کی قسم کھا رہے ہیں۔ والعصر واوقسمیہ ہے، عصر عربی میں وقتِ عصر کو کہتے ہیں تو ترجمہ ہوا عصر کے وقت کی قسم۔ وقت کی قدر اہل اللہ نے کی ہے۔

حضرت تھانویؒ کے مصافحہ کا واقعہ :

حضرت والا کے ہاں عید الاضحیٰ کو خانقاہ شریف میں بہت مجمع ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ عید کے دن بہت بڑا مجمع تھا باہر کے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے خطبہ سے فارغ ہو کر باہر والے لوگ حضرت سے مصافحہ کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ بستی والے بھی مصافحہ کر لیتے تھے۔ کیونکہ اگر روز بستی والے آ کر مصافحہ کرنے لگیں تو تصبیح

اوقات ہے وہ تو ہر وقت آتے جاتے ہیں اگر ہر مرتبہ میں مصافحہ کریں تو کتنا وقت ضائع ہوگا اور باہر والے وہ تو کبھی کبھی آتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ حضرت مصافحہ کرتے ہوئے اپنی نشستگاہ کی طرف آہستہ آہستہ تشریف لارہے تھے لوگ اشتیاق سے دوڑ رہے تھے جس سے ایک دوسرے پر گرتے جا رہے تھے تو فرمایا کہ بھائی ایک دوسرے کے اوپر گرنے نہ پڑو مجھے تو مصافحہ سے انکار نہیں سب سے ہو جائے گا ذرا سکون سے مصافحہ کر لیا جائے۔ مصافحہ کرتے کرتے اپنی نشستگاہ پر تشریف لائے۔ وہاں ایک گدہ اور تکیہ بچھا رہتا تھا اس کے سامنے ایک چھوٹی سی صندوقچی جس کو آجکل ڈیکس کہا جاتا ہے وہ رکھا رہتا تھا، عید میں بھیڑ کی وجہ سے وہ ہٹا دیا جاتا تھا کیونکہ وہاں بھی لوگ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت کی نشستگاہ سبہ دری میں تھی جو مسجد سے جنوبی جانب تھی۔

امر مقرر سے تغافل پر تنبیہ :

ایک صاحب اس کام پر مقرر تھے کہ حضرت کی نشستگاہ پر پہنچنے سے پہلے اس کو بچھا دیا کریں لیکن اس دن حضرت والا مصافحہ کرتے کرتے مجلس میں پہنچے لیکن وہاں نہ گدہ ہے نہ تکیہ ہے نہ ڈیکس ہے تینوں چیزیں غائب ہیں جب ان صاحب نے دیکھا کہ حضرت پہنچ گئے ہیں تو وہ لپکے ہوئے آئے تاکہ گدہ بچھا دیں تو حضرت نے فرمایا یہ کیسا نظام ہے نہ گدہ ہے نہ تکیہ ہے تم کہاں تھے؟ ان صاحب نے کہا حضرت میں آہی رہا تھا، فرمایا آہی رہا تھا.....؟ میں مصافحہ کرتے کرتے کچھ دیر میں پہنچا ہوں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آہی رہا تھا، یہ تغافل یہ تکاؤل؟

دوسرے سے اذان کہلوانے پر تنبیہ :

خانقاہ میں ایک صاحب اذان دینے پر مقرر تھے ایک دن صبح کی اذان کسی اور نے دی۔ حضرت نے آواز پہچان لی، حضرت دولت خانہ پر سوتے تھے اور فجر کی اذان کے بعد خانقاہ میں تشریف لاتے تھے اس طرح کہ دائیں ہاتھ میں لکڑی (بید) ہوتی تھی اور بائیں ہاتھ میں لائین، خانقاہ میں داخل ہوتے ہی فرمایا کہ یہ اذان کس صاحب نے دی تھی۔ جو صاحب متعین تھے حاضر ہوئے ان سے مکرر فرمایا کہ یہ اذان کس نے دی تھی آج آواز آپ کی تو معلوم ہوئی نہیں۔ عرض کیا دوسرے صاحب نے دی تھی۔ فرمایا آپ سے اجازت لی تھی؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا آپ نے اجازت کیوں دی؟ دوسری مسجدوں میں آپ کی اذان کا انتظار رہتا ہے سب کو آپ کی آواز کی پہچان ہے جب دوسرے نے اذان دی تو لوگ کیا سمجھیں گے کہ ابھی خانقاہ میں اذان نہیں ہوئی حالانکہ یہاں اذان ہو چکی ہے۔ عرض کیا غلطی ہو گئی، فرمایا خیر پہلی بار ہے آئندہ کے لئے سبق ہو گیا۔ یہاں کی طرح نہیں کہ اذان دینے والا متعین بھی ہے پھر بھی کبھی کس نے دے دی کبھی کس نے دے دی یہ بد نظمی ہے نظم نہیں ہے۔ اور یہاں کی اذان پر دوسری اذانیں موقوف بھی نہیں مگر پھر بھی اپنے کارِ مفوضہ سے تکاسل تو ہوا، بے فکری تو ہوئی۔

اسی طرح اُن گدہ بچھانے والے صاحب سے حضرت نے فرمایا کہ میں مصافحہ کرتے کرتے آہستہ آہستہ اتنی دیر میں پہنچا ہوں اور آپ اب پہنچے ہیں اور اس پر فرما رہے ہیں کہ آہی رہا تھا۔ یہ تاویل! غلطی ہوئی آپ سے اس کا اقرار تو ہے نہیں اُلٹی تاویل۔ اسے کہتے ہیں علم کیسے جچے تِلے الفاظ سے کلام ہو رہا ہے، عامیانہ کلام نہیں اور

حضرت نے ان صاحب کی اس تاویل پر ایک دھول مارا اور وہیں سب کے سامنے مارا کیونکہ وہاں تو دونوں جانب معتمد علیہ شخصیتیں ہیں ان صاحب کو حضرت والا پر پورا اعتماد ہے کہ حضرت جو کچھ تصرف فرماتے ہیں میری اصلاح کے لئے فرماتے ہیں ان کا یہ حال ہے.....

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

اور حضرت کو بھی پورا اعتماد ہے کہ اگر میں سب کے سامنے مار دوں گا نہ اس کو شکایت ہوگی نہ فرار ہوگا دونوں جانب اعتماد ہے اس لئے سب کیسا منے مارا، اب اصلاح کے لئے تاخیر کی کیا بات ہے؟

مقصودِ تنبیہ غفلت کو دور کرنا اور دل میں جمادینا ہے :

چونکہ معاملہ اہم ہے کہ انکی طبیعت میں تساہل ہے پھر اوپر سے بات بھی بناتے ہیں تو اس اہم کا اوقع فی النفس کرنا ضروری ہے اور اہم کے اوقع فی النفس کرنے کے لئے اہتمام ضروری ہے اور اہتمام اہم سے ہے جس کے معنی فکر کے ہیں اور اس اہم کے اوقع فی النفس ہونے کے لئے ایسا طریق ضروری ہے کہ فکر پیدا ہو جائے اس لئے ہلکی سی دھول مار دی کہ آئندہ مارا یاد آ کر فکر رہے تغافل اور تساہل ختم ہو۔ دیکھئے اگر مرض زیادہ ہو تو زود اثری کے لئے ڈاکٹر انجکشن لگاتا ہے اور اگر شدید مرض ہو تو آپریشن ہوتا ہے جس ڈاکٹر کو آپریشن نہیں آتا ہے اور ہر جگہ مرہم رکھ دیتا ہے تو کیا آپ اس ڈاکٹر کو کامل کہیں گے؟ اسی طرح اگر مصلح بھی ہر غلطی پر یہی کہہ دیتا ہے کہ آئندہ خیال رکھنا کوئی بات نہیں تو یاد رکھیے! اس غلطی کا خیال رکھا نہیں جائے گا تو یہ دھول مارنا اوقع فی النفس کرنے کے لئے تھا۔

یہ طریق نظام ہے کہ ہر موقع پر ہر شئی کی جیسی وقعت ہوتی ہے اسی انداز کے ساتھ اہمیت بھی ہوتی ہے، اسی لئے اسی انداز کے ساتھ حضرت اہم طریق اہتمام اختیار فرماتے تھے تاکہ واقع فی النفس ہو یہ کلیہ ہے۔

حصولِ علم میں غفلت :

جب یہ ترتیب سمجھ میں آگئی پھر اس کی تحصیل کیوں نہیں؟ خواہ پڑھا کر ہو خواہ سنکر ہو خواہ پوچھ کر ہو۔ جب تجاہل ہوگا تو تغافل ہوگا، جب تغافل ہوگا تو تساہل ہوگا اور جب تساہل ہوگا تو امورِ متعلقہ ذات بھی اور امورِ متعلقین بھی گویا معنا نہیں ہونگی بجائے ما مور بہا ہونے کے منہی عنہا ہونگے۔

درس کی ابتداء عالمِ میثاق میں :

اس ذاتِ عالم الغیب والشہادۃ نے اس عالمِ شہود سے پہلے اسی عالمِ غیب میں طریق درس شروع فرمایا اور اس درس کی ابتداء ”میثاقِ الست“ سے ہوئی اور یہ درس ان سے شروع کیا جن میں اس عالمِ غیب والے شہود میں قدرتِ کاملہ کے ساتھ صحیح ادراک تک ابلاغ کے لئے عقلِ مستقیم قائم فرمائی، ان سے بطور درس خطاب فرمایا تھا ”الستُ برّبکم“ یہ ایک ابہامی باصطلاح مختصر المعانی ایجازی درس تھا۔ اطنابی نہ تھا، مخاطبین صحیح ادراک اور صحیح عقلِ مستقیم کے ساتھ تھے۔ وہ اس کلامِ ایجازی کی حقیقت کو فوراً پہنچ گئے اور تصدیقِ قلبی کے ساتھ اقرارِ لسانی کیا ”بلسی“ کیوں نہیں ضرور آپ ہمارے رب ہیں گویا کہ اقرار کرنے والے یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ نے لفظ رب کہا اس میں آپ کے کمالِ ذاتی اور کمالِ صفاتی دونوں رکھے ہوئے ہیں اور جو ایسا ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے اور اسی سے طلبِ حاجت کیجاتی ہے، نہ کسی اور سے

حاجت طلب کرنا روا ہے اور نہ کوئی دوسرا عبادت کے لائق ہے۔ بالکل آپ ہی کی طرف ہماری حاجت کا رخ ہے کسی دوسرے کی طرف نہیں۔ لہذا عبادت آپ ہی کے لئے ہے اور توکل آپ ہی پر ہے۔

جب اقرارِ بوبیت ہو گیا تو حکم ہوا کہ بس بس! چونکہ تم نے بلا چوں و چرا یہ تصدیق اس طرح باقرارِ لسان کی ہے تو اب اس عالمِ غیب سے عالمِ شہود میں اس تصدیق و اقرار کے امتحان کے لئے جاؤ ہم دیکھیں گے کہ اس تصدیق و اقرار کو اپنے عمل میں دواماً، بطورِ رسوخ، بطورِ ملکہ کہاں تک نبھاتے ہو اس لئے انسان کو اس عالمِ میثاق سے جس میں وثوق رکھا ہوا ہے اس عالمِ شہادت میں بھیج دیا کہ اس وثوق کی شہادت عمل دے گی جاؤ روار نہ ہو جاؤ..... اور اب ذاتِ باری تعالیٰ کا کرم دیکھیے کہ اسی عہد و پیمان پر قناعت و کفایت نہیں کیونکہ وہ عالمِ شہود ایسا ہے (کہ اس عالم کی خاصیت تغافل، تکاہل، تکاسل اور تباعد عن العبادت، تقارب الی المعاصی ہے) کہیں تغافل نہ ہو تو اس ذاتِ عالمِ الغیب والشہادۃ نے رحم فرماتے ہوئے اپنے نائب پیغمبر و نبی و رسول کو مذکور یاد دلانے والے بنا کر یکے بعد دیگرے بھیجنا شروع کر دئے۔

تکمیلِ نبوت :

جسکی تکمیل و اکمال اُس ذات کے ذریعہ سے کر دی جن کا نام محمد اور جن کا نام بزبانِ عیسیٰ احمد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام کے ساتھ بشارت دی تھی وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ﷺ ہوگا۔ جو کچھ کمی رہ گئی ہے اس کا اکمال و اتمام ان کے ذریعے سے ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام معنی تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف سے فرما رہے ہیں کہ ہم سب تو احمد کے لئے بطورِ مژگر ہوتے ہیں اول و آخر آپ ہی ہیں اُس عالم میں باطن اس عالم میں ظاہر، اُس عالم میں اول اس عالم میں آخر۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ تمام رسولوں کی یاد دہانی کرتے کرتے آخر میں احمد علیہ السلام نام کے آئیں گے وہ اس کی یاد دہانی کر دیں گے اسی کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تکمیل دین:-

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ كَمَا آجِزٌ فِي الْكَمَالِ وَ
تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو متمم کر دیا ہے اور اس اکمال و
اتمام کے بعد فرمایا کہ اسی پر میری رضا ہے وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا وَرَدِيْنًا
مکمل اور متمم کا نام اسلام ہے تو حاصل یہ ہوا کہ جو مذہب اسلام پر ہے اسی لئے
میری رضا ہے اور جو مذہب اسلام کے خلاف اختیار کرے گا نہ وہ قبول ہوگا نہ اس پر
میری رضا ہوگی۔

چنانچہ دوسری جگہ صاف اعلان فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ
يُقْبَلَ مِنْهُ اور جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے دین کو طلب کریگا وہ اس سے ہرگز
قبول نہ ہوگا اور جب قبول نہیں تو مقبول نہیں تو مردود، اس لئے کہ اس نے بغاوت کی
ہے اور باغی مردود نہیں تو اور کیا ہے؟

تو انبیاء علیہم السلام یاد دہانی کرتے رہے، آخری نبی ﷺ نے یاد دہانی کرتے
ہوئے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اس آخری دین کے مقابلے میں کوئی دین اختیار کرے گا تو
وہ باغی ہے اور باغی مردود ہے مقبول ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور باغی اس لئے ہے

کہ غیر اسلام کو دین سمجھنا یہ خلاف عقل سلیم اور خلاف عہد عالم میثاق ہے۔ تم نے تو بلا چوں و چرا کاؤ کاوش یہ تصدیق کی تھی کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور کسی سے بھی اپنی کوئی حاجت طلب کرنا نہیں۔ ہمیں شرک سے، توحید کے خلاف سے انتہائی درجہ کی نفرت ہے ہمیں اس سے بیقراری ہے کہ کسی غیر کی طرف جھکاؤ ہو۔ ہمارا تو عالم میثاق میں آپ کی ذات پر قرار یعنی جماؤ ہو گیا ہے۔

عہد میثاق کی یاد دہانی :

اسی عہد میثاق کی یاد دہانی کے لئے پیغمبر آتے رہے۔ پھر آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ نے آ کر تکمیل کر دی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

تو اس تکمیل و تفصیل یاد دہانی کے بعد اب کسی یاد دہانی کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ ذات کریم و رحیم ہے اس نے بسم اللہ میں اسم اللہ کے ساتھ رحمن و رحیم سے ابتداء کی ہے تو اس رحمت کا تقاضا ہوا کہ اصل یاد دہانی کرنے والا آخری رسول تو مکمل یاد دہانی کر کے چلا گیا مگر اس کے نائب علماء حقانی، حکماء ربانی، قیامت تک آتے رہیں گے جو اسوۂ رسول میں رنگے ہوئے ہوں گے اور اسی اسوۂ رسول اور اعمال رسول کی تعلیم دیتے رہیں گے کوئی زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ ان کی اتباع لازم ہے ان کی عدم اتباع پناہ کی چیز ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ **اللَّهُمَّ لَا يُدْرِكُنِي زَمَانٌ وَلَا يُدْرِكُوْا زَمَانًا لَا يَتَّبَعُ فِيهِ الْعَلِيمُ وَلَا يُسْتَحْيَى فِيهِ مِنَ الْحَلِيمِ** اے اللہ (میں درخواست کرتا ہوں کہ) مجھے ایسا زمانہ نہ پائے اور نہ میرے صحابہ کو ایسا زمانہ پائے جس میں عالم کا اتباع نہ کیا جائے اور بردبار شخص سے شرم نہ کیا جائے۔

نائبانِ رسول ﷺ کی اتباع رسول ﷺ ہی کی اتباع ہے :

رسول اللہ ﷺ دُعا فرما رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ کو اس دُعاء کی ضرورت نہ تھی مگر کلام میں بلاغت ہے کہ میں جا رہا ہوں لیکن میرے بعد میرے نائب ہوں گے اور نائب ہونے کی پہچان بتلائے جا رہا ہوں کہ وہ لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے۔ جب ایسے نائب تمہیں ملیں تو ان کی اتباع کرنا میری ہی اتباع ہے اور میری اتباع اللہ تعالیٰ ہی کی اتباع ہے اور لازم کا لازم لازم ہوتا ہے، رسالت اور نبوت تو ختم ہو گئی ہے مگر نیابت کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک جاری رہے گا، ان نائبین انبیاء کی برابر اتباع کرتے رہنا۔

جس نے عہد کر لیا وہ پک گیا :

عالمِ میثاق میں جو وثوق کے ساتھ تم نے عہد و پیمان کیا ہے اس کا ظہور اتباعِ عمل میں برابر ان کے ساتھ اعتقاد و اعتماد کے ساتھ رکھنا۔ کیونکہ عالمِ میثاق میں قَالُوا بَلٰی تم نے برزخ میں کہا تھا تو تم نے بلا چوں و چرا اپنے کو میرے سپرد کر دیا تھا تو ایسا ہوا تھا جیسے کہ تم نے اپنے کو میرے لئے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہنے کے بعد تمہارے قَالُوا بَلٰی کہنے پر گویا تم نے اپنے آپ کو میرے ہاتھ بیچ دیا اور جب بیچ دیا تو اب بلا چوں و چرا بلا دلیل میرے احکامِ ظاہرہ و باطنہ پر بتقویٰ کامل بایمانِ کامل اخیر وقت تک ثبوت پیش کرتے رہو کیونکہ تم نے اپنے آپ کو بلا چوں و چرا اس طرح میرے ہاتھ بیچ دیا تھا یہ محاورہ ہے کہ میرے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ اب اس کے بعد اس عالمِ شہود میں تمہاری یاد دہانی کے لئے روانہ کرتے ہوئے اس عالمِ غیب میں جو بیع کی تھی اب اس عالمِ شہود میں بطریقِ ظاہر و ظہور پھر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بیع۔

اور جب تم ان کے ہاتھ پک ہو گئے یہ بیع میرے ہی ساتھ ہو گئی چونکہ یہ عالم عالم واسطہ ہے لہذا وہ عالم میثاق کی بیع، اس عالم شہود میں بواسطہ پیغمبر ﷺ ظاہر اتوان کے ساتھ بیع مگر دراصل وہ میرے ساتھ بیع کا ظہور ہے۔

لہذا اے نبی آخر الزماں پیغمبر ﷺ! میں کہہ دیتا ہوں کہ : **إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ**، انما حصر کے ساتھ، اسی کمال ذاتی، کمال صفاتی کو ان میں رکھتے ہوئے اس عالم شہود میں ظاہر اتوان کہتا ہوں اے پیغمبر و رسول و ناسب! کہ آپ ﷺ کے ساتھ جو بیع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ بیع ہے یہاں اس لئے آگے یہ بھی کہہ دیتا ہوں **يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ** خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ یہ ہاتھ عالم ظہور شہود میں اس طرح ظاہر ہو رہا ہے لیکن وہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور تمہارے سب ہاتھوں کے اوپر اہل کا ہاتھ ہے۔

اصحابِ کہف کی مثال :

اس طرح جو ماننے والے تھے بیزارِ شرک و کفر بایں ماننے والے ذاتِ باری تعالیٰ کے کمال ذاتی و کمال صفاتی، انہوں نے اللہ ہی کے لئے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى** کہ چند جوان تھے جو شرک و کفر سے بیزار تھے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنا چاہا تو ان کا جو یہ ایمان کہ میرے لئے ہی پک ہو چکے اس طرح تو میں نے ان میں ہدایت کی زیادتی قائم کر دی۔

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنُؤَدِّعُوهُنَّ مِنْ دُونِهِ إِنْ لَمْ نَجِدْ لَهُنَّ مِنْ دُونِهِ قُوَّةً لَإِنَّا لَنَرَاهُنَّ مِنَ الْكَاذِبِينَ

کے دلوں میں اس میثاق کی اور مضبوطی قائم کر دی۔ جبکہ وہ پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔

ان میں جو ایسے تھے میری طرف پہنچنے کی سعی و ہجرت کی تو میں پہنچ گیا اور ان میں جو چیز رکھی تھی اس میں اور زیادتی کر دی اور اس زیادتی کا محل جو کہ دل ہے اس کو اور ترقی دی۔ یعنی ان کے قلوب میں اور مضبوطی قائم کی کہ ساری عمر نکل نہیں سکتی۔ تو جو ایسے ہوتے ہیں میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں اور زیادتی ہدایت اور قوت قلب بزیادت قائم کرتا ہوں ان بیچاروں نے بڑی جدوجہد کی میرے لئے میری خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، حتیٰ کہ کہنے لگے۔

فَا وَاِلَى الْكُهْفِ یعنی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرو۔ اور انتہائی درجہ تو مجاہدہ اور ہجرت کر کے میری خاطر لگ گئے بایں تَمَنَّا يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَيُهَيِّبَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا۔ (پ۔ ۱۵۔ ۱۴۷)

کہ تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لئے اس کام میں کامیابی کا سامان درست کر دیگا تو میں نے سامان ان کی رہائش و آسائش کا مضبوطی کے ساتھ اس عالم شہود میں میسر فرمایا۔ جب انہوں نے عسرا اٹھایا جو کہ مجاہدہ ہے تو میری طرف سے یسر آ گیا جو کہ ہدایت دائمی ہے اسی لئے میں کہہ دیتا ہوں یا دولاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس ایمان میثاق کا حسن دکھایا اجمالاً قبول عملاً، احکاماً و دواماً حسن اس ایمان کا دکھا دیا ان اعمال کے ساتھ مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ میں عالم الغیب

ہوں کہ وہ محسنین تھے اور محسنین کے ساتھ میری معیت ہوتی ہے اس لئے کہتا ہوں: اِنَّ اللّٰهَ كَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

بس جو اس طرح ہوں گے بایں اسلام بایں ایمان جو ایسے مؤمن ہوں گے تو ذاتِ ایمان ان مؤمنین کے ساتھ ہوگی تو یہ بیچ آپ کے ساتھ نہیں ہے یہ بیچ درحقیقت میرے ساتھ ہے۔ لہذا کہتا ہوں یہ ان تک پہنچا دو: اِنَّ الَّذِيْنَ يُّبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُّبَايِعُوْنَ اللّٰهَ اُوْرِيْهٖ بَهِیْ پھٹا دو، يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ کہ بظاہر ہاتھ آپ ﷺ کا لیکن ان سب کے ہاتھوں کے اوپر میرا ہاتھ ہے تو ایسوں کے ساتھ میری سرپرستی ہے۔ وہ مجھ تک پہنچے اور میں ان تک پہنچا جس کا نام بلسانِ عرب تقرب ہے اور تقرب پہنچا دیا گیا ہے مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا یعنی ایک بالشت میری طرف چل کر جو دکھلائے، یعنی مؤمنِ کامل ایک مرتبہ توجہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں اس کے پاس پہنچ گیا یعنی اس کی طرف میرا قرب دو گئے سے دُگنا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ میں نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

بس یہ سلسلہ رسولوں کے ساتھ اور آخری رسول نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ اور ناسبین کے ساتھ چلتا رہا اور قیامت تک چلتا رہے گا۔

بیعت کا ثبوت :

جس کو بیعت کے نام کے ساتھ اور باصطلاح قرآنِ کریم يُّبَايِعُوْنَكَ کے لفظ کے ساتھ اور آج کل کے محاورہ میں باصطلاح ”بیعت“ کہا جاتا ہے اسی لئے ان دونوں آیتوں کو بیعت کے وقت تلاوت کیا جاتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاَبْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ پھر اِنَّ الَّذِيْنَ

يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ - يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَسِيئَةٌ تِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا - ان دونوں کو بیعت کے وقت پڑھا جاتا ہے پڑھنے کے بعد کچھ ایجاز تفصیل کر دی جاتی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا الْوَسِيْلَةَ كَيْفَ هُوَ كَا اَسْ كَلَيْ وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مِنْ سَمٰوٰتِنَا لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ اور لَعَلَّ بمعنی اُمید، یہ شاہی محاورہ ہے۔ بادشاہ کسی کے ساتھ عہد لفظ یقین کے ساتھ نہیں کیا کرتا بلکہ یوں کہہ دیا کرتا ہے کہ اُمید رکھو۔

اسی لئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جو محاورات عرب اور اصطلاح قرآن کو اچھی طرح سمجھے گا وہ قرآن پاک کو اچھی طرح سمجھے گا۔

عہدِ میثاق کا تقاضا ہے کہ تقویٰ ہو :

اس ابہام و اجمال کی بائیں عنوان بخطاب مومنین يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے مومنین! اتقوا اللہ جو تم نے عالمِ میثاق میں کہا تھا اس کی یاد دہانی رکھنا ہے پس اس کا لحاظ رکھنا اس معاہدے کا خیال رکھنا اور اس کے نبھانے کا خیال رکھنا شرعاً ضروری ہے۔

اُمیدوارِ مغفرت رہنا چاہیے :

وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ذُرْتُمْ رَهْنَا اور جب ذرتے رہنا اس عالمِ ميثاق میں اور ذرتے رہنا اس عالمِ شہود میں تو پھرنا اُمیدی کیسی؟ وہ تو کفر ہے پھر اُمید کیوں نہیں رکھنا چاہیے۔ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید بھی رکھتے رہو۔ چونکہ تمہارا ایمان بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ہے ادھر یہ ایمان جس کی تفصیل ہو

چکی ہے۔ یہ ایمان مع تقاضہ ایمان باعمالِ ظاہرہ و باطنہ اور اجتنابِ خلافِ اعمالِ ظاہرہ و باطنہ چل رہا ہے جو کہ وہ عالمِ میثاق کی یاد پر خوب چمک رہا ہے تو پھر بایں ایمان بتقاضہ ایمان ان اعمالِ صالحہ ظاہرہ و باطنہ کے ساتھ چل رہا ہے تو پھر نا اُمیدی کیسی؟ ادھر خوف رکھا تم نے ادھر اُمید۔ نا اُمیدی خلافِ ایمان اور جو خلافِ ایمان ہے وہ کفر ہے لہذا نا اُمیدی کفر ہے۔ لہذا اپنے اس ایمان پر نا اُمیدی کا کیا سوال؟ تو اس خوف کے ساتھ رحمتِ غالب اور جب رحمتِ غالب تو پھر فلاح کیوں نہ ہو۔ لہذا کہتا ہوں لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ کمالِ فلاح پر پہنچ گیا بایں کمالِ ایمان بتقاضہ ایمان بعہدِ میثاق تو نتیجہ انجامِ خیر، فلاح کے ساتھ خلافِ کیسا؟ بلکہ فلاح و کامیابی کمالِ فلاح من حیث الدنیا بھی اور من حیث الآخرة بھی یہ ہے بیع و بیعت:-

اس لئے اخیر میں پڑھا جاتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ مومن، مومن کے ہاتھ میں ہاتھ، اور یہ ہاتھ اس مومن کا اس مومن کے ہاتھ، اس مومن کا ہاتھ اس مومن کے ہاتھ لہذا اتَّقُوا اللَّهَ دائمی جس کا طریقہ ابتغاء وسیلہ ہے۔ ابتغاء وسیلہ بدلاتِ مطابقی و التزامی، كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اے مومنو! بوسیلہ اعمالِ تقویٰ، اسی اعمالِ تقویٰ دائمی کے واسطے وسیلہ اصل نائبوں کا پیغمبر کے پھر نائبوں کا نائب ہوگا بسوۂ حسنہ ظاہرہ و باطنہ وسیلہ کہ بیعت ہو رہی ہے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر مجھ سے وسیلہ تو اصل وسیلہ وہ اعمالِ تقویٰ اس اعمالِ تقویٰ کے وسیلہ کے لئے یہ وسیلہ وہ دلالتِ مطابقی ہے۔ اعمالِ بتقاضہ ایمان و بکمالِ ایمان اور یہ وسیلہ بیع بصورتِ بیعت بدلاتِ التزامی و تضمینی تو اصل وسیلہ ہے اس کو اختیار کرو، اس کے اختیار کرنے کے لئے یہ وسیلہ اختیار کرو تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس طرح سے بیعت

ہو کر بیع ہو گئی اس عالمِ میثاق والا تو فلاح کو نہ پہنچا بلکہ فلاحِ کامل تک پہنچنا۔ ادھر میثاقِ کامل بایمانِ کامل ادھر فلاح بھی فلاحِ کامل اس عالمِ شہود میں بھی اور اُس عالم میں بھی۔ اس فلاحِ کامل کا نام اُس عالمِ غیبِ آخرت میں جنت ہے جہاں تم تھے اس محل کا نام ہے لہذا اگر تم اس عالمِ میثاق کے عہد کے ساتھ اس عالمِ شہود میں ہے تو اس عالمِ غیب میں آنے پر وہی تمہارا محلِ جنت ہے۔

دُنیا بھی جنت کا نمونہ اور آخرت میں بھی جنت :

تو یہاں پر بھی جنت کی نشانیاں، راحت کی فرحت کی، اگرچہ جسم کسی تکوینی یا تشریحی کرب و مجاہد میں ہو لیکن اس عالمِ شہود میں بھی نمونہ جنت بناؤ اور بکامل فلاح وہ جنت تو دونوں عالموں میں عالمِ غیب اور عالمِ شہود میں جنت تو تمہارے لئے دونوں عالموں میں جنت، اس کو لَعْلَاء کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس میں شُبہ مت کرنا یہ عنوان شاہی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَعْلَاءُ تَفْلِحُونَ۔ اُمید ہے کہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ گے۔



تینتیسویں مجلس

تاریخ بیعت و مباہلت

مورخہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق اپریل ۱۹۹۱ء یکشنبہ بوقت صبح

عالم غیب کا ذکر :

چونکہ آخرت کا عالم عالم الغیب ہے اور یہ عالم عالم شہود ہے اور اس میں بتقاضائے عقل تصدیق قلبی اور اقرار باللسان ضروری ہے کیونکہ اقرار لسانی ایک عمل ہے اور تصدیق قلبی ایک عقیدہ ہے۔ بالفاظ دیگر صحیح عقائد اجمالاً باقرار لسان یعنی عقیدہ کا اظہار لسان کے ساتھ ہو یہ بھی ایک عمل ہے۔

عالم شہود میں آمد :

اسی وجہ سے اس عالم غیب و میثاق سے اس عالم شہود میں ذات باری تعالیٰ نے ہمیں بھیجا کہ جب تم نے مغیبات کا اقرار بتصدیق قلب ظاہر کیا یعنی میری ذات و جوہی کا کمال ذاتی اور کمال صفاتی ذاتی کی تصدیق کا اقرار کیا اور کہہ دیا کہ یہ کمال ذاتی آپ ہی کے لئے من حیث الذات و الصفات ہے لہذا کوئی بھی کسی قسم کا بھی کبھی

بھی آپ کی ذاتِ عالی کے سوا مستحقِ عبادت نہیں۔
اس وجہ سے ہماری عبادت آپ ہی معبود کے لئے ہے کہ تیرا نام اللہ ہے اور
اللہ کے معنی معبود کے ہیں۔ لہذا تیرے سوا کوئی معبود نہیں، ہم سب کا انکار کرتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں۔

حاجتِ روائی :

اسی طرح ہماری حاجت میں سوائے اللہ کے حاجتِ روائی کے کسی کی طرف
سے بھی حاجتِ روائی نہیں اسی وجہ سے حاجتِ روائی کے لئے کسی اور کی طرف جانا روا
نہیں ہے۔

سب سے گری ہوئی چیز جو سمجھی جاتی ہے وہ گرنے ہی کے لئے ہوتی ہے وہ
چیز نہ گرے تو خود گر جائے گی۔ ”براز“ جس کو لوگ پاخانہ کہتے ہیں وہ اگر جسم میں
بتکلف برقرار رکھا جائے تو آدمی گر جائے گا اور خود ہی نہیں جائے گا۔ لہذا گرنے کی جو
چیز ہے وہ گرنی ہی چاہیے اور سب سے گری ہوئی چیز کا ذکر ابھی کیا، حاجتِ روائی اور
روائی کے معنی ہیں گرنا لیکن روائی گرنا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہوتا روائی نہیں ہو
سکتی۔ بیت الخلاء گیا، روائی کے لئے جس کی اس نے ضرورت سمجھی، اس کا بھی ایک
وقت ہے لیکن روائی ہے نہیں بلکہ جمائی ہے یعنی جمی ہوئی ہے۔ روائی کی دوسری مثال
جیسے دوا بھی کھا رہے ہیں مگر حاجتِ روائی نہیں ہوتی چونکہ حکم نہیں ہوا اور جب حکم نہیں
ہوا تو روائی کیسے ہو۔

ایک جزئیہ :

اسی سے سمجھیے کہ ایک انسان اپنی حاجت میں کتنا محتاج ہے حاجتِ روائی کے

لئے اور اس ذاتِ وجوبی کے سوا کوئی دوسرا حاجت روا نہیں ہے جیسے انسان علاج کے لئے ایسے ایسے اسباب اختیار کرتا ہے اور ان پر یقین بھی کرتا ہے مثلاً انجکشن لگائے جا رہے ہیں آپریشن بھی ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کو لاکھوں روپیہ دے چکا لیکن وہاں سے جب تک صحت کا حکم نہیں حاجت روائی نہیں ہوئی۔

حقیقت تصدیق :

امورِ مغیبات کا عالمِ غیب میں تصدیق و اقرار تھا چونکہ تصدیق کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کا دل میں احتمال ہی نہ ہو، بلکہ تصدیق ہو پھر تکذیب کیسی؟ اس کا نام ایمان بمغیبات ہے کہ اجمالی طور پر ذاتِ باری تعالیٰ کے وجوبِ ذاتی کی تصدیق کے بعد فراستِ ایمانی پیدا ہوگی انکشافِ حقائق ہو گیا ایمان بمغیبات ہو گیا۔

ایک نظیر :

جب فرعون کا زمانہ آیا قادرِ مطلق نے عجیب طریق سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ظہور فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ظالم کے زمانہ میں پیدا فرمایا جو کہ اپنی قوم ہی کے لئے نہیں بلکہ غیر قوم کے لئے بھی ظالم تھا۔ اس کا حکم تھا کہ عورتوں کو زندہ رہنے دو اور لڑکوں کو مارتے رہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی ایسے ہی زمانہ میں ہوئی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بزرگوار فرعون کے خصوصی خدمت گار تھے رات کو سونا نہیں ہوتا تھا ایک مرتبہ جب فرعون سو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد صاحب چپکے سے گھر آئے اور اپنی بیوی سے مل کر چلے گئے، اسی رات استقرارِ حمل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے اور ان کو فرعون کے گھر پرورش کرائی اس دوران واقعات بھی بیچ میں آتے رہے نکل کر مدائن پہنچ گئے۔ حضرت

شعیب علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ وہاں ان کی صاحبزادی سے نکاح ہو کر مدین واپس آتے ہوئے ایک رات میں کہ اس میں کچھ سردی بھی تھی اور راستہ بھی بھول گئے تھے کچھ آگ کی ضرورت ہوئی ایک طرف جو نگاہ ڈالی تو کچھ روشنی سی نظر آئی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں تو کچھ اور ہی بات تھی..... گئے تھے آگ لینے اور مل گئی نبوت۔

جب نبوت ملی تو فرعون ملعون کی طرف بھیج دیا گیا اور حکم دیا کہ وہ بڑا سرکش ہے خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا ہے اس کی طرف جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تنہائی کو دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ میری ہمت کے لئے تائید کے طور پر تقویت کے لئے یوں جی چاہتا ہے کہ آپ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا ساتھی بنا دیجئے گا۔ یہ درخواست تو کر دی لیکن ذات باری تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آیا وہ تو اذہب الیٰ فرعون انہ طغی کا ہے اور کلام کی بلاغت کا یہ حال ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسری جانب کا احتمال ہی نہ ہوا، تصدیق کرنا پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین آ گیا کہ یہ آواز من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست جو کہ اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون کے سلسلہ میں تھی قبول فرمائی۔ فرمایا بہت اچھا ہم نے تمہارے بھائی ہارون کو بھی نبوت دیدی قال قد اوتیت سؤلک یموسیٰ اور درخواست یہ تھی۔

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ اَهْلِيْ هَارُوْنَ اَخِيْ اَشَدُّ بِهٖ اٰزْرِيْ وَاَشْرِكُهُ

فِيْ اَمْرِيْ۔ (پ ۱۶-۱۱۷) سورۃ طہ

یعنی میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی ہارون جو کہ میرے بھائی ہیں ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کیجئے اور انکو میرے کام میں شریک کر دیجئے۔

اب گویا حق تعالیٰ فرما رہے ہیں مگر تمہارے بھائی ہارون کو ہم نے نبوت تو دیدی لیکن رہیں گے تمہارے ہی ماتحت۔

مُعین اور مُعاوِن ایسا ہونا چاہیے :

اس واقعہ موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ ساتھی اسی کو بنانا چاہیے جو ہم مشرب اور ہم مسلک ہو، ہم خیال ہو۔ اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ اگر ایسا آدمی مل جائے جو اپنا ہم مسلک و ہم خیال ہو تو پہلے اپنے خاندان سے ساتھی بنانا چاہیے۔ اس آیت میں نفی ہو گئی اُن لوگوں کی جو یوں کہا کرتے ہیں کہ اپنے خاندان والوں کو مشیر نہیں رکھے۔ نہ معلوم انہوں نے کیسا قرآن شریف پڑھا ہوا ہے۔ احقر اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ غیر تو پھر بھی غیر ہے تو پھر خیر کہاں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ بھی نبی ہونے کے باوجود مشیر و معاوِن طلب کر رہے ہیں۔ اپنے خاندان ہی میں سے نہیں بلکہ اپنے گھر کے حضرت ہارونؑ کو گویا ان کو اپنا معاوِن بنا رہے ہیں۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق من حیث المَعین :

اور یہ معاوِن و ساتھی کا ہونا تو پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے ”کچھ نکتے ہوتے ہیں“ پہلے سے کیسا چلا آ رہا ہے ذاتِ باری تعالیٰ نے جنت میں آدمی ”بشر“ پیدا کیا ان کا نام آدم رکھا۔ صرف ایک ہی بشر پیدا کیا اور جنت کیسی جگہ ہے سب کو معلوم ہے مگر اس کے باوجود چونکہ بشر ہیں اُس ذات میں کچھ چیزیں رکھی ہیں کہنے لگے: اے اللہ اے خالق برتر! آپ سب باتوں پر قدرت رکھتے ہیں، میں تنہا ہوں ذرا جی بہلانے کے لئے دوسرا آدمی ہو جائے زیادہ اچھا ہوگا۔ چونکہ جنت میں تھے ایک خیال سا آیا

بس خیال آتے ہی کچھ عنودگی سی ہوتے ہی دیکھا کہ کوئی اور بشر بیٹھا ہے ”بشری“ وہ بشر تو تھے یعنی آدم علیہ السلام اور جو پیدا ہوا وہ بھی بشر تو ہے مگر بجائے بشر کے بشری بروزن فعلی یعنی عورت بنام حوا علیہا السلام اب یہ الگ بات ہے کہ اس مرد بشر کے لئے دوسرا مرد بشر کیوں نہ پیدا کیا گیا اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔

اس واقعہ آدم سے معلوم ہوا کہ بشر کی طبیعت میں تنہائی رکھی ہوئی نہیں ہے اور یہ طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے اور جب یہ ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس عالم شہود میں جبکہ مغیبات میں بھی بتقاضائے بشر دوسرا ساتھی کی طلب کی ہے بتقاضہ بشر اکیلے ہونے پر دوسرے ساتھی کی طلب کیوں نہ ہو مگر دوسرا کیسا؟ اس کے متعلق ابھی عرض کیا گیا اور نہ مشرب میں فرق ہو کر کہیں تفریق اور جھگڑا پیدا نہ ہو جائے۔

گھر والوں کا حق دوسروں پر مقدم ہے :

جب موسیٰ علیہ السلام نے دوسرے رفیق کی چاہت ظاہر کی تو اپنے گھر میں سے بھائی کا نام لیا۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ دوسرا آدمی معین کی حیثیت سے اپنے گھر کا زیادہ اولیٰ ہے اور اس کے خلاف کہنے والوں کی نفی ہوگئی۔ ہاں جب گھر کا کوئی آدمی کوئی ساتھی بننے کے لائق نہ ہو تو پھر اقارب میں سے کہ وہ عقرب بمعنی بچھونہ ہو یعنی جو قریبی رشتہ دار عزیز ہو۔ تو پہلے اپنے گھر میں سے پھر اپنے رشتہ داروں میں سے وغیرہ وغیرہ اور جب نہ ہو تو سوچنا پڑے گا کہ غیر وہ ہو جو اپنا ہم خیال ہو، ہم مشرب ہو ورنہ اس غیر میں خیر کہاں۔

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا اب بجائے اِذْهَبْ کے اِذْهَبَا تثنیہ ہو گیا یعنی دونوں جاؤ اور حضرت ہارون کو ساتھ لینے کی اس لئے

بھی ضرورت تھی کہ اُن کی تقریر میں روانگی تھی اور ان کے کلام میں لگنت تھی۔ فرمایا کلامی حیثیت سے مجھ میں کچھ نقص ہے لیکن باوجود اس اظہارِ نقص کے بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ ہی کو نبوت برسالت پر فائز فرمایا۔ یعنی جس کو نبی بنا کر جدید کتاب دیکر بھیجا جائے اسی کو رسول کہتے ہیں اور نبی عام ہے چاہے وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ لیکن نبی رسول ہو کر صاحب کتاب بھی ہوتا ہے تو حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہوئے چونکہ ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اور حضرت موسیٰؑ کو نبوت دے کر پھر رسالت بھی دی گئی کیونکہ ان پر کتاب بھی نازل فرمائی۔

اس واقعہ حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارون علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لئے جس کو مقرر کیا جائے اس کام کے لئے اس میں کمال ہونا ضروری ہے دوسری بیرونی چیز میں اگر کوئی نقص ہو تو غیر معتبر ہے۔

امرِ مفوض کے لئے کمال شرط ہے :

حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ چاہیے۔ چنانچہ خود حضرت داؤد نے جو کہ نبی ہیں فرمایا کہ فلاں شخص جو تمہاری قوم میں ہے وہ تمہارا بادشاہ ہوگا۔ قوم نے یوں بھی کہا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہم اس سے بڑھ کر ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جواب دیا کہ جس کام کے لئے تم نے چاہا تھا اس کے لئے عند اللہ وہ پوری اہلیت رکھتا ہے کہ جسامتِ ظاہری کے ساتھ بسطۃً فی العلم بھی ہے اس کا بھی ذکر قرآن شریف میں ہے اور باطنی کمال بھی اس میں موجود ہے۔ جیسے شاہی انتظام، لشکری و فوجی نظام اور ظاہری جسم بھی کمالی ہے تاکہ دیکھ کر ظاہری طور پر رعب طاری ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ کلام کرنے والے میں جس طرح معنوی کمال اس کام

کے لئے ہونا چاہیے اسی طرح ظاہری کمال بھی ہونا چاہیے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست منظور فرمائی لیکن جس کام کے

لئے بھیجا جا رہا ہے اس کام میں کمال کی وجہ سے تم کو منتخب کیا جا رہا ہے۔ تم اصل ہو وہ

ماتحت! گو تم عمر میں چھوٹے ہو اور وہ بڑے ہیں۔

کارِ نبوت و معجزہ موسیٰ علیہ السلام :

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینی شروع کر دی، بھلا وہ کہاں مان

سکتا تھا، وہ تو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اے اللہ اس دعوت دینے کے لئے شہادت جس

کا دوسرا نام معجزہ ہے چاہیے تاکہ سب عاجز آجائیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت دی تو معجزہ کا ظہور وہیں کرادیا تھا۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ... یعنی اے موسیٰ علیہ السلام تمہارے دائیں ہاتھ

میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے مگر حسی طور پر معلوم کرانا چاہتا ہے اور اس سوال میں

ایک معنوی چیز رکھی ہوئی ہے۔ وہ جو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا نکاح

کراتے ہوئے ایک لاٹھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تھی وہیں سے نبی کی ایک سنت

نکل آئی کہ جہاں تک ہو سکے لکڑی دائیں ہاتھ میں رکھو۔ تو قلم بھی ایک چھوٹی سی لاٹھی

ہے وہ بھی دائیں ہاتھ میں ہونی چاہیے یہ بات ضمناً آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا : هِيَ عَصَايَ يَه مِيرِي لَاتْھي ہے اس

سے بات ختم ہوگی تھی لیکن آگے بول رہے ہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ سے کلام کرنے

پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل گھل گیا، محبت میں ذرا اور کلام کرنے کو جی چاہا لیکن اسی

پہلی بات سے متعلق چنانچہ عرض کیا۔ اَتَوَكُّوْ عَلَیْهَا وَاھشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَا لٰی فِیْهَا

مَارِبُ أُخْرَى۔ (پ ۱۶۔ ۱۰ع) سورة طه

یعنی کبھی اس سے ٹیک لگاتا ہوں اور کبھی اس سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سی حاجتیں ہیں جو اس سے پوری کرتا ہوں۔ کیا کیا بیان کروں زیادہ بات کرنا بھی محبوب کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ادب سیکھ لیا اور خلاصہ کر لیا اس پر جزئیہ متفرع ہو گیا۔ کہ جب مدرس کسی کتاب کا درس شروع کرے تو جو باب ہے اور جس چیز کا بیان ہے اس کے متعلق کچھ تفصیل کرے اس سے خارج ہو کر تفصیل نہ کرے تفسیح اوقات ہوگا اور پھر ذہن میں کہاں محفوظ رہے گا۔ ایسے ہی امتحان کے سوالات کے جوابات میں بھی سوال کے متعلق ہی کچھ لکھنا چاہیے۔ جب یہ فوائد بیان ہو گئے تو ذات باری تعالیٰ نے حکم دیا قَالَ الْقَهَا يُمُوسَى اے موسیٰ علیہ السلام اس لاکھی کوزمین پر ڈال دو بس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم میں اس کوزمین پر ڈال دیا۔

تابع کو اتباع و اعتقاد لازم ہے :

جس کسی کو استاد بناؤ، تابعیت کے ساتھ، محبت کے ساتھ تو محبت کا ظہور اور اتباع ہو، اور چون و چرا دلیل و شہادت ہے محبت صحیح واقع نہ ہونے کی۔ بلکہ خود غرضی کی محبت ہے یہ علامت ہے کہ اگر کام بن گیا تو محبت ہے اور کام نہ بنا تو عداوت۔ اسی طرح کسی بزرگ کے پاس جائے گا تو یہی معلوم و مفہوم ہوگا کہ محبت سے آیا ہے عقیدت سے آیا ہے۔ اب جب بزرگ کوئی نقص دیکھے گا تو اس کو بھی کہا جائے گا اس کہے جانے پر بُرا ماننا یہاں تک کہ عداوت کا آنا اور بے ادبی کا دل میں آنا اور پھر کسی وقت اس کا اظہار بھی ہو جانا یہ کونسی عقیدت تھی کونسی محبت تھی۔

ایک صاحب خانقاہ شریف تھانہ بھون حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن سے کوئی نامناسب بات ہوگئی شیخ تو طالب اصلاح کو صرف معصیت اور گناہوں پر ہی نہیں ٹوکے گا بلکہ جو بھی نامناسب بات ہوگی اگرچہ وہ معصیت نہیں ہے ٹوکے گا تا کہ معصیت تک نہ پہنچ جائے۔ جیسے طبیب مریض کو ٹوکتا ہے کہ گوشت مت کھانا حالانکہ گوشت کھانا جائز ہے مگر روک رہا ہے چونکہ مریض کے لئے مناسب نہیں تو حضرت والا نے اُن کو ٹوکا بلا ملے اور بلا مصافحہ کئے چلے گئے اور پھر اپنی جگہ سے خط بھیجا کہ مجھے آپ کے زہد و علم کا لحاظ ہو گیا تھا اس لئے خاموش رہا تھا۔ یہ عقیدت تھی! اور آگے یوں بھی لکھا کہ الحمد للہ فضل الہی سے آپ کی دعا کی برکت سے میری بینائی اچھی ہوگئی، حضرت والا نے فرمایا کہ یہ بھی وہم ہے۔

خدا کے حکم میں لم اور حکمت کی گنجائش نہیں :

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ لاٹھی ڈالو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دی اس میں بھی کچھ حکمت ہوگی۔ چونکہ نبی قبل نبوت بھی معصیت سے پاک ہوتا ہے تو پھر بھلا وہاں شرک کا کیا کام، اور نبوت کے بعد تو معصیت ہے ہی نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ کوئی حکمت ہوگی اور سوچا کہ میں یوں سوال کروں کہ آپ کیوں ڈلوا رہے ہیں اس میں کیا مصلحت و حکمت ہے یہ ہے ایمان۔ مؤمن کو جب علم ہو گیا عمل کرنے کے لئے کسی سوال کی گنجائش نہیں ہے۔

مقصود اتباعیت ہے شوق پورا کرنا نہیں :

حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں چار صحابی بیٹھے ہوئے تھے، حضور

ﷺ نے فرمایا کہ تم چاروں اسی وقت فلاں جگہ کے لئے روانہ ہو جاؤ اور فلاں وقت تک پہنچنے کی کوشش کرو، ضرورت اور کام ہے..... یا رسول اللہ ﷺ بہت اچھا! چاروں اٹھ گئے تین تو گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے گئے ان میں سے ایک صحابی نہیں گئے۔ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ کے فضائل حضور ﷺ سے سُنے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ نے خطبہ پڑھا نماز سے فراغت ہوئی روانگی سے پہلے دربارِ حضوری ﷺ میں حاضر ہو کر سلام و مصافحہ کے لئے پیش ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم تو چار تھے وہ تین کہا گئے؟ اُس نے کہا وہ تین تو اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، اور تم؟ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خیال کیا کہ آج جمعہ کا دن ہے نمازِ جمعہ کی فضیلت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی توفیق حاصل کرنے کے لئے جی نے چاہا اور آپ کے حکم کی تعمیل اس طوح کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جو کہ اُن کے گھوڑوں سے زیادہ تیز رو ہے میں اب سوار ہو کر روانہ ہو جاؤں گا اور راستہ میں ہی اُن کو پالوں گا اور ساتھ ہی ہم چاروں اس مقام پر پہنچ جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فرمایا کہ سبقت لے جانے والے سبقت لے گئے ان کو جو تقرب حاصل ہوا ہے اس اتباعیت میں اس تقرب سے آپ رہ گئے۔ اُنھوں نے اتباع کی اور تم سے سبقت لے گئے اور تم نے اپنا زوق و شوق پورا کیا۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ اظہارِ محبت میں وہ گناہ نہیں ہوا عبادت ہی ہوئی لیکن جو حکم تھا اُس کے موافق نہ کیا اور اُنھوں نے اتباع کی اور یہ دونوں چیزیں نہ کیں۔ لیکن اس کے باوجود اس اتباعیت سے اُن کا درجہ بڑھ گیا۔

تباعیت اور عقیدت کا ظہور :

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اتباعیت میں لاشی ڈال دی، بس لاشی کا الٹا تھا وہ تو یکا یک اچھا خاصا سپیلا کا سا اژدھا بن گیا **فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ** با حیات نیوان اپنی ہی تو لاشی تھی اپنے ہاتھ میں کبھی اس طرح نہیں دیکھا اور لاشی حتیٰ بنیٰ بشکل نیوان اور وہ بھی لمبا چوڑا اجدھا بن گیا۔ فطرت کے تقاضے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام رگے حالانکہ وہ لاشی پہلے سے دیکھی تھی مگر اب شکل غیر ہے تو حکم ہوا: **قَالَ خذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْاُولَىٰ** حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: پکڑ لو اور ڈرو مت کہہ سنا کہ یہ پہلے تھا ویسا ہی بن جائے گا۔ اور جب پکڑ لیا تو وہ پہلے کی لاشی بن گئی اسی کا نام معجزہ ہے۔

جب فرعون نے کہا کہ آپ یوں فرما رہے ہیں تو حید کی دعوت دے رہے ہیں ثبوت لاؤ، لاشی ڈال دی تو وہ اژدھا بن گیا فرعون نے کہا لو گو! دیکھو یہ کیا جادو دکھا رہا ہے اس طرح دکھا دکھا کر مجھ پر اور تم پر غالب آنا چاہتا ہے تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس آدمی نے سحر اور جادو دکھایا ہے اس میں تو کوئی بات نہیں آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں اس سے بھی بینظیر اور بظاہر علیم ہیں۔ علیم کا لفظ استعمال کیا عالم کا نہیں **سَحَّارٌ عَلِيمٌ** آپ کے ملک میں تو بڑے بڑے باکمال جادوگر موجود ہیں۔

ایک کے مقابلے میں سارے جادوگروں کو بلایا جا رہا ہے ارے بیوقوف! تو یہی سمجھ لے کہ ایک جادوگر کے مقابلے میں اور تو یوں بھی کہہ رہا ہے کمال والے جادوگر ہیں تو پھر بس ایک کو بلا لے دیکھو تیرے مصاحب کتنی کمزوری کی بات کر رہے ہیں یہ تو

اچھے مشیر نہیں یہ بات متفرع ہوگئی۔

حاکم مشورہ کے بعد بھی فکر سے کام لے :

اس مشورہ مصاحبین فرعون سے معلوم ہوا کہ باتفاق رائے بھی کوئی رائے دیجائے تو عقل کو بھی کام میں لانا چاہیے چونکہ ان کے کلام میں خود ضعف تھا ایک مقابلہ میں کئی کو کہہ رہے ہیں ”اے فرعون بادشاہ تیری عقل کہاں چلی گئی“ فرعون کہہ دیا بہت اچھا حالانکہ بادشاہ کی عقل بھی بادشاہ ہوتی ہے ان کی رائے میں دبا اس پر دبا آگیا افسر ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ سوچے اور غور کرے۔

ایمان پر بات چلی تھی دربار آئے فرعون نے جادوگروں سے کہا کہ موہنے والے جادو لائے ہیں ان کا مقابلہ ہے انہوں نے کہا بہت اچھا لیکن ہم اگر غالب گئے یعنی کامیاب ہو گئے تو ہمیں اونچے سے اونچا صلہ کیا ملے گا؟

قَالُوا لِفِرْعَوْنَ اِنَّ لَنَا لَاجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكَ اِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ (پ ۱۹-۷۷)

فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم اس صورت میں مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ جملہ بول کر بتا دیا کہ قرب سے زیادہ کوئی دوسری چیز مانگنے کی نہیں ہے اور تقرب ملنے پر بھی کوئی چیز اس کے مقابل کی نہیں۔

اسی تقرب کو ذات باری تعالیٰ نے بندگانِ مومنین متقین کے لئے یوں فرمایا کہ اس میں میرا تقرب ہے تم میرے مقربین میں سے ہو، من تقرب منی شبر..... الخ معلوم ہوا کہ تقرب جس کو حاصل ہو جائے اس سے زیادہ اور کوئی چیز ”اعظم“

مسئلہ نہیں، دُنیاوی مخلوق یہ صلہ بیان کر رہی ہے خالق برتر اپنے متبعین کو تقرب کا صلہ بیان فرما رہا ہیں کہ تم میرے مقربین میں سے ہو کتنی حوصلہ افزائی بیان فرمائی ہے ”اس ات حق کے ساتھ طاعت کی طرف کامل رغبت ہو اور معصیت سے بالکل کمال نفرت ہو یہی قربت ہے اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو اور وہ جو کچھ چاہتے ہو اس لئے کہ حکم کی تعمیل ہے کہ میرے تقرب کا جو کل ہے وہ جنت ہے ورنہ اصل چیز تقرب ہی ہے۔
یہیں سے مسئلہ نکل آیا کہ مخلوق مخلوق کی کامیابی پر یوں کہہ رہی ہے کہ تم یقیناً میرے مقربین میں سے ہو گے وہ احکم الحاکمین فرماتا ہے تمہاری طاعت کاملہ پر میرا تقرب حاصل ہے۔

مدعی نہ بنے :

پھر جادو گروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ ایمان فراست ہے حقائق پر نظر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی ڈالو اَلْقُوا موسیٰ علیہ السلام نے مدعی بننا نہیں چاہا مقابلہ میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مدعی کے ذمہ ثبوت دعویٰ کے لئے بڑی مضبوطی اور بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور مدعی علیہ کے لئے اتنی مضبوطی نہیں اس لئے مدعی بننا نہیں چاہا۔ نبی ہیں اور معجزہ دیا ہوا ساتھ ہے لیکن پھر بھی اپنے عجز کا اظہار فرما رہے ہیں اپنے دعوے کا اظہار نہیں فرما رہے۔

عجز اور تفویض مسئلہ سلوک و تصوف ہے :

موسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر دعویٰ دینا نہیں بنے۔ اس لئے کہ نبوت کے لئے عجز اور

تفویض لازم ہے اپنے تمام کاموں کو سپردِ خدا حکمِ تعمیل استعمالِ اسبابِ صحیحہ ہو۔ نبی نے ہر جگہ یہی کہا: **أَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ** مسئلہ سلوک و تصوف آگیا جو کہ شریعت کا اعظم جز ہے عجز کا تعلق اعضاء اور ظاہری جسم سے ہے اور تفویض متعلق بالباطن ہے اور باطن وہ قلب ہے لہذا قلب میں انتہائی درجہ کا عجز اور تفویض ہو۔ جب یہ آجائے تو سارے امراضِ نفسانی ختم ہو جائیں گے۔

انسان کا ذاتی حق عجز اور خدا تعالیٰ کی کبریائی ہے :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔ اپنے تمام کاموں کی کامیابی میں تفویض یعنی سپردِ خدا ہو اگر اس پر نظر ہو تو اس کام والے کو تسلی، سکون قلبی کس درجہ کا اور چین کس درجہ کا ہوگا اور یہ ایمان اجمالی حکمت پر ایمان ہے کہ جو میرے لئے ہوگا اس میں کوئی حکمت و مصلحت ہوگی اور اس میں مغفرت ہوگی تو سکون و چین قلب کو حاصل ہوگا اور یہی اصل چیز ہے۔

اولیاء اللہ جو بے چین نہیں ہوتے اسی وجہ سے کہ ان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور قلب میں انتہائی عجز ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کا قلب بے چین نہیں ہوتا اگرچہ جسم کو بے چینی ہو جائے کیونکہ قلب مجرد ہے اور جسم مرکب ہے اگرچہ جسم کو گھبراہٹ و بے چینی ہو جائے۔ یہ آہ آہ کرنا جسمانی بیچینی کا ظہور ہے یہ قلبی بے چینی کا ظہور نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ بیمار ہو گئے، کیا انہوں نے زیادہ کھا لیا تھا پیٹ بھرنے کو بھی کھانا پسند نہیں کرتے تھے اور کیا نبی بیمار نہیں ہوتے؟

حضرت تھانویؒ کا ایک صاحب کو مواخذہ کرنا :

گرمی کا موسم ہے نماز حضرت والا خود پڑھاتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد اپنی

جگہ پر لوگ ذکر و تلاوت کے لئے بیٹھ گئے، مسجد کے صحن میں ایک صاحب قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے ایک صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر جو کہ عالم بھی تھے ایک تلاوت کرنے والے کے پاس جا کر قریب بیٹھ گئے۔ سہ دری سے حضرت کی نظر پڑ گئی کہ وہ صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر جو اپنے معمول و تلاوت میں لگے ہوئے تھے جا کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو بلا یا حاضر ہوئے؛ فرمایا تم اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے اپنی جگہ سے کیوں اٹھے؟ پہلا سوال یہ ہے۔ حضرت میں ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ پشت آپ کی طرف ہو رہی تھی اس لئے اٹھا۔ ظاہر ہے کہ پیر صاحب اور پشت یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کسی کی طرف بھی کرنا ہے بے ادبی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جگہ تو بہت کُشادہ تھی آپ اس جگہ کو چھوڑ کر ان کاموں میں لگے ہوئے اُن کے پاس جا کر کیوں بیٹھ گئے؟ کوئی جواب نہیں اور عالم ہیں اور ذی استعداد ہیں کوئی جواب نہیں۔ اچھا آپ نے سنا نہیں میں پھر کہتا ہوں تیسری مرتبہ کہنے اور جواب نہ ملنے پر پوچھا اور کہا! انتقالِ ذہنی کر رہے ہو۔

ایک صحابی کے بلا استیذان دخول پر فعلی تعلیم نبوی:

اس مطالعہ اور روک ٹوک پر حضور ﷺ کا ایک واقعہ پیش کیا تھا آپ ﷺ خیمہ شریف میں ایک صحابی کے ساتھ بیٹھے ہوئے گفتگو فرما رہے تھے، ایک صحابی آئے اور خیمہ سے پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئے نہ سلام کیا اور نہ اجازت لی بیٹھ گئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے گھر میں آنے کی اب تک آپ کو آیت معلوم نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنُوا

تسلموا علیٰ اہلہا۔ (پ ۸۱ - ۱۰۷)

اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جیتک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ بلکہ اپنے گھر میں بھی شاید کوئی پردہ دار عورت آئی ہو یا اپنی گھر والی ہی نہ معلوم کس طرح بیٹھی ہوئی ہو اور شرمائے اچانک میاں کے آنے پر۔

حضور ﷺ نے فرمایا باہر جاؤ مطالعہ کرایا جا رہا ہے جاؤ اور خود تعلیم کر دیتے کہ پیغمبر ہیں خود طریقہ نہیں بتلایا بلکہ جو صحابی بیٹھے ہوئے تھے ان سے کہا ذرا باہر جا کر ان کو تعلیم دو اس سے جا کر کہو کہ کس طرح آنا چاہیے۔ حضور ﷺ خود بھی فرما سکتے تھے مگر اہتمام دلانا تھا تا کہ واقع فی النفس ہو جائے دل میں بیٹھ جائے۔ خیر وہ تو حضور کی بات ہے کوئی بات کہنی نہیں؛ تو صحابی سے ایک قسم کا جرم ثابت ہو گیا اب اس کا مطالعہ کرایا کہ یہ ذہن کی لا پرواہی اور بے خبری کیسی۔

حضرت تھانویؒ کے روک ٹوک کرنے کی غرض :

اس پر حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں جو اپنے پاس آنے والے سے روک ٹوک کرتا ہوں اس لئے کرتا ہوں کہ ان میں فکر پیدا ہو جائے بس اس کے سوا میرا کوئی اور مقصود نہیں اور بے فکری انتہائی درجہ کی بلا ہے۔ اور فرمایا کہ ایک ہزار سال تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوئی لیکن آخر میں بے فکر ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت ہاتھ سے نکل گئی، یہ بے فکری اتنا بڑا جرم ہے۔

آدمی بننا مشکل ہے :

اسی کو حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قطب بننا ہو اور غوث اور کیا کیا کسی دوسری جگہ چلے جاؤ اور جس کو آدمی بننا ہو میرے پاس آ جاؤ بفضلہ تعالیٰ آدمی پہلے

بنو تو گویا ایمان پر خاتمہ ہو گیا، اگر ایمان کامل ہونے میں ذرا کمی ہے تو کامل نہ سہی کچھ نقص ہے تو جنت میں جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ چاہے دخولِ نار کے بعد مؤمن کو بھیج دیں تو جنت میں چلا گیا مگر دخولِ اولِ مخلو و جنت وہ تو مؤمنِ کامل کے لئے ہی ہے۔ بعنوانِ دیگر دخولِ اولیٰ بلا دخولِ النار مخلو و جنت۔ تو یہ دخولِ جنت مقررین و مخلصین ایمان کے لئے ہے لیکن بلا دخولِ نار یہ کون سا مسئلہ ہے پھر مؤمن کو خطاب کیوں کیا کہ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ کہ دوزخ کو کافروں کے لئے بنایا گیا ہے تمہارے لئے نہیں۔ اگر تمہارے کاموں میں بھی ایسی کوئی شبہ کی چیز آگئی تو پھر دخولِ نار تمہارے لئے بھی ہے۔

فکر و اصلاح کی تعلیم :

الغرض وہ عالم صاحب بیٹھ گئے ان کی سمجھ میں نہیں آیا حضرت والا نے فرمایا میں دریافت کرتا ہوں کہ آپ اس طرح معمول میں تلاوت میں مشغول ہوتے اور جس طرح آپ جا کر بیٹھ گئے آپ کے اس طرح کوئی قریب جا کر بیٹھ جاتا تو آپ کے دل پر بوجھ پڑتا یا نہ پڑتا آپ کے کام میں انتشار ہوتا یا نہ؟ اب انہوں نے کہا سمجھ میں آ گیا۔ فرمایا ہاں جب آپ کے دل پر بوجھ پڑتا سمجھ میں آیا یہ بے فکری..... آپ نے اس عمل سے پہلے کیوں نہ سوچا کہ میں ان کے پاس جا کر بیٹھوں یا نہ بیٹھوں، اور جب جگہ نہ ہو تو معذوری ہے تو کیا ان کے دل پر بوجھ نہ پڑے گا، مطالعہ کرایا یہی اسلام ہے یہی مسلمان ہونا ہے۔

غلطی کا تدارک :

تو پھر جب غلطی دشمنِ نفس سے ہوگئی تو اس غلطی کا کچھ تدارک کرنا چاہیے کیا تدارک ہو سوال ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا غلطی آپ سے ہوئی اور اسکی تلافی کی

صورت آپ خود سوچیے، مطالعہ کرایا جا رہا ہے یعنی طالبِ تزکیہ کو نامناسب اور خلاف بات ہونے پر دشمنِ نفس کو سزا دینی چاہیے جرم کا تدارک خود سوچو مطالعہ ہو رہا ہے آج تو شیخ کے پاس ہو وہ برابر کہتا رہے تو مطالعہ کا مزاج بن جائے گا فکر کا مزاج بن جائے گا۔ شیخ سے الگ ہو کر نامناسب حرکتوں پر تدارک کا طریق معلوم ہو جائے گا ایسے ہی کو شیخ کہتے ہیں ورنہ پیر تو دنیا میں بہت ہیں وظیفہ دو وظیفہ کی رٹ بتا دینا ان کا کام ہے اور شیخ تو تصوف و سلوک کا فن جاننے والے کو کہتے ہیں آخر وہ مولوی صاحب کہنے لگے حضرت لوگ جو مسجد میں نماز پڑھتے ہیں انکے جوتے سیدھے کر دیا کروں گا؛ واہ واہ! نفس بھی بڑا استاد ہے اس پر تو آپ کی تعریف و خوبی لوگوں میں سمجھی جائے گی کہ صوفی لوگ کیسے مسکین الطبع ہیں جوتے ٹھیک کر رہے ہیں اس پر تو اور مدح ہوگی نہیں اور سوچو؛ کہنے لگے وضو کرنے کی جگہ اور نالیوں صاف کر دیا کروں گا؛ واہ واہ! یہ تو اس سے بھی زیادہ قابلِ مدح ہوگا کہ یہ صوفی لوگ بہت مسکین دل ہوتے ہیں، دیکھو نالی صاف کر رہے ہیں یہ تو اور مدح کی بات ہے اور مدح میں نفس پر کیا زور پڑتی وہ تو اور خوش ہوگا؟ حضرت خانقاہ سے چلا جاؤں گا؛ ہاں یہ ٹھیک ہے یہ ہے تدارک اور سزا، چلے جاؤ خانقاہ سے۔ اٹھ کر چلے، اچھا ذرا سٹو! کہاں جاؤ گے.....؟ لو ہاروں جاؤں گا۔

خود صاحبِ زیارت بنیئے :

آج کل لوگوں کو مزارات پر جانے کا بہت شوق ہے کہ وہاں جا کر نقلیں پڑھیں گے تبرک و برکت حاصل ہو جائے گی دعاء کر لوں گا گو یہ یہ ایک سہل نسخہ ہے اپنے نفس کو قابو کرنے میں، اسلام کے اعمال کو اختیار کرنے کا، سرہند شریف مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر جاتے ہیں اس کا انکار نہیں لیکن جو اصل چیز ہے وہ نماز و خجگانہ جماعت کے ساتھ

ہے اور دربار الہی میں دُعاء و درخواست کرتے رہنا یہ چونکہ بوجھ ہے اور زیارت تو ایک شوق ہے، ارے خود صاحب زیارت کیوں نہیں بنتے! ایمان کے ساتھ تقویٰ اختیار کیوں نہیں کرتے ایمانِ کامل اختیار کرنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے کہ صورت، وضع، قطع، لباس اسلامی تقاضے کے مطابق نہیں اس وقت کافر مسلمان کی پہچان کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ نام پوچھا جائے تو معلوم ہو۔ یہ جزئیاتی چیزیں ہیں جو ضمناً آگئیں۔

بات ان عالم صاحب کی تھی کہ کہاں جاؤ گے؟ لوہاری۔ حضرت والا نے خیال فرمایا کہ وہاں ان کی جان پہچان والا کوئی نہیں اکیلے ہوں گے اور دشواری ہوگی۔ فرمایا ”لوہاری مت جاؤ ذرا دور بھی ہے تھانہ بھون سے جلال آباد چلے جاؤ“ میں یہاں تھا تا کہ دوسرا دوست ملے دوسرے دوست کی بات شروع ہوئی تھی زیارت کی ممانعت کر دی اور زیادہ سکون کی بات فرمائی کہ جلال آباد چلے جاؤ تھانہ بھون سے قریب ہے سفر بھی قریب ہو گیا اور سکون بھی ملا کہ دوسرا مل جائے گا۔ وہ یہاں آگئے ملاقات ہوئی، سلام مصافحہ کے بعد پوچھا کہ بھائی کیا بات ہوگئی۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا، اچھا دو لفافے منگوا لو۔ لفافے منگوائے اور حضرت والا کو پورا واقعہ لکھا کہ یہ اپنے اعترافِ قصور کرتے ہوئے طلبِ معافی کر رہے ہیں جواب آگیا دل میں صاف، سب معاف تشریف لائے، چلے گئے یہ مطالعہ کی بات ہو رہی ہے۔

یہ بات اس پر چلی تھی کہ عجز انسان کا ذاتی حق ہے اسی چیز کی سلوک میں پیدا کئے جانے کی کوشش اور سعی تام ہوتی ہے اور جب یہ آجائے تو تکبر چلا جائے گا اور اسباب کا استعمال صحیح بخد جواز شرعی لیکن کامیابی پر نظر نہ ہو بلکہ تفویض جو کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ذاتی حق ہے یہ چیز ہے تعلیم حاصل کرنے کی اس پر نظر ہے۔

جادوگروں کا ایمان اور فرعون کی دھمکی :

حضرت موسیٰ عليه السلام نے فرمایا نہیں بَلُّ الْقُوَا یعنی تم ہی ڈالو۔ جادوگروں نے لاشیاں رسیاں وغیرہ ڈال دیں سارے کے سارے سانپ بن گئے اب موسیٰؑ اکیلے ہیں۔

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى ۚ قُلْنَا لَا تَحْفَ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۚ
وَأَلْقَىٰ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوا ۚ (پ ۱۶ - ۱۲ع)

یعنی موسیٰؑ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب آؤ گے اور یہ تمہارے۔ دائیں ہاتھ میں جو ہے اس کو ڈال دو، لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ سب کونگل جائے گا۔

وہ تو دیکھ ہی چکے تھے بس فوراً ڈال دی وہ لاشی برکتوں سے بھری ہوئی۔ وہ اڑدھا بن گیا اور سب جادوگروں کے سانپ بنے ہوئے کونگن لگا تم تو میرے بچے ہو آ جاؤ پیٹ میں جادوگروں کا جادو حیران ہو کر رہ گیا اور سب بول اٹھے چونکہ سارے فن سے واقف تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ فن جادو نہیں ہے۔ جس چیز کا یہ دعویٰ کر رہے ہیں یعنی نبوت اور رسالت کا وہ صحیح ہے۔ بصیرت آگئی بصارت سے دیکھا تھا بول اٹھے۔

قَالُوا امْنَا بِرَبِّ هَرُونَ وَمُوسَىٰ هَمْ تَوَا اِيْمَان لَے آئے۔ ایمان کا لفظ آیا ہے جس کا نام تصدیق قلبی ہے جس میں تکذیب کا وہم تک نہ ہو۔ بس فرعون کو غصہ آیا کہ ان جادوگروں نے ہار مان لی، بولا قال امنتُمْ له قبل ان اذن لكم۔ اِنَّه لَكَبِيْرٌ كُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمْ السِّحْرَ۔ وہ سب کے سب اپنی نظر میں ذلیل عاجز ہو کر تکریم مٹا کر ایمان لا کر کامل ایمان والے ہو گئے فرعون کا غصہ اتر آیا اور چال چلی رعیت کے

سامنے کہ یہ تو ملی بھگت معلوم ہوتی ہے یہ ان کا اُستاد ہے جس کا نام موسیٰ الطیبؑ ہے یاد رکھو بلا میری اجازت کے امنا..... باز آ جاؤ ورنہ تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کاٹ کر پھینک دوں گا، فَلَا قُطْعَنَ اَيْدِيكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَاَصْلِبَنَّكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ وَكَتَعَلَمَنَّ اَيْنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَاَبْقَى۔ تم کو سولی پر چڑھا دوں گا اور ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ جادو گروں نے جواب دیا، قَالُوا لَنْ نُؤْتِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَاَلَّذِي فَطَرْنَا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ۔ اِنَّمَا تَقْضِي هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ یہ ہمارا ایمان ایسا نہیں ہے جتنا تم ستا سکتے ہو ستاؤ۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دو سولی پر چڑھا دو یہ ہے ہمارا ایمان۔ دیکھو اوّل وہلہ ہی میں ابھی نماز بھی نہیں پڑھی تھی بلکہ نفسِ ایمان ہے۔ اس طرح کی تفویض و جزم کہ خلاف کا احتمال ہی نہیں ہے کتنے ڈٹے ہوئے ہیں۔

استقامت پر خوشخبری :

اور ڈٹے ہوتے ہی ذاتِ باری تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں لہذا عامۃً خطاب سب مومنوں کو کر دیا بتصدیقِ قلبی و اقرارِ لسانی سے جنہوں نے رَبَّنَا اللّٰهَ كَمَا اور ثُمَّ اسْتَقَامُوا پس یہ ہے وہ جو کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر جمے رہے ان کے لئے خوشخبریاں ہیں تو کیا نفسِ ایمان حاصل ہے اس کو کامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا سو روپے والے کو عرف میں مالدار کہا جائے گا۔ آج کل تو ایک ہزار روپیہ بھی کسی کے پاس ہو تو اس کو لاکھ روپیہ والا کہتا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔

پہلے زمانے میں جس کے پاس سو روپے ہوتے تھے لوگ کہتے تھے یہ تو بڑا مالدار ہے اور آج ایک ہزار روپیہ والا بھی گنتی میں نہیں آتا۔ جب دُنیا کی دولت میں یہ

حال ہے تو دولتِ ایمان میں کس طرح نفسِ ایمان پر قناعت ہو رہی ہے کمالِ ایمان کی طرف حرص نہیں۔ بالفاظِ دیگر دُنیا کی دولت پر قناعت نہیں جو کہ فانی ہے اور ایمان کی دولت جو کہ باقی ہے جو یہاں بھی اور وہاں بھی کام آتی ہے اس میں کمالِ ایمان کی ضرورت نہیں وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ۔ حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کمالِ ایمان کی توفیق عنایت فرمائیں۔ جا دو گروں کا کمالِ ایمان کہ ابھی نماز بھی نہیں پڑھی اور اس درجہ کا ایمان حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ:

إِنَّا أَمْنَا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ۔ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ۔ اے اللہ یہ بڑے ظلم کرنے والے ہیں ہماری ہدایت اور ایمان کو کامل رکھیے گا کہی ایسا نہ ہو کہ اس کے ظلم و ستم اور مصائب کی وجہ سے طبیعت میں خلاف ہو کر کوئی چیز ہمارے ایمان کے خلاف ہو جائے ہم چاہتے ہیں کہ جو ہمارا ایمان ہے اور آپ کے علم میں ہے اس ایمان کو آخر وقت تک باقی رکھیے گا۔

ایسے ایمان ہونے کے باوجود اپنے عجز اور ایمان کی بقا کو تفویض سپردِ خدا کر رہے ہیں اور زیادہ کمالِ ایمان کی اور تقویت کی درخواست کر رہے ہیں۔

حصولِ شئی سے زیادہ حفاظتِ شئی مشکل ہے :

کسی چیز کا حاصل کرنا اتنا مشکل اور دشوار نہیں جتنا کہ حاصل شدہ کا محفوظ رکھنا مشکل ہے اور پھر ہمارا ایمان وہی یعنی عطا کیا ہوا ہے خاندانی طور سے ملا ہوا ہے تو اس ایمان کا محفوظ رکھنا کیا کھیل ہے؟ اس آئے ہوئے ایمان کو موت کے وقت تک محفوظ رکھنا بہت مشکل ہے۔ ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے میں نکل جاتا ہے پتہ بھی نہیں چلتا اس کی حفاظت آخر وقت تک قائم رکھنے کے لئے دوسرے سامان چاہئیں۔ ان کو

استعمال کرتے رہنے سے ایمان محفوظ باذن اللہ اور پھر ڈٹے رہے بتقاضائے ایمان تو فرشتے ساتھ ہو لیں گے۔

تفصیل ایمان :

لہذا اس عالمِ غیب سے جو تم نے بتقاضائے ایمان اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ پر بلی کہہ کر میری ذات اور میری صفات پر بکمال اعتقاد ایمان سے بول اُٹھے کہ ہمارا پیدا کرنا فضول نہیں ہے اس مغیبات میں جو بھی غایت ہو وہ ہمارے لئے موجود ہوگی ہم ان پر ایمان لائے ہیں اور ملائکہ کا بھی وجود ہے۔ اس مخلوقِ ملائکہ پر بھی ہمارا ایمان عالمِ شہود میں تھا اور نیز ہمارا ایمان اور ہے اور ان کے سوا آخری نبی ﷺ پر بھی ایمان ہے اور جو کتابیں آئی ہیں ان پر بھی ہمارا ایمان ہے اور ہم سمجھ گئے کہ اس عالمِ شہود میں ان اعمال کا صلہ نہیں ہوگا بلکہ اور کوئی عالم ہوگا جس میں کامل صلہ ہوگا پھر لوٹ کر اعمال سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آنا ہوگا اور اس حیات کے بعد ممات ہوگی اس پر بھی ہمارا ایمان ہے اور ایمان و اعمال کا جو حساب و کتاب ہونا ہے اس کے لئے عالمِ حشر ہے اس پر بھی ہمارا ایمان ہے حساب و کتاب پر بھی ہمارا ایمان ہے اور حساب و کتاب کے اعتدال پر ہمارا ایمان ہے ترازوئے عدل رکھی جائے گی۔ میزانِ عدل پر ہمارا ایمان ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی ذات و صفات پر اس طرح سے ایمان لانا کہ اول ہی وہلہ میں ایسا ایمان ہو گیا جیسا کہ عالمِ شہود میں جادو گروں کا ایمان ہو گیا کہ ہم ایمان لائے اب تم جو چاہو کہہ لو کر لو۔

اب مغیبات پر ایمان کے ساتھ عالمِ شہود میں بھیج دیا اب اسی ایمانِ حاصل شدہ کے لئے جو کہ ایمان کا طریق ہے اس کا استعمال کرنا ضروری ہے کہ وہ احکامِ جن کو

شریعت کہتے ہیں مؤمن کے لئے شریعت کا طریقہ بن جانا اسی لئے مباہلت یعنی بیعت کا ہونا کہ ذات باری تعالیٰ سے اس مغیبات میں بیعت ہوئی تھی تو اس کا شہود اس عالم شہود میں بطریق نائبین نایب رسول ﷺ سے بیعت ہوئی، بعثت رسول ختم ہوگئی، اب ان کے نائبین بمشاہدہ رسول ہیں تو قیامت تک کا سلسلہ شیوع یعنی اصلاح بحصولِ کامل طریق کہ شریعت طبیعت بن جائے۔ اب طبیعت شریعت بن کر موجودیت نے پلٹا کھایا گویا کہ معصیت سے موصومیت کی طرف آجائے۔

حق تعالیٰ کا غایتِ لطف و کرم :

ایک شاعر فرماتے ہیں.....

کرم بین و لطفِ خداوندگار گناہ بندہ کردہ است او شرمسار

اس کا کرم اور اس کا لطف تو دیکھو کہ بندہ ہو کر بندگی سے ہٹ کر معصیت کی طرف جا رہا ہے میرا ہو کر مجھے شرم آتی ہے جیسا کہ باپ کہتا ہے کہ بیٹا تیرا کیا بگڑا تو تو کر گزرا لیکن تو نے مجھے منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا ایسے ہی حق تعالیٰ کا کرم دیکھو۔ اور حق تعالیٰ نے پیچھا نہیں چھوڑا جیسے باپ بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑتا طرح طرح کے طریقے اختیار کرتا ہے اگر بیٹے کو آذا د چھوڑ دے تو وہ تو اور بگڑ جائے۔ چونکہ باپ بھی رب مجازی ہے بیٹے کو طرح طرح سمجھاتا ہے کہ تم کہاں جا کر بیٹھتے ہو اور رات کو کہاں جاتے ہو۔

بھلا ذات باری تعالیٰ اپنی مخلوق کا کیسے پیچھا چھوڑنا چاہے گا، کچھ بھی ہو جائے باپ ہونے کا جو فرائض منصبی میں سے ہے اس کے حق پر امتثالاً عمل ہونا چاہیے کہ بچے کو راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف پیار و محبت سے نصیحت کرے شیریں

الفاظ ہوں لہجہ نرم ہوتا لیفِ قلب کر کے تربیت کرو۔

انسان صاحب اختیار ہے :

جب ذاتِ باری تعالیٰ نے انسان کو وجود بخشا کہ جسے صاحبِ الاختیار بنا کر اس عالمِ شہود میں بھیجا، تو ساری کی ساری ذمہ داری اس پر عائد ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں صاحبِ اختیار بنا کر بھیجا اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا تو پھر خلیفہ کچھ کام کرے گا یا نہیں؟ اور جب تم صاحبِ اختیار ہو تو یوں نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے اختیار سے کوئی چیز باہر ہے۔ لہذا جو بھی میں کہوں گا تمہاری جان کے بارے میں تمہارے مال کے بارے میں پھر تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارے اختیار سے باہر ہے اور صاحبِ اختیار جیسا عمل اختیار کرے گا فرمانبرداری یا نافرمانی اس کے ساتھ اسی کے مطابق مناسب معاملہ کیا جائے گا کیونکہ بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی مہربانی کرنے والا ہے بس نافرمانوں کے لئے عقاب ہے اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت ہے اور نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف آنے والوں کے لئے مغفرت ہے۔

لہذا ذاتِ باری تعالیٰ کے جو احکام ہیں ان کو طبیعت بنا لو یعنی شریعت کو طبیعت بنا لو پھر آخرت کی کامیابی متقیوں کے لئے ہی ہوگی۔ تو تم اے ایمان والو! ایمان لا کر متقی بنو اور اپنے ایمان کو کامل ایمان بنا کر رہو، عالمِ مغیبات پر ایمان، امورِ مغیبات کے ساتھ ساتھ اس عالمِ شہود میں انکا ابتلاء و امتحان ہے تو شریعت کو طبیعت بنا نا چاہیے اس کے جو طُرق ہیں اُن کو استعمال میں لانا چاہیے۔ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا مطالبہ ہم سے ایمان کا ہے جو کہ شریعت ہے اسی وجہ سے ابتلاء کا حکم ہے اس کے

لئے ضرورت ہے مباہلت کی۔

تاریخ بیعت و مباہلت :

لوگ پوچھتے ہیں کہ بیعت کا جواز کہاں سے ہے سو یہ عالم میثاق سے نکلی اور اس عالم شہود میں عالم مغیبات کو بطور شہادت عمل میں لانے کے لئے کہ جس کا خلاصہ اس ایمان کو جو کہ شریعت ہے اور اس کی باتوں پر چلنے کے لئے بیع و شرا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** مؤمن ہو گئے تو تقویٰ آ گیا نفس شرک و کفر کو چھوڑ کر یہ تقویٰ نہیں مگر اس پر کیا فرمایا؟ کمال ایمان چونکہ جہاں سے گئے ہو وہیں پھر تم آ جاؤ گے۔ تمہاری جان اور تمہارا مال جو کہ مختلف قسم کا ہے وہ سب کا سب میرے حکم کی تعمیل میں صرف کرو چونکہ تم نے اپنی جان اور اپنے مال کو میرے سپرد کر دیا ہے اب تمہارا کوئی حق اس میں نہیں رہا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے، میرے مرنے کے بعد اے اللہ آپ ہی وارث ہیں تو ہمارا مرنے کے بعد بھی وارث باری تعالیٰ ہیں جو کہ **الْحَيُّ الْقَيُّومُ** ہیں، اس مرنے والے کے بعد وارث ہیں لہذا دنیا میں جو ترکہ چھوڑا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

لہذا اے لوگو ان وارثوں پر جہاں میں کہوں خرچ کرو وراثت تقسیم کرو باپ کا اتنا حصہ، ماں کا اتنا حصہ بیٹی کا اتنا حصہ وغیرہ وغیرہ۔ تو حقیقتاً وارث اللہ تعالیٰ ہے اس لئے تم سے جس کو جب چاہوں بلا لوں اور جو مال چھوڑا جائے وہ میرا ہے۔ اسی واسطے میں نے پہلے ہی شریعت کا جو قانون و حکم قائم کر دیا بس تم اس پر چلو اور اگر تم کو معلوم نہیں تو قانون دان سے پوچھو، اس کے مطابق تقسیم کرو اگر ایسا نہیں کیا تو پھر تم میرے کہاں ہوئے۔ یہ ہے ذات باری تعالیٰ پر ایمان کی انتہا۔

چونتیسویں مجلس

معیت صادقین کے بغیر حقیقت شناسی

کا حصول نہیں ہوتا

۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۰ اپریل ۱۹۹۱ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح

اصلاح کے لئے طویل مصاحبت کی ضرورت :

اصلاح کے بہت جزئیات ہیں بڑے عرصے کی طویل مصاحبت کی ضرورت

ہوتی ہے۔ تب بنتا ہے آدمی اور جب آدمی بن جائے تو اس سے ایذا کا سوال ہی نہیں۔

آزار کہتے ہیں تکلیف کو تو پھر اس سے کیا تکلیف پہنچ سکے؟ چونکہ ایذا تو جانوروں سے

ہوتی ہے آدمی سے نہیں، معلوم ہوا کہ وہ عابد تو بن گیا مگر ابھی آدمی نہیں بنا۔

معمولات میں سہولت اور صحت کی رعایت

سے دوام ہونا چاہیے :

بعض صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ سے حضور اکرم ﷺ کے شب و روز کے

معمولات کے بارے میں پوچھے تھے۔ تو کسی نے کہا کہ میں بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا پوری رات جاگ کر عبادت کروں گا۔ کسی نے کہا کہ میں دن میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گا ہمیشہ روزہ رکھوں گا وغیرہ وغیرہ۔ حضور اکرم کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور بیبیوں سے بھی ملتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی صحت و سہولت کا لحاظ رکھنا شریعت میں فرض ہے اس کو دیکھو اور اس کو دیکھو کہ کسی ضروری کام ضرورتِ دنیویہ جو کہ وہ دنیویہ نہیں ہے اس میں فرق نہ آجائے، نہ اپنی ذات کا، نہ اور کسی کا سہولت و صحت ہمیشہ ملحوظ رکھنا یہ فریضہ شرعی ہے اپنی سہولت و صحت کو دیکھ کر دوام ہو اور اگر کبھی ناغہ آجائے لیکن یہ ناغہ تکامل و تساہل کی وجہ سے نہ ہو تو یہ بھی دوام ہے یہ قید لگادی کیونکہ یہ تو عذر ہو گیا۔

اسی سے جواب نکل آیا کہ اگر کوئی عذر پیش آ گیا تو عذر سے ناغہ ہونا کوئی ناغہ نہیں جب معمولات دوام کے ساتھ ہیں تو وہ بھی دوام ہی ہیں خلاف دوام نہیں ہیں۔

برِ اُولِیْمَہ :

دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے اور منجملہ عباداتِ نافلہ میں سے ہے اور ہر عبادت کے کچھ شرائط ہوتے ہیں تو ولیمہ کے بھی کچھ شرائط ہوں گے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: **شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَةِ یُدْعَى الْیَہِ الْاَغْنِیَا وَیَتْرُکُ الْمَسَاکِیْنُ**۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بُرا کھانا ولیمہ کا کھانا ہے کہ اس ولیمہ کی طرف امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ جو اپنے خاص رشتہ دار امیر ہوتے ہیں انکو تو بلایا جاتا ہے اور جو غریب ہوتے ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس ولیمہ کا کھانا شر ہے۔

ایک ریاء کار مالدار کی حکایت :

ایک شخص نے جو کہ مالدار تھا شادی کی اور خوب ولیمہ دیا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب بہت سستا تھا اور اس نے خوب کھلایا اور ہر باراتی کو دو دو اشرفی دی بارات رخصت ہو گئی اب یہ شخص جہاں سے لوگ گزر رہے تھے راستے کے کنارے جھاڑی میں بیٹھ گیا۔ کسی ایک نے بھی تعریف کا کلمہ نہیں کہا ایک باراتی کی گاڑی ابھی کچھ فاصلے سے آرہی تھی سرف دو آدمی ایک گاڑی سوار تھے، سامنے سے جب قریب گزری تو اس نے کان لگائے کہ یہ کچھ تو کہیں گے۔ تو گاڑی چلانے والے نے کہا کہ واہ واہ! ایسی شادی آج تک نہیں دیکھی ارے دیکھو تو سہی ہر باراتی کو دو دو اشرفیاں بھی دے دی..... تو اس بیٹھنے والے نے کہا کچھ بھی نہیں دیا ارے وہ تو اتنا مالدار ہے کہ اگر چار چار اشرفیاں بھی دیتا تو بھی کم تھیں اس نے تو دو ہی دیں۔ سرپٹ کر رہ گیا کہ اس نے کیوں کھلایا۔

حضور ﷺ کا علماء سے خطاب :

حضور ﷺ نے خطاب فرمایا: **الْعُلَمَاءُ أَمْنَاءُ الدِّينِ مَا لَمْ يُخَالِطُوا**
الْأَمْرَاءَ فَإِذَا خَالَطُوهُمْ فَهُمْ لُصُوصُ الدِّينِ۔ علماء دین کے امانتدار ہیں جب تک کہ امیروں کے ساتھ خلط ملط نہ کر لیں، اور اگر ان کے ساتھ خلط ملط کر لیں تو یہ دین کے چور ہیں۔

طلب صادق کا صحیح طریق :

جب تک طلب صحیح معلوم نہ ہو اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے اس کی دلیل

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَمَّا مَنْ اسْتَعْنَىٰ فَآنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ**۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ فرما رہے ہیں مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں اتنے

تا بینا صحابی عبد اللہ بن اُمّ مکتومؓ حاضر ہوئے اور انہوں نے کچھ پوچھنا چاہا چونکہ نا

ہیں حضور ﷺ نے ان سے اعراض کر لیا کہ یہ تو اپنے ہیں پرانے ہیں پھر بتادیں گے

یہ مسئلہ جو کہ یہ پوچھ رہے ہیں فرعی ہے اور اس وقت میں متوجہ ہو رہا ہوں رؤ

مشرکین کی طرف جو کہ مسئلہ فرعی نہیں اصولی ہے اور فروع اصول پر موخر ہیں تو صح

پوچھ رہے ہیں حضور ﷺ بولتے نہیں ان کو شبہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ علم کا حصول صلوة

مقدم ہے اور نماز مستقرع ہے عقیدہ توحید پر، تو یہ مقدمہ فرعی بدیہی ہے نہ کی نظری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا اور متوجہ ان مشرکین ابو جہل وغیرہ

طرف رہے، تادیب ہوئی اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهِ يَزْكَىٰ۔ اَوْ يَدَّ

فَتَنَفَعَهُ الذِّكْرَىٰ أَمَّا مَنْ اسْتَعْنَىٰ فَآنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ۔ (سورۃ عبس۔ پ ۳۰)

پیغمبر چیں جبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پا

اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا اس کو نصیحت کرنا فانا

پہنچاتا تو جو شخص بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑے ہیں۔

یوں نہیں کہا: **عَبَسْتَ وَتَوَلَّيْتَ** کیوں؟ یہ بیٹھنے والے سنیں گے اوہو! حضور

ﷺ کو تنبیہ کی جس کو ڈانٹ کہتے ہیں اظہارِ گرانی کہتے ہیں اس کی بجائے غائب

صیغہ فرمایا کہ سمجھنے والا سمجھ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تربیت کرنے والا عام صیغوں

سے اور عام عنوان کے ساتھ بات کرتا ہے شخص کے ساتھ خطاب نہیں کرتا۔ سننے والے

طالبین بیٹھنے والے سمجھ جائیں کہ یہ بات تو مجھ میں بھی ہے یہ ہے بیٹھنے کا طریق۔
طلب کا طریق فکرِ آخرت کو لئے ہوئے دُھن ودھیان۔

طالب میں دُھن اور دھیان ہونا چاہیے :

حضرت شیخ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ طالب میں دُھن ودھیان ہو۔ الفاظ یہ ہیں۔ ”روایت جب تک ہو سکے روایت باللفظ ہونی چاہیے اور مدلول کو لے کر اگر روایت کرے تو یہ روایت بالمعنی ہے یہ بھی جائز ہے حدیث میں۔“

تو طالب اصلاح میں دو چیزیں ہوں دُھن اور دھیان بس اپنی دُھن ہو اور کوئی دھیان نہیں۔ اسی لئے ذاتِ باری تعالیٰ مرئی حقیقی نے ایسے کچھ کچے پن کا لحاظ نہیں فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا ہے :

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كِبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّيْمَ۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تھوڑی بہت باتیں مؤمنوں کی جبکہ وہ اجتناب کر رہے ہیں کبائر سے اور پرہیز کر رہے ہیں منکرات سے تو ان جیسے مؤمنین سے کچھ ایسی غلطی تھوڑی بھی ہو جائے میری اس پر نظر نہیں مگر تو اے مؤمن دوسروں کی تھوڑی بہت بات کرنے پر نظر رکھتا ہے اور اپنے پر کیسے کیسے اختلافات ہو رہے ہیں ان سے صرف نظر، اس طرح پرکھو۔

مخاطب کو پہچان کر کلام ہونا چاہیے :

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخاطب کو پہچانو۔ مخاطب کو جانچو اور کس عنوان

سے خطاب کرنا چاہیے لوگوں میں اس کے ساتھ کیا اعتقاد ہے کیا رُجوع ہے لوگوں کی نظر میں دینی اور دنیوی اعتبار سے کیسا ہے ادب و احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو خطاب کرنا چاہیے دل سوزی سے بچو دل آزاری سے بچو حاضرًا غائبًا کلام میں کہیں غیبت نمیمت کی بات نہ ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو خطاب ہو رہا ہے مگر صیغہ غائب کا ہے۔ بالفعل اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج دی کہ یہ اصول اپنی جگہ لیکن ایک دوسرا مقدمہ اور بھی ہے وہ یہ کہ یہ طالب ہو کر آئے ہیں اور وہ تو معاند ہیں تم اس کو پڑھاؤ اگرچہ مسئلہ فرعی ہے یہ مقدمہ اسی میں مطوی ہے۔

اولیاء اللہ کے لئے نظریات بھی بدیہیات ہوتے ہیں:

صاحبِ مرقاة نے شروع میں لکھا ہے کہ یہ مرقاة و منطق ہمارے لئے ہے اولیاء اللہ کے لئے نہیں۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ ان کے لئے تو نظریات بھی بدیہیات ہیں اور بدیہیات کے لئے نظریات کی ضرورت نہیں اسی لئے اولیاء اللہ کو منطق پڑھنے کی ضرورت نہیں اور جب اولیاء اللہ کے لئے نہیں تو انبیاء علیہم السلام کے لئے بدرجہ اولیٰ نہیں مگر بعض دفعہ انبیاء علیہم السلام میں شفقت غالب ہوتی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کے لئے خطاب فرمایا بشفقت اپنے آپ کو چھوڑتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَنْ لَا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ کیا آپ ان کفار و مشرکین کو سنانے اور خطاب کرنے میں اپنے آپ کو مار ہی دیں گے۔ گھلا ہی دیں گے؟ ایسا ہرگز نہیں اس سے غلبہ شفقت معلوم ہو گیا۔ حالانکہ حضور ﷺ کے جو مقدمات تھے وہ مقدمات صحیح ہیں اس میں ایک مقدمہ غلبہ شفقت کا بھی ہے حالانکہ یہ غلبہ شفقت بھی یہ نہیں کہ بدیہی نہ تھا بلکہ یاد دہانی فرمائی چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ربی حقیقی ہیں یاد

دہانی فرما رہے ہیں اسی طرح مربی و شیخ بھی مذکر ہو کر ہوا کرتا ہے یاد دہانی کراتا رہتا ہے اب بعض لوگ پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اپنے سے تغافل اور جب یہ مغفل بنا تو اسی سے پیدا ہوگا تکاسل و تکاہل اور جب تساہل ہوگا تو ترک ہوگا اور طالب کے لئے تکاہل و تساہل کیسا؟ لہذا معمولات کا دوام بہلا تساہل ہوگا، ترک و دوام ہی ہے ناغہ نہیں ہے۔

علم مذکر اور حال بن جائے :

علم وہ ہے کہ ہر موقع پر مذکر رہے اور مذکر ہو کر وہ علم قالی حال بنا ہوا ہو ادنیٰ التفات سے مذکر صاحب کو تلقین کر کے یاد آ جائے ورنہ تو کہتے رہیے۔ یہ علم درجہ قال میں ہے، درجہ حال میں تو ہے نہیں۔ اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں :

قال را بگذار مردے حال شو

مگر یہ کب بنے گا

و پیش مردِ کاملے پامال شو

فرماتے ہیں تم قال قال اللہ تعالیٰ، قال رسول اللہ یہ کب تک کہتے رہو گے ذرا پرکھو تو کہ یہ قال دل میں حال بنا ہوا ہے یا نہیں؟ یہ قال موقع بموقع مذکر ہوتا رہے بالتفات ادنیٰ یاد ہو جائے مثلاً او ہو میرا دایاں پاؤں بیت الخلاء میں چلا گیا اور حدیث شریف میں ہے کہ دایاں پاؤں نہیں جانا چاہیے۔ جب حال طاری ہے تو اس نے اپنا دایاں پاؤں جو بیت الخلاء میں رکھا تھا فوراً نکال لیا کہ یہ تو غلط ہو گیا اور پھر اس کے بعد بائیں پاؤں رکھا حال تو بن ہی چکا تھا اتفاقاً ہو گیا فوراً اندر سے علم مذکر ہو گیا۔ اور اگر وہ قال قال ہی تھا حال نہیں بنا تھا اگرچہ یاد ہے مگر بے حال ہو کر حال نہیں ہوا تھا دایاں قدم رکھا گیا تھا دائیں قدم سمیت ہی چلا گیا یاد بھی آ گیا، لیکن یاد

آنے کے باوجود اسی طرح چلا گیا رجعتِ قہقری نہیں کی خیر کی طرف۔ اس کو کہتے ہیں حال اسی کو دوسرے معنی میں کہہ دو بطریق خشوعِ حال وَ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ تو صاحبِ خشوع کو نماز بھلا بھاری ہونے کی کیا بات ہے چونکہ حال ہو چکی ہے اگرچہ بظاہر بھاری بات تھی لیکن وہ اس کے لئے ہلکی سے ہلکی ہو گئی شمولِ خاطر ہو گئی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: قُرَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ یعنی میری آنکھ کی

ٹھنڈک نماز میں ہے۔

آدمی کا صاحبِ نسبت ہونا :

اسی کو کہتے ہیں واقعی صاحبِ نسبت ہونا کہ منہیاتِ ظاہرہ و باطنہ سے بایں

نفرت جیسے کہ غلاظت و بول و براز سے، اور اصلاح سے بایں رُغبت جیسے کہ بحالتِ رجوعِ طعام کی رُغبت۔ معصیتِ ظاہرہ و باطنہ سے ایسی نفرت اور عبادت و طاعت سے ایسی رُغبت جیسے کھانے کی اس کو کہتے ہیں صاحبِ نسبت ہونا کیونکہ ایسے بندے کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے ہوگا بایں رضاء بدوام۔

اسی کو بعنوانِ دیگر قرآنِ پاک میں نفسِ مطمئنہ کہہ دیا اور اسی کو خطاب فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِيْ اِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً یعنی اے اطمینان والی روح اپنے پروردگار کی طرف چل، اپنی تربیت کرنے والے مرئی حقیقی کی طرف چل، کہ تیری تربیت کس طرح ہوئی ہے کہ تیرا نام امارہ تو کیا رہتا لوامہ بھی نہیں حالانکہ لوامہ بھی ایک درجہ ہے جس کی قسم کھائی ہے مگر وہ تو آگے آگے اور ترقی کرتا ہوا چلا گیا اپنے آپ کو ملا مت کرتا چلا گیا اور خدا کی یاری میں بڑھتا چلا گیا۔ اطمینان و سکون پاتا گیا۔

ارشادِ ربّانی ہے: **الْأَبْدَانُ لِلَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ**۔ ذکرِ لسانی اور قلبی جسمانی، مالی پورے اعتبار سے ہو گیا حالی کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ تو تو میرے خاص الخاص بندوں میں سے ہے اور خاص الخاص بندگی اسے ہی کہتے ہیں۔ تلازم ہو گیا کہ تو نے رضاء کی بات کہی راضیہ بنا اور اس رضاً سے پھر تو میری طرف سے مرضیہ بنا۔ یہ عنوانات ہیں، عنوانات مختلفہ سے معانی ایک ہی رہتے ہیں۔

عنوان پاکیزہ اور مہذب ہونا چاہیے :

مثلاً کوئی شخص آیا اور آپ کھانا کھا رہے ہیں۔ اور کہیں آئے ٹھونس لیجئے اور اگر یوں کہتے آئے تشریف لائے خوب آئے نوشِ جان فرما لیجئے عنوان ایک ہے۔ حالانکہ جب کھائے گا تو پیٹ بھرے گا ٹھونسے گا مگر عنوان کا فرق۔ وہ گنوارہ لہجہ تھا اور یہ مہذب لہجہ ہے تو عنوان کے فرق سے معنوں بدل نہیں جاتا معنی ایک ہی رہتا ہے۔ ایسے ہی صاحبِ نسبت اور نفسِ مطمئنہ والا ہے۔

ایک امیر کا واقعہ :

ایک امیر صاحب جن کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ میں شکار کو گیا تھا۔ ہرن سامنے آ گیا میں نے بندوق چلائی وہ اس کے گھر کو توڑتی ہوئی کنپٹی کو پھوڑتی ہوئی پار ہو گئی۔ کہاں گھر اور کہاں کنپٹی..... گھر پیر میں اور کنپٹی سر میں۔ جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب ہنسنے لگے کہ کہاں گھر اور کہاں کنپٹی اور کہاں بندوق کی گولی؟ اس امیر نے اپنے صاحب دوست کی طرف کنکھیوں سے دیکھا اُس نے کہا حضور آپ نے صحیح فرمایا کہ جس وقت حضور کی گولی چلی تھی وہ اپنے پاؤں کے گھر سے

کنپٹی کو کجھا رہا تھا تو اس اعتبار سے گھر کو توڑتی ہوئی کنپٹی کو پھوڑتی ہوئی نکل گئی۔
بیچاروں کی ہنسی جاتی رہی اور کھیسانی ہنسی ہو گئی شرمندہ ہو گئے۔ دوست نے تاویل کی
کہا کہ حضور آپ نے بالکل سچ اور صحیح فرمایا ایسا ہی ہوا تھا۔

خلافِ شرع باتوں کی تاویل نہیں کرنی چاہیے :

ایک پر دیسی مسافر عالم نیک طبیعت تھے کسی بستی میں چلے گئے۔ انہیں کچھ
معلوم ہوا کہ یہاں لوگوں کا رہن سہن کیسا ہے ان میں ایک امیر صاحب بھی تھے، ان
صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی وہ عالم صاحب وہاں پہنچ گئے، وہاں ایک اور عالم
بھی تھے مقامی اسی بستی کے رہنے والے بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر صاحب داڑھی منڈوا
رہے تھے، ان پر دیسی عالم صاحب نے کہا کہ آپ امیر ہو کر داڑھی منڈوا رہے ہیں۔
اس وقت کہنا چاہیے تھا یا نہیں وہ تو الگ بات ہے وہ تو جس کو معرفتِ اصول ہو وہی
پہچان سکتا ہے۔

بڑے لوگ جو کہ واقعی بڑے ہوتے ہیں وہ تو خاموشی میں ٹال دیا کرتے ہیں
وہ تو خاموش ہو گئے۔ اور جو مقامی عالم بیٹھے ہوئے تھے ذرا کچھ دل کھلا تھا اس نے کہا
حضور آپ کو داڑھی منڈوانا جائز ہے، اس لئے کہ حضور آپ کی داڑھی میں جوئیں ہو
جاتی ہیں اور وہاں بز بھی ہیں اور مادہ بھی اور وہاں نکاح ہوتا نہیں اور بلا نکاح کے نر اور
مادہ ملتے رہتے ہیں..... اس لئے آپ کو داڑھی منڈوانا جائز ہے۔ وہ بیچارے مسافر
عالم صاحب خاموش چونکہ بڑے عالم تھے اور مباحثہ میں پڑنا نہیں چاہتے تھے وہ چپ
ہو گئے۔

اُمراء سے اختلاط کی وجہ سے علماء خائن ہو جاتے ہیں :

جب امیر کے پاس سے چلنے لگے تو راستہ میں مسافر عالم نے ان مقامی عالم سے کہا کہ مولانا یہ آپ نے کیا بات کہہ دی یہ باتیں کہیں خلاف ایمان اور کفر کی نہ ہوں۔ مقامی عالم صاحب نے کہا دیکھیے آپ نے کہا کہ کہیں خلاف ایمان نہ ہوں۔ اب سُنئے یہ نالہ آرہا ہے جب گھر سے چلتا ہوں تو اپنا ایمان یہاں اس نالہ میں چھوڑ جاتا ہوں اور جب نواب صاحب سے رخصت ہو کر گھر جاتا ہوں تو یہاں سے اپنا ایمان اٹھالیتا ہوں۔ کتنی بھاری بات اس عالم صاحب نے منہ سے نکالی!

اسی وجہ سے حدیث شریف میں فرمایا علماء دین کے امانت دار ہیں جب تک کہ یہ اُمراء سے اختلاط نہ کریں اور جب اختلاط پیدا ہو جائے تو وہ دین کے خائن ہو جاتے ہیں اور کسی درجہ پر ایمان کے بھی خائن ہو جاتے ہیں۔

قدسی صاحب کا واقعہ :

ایک جوان سے کچھ زیادہ عمر میں ایک شیخ تھے بھوپال کے بادشاہ نواب صاحب اور صاحبزادہ گان اور بیگمات ان سے بیعت تھیں۔ ان کا لقب قدسی صاحب تھا ان کو اختلاجِ قلب کا دورہ ہو گیا، علاج ہوتا رہا حضرت والا حکیم الامتؒ کو انہوں نے خط لکھا کہ میں اس وقت اختلاجِ قلب کا مریض ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ دنوں کے لئے رہوں لیکن میں خانقاہ میں نہیں رہوں گا بلکہ بستی سے باہر میری رہائش گاہ کا انتظام کر دیا جائے تخمینہ تعمیر مجھے بھیج دیا جائے۔ میرے ساتھ ملازم بھی ہوں گے امام میرے ساتھ ہوگا طبیب میرے ساتھ ہوگا باورچی میرے ساتھ ہوگا الغرض جو میرے ساتھ آئیں گے ان کے لئے بھی ایک ایک الگ

مکان کی ضرورت ہوگی جو کہ میرے مکان سے الگ قریب جگہ پر ہو۔ مولوی شبیر علی صاحب جو کہ حضرت والا کے بھتیجے تھے ان سے حضرت والا نے فرمایا کہ معمار کو بلا کر ان سب چیزوں کا تخمینہ بھیج دیا جائے۔ وہ رقم آگئی تعمیر شروع ہوگئی تیار ہو کر ان کو اطلاع دے دی گئی اور وہ آگئے اپنے تمام ملازمین کے ساتھ۔ ملاقات ہوگئی جگہ دکھا دی گئی وہ وہاں رہنے لگے اور گاہے گاہے مجلس شریف میں بھی تشریف لاتے تھے۔ جب مجلس میں بیٹھے ہوتے تو حضرت والا کسی کو زجر نہیں فرماتے تھے اصلاح کی باتوں پر روک ٹوک نہیں کرتے تھے کیونکہ اختلاجِ قلب کا مریض بیٹھا ہوا ہوتا تھا تو محاذ و رعایت فرماتے کیسے خاندان کے تھے۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں خاندان کیا ہوتا ہے؟

خاندان کی ابتداء :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہے صحرائے تہ میں پہنچ گئے قرآن شریف میں ذکر ہے بڑے شریرتھے کیا پوچھو؟ سب قوم کو جمع کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارد گرد قوم کو حکمِ الہی کہ وحی سے باتیں ہوتی تھیں بارہ خاندان میں قطع و برید کر دیا، وَقَطَّعْنَا هُمْ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَّا بارہ خاندان الگ الگ کاٹ دیئے یہ خاندانوں کا سلسلہ وہیں سے چلا۔

بارہ جگہ تقسیم کر دیا ان کے رہنے سہنے کا تو انتظام ہو گیا پانی کی ضرورت ہوئی لیکن پانی کا تو وہاں نام و نشان ہی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں ایک پتھر پر لاٹھی مار دی فَاصْرَبْ بِعَصَاكَ الْحَجْرَ بس مارنا تھا کہ بارہ چشمے ہو گئے اس ایک پتھر سے اور ان بارہ خاندانوں میں تقسیم ہو گئے ایک چشمہ ہوتا تو بھی کافی ہو جاتا لیکن ہر ایک کے

لئے الگ الگ چشمہ الگ الگ ایک نئی نہر۔ کھانے کے لئے بھی من و سلویٰ ترنجبین آ گئی حکم ہوا کُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ کہ مزے سے کھاؤ۔

بلا محقق کی صحبت کے حقیقت منکشف نہیں ہوتی :

طیب کا لفظ آیا ہے مزے کے ساتھ رچھ بچھ کے کھاؤ اور وہ بھی لذیذ تو کیا لذیذ کھانے کی ممانعت ہوگئی؟ مزے کی چیز کھانی چاہیے۔ قورمہ آگیا سامنے خوشبودار ہونے کے ساتھ ساتھ خوش رنگ اور خوش ذائقہ بھی ہے لیکن بس صوفی صاحب نے پانی ڈال دیا ایسا کیوں.....؟ اپنے نفس کا علاج کر رہا ہوں اس شور بے کی جو تجلی تھی اب اس پانی میں وہ تجلی کہاں؟

اس لئے جو کسی محقق کے پاس نہیں بیٹھا ہوگا ذاکر و عابد تو ہوگا لیکن حقیقت سے کورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے رسولوں کو حکم فرمایا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ۔ جو کہ باعث بنتا ہے مزید طاعت کا دل کھلا ہونے کا بھلا جب اللہ دے تو بندہ کیوں نہ لے اور پھر وہ مزے سے کیوں نہ کھائے اور جو ایسا نہ ہو وہ محقق کی صحبت سے محروم ہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی :

بہر حال من و سلویٰ ملی مزے سے کھاتے رہے ایسی حالت میں شا کر ہونا چاہیے تھا مگر ذات باری تعالیٰ نے جو فرمایا تھا وہ اس کے خلاف کرنے لگے اور تبدیلی طعام کی درخواست کرنے لگے تو حق تعالیٰ نے ایک بستی میں جانے کا حکم فرمایا کہ اس بستی میں جا کر آباد ہو جاؤ اور جب بستی کے دروازے سے داخل ہو تو حِطَّة کہتے جانا مطلب یہ کہ توبہ ہماری توبہ ہے اس میں جو تم سے کوتاہیاں ہو گئیں ہیں وہ ہم معاف کر

دیں گے اور جب دروازے سے داخل ہونے لگو تو نہایت جھکے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہونا۔ **وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ**، یعنی دروازے سے داخل ہونا جھکے جھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہے، ہم معاف کر دیں گے تمہاری خطائیں۔ لیکن انہوں نے لفظ بدل دیا۔ **فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ**۔ یعنی بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمے سے جو خلاف تھا اس کلمہ کا جس کی طرف ان سے فرمائش کی گئی تھی۔ انہوں نے بجائے حِطَّة کے حِنْطَةَ کہا یعنی گیہوں گیہوں لفظ حِطَّة کو بدل دیا لیکن اپنی حالت کو نہ بدلا کہ عاجزی کے ساتھ داخل ہوتے۔ نہ جسمانی عاجزی، نہ باطنی عاجزی یعنی توبہ حالانکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس طرح جاؤ گے تو تم محسنین میں سے ہو گے اور **سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ** جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید بھلائی اور دیں گے، اور بڑا بنائیں گے۔

جس کو منجانب اللہ بڑا بنایا جاتا ہے اس کو حوصلہ

اور موقع شناسی بھی عطاء ہوتی ہے :

ایک بادشاہ کے انتقال ہونے کا وقت قریب ہے، شہزادہ کوئی ہے نہیں جو ولی عہد ہو۔ ارکان سلطنت نے عرض کیا کہ حضور موت طبعی تو سب کو آتی ہے جان بخشی جائے کہ حضور کی وفات کے بعد قائم مقام کس کو بنایا جائے۔

بادشاہ نے کہا میرے انتقال اور کفن و دفن کے بعد صبح سویرے میرے محل کے سامنے کھڑے ہو جاؤ جو بھی سب سے پہلے آئے اس کو میری جگہ بٹھا دینا۔ شاہی حکم ہے وہاں تو شوریٰ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بہر حال انتقال کے بعد ایک شخص محل کے

سامنے گھاس کی گٹھری رکھے ہوئے نکلا اس کو پکڑ کر تختِ شاہی پر بیٹھا دیا۔ تو وہ خود نہیں بیٹھا تھا بیٹھایا گیا تھا بڑا بنایا گیا۔

بادشاہت عطاء ہونے پر مزاج بدل گیا :

تختِ شاہی پر بیٹھنا تھا کہ مزاج بدل گیا مبارک بادیاں ہو رہی ہیں۔ اب بادشاہ سلامت کھڑے ہو رہے ہیں وزیر بیٹھا ہوا ہے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھے۔ وزیر کو تعجب ہو گیا کہ تو اتنی بڑی گٹھری کیسے اٹھا کر سر پر رکھ کر لاتے اور آج اپنا جسم بھی بلا میرے کندھے کے سہارے نہیں اٹھایا جاتا..... لطافت آگئی۔ بنیادی چیز جاہ انتہائی کا اثر آ گیا گویا کہ وزیر غلام ہو گیا۔ وزیر نے کہا جان بخشی جائے کچھ بولنا چاہتا ہوں وہ گٹھری جو وزنی ہوتی تھی سر پر آپ نے اکیلے رکھی ہوئی تھی اور اب اس وقت آپ کا جسم بھی بلا سہارے کے نہیں اٹھتا۔ اس نے کہا وزیر اعظم ہو کر آپ ایسی باتیں کرتے ہیں تعجب کی بات ہے کیا اب مجھے وزیر کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے اور حوصلہ افزائی کی وزیر چپ ہو گیا اور سمجھ گیا اس حالِ قوی کو پہنچ گیا دور اندیش بن گیا۔

جسم انسانی میں دل کی عظمت :

دل تمام جسم کا بادشاہ ہے اور جسم کے اور اعضاء رعیت ہو گئے اور قلب بادشاہ سلامت ہو گیا اور حدیثِ قدسی ہے: لَا يَسْعُنِي إِلَّا قَلْبُ الْمُؤْمِنِ حَقَّ تَعَالَى فرماتے ہیں کہ میں نہیں سما سکتا سوائے مؤمن کے دل کے۔

قدسی صاحب کی بات درمیان میں آئی تھی ان کی رعایت مجلس میں حضرت والا فرماتے اور جب تک بیٹھے رہتے تو اس وقت تک کسی شخص سے کوئی نامناسب بات سی ہوتی ہے تو اس وقت زجر و تنبیہ نہ کرتے چونکہ ان کا قلب مریض تھا۔

حضرت والا کا جہاں مزار ہے وہاں جو کمرے بنے ہوئے ہیں حضرت والا کے ایک مرید وہاں چلے گئے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے قدسی صاحب کے پاس بھی پہنچ گئے، ان کا نام کالے خان تھا۔ سلام ہوا وہاں پھل رکھے تھے کہیں ٹوکری میں سیب ہیں کہیں انگور وغیرہ وغیرہ کیونکہ وہ نوابوں کے شیخ ہیں۔ کالے خان نے پوچھا کہ یہ کہاں سے منگوائے ہیں؟ آپس میں ربط ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ شہر سے منگوائے جاتے ہیں۔ قدسی صاحب نے ملازم سے کچھ پھل نکلا کر ان کو پیش کئے۔ کالے خان نے انکار کیا اور انہوں نے اصرار کیا تو انہوں نے لے لئے۔

حضرت والا کو معلوم ہو گیا کہ فلاں صاحب وہاں گئے تھے اس طرح ہوا ہے، تحقیق شروع ہو گئی کالے خان میں نے سنا ہے کہ تم قدسی صاحب کے پاس گئے تھے۔ وہاں اختلاط یعنی ملنا جلنا بات چیت ہونا، پھل کا دینا پہلے انکار کرنا اصرار سے پھل لینا یہ سب ہوا ہے؛ انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا خانقاہ سے نکل جاؤ، آداب اصلاح و آداب خانقاہ یہ میل جول کیسا؟ کیا وہ تمہارے رشتہ دار تھے، دوستانہ تھا تم وہاں گئے کیوں؟ وغیرہ وغیرہ۔

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تو انکار کیا تھا، تم کیا جانو، تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اٹھ جاؤ، خانقاہ سے نکل جاؤ اصلاح شروع ہو گئی وہ خانقاہ سے نکل گئے وہ تھے شیخ.....!

شیخ کا اعتقاد و اعتماد ضروری ہے :

اب تو پیرہ گئے شیخ تو چیز ہی کچھ اور ہوتی ہے، شیخ کے ساتھ اعتقاد بھی چاہیے اور اعتماد بھی چاہیے، اتقاد کیسا؟ یہ یقین جانے کہ اس معالجہ باطنی میں جس کو

سلوک کہتے ہیں وہ صاحب فن ہے یہ ہمارا اعتقاد ہے اور جس صاحب فن پر اعتقاد ہے اس کی بات میں چون و چرا نہیں یہ اعتقاد ہونا چاہیے۔

اور اعتماد اس کا مطلب یہ کہ جو بھی کلام کرے گا جو بھی تعلیم کرے گا جو بھی علاج کرے گا جو بھی اظہارِ خوشی کرے گا یہ لفظی ہی نہیں ہوگی دفع الوقتی نہیں، وقتی جی خوش کرنا نہیں بلکہ وہ جو کہے گا وہ حقیقت ہوگی، ہمیں پورا اعتقاد ہے اور جب اعتقاد بھی کامل ہے اور اعتماد بھی جازم ہے تو پھر اس پر بلا چون و چرا کے چلنا ہے عمل کرنا ہے یہ ہے اعتقاد یہ ہے اعتماد۔ اگر یہ خیال کیا کہ یہ تو وقتی جی خوش کرنا ہے تو اعتماد گیا، پھر تعلیم سے کیا اثر لے گا یا یہ سوچے کہ یہ مبارک بادی میرا جی خوش کرنے کے لئے ہے، اس طرح سے کیا علاج ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں، یہ ہے شیخ کو ماننا فرمایا نکل جاؤ، خانقاہ سے نکل گئے۔ اب بیچارے کالے خان صوفی تھے اور رو رہے ہیں۔ قدسی صاحب کو معلوم ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ سبب میں ہوا ہوں، نہ میں دیتا نہ انکے انکار پر اصرار کرتا نہ وہ لیتے اور نہ یہ ہوتا۔

کرم فرمائی اور تکلیف فرمائی میں فرق :

حضرت والا طعام کے لئے اور نوم کے لئے گھر تشریف لے جاتے باقی خانقاہ ہی میں سہہ دری میں تشریف فرما ہوتے۔ قدسی صاحب غیر وقت میں آگئے اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت نے پوچھا کیسے کرم فرمائی! دوسرا عنوان یہ ہوتا ہے کہ کیسے تکلیف فرمائی؛

قدسی صاحب نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک صاحب جو تشریف لائے تھے اور پھر یہ معلوم ہوا کہ ان کو خانقاہ سے نکال دیا گیا، حضرت والا! یہ میرا قصور

ہے میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تو بطور اصلاح کہ عدم اختلاط شرط ہے اس لئے کچھ کہہ دیا تھا آپ کی کوئی بات نہیں انکی بات تھی۔ وہ بلائے جائیں، حضرت! یوں جی چاہتا ہے جلدی بلا لیجئے۔ انشاء اللہ جلد ہی بلا لیا جائے گا۔ بلوالہ کالے خان کو وہ ایک طرف کھڑے ہیں۔ ایک صاحب سے فرمایا کہ جا کر دیکھو وہ یہی ہیں خانقاہ میں رہنے والوں نے بتایا کہ حضرت وہ تو یہیں ہیں جا کر پوچھو کیا کہتے ہو؟ تلقین فرما رہے ہیں کہ معذرت پیش کریں۔ انہوں نے کہا حضرت غلطی ہوگئی آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا جیسی غلطی تھی ویسا ہی سلوک ورنہ تو سرسری طور سے کہہ دیا جاتا کہ دیکھو ایسا نہیں کیا کرتے، آئندہ احتیاط رکھنا چاہیے مگر نہیں چونکہ قوم کی خدمت بلا اصلاح کے دل میں جمانا مشکل ہے خیر فرما دیا کہ جاؤ خانقاہ میں خوش رہو۔ یہ بات اختلاط اجتماع پر چلی تھی لمبی ہوگئی یہ طول لا طائل ہے یا احسن و انفع جیسے کہ طول زلف محبوب۔ شاعر بھی بڑے بے باک ہوتے ہیں ایک کہتا ہے۔

ع طولِ شبِ فرقت سے بھی دو ہاتھ بڑی ہے

دوسرا کہتا ہے.....

ع وہ زلفِ مسلسل جو تیرے رُخ پہ پڑی ہے

جیسے طولِ زلفِ محبوب ہے جتنی طویل ہوتی ہے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ رسول

اللہ ﷺ نے تسبیح ملائکہ کو بیان فرمایا: سُبْحَانَ مَنْ زَيْنَ الرَّجَالِ بِاللُّحَىٰ وَ سُبْحَانَ مَنْ زَيْنَ النِّسَاءِ بِالذَّوَائِبِ۔

یعنی چوٹی جو عورتوں نے کٹوانی شروع کی جو بڑی زینت کی چیز ہے مردوں

نے داڑھی منڈوانی شروع کی جو بڑی زینت کی چیز ہے یہ ضمناً گذارشات ہیں۔

سلوک کے لئے اسبابِ معده چار چیزیں ہیں :

یاد رکھیے گا سلوک کے لیے اسبابِ معده چار چیزیں ہیں بدون ان کے سلوک ک طے نہیں ہو سکتا، اور جب استعداد نہیں ہے تو ایسے ہی علم میں بھی استعداد نہیں ہو سکتی تو اصلاح بطریقِ اولیٰ نہیں ہو سکتی۔

پہلی چیز **تقلیل الکلام** جو کہ گویا عدمِ کلام کے درجہ میں ہے **تقلیل الکلام** یعنی قلتِ کلام ہو۔ دوسری چیز **تقلیل المنام** یعنی کم سونا تیسری چیز **تقلیل الطعام** یعنی کم کھانا چوتھی چیز **تقلیل الاختلاط مع الانام**۔ یہ حضرت والا کے الفاظ ہیں جب تک یہ چار چیزیں نہیں ہوں گی سلوک طے نہیں ہو سکتا۔

چار چیزوں میں تفصیل :

اب اخیر زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ تھے ان چار چیزوں میں تفصیل ہو گئی۔ حضرت والا نے فرمایا **تقلیل الکلام** تو ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ اور اسی طرح **تقلیل الاختلاط مع الانام** یعنی کم ملنا یہ بھی ہمیشہ کے لئے باقی ہے اور گویا کہ کم بولنا نہ بولنے کے برابر ہے چونکہ جب ضرورتِ واقعی کلام کی پیش آئے کہ اگر کلام نہ کروں گا تو ضرر ہوگا تو یہ ضروری ہو گیا۔ ایسے ہی کم ملنا جب ضرورت کسی سے ہو کہ اگر نہ ملے تو ضرر، حرج ہوگا یہ ملنا شرعاً ضروری ہوگا تو یہ ملنا بھی نہ ملنے کے برابر، یہ دو چیزیں ہمیشہ کے لئے ہیں۔

اب دو چیزیں رہ گئیں کم کھانا کم سونا۔ اب انحطاط کا زمانہ ہے جسم و قویٰ اعضاء و اعصابِ دل و دماغ کمزور ہو گئے ہیں۔ اس لئے کم کھانے اور کم سونے میں اس وقت تفصیل ہے اس وقت کا جو کم کھانا ہے وہ تو اس درجہ کا ہے کہ پیٹ بھر کر نہ ہو،

کیسا چھوٹا سا جملہ فرمایا..... متقدمین کی حرص مت کرنا تبلیغ دین میں مت دیکھیے گا اسی وجہ سے جب تبلیغ دین کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ باب قلت طہ پر عمل مت کرنا۔

شریعت و تصوف لائق مطالعہ کتب ہیں :

تبلیغ دین کا مطالعہ بہت ضروری ہے خاص کر جو پڑھے لکھے ہیں۔ حضرات علمائے کرام کے طبقہ کو بھی۔ مولانا عبدالرحمن صاحب کانپوری صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور جب انہوں نے رجوع کیا اصلاح کی طرف تو حضرت نے فرمایا کہ تبلیغ دین کا مطالعہ کیجئے اور یہ کتاب اردو میں ہے جو کہ امام غزالی کی کتاب اربعین کا ترجمہ۔ یوں نہیں لکھا کہ احیاء العلوم کا مطالعہ کیجئے آج کل کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ احیاء العلوم مطالعہ کروں گا۔ ارے پہلے شریعت و تصوف کا مطالعہ کر لو انطباق و احتساب کے ساتھ جائزہ لیتے ہوئے اور فرمایا کہ کم کھانے میں متقدمین کی حرص مت کرنا وہ تو بڑے تو جسم والے تھے اس وقت آدمی کچھ چھوٹے چھوٹے سے رہ گئے ہیں اور اس زمانہ کے بڑے قد آور ہوتے تھے اور ممکن ہے اس زمانہ کے پھل بھی بادام میوہ ہوتا ہو۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ کے مرغ گدھے کے برابر ہوتے تھے قد کیسے ہوتے ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ صوفیاء اور متقدمین اصحاب تزکیہ کا جب کھا۔ کا وقت ہوتا تھا تو بادام سے ذرا سا توڑ لیا، سحری کا جب وقت آیا ذرا سا کھالیا اور افطار کے وقت اسی بادام میں سے جو کچھ تھا کھالیا تو یہ بادام کھانا سحری ہو کر روزہ بھی ہو گیا اور افطار بھی ہو گیا۔

آج کل جب افطار کرنے بیٹھیں گے تو بھر پور اور طرح طرح کی چیزیں

کھائیں گے اور کھانا جب مغرب کے بعد جو عادت ہے بیٹھے تو بھی بھر پور اور جب سحری کا وقت آیا تو بھی بھر پور۔ تین وقت کھانے کے ہیں، ناشتہ دوپہر اور بعد از مغرب۔ سحری ہوگئی ناشتہ کی جگہ، افطار ہو گیا دوپہر کی جگہ اور رات کا اپنی جگہ ہی ہے بس تقدیم و تاخیر کا فرق ہو گیا۔

دوسری چیز کم سونا، بلا اس کے استعداد ہی نہیں فرمایا کہ بھائی! دیکھو دن رات میں چھ گھنٹے سونا کہ سردی میں چھ سات گھنٹے رات بڑی لمبی ہوتی ہے رات میں پورے ہو جائیں گے، گرمی میں نہیں ہوں گے اور خاص کر سالکین کو اکثر ضرورت پڑتی رہتی ہے کیونکہ رات کو تہجد پڑھنا ہے اس کے بعد ذکر میں مشغول ہونا ہے حسبِ صحت بلحاظ شریعت جاڑوں میں تو اس طرح ہوگا۔ اور گرمی میں دوپہر کا وقت بہت لمبا ہوتا ہے اگر گرمی میں رات میں چھ سات گھنٹے پورے نہ ہوں تو اس طرح کرے کہ اتفاقاً اس کے خلاف ہو جائے وہ خلافِ عادت نہیں مثلاً کہیں سفر میں گیا وغیرہ۔

اتفاقاً چھ سات گھنٹے سے کم سونا یہ عادت نہیں ہے اور نہ مضر ہے اور اگر عادت ہوئی تو مضر تمام اعضاء پر دماغ پر اعصاب میں کسل پیدا ہو جائے۔ یہ چاروں چیزیں استعدادِ سلوک طے کرنے کے لئے ہیں لیکن ان میں سے جو پہلی ہے اختلاط وہ ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔

مدّس باوقار ہو :

مدّس باوقار ہو یعنی اس کی رفتار و گفتار سب باوقار تو اس میں زیادتِ تحصیل علم کے لئے گو یہ کہ عدمِ اختلاط ہونا ضروری ہے بحفاظتِ وقار۔ اگر تبسم و مسکراہٹ کا شوق ہو تو وہ بھی علمی طریق، علمی کلام۔ اگر کبھی اتفاق سے کوئی بات تبسم و مسکراہٹ کے

خلاف ہو جائے تو یہ وقار کے خلاف نہیں یہ جزئیات ہیں ایسا بھی کبھی ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا تبسم، ضحک دو یا دو سے زیادہ تین مرتبہ اور قہقہہ تو کہیں ثابت نہیں۔

مدارس تعلیم اور خانقاہیں مشق کے لئے ہیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِيهِ اس تعلیم کی مشق ہو رہی ہے خانقاہ میں، مدارس میں مشق نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ مدرسہ تعلیم کے لئے اور خانقاہ مشق کے لئے اور تربیت کے لئے ہے اور خانقاہ کی تربیت اس علم کے تحت ہے جو وہاں مشق نہیں ہوتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَمْتِنِيْ مُسْلِمًا اے اللہ مجھے زندہ رکھیے مسلمان بنا کر اور اے اللہ میری موت ہو مسلمان ہو کر یعنی موت تک مسلمان رہوں اور مسلم و مسلمان کون..... مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِيهِ - نہ جسمانی تکلیف نہ مالی نقصان نہ قلبی رنج پہنچایا جائے جو کہ زبان سے ہوتا ہے اور جسمانی تکلیف ہاتھ سے اور نہ مالی نقصان ہو یہ تین چیزیں ہوئیں جسمانی، مالی، قلبی۔ تو خانقاہی آدمی سے کسی کو نہ جسمانی، نہ مالی، نہ قلبی تکلیف پہنچانے سے دور رکھتا ہے اور اگر ہو جائے تو تضاد ہوگا اس سے جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا اسی کو بخاری شریف میں اس حدیث کے بعد بیان فرمایا ہے: اَطْعَمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشَوْا السَّلَامَ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اب تو ایذا رسانی سے بچے ہو آگے درجہ ہے راحت رسانی کا مومن کی طرف سے خوشدلی ہو، حوصلہ افزائی ہو۔

سَالِكٌ فِي فَنَائِيْتٍ هُوَ نِيَّابِيٌّ :

مگر یہ ہو سکتا نہیں جب تک کہ اپنے اندر فنایت نہ ہو اپنی راحت پر دوسروں کی راحت کو ترجیح نہ ہو اور یہ اس وقت ہوگی جب انتہائی درجہ کا عجز و انکسار اور عبدیت

کاملہ ہوگی مثلاً کوئی شخص آیا کھانا پیش کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مہمان آئے تو اس کا حق پہلے کھانے کا، رہائش کا انتظام آرام وہ ہو راحت رسائی کا سامان مہیا ہوا اپنے اوپر تکلیف برداشت کی جائے پہلے اُسے کھانا کھلایا جائے۔ حضرت والا کے ہاں یہی طریق تھا کہ پہلے رہنے کی جگہ دکھا دو، بیت الخلا غسلخانہ کی جگہ آنے والے کو دکھا دو۔ بلکہ ایسا ہو کہ اپنی راحت بھول جائے دوسروں کی راحت کا اہتمام ہو کوئی متکبر کیا کر سکتا ہے ایسا۔ اور جب کھانا دیا جائے گا تو ہاتھ سے دیا جائے گا تو یہ عملی راحت رسائی ہوئی اولاً پیش کیا گیا کہ ایذا رسائی سے بچو تو یہ ایذا سے بچ گیا اب ہے راحت رسائی اور اس کا تعلق ہاتھ سے ہے اور یہی حدیث میں لفظ **وَيَدِيهِ** آیا توید کا استعمال ہو اوہاں دلالت مطابقی تھی یہاں دلالت التزامی ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب کی فنائیت :

مولانا محمد یعقوب صاحب کا واقعہ حضرت والا سنا یا کرتے تھے کہ ایک دفعہ بخاری شریف کو پڑھاتے پڑھاتے (اُس وقت صدر مدرس تھے) ایک جگہ پر شرح صدر نہیں ہوا تو دوسرے مدرس کے پاس چلے گئے اُن سے پوچھ لیا آگے انہوں نے حل کر دیا۔ پہلے ایسے مدرس ہوتے تھے کہ پھر درس میں فرماتے تھے کہ میں فلاں مدرس کے پاس گیا تھا انہوں نے اس کو اس طرح حل کیا ہے ماشاء اللہ بہت خوب حل فرمایا ہے؛ اور دو تین دفعہ یہی فرماتے کہ ماشاء اللہ بہت خوب حل فرمایا ہے۔ لیکن آج تو اچھا یہی ہے کہ ایسا نہ ہو اس کی نقل بھی مشکل ہے شاگرد ایسے ہی ہیں اعتماد و اعتقاد کے حدیث شریف میں ہیکہ طعام ہاتھ سے اور انشاء سلام زبان سے ہو گا یعنی نرا ہاتھ ہو زبان کا استعمال نہ ہو۔ ہاں اگر دور ہو اور مسلمان مسلمان کو دیکھ رہا ہو تو زبان

سے بھی سلام کرے کہ آواز پہنچے گی یا نہیں اور اشارہ کر کے بھی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جواب ہو چکا تو سلام جو ہوگا وہ زبان سے ہوگا اور وہاں کہا تھا کہ زبان اس طرح استعمال نہ ہو کہ سلامتی میں فرق آجائے بلکہ سلامتی باقی رہے ایذا رسانی سے بچے تو سلام میں راحت رسانی ہوئی۔

خانقاہ میں رہنے سے فنائیت پیدا ہوتی ہے :

اسی لئے خانقاہ میں حضور ﷺ کا جو فرمان پڑھا پڑھایا جاتا ہے اس کی مشق ہوا کرتی ہے۔ ابھی تو یہ ادنیٰ درجہ ہوا کہ ایذا رسانی سے احتیاط ہو رہی ہے بلکہ آگے اور ترقی کرو، راحت رسانی بنو۔ ایسے بنو مشق کرتے کرتے کہ جیسے فناء پر پہنچ گئے ہوں، سلام وہی کرے گا جو اپنے اندر عاجزی رکھے گا ورنہ کون سلام کرتا ہے کون کھانا اپنے ہاتھ سے ہر کس و نا کس کو کھلاتا ہے۔ تو خانقاہ میں انتہائی درجہ حاصل ہوتا ہے فناء کا۔ مدارس دینی تعلیم کے لئے ہیں اور خانقاہ مشق کے لئے ہیں بایں وجہ اپنا احتساب اپنی نگرانی برابر اپنے اعمال و اقوال کا جائزہ برابر لیتے رہنا، اور یہ خانقاہ میں ہوگا۔ تو واضح ہو گیا کہ خانقاہ میں ایک اصلاح ہے آدمیت بکمال انسانیت کی۔ اس طرح خانقاہ میں رہنے کا ارادہ و عزم بالجزم مخلص و بصدق مع فکر آخرت ہونا چاہیے۔





پینتیسویں مجلس

دین اسلام مکمل نظام و انتظام ہے

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۴ اپریل ۱۹۹۱ء بروز یکشنبہ بوقت صبح

سالکین حضرات دور دراز سے سفر کر کے خانقاہ تشریف لاتے ہیں۔ گھر سے جب چلنے کی نیت ہوتی ہے تو تمام آرام کو چھوڑ کر عزیز و اقرباء جن سے محبت ہے ان کو ترک کر کے نیز طبائع میں جو راحت طلبی، رکھی ہوئی ہے اس کو چھوڑ کر اور سفر کی پریشانی کے ساتھ روپے پیسے خرچ کر کے گھر سے بے گھر ہو جاتے ہیں، گھر کی راحت کا ترک اور ساتھ ساتھ سفر کی پریشانی یہ سب مخالفتِ نفس ہے خلافِ نفس کام ہو رہے ہیں گویا نفس کے ساتھ ایک قسم کا جہاد ہے۔

جہاد میں اول چیز اتعابِ نفس ہے :

اور جہاد میں سب سے پہلی چیز اتعاب ہے یعنی نفس پر تعب، مشقت، محنت ڈالنا تو گویا کہ پہلے نفس سے جہاد کر رہا ہے، نفس کی مخالفت کر رہا ہے ایسے جہاد کرنے والے کو مجاہد کہتے ہیں یعنی جہاد کرنے والا۔ جب اس نے نفس سے جہاد کو اپنے لئے

طے کیا تو اس کا تقاضہ ہوا گھر سے چلنے کا یہ ہجرت مکانی ہوئی، یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف نکلنا تو ایسا آدمی پہلے مجاہد ہوا اور پھر مہاجر بنا۔ یہ ہجرت مکانی ہوئی مکان جسکو گھر کہتے ہیں اس کا ترک ہوا یہ ہجرت بھی نفس ہی سے ہے۔ جس کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ**۔ صحابہ کرام کے سوال کرنے پر کہ مجاہد کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے وہ اصل جاہد ہے۔ جس پر مرتب ہوگا وہ جہاد جو کہ جہاد شرعی کفار کے ساتھ ہے تو جہاد بطریق صحیح جب ہی ہوگا جبکہ جہاد نفس سے فارغ ہو جائے چونکہ جہاد نفس سے فراغت نہیں ہوئی بلکہ نفسانیت موجود ہے تو اس جہاد میں کہ جس میں بڑا تعب اور بڑی مشقت ہے اس میں اشتغال بھی آسکتا ہے غصہ بھی آسکتا ہے، جذبہ انتقام بھی بھڑک سکتا ہے ایسی حالت میں حدود شرعی میں جو کہ جہاد شرعی مع الکفار ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔ بعنوان دیگر جو جہاد مع الکفار من حیث الشرع، بقواعد شرع ہے ان سے تجاوز ہو جائے گی اور جب حدود سے تجاوز ہو جائے تو وہ جہاد شرعی نہیں بلکہ اپنے انتقام اور نفس کے اشتغال پر مبنی ہوگا۔ چونکہ جب خلاف حدود ہوا تو رضائے الہی کے لئے کہاں ہوا اور ہر عمل میں رضائے الہی مطلوب ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ** جو شخص کہ حدود سے نکل گیا تجاوز کر گیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ تم تو جہاد میں دفع ظلم کے لئے گئے تھے مشرکین کے مقابلہ میں جیسا کہ حق تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا: **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** تو تم اس دفع جرم عظیم میں جو کہ شرک ہے خود ہی ظلم کر رہے ہو۔ تو اپنے اوپر سے پہلے دفع ظلم کرو۔ اپنے سے غفلت دوسروں کی فکر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے حالانکہ اپنا حق مقدم ہے دوسروں پر۔ حدیث شریف

میں ہے۔ ”إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا“ تم پر تمہاری ذات کا پہلے حق ہے اور وہ حق کیا ہے کہ ظلم سے ہٹو ظلم سے بچو۔

حقیقتِ ظلم :

ظلم کہتے ہیں: وَضَعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ کو یعنی کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا اور اشیاء کے منجملہ بھی تو ایک شیء ہے اور شیء کو خلاف وضع، خلاف محل استعمال کرنا یہی ظلم ہے۔ اور جب یہ استعمال کرنا اس طرح ظلم ہوا تو ظالم تو پہلے ہی ہے۔ پہلے خود سوچ لے کہ میں اپنی ذات کے لئے خود ظالم ہوا یا نہیں اور جب ہو تو پہلے اپنے سے ظلم دفع کر چونکہ جب صحیح صحیح اپنے سے ظلم دفع ہو جائے گا تو تیری طبیعت میں عدل آجائے گا تو جتنی مخلوق ہیں سب کے ساتھ تیرا سلوک اور برتاؤ عدل کے ساتھ ہوگا عدل مصدر ہے اسی سے عدول ہے۔ تجھ سے جو صدور ہوگا بمصدر عدل و عدول ہوگا تو عدول سے نکل کر عدل میں آ۔ اب جب تیری طبیعت ”عدل“ بن گئی اشتقاق مصدر ہی سے ہوتا ہے تو پھر تیرا مخلوق کے ساتھ عدل ہی عدل رہے گا۔

توضیح و انطباق :

اس لئے ضروری ہوا کہ شرک جو کہ ظلم ہے اور دفعِ ظلم ضروری ہے تو دفعِ شرک اس کا طریق عدل ہے اس لئے پہلے عدل پیدا کرو، ظلم کی چیزوں کو نکالو جن کا نام اخلاقِ ذمیمہ اور اخلاقِ رزیلہ ہے۔ ذم کے معنی بُرائی اور مذمت کے ہیں جب وہ نہیں نکلے گی تو ذمیمہ کے ظہور ہوتے ہی دیکھنے والا تیری بُرائی کرے گا کیا تجھ کو اپنی مذمت پسند ہے؟ اور مذمتِ اخلاقِ ذمیمہ سے آئی اس لئے جو تیرے اندر اخلاقِ رزیلہ ہیں

ان رزائل میں سے اگر کسی بھی رزیلہ کا ظہور ہوا تو تو دوسروں کی نگاہ میں رزیل ہوا کیا تجھ کو اپنا لقب دوسروں کی جانب سے رزیل کا ملنا پسند ہے تیری کوئی مذمت کرے پسند ہے گوارا ہے؟ غصہ آئے گا تیزی ہوگی اور جب تیزی ہوگی تو لڑائی آئے گی تو تو نے اس ذمہ سے اپنے لئے جنگ مول لی۔ تو تو اپنے آپ کو جنگ سے بچا پھر جا کر دوسرے سے جنگ کرنا جس کا نام جہاد ہے۔ اس لئے اپنے سے جنگ کر جس کا نام جہادِ نفس ہے باصطلاح شرع جب تو اپنے جہاد سے فارغ ہو جائے پھر دوسروں کے ساتھ جنگ ہے جس کے معنی جہادِ حقیقی کے ہیں۔ وہ تیرے لئے روا اور جائز ہوگا ورنہ دیکھنے میں توجہ و جہد ہوگی مگر ہے شریعت کے خلاف۔ تو وہ سعی اور جد و جہد یعنی جہاد خلاف شرع ہوگا ایسی حالت میں اگر مارا گیا تو اس پر شہادت کا ترتیب نہیں ہوگا طبعی طور پر اپنا جی خوش کر لیا جو کہ خلاف عقل کے ساتھ خلاف شرع بھی ہے۔

ایک اصول :

عقل جس چیز میں مختلف قسم کے احتمالات قائم کرتی ہے اور شریعت منع نہیں کرتی ہیں، ان احتمالاتِ عقلیہ میں جو کہ احتمالاتِ متعدّدہ ہیں شرعاً ان میں گنجائش ہوتی ہے اگر شریعت منع کر دے گی تو گنجائش ختم ہو جائے گی۔

ذرا غور کیجیے جیسے ذاتِ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں فرمایا :

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ أَخْلِفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب میدانِ تیبہ سے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے

لئے چلے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا جو کہ اب نبی ہیں کہ میرے بعد میری قوم میں انتظام رکھنا کہیں بد نظمی نہ ہو جائے من حیث المعاشرت یعنی رہن سہن میں بھی، معیشت میں بھی، من حیث الشریعت بھی۔ اور آگے لفظ بڑھا دیا کہ اصلاح کرتے رہنا یعنی اگر کوئی بات شریعت کے خلاف ہونے لگے تو خاموشی اور سکوت مت اختیار کرنا رواداری مت کرنا، برابر روک ٹوک کرتے رہنا مگر دیکھو جو روک ٹوک کرو، اصلاح کرو اعتدال کے ساتھ ہو یہ رمز اصلح کے لفظ سے بدالبت مطابق، التزامی و تضمینی معلوم ہو رہا ہے۔ انتظام کو برقرار رکھیے میں اس کا خیال رکھنا کہ میں اصلح کہہ رہا ہوں ذرا صلاحیت اور درستگی لئے ہوئے طرز کلام بھی درستگی لئے ہوئے ہو سخت زشت گوئی اور زشت روئی ہرگز نہ ہو ذرا لہجہ میں نرمی ہوئی سب اصلح کے لفظ سے نکل رہا ہے یہ کلام اللہ کی بلاغت اور معجزہ ہے کہ ایک لفظ میں کتنی باتیں ہوئی ہیں۔

اصْلِحُ كِي لَفْظِي تَحْقِيق :

لفظ اصلح صلاح سے مشتق ہے اور صلاح کے معنی مشورہ کے بھی ہیں رائے دینے کے بھی ہیں صلاح کے معنی صلاحیت کے بھی ہیں اور صلح کے بھی ہیں۔ اس کا مادہ ہے ص، ل، ح۔ ان اجزاء میں سے اگر ایک ایک حرف اور جز کی تفسیر کی جائے تو بہت لمبی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں جو حروف مقطعات ہیں ان کے معنی حقیقی من حیث التفسیر صحیح تو وہ ہیں جو کہ عند اللہ ہیں لیکن دوسری تفسیر اعتباری جو خلاف شرع نہ ہو اور انطباق ہو جاتا ہو اعتبارات عقلی نکلتے ہوں تو ان میں گنجائش ہوتی ہے اس علم کو علم اعتبار کہتے ہیں علم تفسیر نہیں کہتے۔

الغرض حضرت موسیٰ عليه السلام نے کہا اے ہارون عليه السلام جو کہ وہ خود بھی نبی ہیں اور کہنے والے بھی یعنی موسیٰ رسول بھی ہیں اور نبی بھی۔ اس وصف نبوت کے باوجود حضرت موسیٰ عليه السلام چلتے ہوئے انتظام کے لفظ یعنی اُخْلَفْنِي بول کر آگے اَصْلِح بھی فرما رہے ہیں حالانکہ یہ بات کہ انتظام کو درست رکھنا خود اُخْلَفْنِي میں رکھی ہے لیکن پھر بھی اصلح فرمانا تاکید دیتا ہے۔ گویا یوں فرما رہے ہیں کہ اگرچہ تمہیں معلوم بھی ہے لیکن پھر بھی کہہ رہا ہوں اس میں بُرا ماننے کی بات نہیں چونکہ بڑا اگر شفقت و محبت سے کہے اور پھر بُرا مانے تو یہ تکبر کی علامت ہے اور نبی میں غایت تواضع و عجز ہوتا ہے بایں وجہ نبی کے لئے بھفتِ نبوت عجز اور تفویض لازمِ نبوت ہے پھر تکبر کہاں۔

چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ۔ یہ ایک نبی کی بات کی حکایت فرمائی ہے اور جب یہ چیزیں لازمِ نبوت میں سے ہیں تو کیا ہارون میں نہیں؟ ضرور ہیں تو کیا وہ بُرا مانیں گے اگرچہ موسیٰ عليه السلام عمر میں چھوٹے ہیں مگر مرتبہ میں بڑے ہیں اگرچھوٹا مرتبہ میں بڑا ہو جائے اگرچہ مخاطب بڑا ہو تو اعتبار اس کی اکمالت و افضلیت کا ہوگا، چھوٹے کا کہنا ماننا پڑے گا۔

چنانچہ اگر شاگرد کسی وقت اُستاد کی تقریر پر یہ کہے کہ میری سمجھ میں یوں آتا ہے اور اس کی بات صحیح ہو تو اُستاد کو جو کہ بڑا ہے اور شاگرد جو کہ چھوٹا ہے، مان لینا چاہیے یہی حق کا تقاضہ ہے۔

منتظم کے اوصاف :

بہر حال انتظام و نظام کو قائم رکھنے کے لئے جبکہ اپنے اندر کلام کرنے کی صلاحیت اور کام کرنے کی قوت نہ ہو، نظام و انتظام ایسے کے سپرد کرنا چاہیے جو

باصلاحیت ہو اور صلاحیت کا جامع ہو۔ قوی بھی اور فعلی بھی عملاً بھی اور حالاً بھی تاکہ حدود میں رہتے ہوئے نظام چلائے حدود سے تجاوز نہ ہو۔

نیز اُخْلَفْنِي سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گھر کا ذمہ دار و منتظم کہلایا جائے تو اپنے بعد امور متعلقہ اور متعلقین کا نظم و بندوبست کر جانا چاہیے یہ معاشرت میں داخل ہے۔ احکام اور فقہ میں اگرچہ اجتہاد ختم ہو گیا کیا معاشرتی زندگی میں بھی بند ہو گیا؟ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ عليه السلام چلے جاتے اور اپنا خلیفہ نہ بناتے، کیا نبی سے زیادہ حق تعالیٰ کی ذات پر توکل دوسرے کا ہو سکتا ہے۔ بس یوں کہہ دیتے سپرِ خدا میں تو جا رہا ہوں، قرآن مجید توکل کے مضمون سے بھرا پڑا ہے جگہ جگہ ارشاد ہے کہ اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ توکل بابِ تفاعل سے ہے اس کا مادہ، وک، ل ہے اسی سے وکیل ہے اور وکیل جو کہ مادہ ہے موکل کا، موکل مدعی یا مدعی علیہ ہوتا ہے تو وکیل موکل کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اور توکیل کے معنی ہیں سپرد کرنا لہذا موکل وکیل کو اپنا معاملہ سپرد کر دیتا ہے کہ چونکہ آپ قانون جانتے ہیں آپ میرے وکیل ہیں اور یہ میرا معاملہ ہے تو گویا وکیل کا بولنا موکل کا بولنا ہوا، کوئی ضرورت ہو تو موکل بھی مشورہ دے سکتا ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ قانون ساز اور انبیاء قانون دان ہوتے ہیں :

اسی طرح خلیفہ مثل وکیل کے ہے اور وکیل قانون دان ہوتا ہے تو یہ خلیفہ انسان بھی قانون دان ہوا، اور ذاتِ باری تعالیٰ قانون ساز ہوئے۔ اور صحیح معنی میں قانون دان تو حضرات انبیاء کرامؑ تھے اس کے بعد یکے بعد دیگرے تو اب وارثین انبیاء جو کہ خلیفہ اور نائب ہیں یعنی علماء وہ قانون دان ہوں گے کیونکہ پیغمبری ختم ہو گئی،

رسالت ختم ہوگئی۔

اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہیے :

اور اُخْلَفْنِی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد میں جس آدمی سے متعلق امور ہوں وہ خلیفہ ہوگا اور امور متعلقہ سے مراد مثلاً بیوی، بچے، ماں باپ، بیٹا وغیرہ جن کا یہ ذمہ دار تھا اور اپنے اعزہ اور قریبی رشتہ دار ہیں ان کا انتظام بھی کسی کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس کا نام ہے خلیفہ اسی کو تعبیر کیا اُخْلَفْنِی کے لفظ سے اور پھر کہا کہ فِی قَوْمِی معلوم ہوا کہ گھر والے تو ہیں ہی قوم کی بھی ذمہ داری کچھ آئی ہوئی ہے اُن سے جو امور متعلقہ ہیں اُن کا انتظام رکھنا اسی سے یہ بات نکل آئی ہے کہ جب گھر سے چلو تو اپنے پیچھے امور متعلقہ اور متعلقین کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر آؤ۔

اسی وجہ سے جب کوئی امام وغیرہ آنے کے لئے لکھتا ہے تو احقر جو اباً لکھتا ہے کہ اپنے بعد کسی کا انتظام کر کے آؤ تا کہ کسی کو دشواری اور پریشانی نہ ہو کسی قسم کی بھی رات کو سونے کا انتظام بھی کسی محرم دیانت دار کے سپرد کرو (آجکل محرم دیانت دار بھی بہت کم ملتے ہیں) یہ جزئیات ہیں معاشرت کی تعلیم ہے۔

نواب منزل اللہ خان صاحب عجیب قسم کے آدمی تھے اُن کے ہاں بہت ملازم تھے ریاست بھی بہت اونچی تھی منصبی ریاست تھی مختار عام بھی ہوتے تھے اور مختار خاص کارندے بھی ہوتے تھے چوکیدار بھی۔ بعض دفعہ کوئی صاحب دوستوں میں سے کہتا، میاں نواب صاحب فلاں صاحب ملازمین میں سے لوگوں کو خوب دے رہے ہیں۔ جس کا شکر کار کو چاہا زمین دے دی جس کو چاہا درخت بتلا دیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ دوست کہتے نواب صاحب ایسے کو الگ کر دیں، نواب

ساحب کہتے ٹھیک ہے لیکن مجھے کوئی ایسا لا کر دے دو جو کھاتا پیتا نہ ہو اور ایسا نہ کرے۔
 دیکھو اتنے عرصہ اور زمانے میں تو وہ ہمارا مزاج شناس بنا ہم اس کے مزاج شناس بنے
 ہمارے کاشتکاروں کو جان پہچان والا بنا۔ زمین کو پہچانا اب ہم اس کو الگ کر دیں اب
 کوئی نیا آئے گا نیا تو پھر بھی نیا ہے ہم اس کو بھیج دیں تو مزاج شناسی کب پیدا ہوگی۔
 ہاں اگر کوئی مزاج شناس ملے اور کاشتکاروں اور زمینوں کو بھی پہچانتا ہو تو خیر ورنہ رہنے
 دو، کھایا پیا ہی کرتے ہیں میں الگ نہیں کرتا۔ ان کے یہاں جو ملازم ہو گیا، ہو گیا، ان
 کے یہاں علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ہاں کوئی خود ہی چھوڑ جائے تو خیر۔ یہ
 ایک مثال ہے مخلوق کی مخلوق کے ساتھ معاملے کا برتاؤ۔

رَجُوعٌ إِلَى الْمَقْصُودِ :

گفتگو اس پر چلی تھی کہ جب گھر سے چلے تو نگراں و منتظم اپنا قائم مقام چھوڑ
 کر اور بتا کر جانا چاہیے تاکہ امور متعلقہ میں خرابی، تخریب نہ ہو جائے نیز متعلقین کی
 رہائش میں بھی کوئی پریشانی اور الجھن نہ ہو۔ جسے تحصیلدار جب چھٹی پر جائے تو جگہ
 خالی رہے گی یا قائم مقام پٹواری کو بنا کر جائے گا اگر پٹواری نہ ہو تو نائب تحصیلدار جو
 کہ تحصیلدار کے عہدے پر آنے والا ہے۔

معاشرت کی چند نظیریں :

بڑا گھر میں ہے نہیں، نہ ہی کہہ کر گیا ہے، اٹھ کر چلا آیا نہ یہ بتایا کہ میں کہاں
 جا رہا ہوں اور کب تک واپس آنے کا ارادہ ہے۔ بتا کر جانا چاہیے کہ میں فلاں جگہ جا
 رہا ہوں تاکہ اگر گھر والوں کو بعد میں کوئی پریشانی وقتی طور پر پیش آ جائے کسی کو بھیج سکیں
 یا خود جا کر بلا لیں اور جب یہ ہی معلوم نہیں کہ کہاں گیا ہے تو پریشانی کتنی ہوگی یہ سوء

معاشرت ہے۔ یا بصورتِ دیگر جلدی نہیں تو خط بھیج دیں اور رجسٹری وغیرہ کریں تاکہ مل جائے اور ملنے کی اطلاع بھی آجائے۔ یہ معاشرتی زندگی کی جزئیات ہیں جو الحمد للہ اس آیتِ قرآنی سے ثابت کی جا رہی ہیں۔

جہاں سے چیز اٹھاؤ استعمال کر کے وہیں اپنی جگہ رکھ دو تا کہ دوسرے کو استعمال کرنے میں پریشانی نہ ہو معاشرت کے اختیار کرنے میں سہولت اور احتیاط ہے اور بد معاشرتی میں تنگی اور پریشانی ہے۔ رسول اللہ جب غارِ حرا جاتے تو بتا کر جاتے تھے حدیث میں آتا ہے: حُبِّ إِلَيْهِ الْخَلَاءِ، یعنی آپ کے دل میں خلوت کی محبت ڈال دی گئی اور یہ خلوت ہر عالم کے لئے لازم ہی نہیں بلکہ لازمِ علم ہے۔

خلوتِ قلب مطلوب ہے :

تب ہی علوم کا فیض و فائدہ ہوگا اور ایسا آدمی ہی فاعلِ حقیقی سے فیضیاب ہوگا ورنہ معلومات ہوں گی منتہی ہونے سے رہ گیا ”جلوت بضرورتِ خلوتِ حقیقت اور خلوت جس طرح مکانی جسمانی ہوتی ہے اسی طرح خلوت بخلائے رسائلِ ذمیرہ مطلوب ہے جس کا نام خلوتِ قلب ہے کہ اب تو اس کے قلب میں خلوت آگئی اور یوں کہہ رہا ہے کہ ہمارا دل تمام چیزوں کی طرف سے ہٹ کر آپ کی طرف آ گیا اب تو خلوت ہوگئی۔ قلب اصل ہے اور جب یہ اصل ہے تو پھر جلوت بھی خلوت ہے، تو پھر خلوت درجلوت ہے اسی کو صوفیاء کہتے ہیں خلوت درجلوت اس کی تحصیل فرض ہے طلبہ میں، بضرورتِ درسگاہ میں جا رہے ہیں یہ جلوت ہے مگر قلب میں خلوت ہے آنکھ بھی محفوظ، زبان بھی محفوظ، کان بھی محفوظ، ہاتھ بھی محفوظ، دل بھی محفوظ، اپنی جگہ ہو۔ ایک چیز استعمال ہو رہی ہے۔ ایک دلیل تو یہ ہوئی کہ حضور ﷺ فرما کر جاتے تھے کہ فلاں جگہ جا

رہا ہوں کہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو اطلاع دی جاسکتی ہے۔
 دوسری دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام ^{پنہ متعلقین} اور امور متعلقہ کا انتظام کر کے
 جارہے ہیں کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں۔ ایک اور بات کہ موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر جا رہے
 ہیں تیس دن اور کچھ دن مثلاً ہو سکتا ہے کہ تاخیر ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچ گئے
 اور کہہ کر جا رہے ہیں کہ میں کسی ایسی جگہ نہیں جا رہا ہوں اگر کچھ دیر ہو جائے تو پریشان
 مت ہونا بلکہ میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جو تہذیب ہی تہذیب ہے، وہاں غیر مہذب
 بات نہیں ہوگی اور جب تاخیر ہو جائے تو سمجھ لینا کہ وہ جس کو اللہ کہتے ہیں انہوں نے
 کسی ضرورت سے کسی فائدہ کے لئے زیادہ رکھ لیا ہوگا ورنہ انہیں تو معلوم ہے کہ نائب
 اور خلیفہ کو کہیں اُلجھن و پریشانی نہ ہو جائے۔ ان کے علم میں ہے کہ کہاں گئے ہیں اور
 کس ذات کے پاس گئے ہیں وہ تو ایسے کے پاس گئے ہیں جو ساری پریشانیوں کو دور
 کرنے والا عالم الغیب ہے تم پریشان مت ہو جانا بس انتظام کو باقی رکھنا میں تمہیں اپنا
 قائم مقام بنا کر جا رہا ہوں لیکن اگر تذبذب کی شکل نہ ہو بلکہ تعین ہو تو اطاعت نہ آنے کی
 صورت میں کرنا لازمی ہے تاکہ اُلجھن سے حفاظت ہو ڈاک سے اطلاع کر دو۔ یعنی کوہ
 طور پر وہاں ایسی ڈاکی ہے کہ (یہاں جو ڈاک نکلتی ہے ادھر ادھر بھی ہو سکتی ہے) لیکن
 اُس ڈاک میں ڈاکیہ کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ ہے ”نبی کی فراست“ نبی کی فراست بتلا
 رہی ہے کہ تاخیر کسی اچھائی کے لئے ہوئی ہے کوئی فکر نہیں۔ اسی فراست کو ہماری
 اصطلاح میں ڈاک کہتے ہیں تسلی مل رہی ہے گھبراہٹ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باری تعالیٰ سے کلام :

بہر حال موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے کلام شروع ہو گیا۔ وَكَلَّمَهُ

رَبُّهُ یعنی موسیٰ علیہ السلام سے رب نے کلام فرمایا۔ اس کھوج میں مت پڑو کہ کلام کس طرف سے اور کیسا کلام تھا جیسی ذات ویسا ہی کلام، جیسا متکلم ویسا ہی کلام۔ چونکہ جس طرف ذات باری تعالیٰ کی ذات میں کھود گرید میں نہیں لگنا چاہیے اسی طرح ذات باری تعالیٰ کی صفات میں بھی کھود گرید نہیں کرنا چاہیے اور کلام بھی منجملہ صفات میں سے ایک صفت ہے تو اس صفت کے اندر کاؤ کاش کیسی؟ اجمالی ایمان ضروری ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبِّ اَرِنِي اَنْظُرُ اِلَيْكَ مجھے اپنی رویت کرا دیجیے ایک نظر دیکھ لوں محبوب حقیقی مالک حقیقی کو۔ چونکہ رب کے معنی مالک کے ہیں کلام شروع ہو گیا جب کلام ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کا دل تڑپ گیا کہا: رَبِّ اَرِنِي، اے میرے رب میرے مربی حقیقی اے مالک حقیقی یہ سب لفظ رب سے نکل رہے ہیں: "اَرِنِي اَمْرٌ" حاضر معروف کا صیغہ ہے یعنی دکھلا دیجیے مجھے ایسی رویت جو کہ بنظرِ پچشم ہو جو کہ سر میں ہے نہ کہ بذریعہ قلب۔

امکانِ عقلی پر شرعاً عمل کی گنجائش ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور نبی سے خلاف عقل بات ہو ہی نہیں سکتی تو ذات باری تعالیٰ کی رویت عینی امکانِ عقلی ہونے کی وجہ سے ہے عقل جائز رکھ رہی ہے۔ چنانچہ عقلاً اس دُنیا میں ان آنکھوں سے دیکھنا محالِ عقلی نہیں ہے بلکہ ممکنات میں سے ہے اعتبارِ عقل گواگر شرع منع کرے تو ان اعتباراتِ عقلیہ پر عمل کی گنجائش ہے یہ نئی بات ہے موسیٰ علیہ السلام تمام عقلمندوں سے زیادہ عاقل تھے ان کی عقل نے تجویز کیا اسی احتمالِ امکانی کے نکلنے ہوئے سوال کر دیا محال کا سوال اور اس کی درخواست تو ناجائز ہے مثلاً کوئی یوں کہے اے اللہ مجھے نبی بنا دو یا اب یوں کہے کہ مجھے صحابی بنا دو یہ

بات مناسب عقل ہے یا خلاف عقل، فی نفسہ ہو سکتا ہے کہ وہ ذات نبی بنا دیں احتمال تو ہے چونکہ قادر مطلق ہے لیکن شرع منع کرتی ہے ذات باری تعالیٰ منع فرماتے ہیں جس میں شرع آگئی۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس احتمال عقلی پر جو گنجائش تھی درخواست کر دی لیکن ذات باری تعالیٰ نے فرمایا: لَنْ تَرَائِيْ اور اس کے بعد فرمایا: وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَائِيْ وہ ذات کہہ رہی ہے کہ ہرگز مجھ کو نہیں دیکھ سکتے اس کے بعد موسیٰ کی طلب بغایت شوق بوثوق دب گئی شوق موسیٰ علیہ السلام شوق ہو گیا، اس سے یہ جزئیہ معلوم ہوا کہ بڑے کے جواب کے بعد اصرار نہیں کرنا چاہیے خلاف ادب ہے۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خلاف ادب بات ہو سکتی ہے اور جب اعتماد کامل، اعتقاد جازم ہو پھر اصرار کیسا؟ چھوٹے میں تابعیت کی شان غالب ہونی چاہیے چھوٹے کا شوق بڑے کے سامنے شوق ہو جائے اسی پر بہت سی جزئیات متفرع ہو سکتی ہیں مثلاً شیخ نے کہا کہ شب میں تہجد کی چار رکعات پڑھ لیا کرو اور یہ شوق میں آٹھ یا بارہ پڑھ رہا ہے۔ کہا یہ تھا کہ ایک ہزار مرتبہ ذکر کرو اور اس طرح اس وقت کر لیا کرو اور جب کچھ لذت سی آئی بڑھا دیا اضافہ کر دیا، تو یہ شوق پورا کرنا ہے اتباع شیخ نہیں ہے۔ نفس نے ایسا شوق کا راستہ بتلا دیا جو کہ خلاف بھی ہے اور خراب بھی ہے اور حکم یہ ہے: وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ اور منجملہ مفسدین کے نفس مفسد ہے۔ یعنی جو آدمی میں رکھا ہوا ہے اس کی پیروی کیسی؟ اصرار نہیں کیا اور لَنْ تَرَائِيْ میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس جواب میں موسیٰ علیہ السلام کو تسلی فرما رہے ہیں کہ ہرگز تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے۔ کیسے معلوم ہوا کہ نہیں دیکھ سکتے چونکہ ذات باری تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں

کوئی اور احتمال پیدا ہو سکتا ہے وہ ذاتِ قادرِ مطلق ہے کہ دکھانا چاہیں تو دکھا سکتے ہیں۔

لَنْ تَرَائِي فَرَمَايَا لَنْ أُرِيكَ نَهِيں فرمایا :

لیکن تو اے موسیٰ عليه السلام دیکھ نہیں سکتا یوں نہیں کہا کہ میں دکھا سکتا نہیں بلکہ یوں کہا کہ تو دیکھ سکتا نہیں، چونکہ وہ قوت نہیں، سہارا نہیں تحمل نہیں کہیں یہ کھیل کھیل نہ بن جائے، جان ہی چلی جائے آگے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک تماشا دکھا دیا ذرا پہاڑ کی طرف دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک رویت کا ظہور دوسری نوعیت کے ساتھ یعنی تجلی پہاڑ پر ڈال دی۔ ”ظہورِ تجلہ کے معنی میں“ بس پہاڑ پر ڈالنا تھا پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے برداشت نہیں کر سکا، پہاڑ کا وزن پہاڑ کا جسد، پہاڑ کا طول و عرض اور مضبوطی ظاہر ہے کہ جرمِ انسانی سے اس کا جرمِ عمیق ہے اب جب حضرت موسیٰ عليه السلام کی اس پر نظر پڑی تو خَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا یعنی موسیٰ عليه السلام بیہوش ہو گئے من حیث النبوت نہیں گھبرائے بلکہ ایک تجلی جو سامنے آئی اور پہاڑ پر جو اس کی ہیبت قائم ہوئی یہ جرمِ انسانی بے ہوش ہو کر گر گیا یہ سوچا کہ یہ پہاڑ اور ایک میں، اُن کی نظر اپنی شانِ نبوت کی اکملیت پر پڑی؟ جن کا جلال مشہور ہے انبیاء علیہم السلام مختلف اوصافِ حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں گو شانِ نبوت تو بہت اونچی چیز ہے لیکن جسم کیا کرے بتقاضائے بشری حضرت موسیٰ عليه السلام پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ جب نبی کا یہ حال ہے ایسی چیز کے سامنے آنے پر اگر ولی کی یہ حالت ہو جائے، وحشت ہو جائے، گڑ گڑا جائے تو یہ خلافِ ولایت نہیں ہے جبکہ وہ اندر سے سنبھلا ہوا ہے ظاہر پر ایک اثر پڑ گیا من حیث الجسم اور باطن پر کوئی اثر نہیں۔

رجوع الی الابتداء:

حقیقی مجاہد کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس وقت صحابہ جہاد سے فارغ ہو کر آئے کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ کر آئے، یا رسول اللہ ہم جہاد اصغر میں گئے تھے.....؟ فرمایا ہاں جہاد اکبر وہ ہے جو مکہ معظمہ میں رہ کر تیرہ سال کرایا یعنی الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ اس کے بعد جہاد معنوی جسم کے ساتھ آیا جسے صلوة کہتے ہیں۔ تیرہ سالہ زندگی گزار دی لیکن نماز پنج وقتہ ہجرت سے ایک سال قبل فرض ہوئی چونکہ جب جہاد نفسانی اور جہاد اخلاقی سے بزوال اخلاق رزیلہ فارغ ہو گئے اور حسنا پیوست ہو گئے اب اس کو عمل میں دیکھا کہ آیا مجاہد صحیح معنی میں بنے بھی ہیں یا نہیں۔ اور پانچ وقت کی عجیب قسم کی قید لگا دی ایسا نہیں کہ جس طرح جب چاہا ادا کر لیں نہیں نہیں چونکہ جب تمہارے اندر ایک نظام آ گیا تو یہ نظام عملی بھی نظام کے ساتھ ہے بد نظمی کے ساتھ نہیں اس لئے کہ بد نظمی سے فساد ہوتا ہے اور نظم سے فساد ختم صلاح و درستگی آ جاتی ہے اخلاق میں بد نظمی کی مثال جیسے ریاء وہ چلی گئی اور نظم یعنی اخلاص آ گیا علی هذا القیاس تکبر گیا، اس کے مقابل تو اضع آ گئی، اسی طرح تمام اخلاق ذمیدہ جو کہ فی الحقیقت بد نظمی کی جڑیں ہیں، ان کی جگہ قلب میں نظم صحیح یعنی حمیدہ پیوست اور راسخ ہو گئے ظاہر کی بد نظمی بھی ختم اور اندر کی بد نظمی بھی ختم ہو گئی۔

دین پورے نظم کا نام ہے:

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ دین پورے نظم کا نام ہے بد نظمی کو دین گوارا نہیں کرتا اخلاق حمیدہ و اخلاق حسنہ کمال نظم کا نام ہے۔ اس کے مقابل اخلاق

رزیلہ پوری بد نظمی کا نام ہے۔ بد نظمی میں فساد اور نظم میں اصلاح، نظم میں امن اور بد نظمی میں بد امنی ہے، اعمال میں پہلی چیز عمل بدرجہ حال پیوست، بحصولِ ملکہ اخلاقِ حمیدہ، بزوالِ اخلاقِ رزیلہ جسے اللہ تعالیٰ نے پنج وقتہ نمازِ نظم کے ساتھ مقرر فرمائی مثلاً اوقات کا تعین بقدرِ شرعی تو توسیع و گنجائش ہے وہ تو ایک عارضی چیز ہے اجتماع کے لئے اعلان کہ سب جمع ہو جائیں اس کی بھی ایک جگہ مقرر کر دی گئی یعنی مسجد توسع کو چھوڑو، بیمار ہو گیا گفتگو اصل اس پر ہو رہی ہے، نیز نماز ہر کس و ناکس کے پیچھے نہیں بلکہ امام کے پیچھے جو نماز کی حقیقت اور اس کے آداب کو پہچانتا ہو کیف ما اتفق نہیں بلکہ تسویہ صفوف یعنی صف بندی کے ساتھ ایسا نہیں کہ جس طرح چاہو کھڑے ہو جاؤ بلکہ اس کا بھی ایک نظام ہے کہ کس طرح کھڑے ہوں صف سیدھی مستقیم ہوتا کہ پل صراط بھی مستقیم ہو۔ اور ایسے کھڑا ہو کہ ادھر سے کمان میں تیر رکھ کر چلائیں تو وہ تیر سیدھا نکل کر چلا جائے۔ دین نام ہے نظام کا، اگر جزئیات عرض کی جائیں تو مہینوں چاہئیں پوری زندگی دین کے ساتھ رہو جس کا نام ہے نظام، آپ نے نظم سنی ہوگی، شاعر نے نظم کہی پہلا مصرعہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ بڑا کوئی اس کو نظم کہے گا؟ معلوم ہوا کہ کلام میں بھی نظم، خود نظم سننے والا کہے گا کہ یہ تو بد نظم ہے اور نماز میں اگر نظم نہیں ہوگی تو قبولیت کہاں ہوگی۔

آیت کی تفسیر اور اسرار و رموز :

اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو خلیفہ بنا کر بھیجا چنانچہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيُبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ - وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ اس نے تمہارے بلا اختیار تم کو با اختیار خلیفہ

بنایا جہاں جَعَلَ کا لفظ آتا ہے وہاں یہی معنی مراد ہوتے ہیں مثلاً کہا جائے جَعَلَ اللّٰیْلَ۔ جَعَلَ کا استعمال ہوا لیکن لیل آپ کے اختیار کی ہے؟ بلا اختیار با اختیار دیکھو احسان مانو نعمت کو سوچو، اے مٹی کے پتلے مٹی سے پیدا کئے ہوئے مٹی میں تم کو صاحب اختیار بنا دیا اور جو صاحب اختیار ہوتا ہے وہی مکلف ہوتا ہے۔ تمہیں اس ذات نے زمین میں صاحب اختیار مکلف بنا کر بھیجا اور خلیفہ کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس کو اور کیسا ہونا چاہیے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

لہذا تخلقوا باخلاق اللہ کے مصداق اول و ہلہ میں بن جاؤ خلیفہ میں اس کا وصف ہونا چاہیے پھر اس کا ظہور ہو مخلوق اعمال ظاہرہ۔ آگے فرمایا تم میں بعض کا بعض پر درجہ بلند کیا درجہ بدرجہ کیوں بلند کیا اس کی حکمت میں ارشاد فرمایا تا کہ تمہیں آزمائیں تم کو اس چیز میں جو تم کو عطاء کی گئی ہے۔ منعم حقیقی نے جو نعمت دی ہے اس میں تم کو آزمائے کہ کون قدر کر کے طاعت فرمانبرداری کرتا ہے اور کون بے قدری کر کے نافرمانی کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا مطیع کے ساتھ معاملہ کچھ اور ہے تو غیر مطیع کے ساتھ معاملہ کچھ اور ہے اسی وجہ سے فرماتے ہیں کہ تیرا رب بہت جلدی سزا دینے والا ہے۔ چنانچہ موت کے بعد بہت جلد ہی عقاب ملنے والا ہے اور یہ سزا نافرمانوں کے لئے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے بہت رحم کرنے والا ہے یعنی اگر نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف آ گیا تو اس نافرمانی کا خیال نہیں فرمائے گا۔

معاف کرنے کی عادت ہونی چاہیے :

آج کل ہمارے ساتھ کچھ بات خلاف طبیعت ہو جائے معافی ہی نہیں ہوتی، بیوی معافی مانگ رہی ہے میاں روٹھ رہے ہیں تکبر آ گیا معاشرت کی زندگی میں ذرا

سا بہانہ اس کے عجز کامل جائے چاہے دل میں اس کی موافقت نہ ہو حق تعالیٰ فرماتے ہیں معاف کرو ظاہر پر نظر رکھو باطن کی طرف نظر مت کرو تب ہی معاشرت اچھی رہے گی۔ نافرمانی سے فرمانبرداری کا خیال آگیا نافرمانی پر میری کوئی نظر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماضی کا رنج مت کرو اے صاحبِ توبہ اور مستقبل کی فکر کرو کہ کہیں پھر ایسا نہ ہو جائے البتہ حال کا احتتام رکھو سعی اور جدوجہد کے ساتھ تا کہ مجاہدہ ہاتھ سے نہ نکل جائے اس سے بے فکری نہ ہو جائے اگر خیال کرو گے تو ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف انجذاب و کشش نہ ہوگی اور ضرورتِ دنیاوی میں جی نہ لگے گا اور اعمالِ آخرت میں بھی جذبہ نہ رہے گا۔ آگے فرمایا، جو فرمانبردار رہتا چلا گیا نافرمانی سے رُکا ہوا اور فرمانبرداری سے چلتا رہا اس پر رحمت کا ظہور ہوگا۔ نافرمانوں کے ساتھ سریع العقاب ہوں اور نافرمانی سے بچنے والوں کے ساتھ غفور الرحیم ہوں۔ یہ تین لفظ ہوئے، فرمانبردار رہتا چلا گیا اور زندگی گزار دی رحیم ہے نافرمانی سے فرمانبرداری میں آگیا غفور ہے نافرمانی میں رہتا چلا گیا عقاب ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ جو عقاب سے بچ کر مغفرت و رحمت کا مستحق بن جائے وہ ہے صحیح معنی میں خلیفہ برنگِ توحیدِ صحیح، کامل مطیع بطاعت، بذوقِ حدِ شرعِ ظلم سے ہٹا اور عدلِ توفیقِ الہی سے آگیا تو سب کے ساتھ عدل ہوتا چلا گیا اخلاقِ ذمیرہ سے ہٹا جو کہ ظلم تھا اخلاقِ حمیدہ کا پیوست ہو جانا ان کا ملکہ ہو جانا جو کہ عدل ہے۔

لہذا تو عدل کا مستحق بن کر اور عادل ہو کر سب کے ساتھ عدل رکھ اور عدل ہی میں امن ہے نظم ہے اور بے عدلی میں بد امنی بد نظمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس اسلامی عدل، نظم پر تاحیات قائم رکھیں۔



چھتیسویں مجلس

اہل اللہ شریعت و طریقت کے

جامع ہوتے ہیں

مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ بمطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز یکشنبہ بوقت صبح

وقت کو نبھاتے ہوئے شریعت کو نبھانا چاہیے :

حضرت والا حکیم الامتؒ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ میں پیرانِ کلیر شریف چلا گیا مجھے خبر نہیں تھی کہ وہاں غرس ہو رہا ہے بڑے بڑے موٹے موٹے لٹھیت پھر رہے ہیں۔ میں جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی ”اومرغے اومرغے“ یہ لوگ کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں بالکل آزاد۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کہا ”ارے بھائی تجھے ہی تو کہہ رہا ہوں مرغے“.....! میں چلا گیا، کہا فقیر کا لٹھکا (نکتہ) سن۔ ہم فقیروں کی روحیں عالم ارواح میں جس وقت اللہ تعالیٰ کے قریب کھڑی تھیں اور مولویوں کی روحیں بہت دور تھیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”بھنگ بوزہ“ ہم چونکہ قریب

کھڑے تھے ہم نے صحیح سمجھ لیا۔ اور مولوی چونکہ دور کھڑے تھے وہ ٹھیک طرح سمجھے نہیں اور مطلب اس کا یہ تھا کہ بھنگ گھوٹ گھوٹ کر پیا کرو یعنی بھنگ بوزہ، اور مولوی سمجھے نماز روزہ۔ تو مولویوں نے نماز روزہ کو پکڑ لیا اور کہا کیا تھا؟ بھنگ بوزہ۔ بس جا فقیر کا یہ لٹھ کا یاد رکھنا۔

اس رئیس نے حضرت والا سے کہا کہ حضرت مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ میں یہاں اجنبی ہوں اور یہ موٹے موٹے پھر رہے ہیں لٹھنگ ڈنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے، کسی ایک نے اگر مجھے مار دیا تو میرا کام خراب ہو جائے گا، اب میں وہاں کیسے بولتا مگر غصہ تو بہت آیا۔ وقت کو نبھانا اور اس کے ساتھ شریعت کو نبھانا یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی موقعہ شناسی :

بھنگ پینے کا زمانہ تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہ العزیز کے پاس ایک دوکاندار آیا اور کہا کہ اور دوکانداروں کی بھنگ خوب بکتی ہے میری دوکان سے بھنگ نہیں بکتی، کوئی تعویذ لکھ دو تا کہ میری دوکان سے بھنگ بکنی اچھی ہو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا بہت اچھا، تعویذ لکھ کر دے دیا اور فرمایا اس کو بھنگ گھونٹنے کے ڈنڈے میں باندھ لینا وہ شخص کچھ روز بعد مٹھائی لے کر حاضر ہوا، اجی آپ نے جو تعویذ دیا تھا تو میری دوکان سے بھنگ بکنی خوب اچھی ہوئی ہے اور خوب نفع ہوا ہے یہ آپ کے واسطے مٹھائی لایا ہوں بہت اچھا رکھ دو، چلا گیا۔ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ حضرت پہلی بات تو یہ ہے کہ بھنگ حرام ہے اور آپ نے اس کے لئے بھی تعویذ دے دیا کیا یہ جائز تھا؟ اور دوسرے پھر اسی

مال کی کمائی سے مٹھائی لایا آپ نے لیکر رکھ لی۔

آپ نے فرمایا اچھا اچھا، خادم سے کہا کہ بھئی دیکھو جو یہ ابھی آیا تھا اس کی دوکان پر جاؤ اور اس سے کہنا کہ وہ تعویذ دے دو ابھی واپس کر دیں گے، تعویذ آ گیا تو مولانا نے وہ تعویذ اس معترض صاحب کو دے دیا کہ کھول کر پڑھ لو۔ اس پر لکھا ہوا تھا کہ ”جن کے لئے بھنگ پینا لکھا ہوا ہے“ بس یہ تھا تعویذ کہ کہیں اور نہ پی لے یہاں۔ معترض دنگ کر رہ گیا کہ یہ کوئی چیز ہے؟ یہ تو حوالہ ہے جاؤ دے کر آ جاؤ، رہی مٹھائی والی بات تو یہاں دہلی میں بہت سے لڑکے ہیں جن بیچاروں کو ضائقہ کبھی نصیب ہی نہیں ہوا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔ ایسا زمانہ گزر رہا ہے کچھ مت پوچھئے۔

لہجہ اور انداز سے بھی بڑوں کی بے ادبی نہیں ہونی چاہیے :

برطانوی حکومت ہے بابا فرید الدین اور سلطان جی کا زمانہ ہے، بابا صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایسی پرانی کتاب میں پڑھا اور سمجھا تھوڑا ہی جاتا ہے! یہ کہہ دیا اور مجلس ختم ہو گئی سب اٹھ کر چلے گئے۔ بابا صاحب کے صاحبزادے نے باہر آ کر نظام الدین صاحب سے کہا کہ کچھ معلوم بھی ہے کہ بابا صاحب نے کیا فرمایا؟ سلطان جی نے کہا کہ ہاں معلوم ہے اور سنا ہے۔ صاحبزادے نے کہا اچھا تو آپ اس سے کیا سمجھے؟ بابا صاحب ناراض ہو گئے ہیں۔ سلطان جی میں نے یہی تو کہا تھا کہ فلاں صاحب کی جو کتاب ہے وہ صاف و شفاف ہے پڑھنے میں بڑی آسانی ہوگی! صاحبزادے نے کہا تو بابا صاحب نے کس لہجہ سے کہا تھا؟ سلطان جی نے کہا جی ہاں یہی فرمایا تھا کہ ایسی پرانی کتاب میں آسانی سے پڑھا اور سمجھا تھوڑا ہی جاسکتا ہے، صاحبزادے نے کہا تو پھر بابا صاحب کے اس لہجہ اور اس طرح سے کہنے کا کیا مطلب

ہوا؟ آپ نے فرمایا: بابا صاحب کی استعدادِ علمی پر اعتراض کیا ہے۔ آپ کے اس طرح کہنے سے بابا صاحب کے علم میں کمزوری ظاہر کرنا ہے یہ کہہ کر ادھر اشارہ ہے، سلطان جی نے کہا اوہو میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا۔

سر سید احمد خان کی مولانا رشید احمدؒ کو

دعوتِ جلسہ اور آپ کا جواب :

علی گڑھ کالج کی سر سید احمد خان نے بنیاد ڈالی جیسا کہ مشہور ہے اور یہ مولانا قاسمؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ساتھیوں میں سے تھے وہ اس طرف چلے گئے انہوں نے علی گڑھ کالج میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا، ان کو برطانوی حکومت سے سر کا خطاب ملنا تھا۔

انہوں نے ایک دعوت نامہ مولانا رشید احمدؒ کے نام لکھ کر ایک مولوی صاحب کو دیا کہ یہ دعوت نامہ مولانا کی خدمت میں پہنچا دیجیے۔ ان مولوی صاحب نے لا کر پیش کر دیا، مولانا گنگوہیؒ نے پڑھا اور پڑھ کر فرمایا: (دیکھو ہمارے اکابرین و اسلاف اپنے ہم عصر کا ایک دوسرے کا کس درجہ لحاظ کرتے تھے اس کا بھی اندازہ کرتے رہو اور آج کے ہم عصر ایک دوسرے کو دباننا چاہتے ہیں) کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ میں تو ان باتوں سے کچھ ایسا واقف نہیں ہوں، ہمارے بھائی مولانا قاسم صاحبؒ کو دیدیا جائے وہ پڑھ کر اگر شرکت کو منظور فرمائیں تو مجھے بھی منظور ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مولانا قاسمؒ مولانا گنگوہیؒ کے دروازے پر آ پہنچے۔ سلام و مصافحہ اور مزاج پرسی کے بعد فرمایا کہ سر سید احمد خان کا خط آیا ہے ذرا پڑھ کر دیکھ لیں اور اس کا جواب بھی لکھ کر دے دیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی کمال ذہانت :

مولانا قاسمؒ نے فرمایا: دیکھو بھائی! آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ ہوتے ہیں کہ جن کی عقل بھی صحیح اور نیت بھی صحیح، اور ایک اس کا الٹ کہ نہ عقل صحیح اور نہ نیت صحیح۔ تو بھائی ہم مسلمانوں کو ایسا تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تو مؤمن ہیں اب آگے چلو عقل تو صحیح ہے لیکن نیت صحیح نہیں اور ایک نیت تو صحیح ہے لیکن عقل صحیح نہیں۔ یہ چار اقسام کے لوگ ہوتے ہیں کسی کی نیت پر حملہ کرنا تو صحیح نہیں، ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سرسید احمد خان کی نیت صحیح نہیں، ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کی عقل درست نہیں اور ہمارے خیال میں جس کی عقل صحیح نہیں تو اس کے ساتھ شریک ہونا کہاں درست ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں تو معذور ہوں، مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر وہ شریک ہوں گے تو میں بھی شریک ہوں گا اور یہ منع کر رہے ہیں تو میں کیسے شریک ہوں۔

کلام کرتے ہوئے بے فکری نہیں ہونی چاہیے :

اسی کو حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی سے تکلیف پہنچی، ارے بھائی تمہاری اس بات سے تکلیف ہوئی، اجی میں نے جان کر تکلیف نہیں دی ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے اس کا اہتمام نہیں فرمایا کہ میرے اس جملے سے کہیں تکلیف نہ ہو جائے۔

اسی طرح سلطان نظام الدین صاحبزادے سے فرما رہے ہیں کہ میری تو یہ نیت نہیں تھی، میرے خیال میں بھی نہیں وہ ایک بات تھی میرے منہ سے نکل گئی۔ صاحبزادے نے فرمایا ٹھیک ہے کہ نیت نہیں لیکن جملہ تو ایسا ہے جس کے یہ معنی نکلتے۔

ہیں کہ آپ نے اپنے شیخ کی قلتِ استعداد پر حملہ کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ”فصوص الحکم“ ابن عربی کی کتاب ہے، تو دیکھئے سلطان جی کی یہ نیت نہیں تھی، کبھی بے فکری سے ایسا ہو جاتا ہے۔

شیخ مرید کو کلام کرنا بھی سکھاتا ہے :

اور حضراتِ مشائخ جب اپنے طالبِ اصلاح کو دیکھتے ہیں کہ یہ چلتا چلا جا رہا ہے لطیف لطیف نقطوں کی طرف اور لطیف لطیف تبرع کی طرف، یہ دیکھ کر شیخ جہاں اس کے کام کی تصحیح کرتا چلا جاتا ہے وہیں اس کے کلام کی بھی تصحیح کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ ایک معاملہ نہیں، گاؤں والے کے ساتھ کچھ اور شہری کے ساتھ کچھ اور معاملہ ہے۔ خاندانوں کا فرق پڑ جاتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس کے کلام کی بھی اصلاح اور تصحیح کہ تم سوچ کر کیوں نہیں بولتے؟ ابھی طبیعت اس نوعیت کی کیوں نہیں بنی اس کو پکڑ کر کھینچو، اس کی کھینچاؤٹ کرو۔

دیکھیے سلطان نظام الدین جن کا لقب محبوبِ سبحانی ہے لیکن شیخ کی طرف سے اس وقت اصلاحِ کلام اور اظہارِ گرانی ہو رہی ہے جبکہ ان کی نیت بھی اچھی تھی۔

محبوبِ سبحانی کا اپنے شیخ سے معافی مانگنا :

حضرت نظام الدین صاحبزادہ صاحب سے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے تو ادھر توجہ دلائی ہے، اب میرا منہ سامنے جانے کو نہیں پڑتا۔ آج کل کی طرح نہیں کہ میں نے کیا کہہ دیا تھا یہ بھی کوئی ناراضگی کی بات تھی گھر کو چل دیا کہ کل کو کچھ اور بات ہو جائے گی تو اور ناراض ہو جائیں گے۔ دیکھو کیسا اچھا اعتقاد لے کر آیا تھا کہ ذرا روک

ٹوک ہوئی گھر کو چل دیا، امتحان ہو گیا۔ امتحان دو طرح کا ہوتا ہے اختیاری اور غیر اختیاری۔

متقدّمین مشائخ نے تو اختیاری امتحانات بھی لئے ہیں یہ غیر اختیاری امتحان ہو گیا۔ اب صاحبزادہ گیا ابا جان کے پاس کہ نظام الدین کو بھی رنج ہو رہا ہے جب ان کو یہ بات سمجھائی گئی وہ تو غم میں رو رہے ہیں، ابا جان معاف کر دیجیے، جاؤ جاؤ یہ ایسی بات نہیں جو اس طرح سے معاف کر دی جائے معافی نہیں ہے، اب بھی نہیں بھاگے اور آنسو آ گئے۔ اُس وقت تو دل رو رہا تھا اب آنکھیں بھی رو رہی ہیں۔ پھر صاحبزادہ کی خوشامد کر رہے ہیں۔ صاحبزادہ پھر چلے گئے، ابا جان وہ رو رہے ہیں جاؤ جاؤ ایسے معافی نہیں ہوگی۔ بیچارے نظام الدین آدھے نہ رہے، سوکھ گئے پھر خوشامد کر رہے ہیں ہاتھ جوڑ رہے ہیں تین چار دفع کے بعد جب دیکھا کہ علاج پکا ہو گیا ہے اور صحیح فکر پیدا ہو گئی ہے۔ بظاہر تو کچھ بات نہیں تھی اور میری ناراضگی دیکھ کر جما ہوا ہے، تین چار دفع خوب اچھی طرح کس دیا، پھر فرمایا بلا لاؤ جا کر بیٹھ گئے۔ بابا فرید الدین گنج شکر بہت بڑے عالم تھے علوم میں تبحر حاصل تھا اور سلطان جی بھی بہت بڑے عالم تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی عالم نہیں تھے جن کے خلیفہ بابا فرید الدین ہوئے اور یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ تھے وہ بھی عالم نہیں تھے مولوی بھی نہیں تھے لیکن مولوی گرتھے۔

حاجی امداد اللہ کا علم علمائے ظاہر سے زیادہ تھا :

بقول مولانا قاسم صاحب کے کہ جب کسی نے کہا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر حاجی صاحب کے پاس پہنچ گئے جن کا کُل علم کافیہ تک تھا۔ فرمایا تم کیا جانو ہمارا

علم اور طرح کا ہے اور ان کا علم اور طرح کا ہے۔ ہمارا علم تو ایسا ہے کہ کسی مکان کے دروازے کو دیکھا بہت عمدہ اور بہت اچھا ہے ہم سمجھے کہ اندر کے کمرے بھی ایسے ہی خوشنما ہوں گے، اور حاجی صاحب نے تو اندر جا کر کمرے دیکھے ہیں کہ ایسے ایسے ہیں تو دروازہ سے پتہ نہیں چلایا بلکہ اندر جا کر پتہ چلایا کہ ان کی معرفت اندر جا کر دیکھنے کے مثل ہے اور ہماری معرفت اتنی ہے کہ بس دروازہ دیکھ کر کمروں کو قیاس کر لیا تو کہاں ان کا علم اور کہاں ہمارا علم۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ”مَنْ عَمِلَ بِمَا عِلْمٌ أَوْ رَئَهُ اللَّهُ عِلْمًا مَالًا يَعْلَمُ“ کہ جس نے صحیح علم کے ساتھ صحیح عمل کیا اور کرتا چلا گیا تو اسے وارث بنائیں گے اللہ تعالیٰ ان علوم کا کہ اس نے کبھی وہ علوم حاصل بھی نہیں کئے۔ جو اولیاء اللہ مشائخ گذرے ہیں وہ ایسے ہی ہوئے ہیں۔

پہلے زمانہ کی نسبتی اور نسبی اولاد با ادب تھی :

اور پہلے زمانہ میں نسبتی اولاد بھی اور نسبی اولاد بھی ایسی ہی ہوتی تھی اب ایسی نہیں رہی إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ ہمارے ماموں صاحب اولاد ہو گئے تھے لیکن ہماری نانی صاحبہ کبھی کبھی مار دیا کرتی ہیں۔ بیچارے پٹ لیتے تھے لڑکی کہتی اتناں یہ اولاد والے ہو گئے ہیں اب بھی آپ ان کو مارتی ہیں۔ اتناں جان کہتی ہیں اولاد والا ہو گیا ہو گا یہ تو ابھی بچہ ہے۔ اور آج کل اولاد کو پٹ کر دیکھو صبح کو ملے گی نہیں مجھ پر کوئی ایسا دن مشکل ہے کہ لڑکا اس میں بھاگ گیا نہ ہو دُعا کرو۔ رات کو دیر سے آیا کرتا تھا میں نے رات ڈانٹ دیا صبح کو معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ ماں رورہی ہے دُعا کرو۔

ایک حافظ صاحب کی حکایت :

ہمارے ایک عزیز تھے ان کا لڑکا ایک پتے اور بہت پُرانے حافظ کے ساتھ

حفظ کیا کرتا تھا۔ جب ان کا پڑھایا ہوا لڑکا حفظ پورا کر لیا اور رمضان شریف آتا تو پہلے قرآن خود سنتے تھے۔ ایک روز ہمارے عزیز کا لڑکا پڑھ رہا تھا، سروتا ہاتھ میں چھالی کاٹ رہے تھے اُستاد صاحب نے ایک دو جگہ بتلایا پھر بھول گیا تو استاد نے اُس کو بہت مار دیا اور لگتے ہی خون نکل گیا۔ اب حافظ جی بھی گھبرائے خون صاف کیا وہ بند ہو گیا، گھر آیا ماں باپ اُلٹا اُسی کو ڈانٹ رہے ہیں کہ ہم تجھ سے کہتے تھے کہ اچھی طرح یاد کر لیا کرو۔ کیوں یاد نہیں کرتے بڑا اچھا ہوا۔

اور آج مہتمم صاحب کے پاس آ رہے ہیں کہ تم نے یہ حافظ رکھا ہے یا قصائی۔ دیکھو میرے بچے کو کیسے پیٹ رہا ہے تو ایسے میں کیا پڑھ لے گا۔ اس وقت کی نسبتی اور نسبی اولاد میں ادب بالکل نہیں رہا۔

شیخ کی خواہش :

اور وہاں ذرا سی بات کہنے پر ناراض ہو رہے ہیں اور آسانی سے معاف بھی نہیں کر رہے تاکہ کلام کرنے میں بھی لطافتِ طبع آجائے اور سمجھ جائے کہ مجھے اُستاد سے کس طرح بات کرنی ہے باپ سے کس طرح بات کرنی ہے، شیخ سے کس طرح بات کرنی ہے۔ یہ اصلاحی باتیں پیش کی جا رہی ہیں کہ قوتِ فکر یہ اتنی قائم ہو جائے اگر اجنبی بھی بات کرے تو کوئی جملہ لڑائی کا اس منہ سے نہ نکلے۔ رنج کی کوئی بات منہ سے نہ نکلے، یہ شیخ کی خواہش ہوتی ہے۔

سلوک میں قدم رکھنے کی مثال :

اس طرح اس کو مسک اور مسوس رہا ہے اوکھلی میں لا کر موسل مار رہا ہے۔

مشہور ہے کہ جب چاول کا پودا لگاؤ تو اوپر سر تک پانی اور جب تک کاٹنے کے قابل نہ ہو تو سر تک پانی اور جب کاٹ کر گھرا جائے اور پکانا چاہو تو سر تک پانی میں بھگوؤ اور جب چولہے پر رکھو تو سر تک پانی رکھو اور جب پیٹ میں جائے تو پانی پیو، چاول بہت پانی چاہتا ہے تب جا کر ہضم ہوگا۔

تو ایسے ہی سلوک کی چاہ تصوف و تزکیہ کی چاہ کہ جب اوکھلی میں دیا سر تو پھر موسل سے کیا ڈر۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب نفس کو ٹھیک اور عمدگی کے ساتھ سنوارنا چاہا تو پھر شیخ کے موسل سے کیا ڈرنا۔

شیخ کے ڈانٹنے پر طالبِ صلاح کو خوشی ہوتی ہے :

کہ اور مار لو تو وہ خانقاہ سے بھاگتا نہیں بلکہ خانقاہ میں پختگی کے ساتھ آتا ہے اس لئے کہتا ہے کہ نکل جاؤ اگر کچا ہے تو نکل جائے گا اور اگر پکا ہے تو اور پکا ہو جائے گا۔ اس لئے شیخ کلام کی بھی، زبان کی بھی اصلاح کرتا ہے، تاکہ باہر جا کر مخلوق کے ساتھ معاملہ پڑ کر اور خوب سوال و جواب کے باوجود بھی نفس پر قابو پا رہا ہے اور کوئی بات زبان سے بے جا نہیں نکل رہی یہ چاہتا ہے شیخ۔ اگر مرید سمجھدار ہے اور سمجھ کر قدم رکھا ہے تو یوں کہتا ہے بہت اچھا اور مار لو اور کہہ لو، اور روں کا پھول برسانا میرے اوپر اور آپ کا ڈنڈا برسانا اور روں کے پھولوں سے بہتر ہے تب بنتا ہے اگر بننا چاہے۔ ورنہ تو قناعت ہو رہی ہے کہ بس نماز کا پابند ہو گیا، جماعت کا لحاظ ہو گیا یہی بہت ہے۔ پہلے گالی دیا کرتا تھا اب گالیوں سے رُک گیا اب تو یہ قناعت ہو رہی ہے اس زمانے کے اعتبار سے یہ قناعت بھی اس جیسی چیز ہے۔ رفتارِ زمانہ سے بچو.....

شیخ کامرید سے برتاؤ رفتارِ زمانہ کے اعتبار سے ہے :

اس لئے اس وقت مشائخ اسی پر قناعت لئے بیٹھے ہیں انکی نظر بڑی دقیق ہے ہاں اگر کوئی ویسا طالب ہے تو پھر اس کو ویسی تعلیم بھی ہوگی۔ دیکھو اس زمانہ کے رفتار پر تم کو تعجب ہوگا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو مسجد میں جھانکتا بھی نہیں تھا بلکہ کہنے پر غصہ ہوتا تھا، کبھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور آج اسے جو بھی کہہ دو خاموشی سے سن لیتا ہے، ہاں سلطان جی بننا چاہتا تو بابا کی طرح معاملہ کرنا پڑے گا۔

بابا فرید الدین شکر گنج کا سلطان الاولیاء کو

جائے نماز اور ٹوپی عنایت فرمانا :

لیکن جب معاف کر دیا اور کہہ دیا سب معاف، دل صاف اب اٹھے بابا صاحب اور اٹھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اندر سے ایک مصلیٰ اور ایک کلاہ۔ ٹوپی لائے اس زمانہ میں مشائخ کی ٹوپی کلاہ نما گول ہوتی تھی اور کہا لڑکے یہ ٹوپی ہے کبھی کبھی پہن لیا کرنا اور یہ مصلیٰ ہے اس پر کبھی کبھی نماز پڑھ لیا کرنا۔ کیوں دے رہے ہیں؟ لڑکا ہی ایسا ہے ارے میری بات سمجھے نہیں۔ بظاہر تو چمکانے کے قابل نہیں ہے؟ شیرو شکر ہو لو..... اب حضرت مولانا تھانوی فرما رہے ہیں کہ بابا نے کہہ دیا تھا کہ سب معاف دل صاف اس کی کیا ضرورت تھی، فرمایا اپنے پر قیاس مت کرو اس کی بھی ضرورت تھی۔ وہ آج جیسے مرید نہیں تھے اور پھر کیسے مرید تھے، بابا صاحب نے خیال فرمایا کہ یہ تو میں نے کہہ دیا کہ سب معاف اور دل صاف لیکن اس لڑکے کی طبیعت میں کہیں یہ وسوسہ شیطانی نہ آجائے کہ معاف اور دل صاف تو ہو گیا لیکن پہلی جیسی

میرے ساتھ وابستگی دل بستگی اور بے تکلفی نظرِ کرم بھی ہے یا نہیں، شیخ نے اس وہم کو دفع کیا کہ جس طرح تمہارے ساتھ برتاؤ اور سلوک پہلے تھا وہی اب بھی رہے گا۔ لویہ مصیبتی اور ٹوپی، چونکہ اگر مرید کی طبیعت میں وہم کی بات رہے گی تو طبیعت کھلی کھلی نہ رہے گی، دل بندھا ہوا رہے گا ذکر و عبادت میں تلاوت میں وہ ذوق نہیں رہے گا تو طبیعت کھلی ہو جائے اس لئے دیا۔

اللہ اللہ میں شکر سے بھی زیادہ مٹھاس ہے :

حضرت والا نے فرمایا کہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی عمر بہت زیادہ ہو گئی تھی ایک سو دس یا ایک سو آٹھ سال کی عمر ہو گئی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دفعہ گیا۔ ایک دن کہنے لگے کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو میری زبان میٹھی ہو جاتی ہے، یوں ہی نہیں سچ مچ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی نے گڑ کا بوریا کھول دیا، یہ وہی حضرات تھے جو مزہ لوٹ کر چلے گئے ہم لوٹتے رہ گئے۔

بابا فرید کی محبت کے ظہور پر بختیار کاکی کا فرمان :

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ دہلی میں کوئی منچلے آگئے اور لگادی ایک صدا کہ ”جو شخص مجھ کو فلاں وقت سے فلاں وقت تک دیکھ لے گا وہ جنتی ہے“۔ اُمنڈ آئی مخلوق..... بابا فرید شیخ کی خدمت میں دہلی سے باہر کہیں چلے گئے واپس آئے تو قطب صاحب نے فرمایا ارے فرید تم نے کچھ اعلان سنا ہے۔ جی سنا ہے، کیا؟ کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں اور وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ جو شخص مجھ کو فلاں وقت سے فلاں وقت تک دے گا وہ جنتی ہے، ہاں تم ان کو دیکھنے گئے سوال ہو گیا۔ حضرت میں تو

ان کو دیکھنے نہیں گیا۔ ارے کیوں؟ اس لئے میں نہیں گیا کہ یہ انکا واردِ قلبی ہے جو یہ اعلان کر رہے ہیں اور آپ کا اور ہمارا بقواعدِ شرعیہ جنتی ہونے کا پکا گمان ہے قطعیت نہیں اور وہ ہے وارد اور مجھے ہے آپ سے محبت اور جنتی ہونے کی قطعیت نہیں اور یقینی بات نہیں۔ اور ادھر وارد ہو کر میں ان کی زیارت کے لئے چلا جاتا اور میں جنتی ہو جاتا، اور خدا نہ کرے آپ جنتی نہ ہوں تو میں اس جنت کو لے کر کیا کروں گا کہ جس میں میں ہوں اور آپ نہ ہوں۔ شیخ پر حال طاری ہو گیا اور فرمایا کہ انہوں نے تو یہ کہا کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک جو میری زیارت کرے گا وہ جنتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا وہ جنتی ہے۔ وہاں بھی وارد اور یہاں بھی وارد بقائے ایمان ہونا ضروری ہے یہ نہیں کہ بس قبر کی زیارت کر لی اور جنتی ہو گیا اور اس کے آثار یہ ہوں گے کہ اُمید ہے آخر دم تک اس کا ایمان باقی رہے گا اور ہر مؤمن کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ :

جب رمضان المبارک کے روزے روزے دار رکھنے کے بعد عید گاہ پہنچ گئے

عید کی نماز پڑھی، حق تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کہاں تھے اور کیا پوچھتے ہیں کہ مزدوری کی مزدوری پوری دی جائے۔

یہ فرشتے عرض کرتے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ روزہ دار جو روزے رکھ کر نمازِ عید کے لئے عید گاہ میں آتے ہیں میں ضرور ان کی دُعا قبول کروں گا اور یہ جو نماز پڑھ کر جا رہے ہیں سب بخشائے جا رہے ہیں تو پھر نماز پڑھنا چھوڑ دو کہ بخشے تو گئے اس لئے حکم کو پہچاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے اس فضل فرمانے پر طاعت و رغبت کی طرف آگے بڑھنا چاہیے۔ اللہ اکبر ایسا خدا اور

کہاں ملے گا۔

حضرت جنید بغدادیؒ پر حال طاری ہونا :

جیسے حضرت جنید بغدادیؒ پر حال طاری ہو گیا، ایک عورت آئی اور کہا کہ مجھے ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، پردے کے پیچھے بیٹھ گئی، کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ کہا کہ میرا شوہر دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا وہ تو دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے اگر انصاف سے رہے۔ تو اس عورت نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا حضرت اگر شریعت مجھے اجازت دیتی اور میں اپنے چہرے کا نقاب ہٹا کر دکھاتی اور پھر پوچھتی کہ مجھے جیسی جس کے نکاح میں ہو اس کو دوسری طرف نگاہ کرنا روا ہے؟

حضرت جنید بغدادیؒ پر غشی طاری ہو گئی اور گر گئے۔ وہ عورت اٹھ کر چلی گئی کہ مجھ پر کوئی الزام نہ آجائے کہ کیا کر دیا۔ حضرت کو سکون آنے پر خادم خاص نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا ارے تم نے سنا نہیں اس پر مجھے حدیثِ قدسی یاد آ گئی کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو! یہ جو میرے اور تمہارے درمیان نور کا حجاب پڑا ہوا ہے اگر تم مجھ کو دیکھ سکتے تو میں اس نور کا حجاب اٹھا کر پوچھتا کہ مجھ جیسا جس کا خدا ہو تو اس کو دوسری طرف نگاہ کرنا روا ہے؟

مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور حاجی صاحبؒ بیٹھے ہوں اور ہمیں حاجی صاحب فرمائیں کہ حضرت تشریف فرما ہیں ادھر دیکھو تو ہم عرض کریں گے کہ حضرت وہ آپ کے شیخ ہیں ہمارے شیخ تو آپ ہیں ہم تو آپ کو دیکھیں گے۔

سلوک میں اوّل چیز وحدۃ مطلوب ہے :

اس زمانہ میں اب بھی ایسے ہیں کہ کسی دوسری طرف نگاہ نہیں کرتے، تمام دنیا میں محبت اور عقیدت شیخ سے ہے۔ چونکہ میری جستجو کے بعد میرے نفع کے لئے میرے اس شیخ سے زیادہ دوسرا کوئی نہیں ہے اسی کا نام سلوک اور میں وحدۃ مطلوب ہے، یہ پہلی چیز ہے جو کہ ہر مرید میں جو واقعی طالب صادق مخلص ہے اس میں ہوتی ہے اور جب یہ ہے تو اس انحطاط کے زمانہ میں بھی وہ متقدمین کے ایسے حال سے کم نہیں۔ یہ بشارت ہے۔ اس لئے ان کے حالات اور ان حضرات کی یہ باتیں سن کر رنجیدگی کی کوئی بات نہ لائے اپنے اندر کمزوری کا خیال لانے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ تو شنیع باتوں سے ہٹ کر صحیح کاموں کی طرف آ گیا تو بس یہ قناعت متقدمین کے سنے ہوئے اور دیکھے ہوئے حالات سے کچھ کم نہیں۔ بقدرِ فرصت، بلحاظِ صحت، ذکر اللہ کا اہتمام، تقویٰ ظاہری و باطنی کا التزام یہ متقدمین کے تکثیر ذکر اور تبرّع و اولیٰ کے اختیار کرنے سے کم نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ اور طاعتِ کاملہ اپنے ذکر و وام کے ساتھ مخلوص، با

خلاص، بصدقِ دائم و قائم فرمائیں۔ (آمین)





سینٹیویں مجلس

علم کی زینتِ حلم ہے

مورخہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۶ اپریل ۱۹۹۱ء بروز سہ شنبہ جو وقت صبح

آدمی میں اخلاقِ ذمیرہ جو کہ متعلقہ بالنفس ہیں ان کا ہونا ایسا ہے جیسے چنگاری کہ شروع میں چنگاری ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے شعلہ بن جاتی ہے اور اگر چنگاری کو بجھانے کی طرف توجہ نہ دی تو گھر جلادے گی سامان جلادے گی سب کچھ خاکستر کر دے گی۔

اسی طرح ان اخلاقِ ذمیرہ متعلقہ بالنفس کا حال ہے کہ اگر شروع ہی میں ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی اور بے اعتنائی ہوئی تو یہ چنگاری بڑھتے بڑھتے ایک شعلہ بن کر ظاہر ہوگی۔ لہذا توجہ خاص ان کی طرف مبذول کرنی چاہیے اور ان کی اصلاح کی فکر میں رہنا بہت ضروری ہے اور یہ ایسے ہی نہیں بلکہ ایک شعلہ اُٹھ رہا ہے اور چنگاری اُبھر رہی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے یہ برائی کی چنگاری بڑی ہو جائیگی تو پھر کیا ہوگا؟

اصلاحِ نفس کی طرف توجہ خاص :

اگر غفلت کی اور یہ سمجھے کہ ان کا ازالہ اور امانہ تو ہمارے قبضہ میں بطریق علاج آ گیا ہے۔ اس نفس دشمن عدو اللہ عدو المؤمن اور عدو الناس کی قفل میں ڈال دیا اور پھر مغفل ہو گئے انجام کار خرابی اور فساد ہوگا۔ چونکہ دشمن کبھی غافل نہیں رہتا گو کسی مصلحت سے دب کر بیٹھ جائے لیکن جب موقع پائے گا اور تیری طرف سے غفلت دیکھے گا جان پر آ جائے گا ایسے ہی نفس جب غفلت دیکھتا ہے، چنگاری مار کر کایا پلٹ دیتا ہے۔

اسی لئے قرآن پاک میں حکم ہے: وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔
یعنی موت تک مسلمان رہو اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَللّٰهُمَّ لَا تَكْلِبْنِيْ اِنْسِيْ نَفْسِيْ طَرَفَةً عَيْنٍ۔

حضور ﷺ امت کے لئے کامل شفیق ہیں :

حضور ﷺ معصوم تھے پھر بھی درخواست کر رہے ہیں کہ لمحہ بھر کے لئے بھی نفس کے سپرد نہ کیجیے کہ لمحہ بھر بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ اور جب حضور ﷺ باوجود معصوم ہونے کے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کر رہے ہیں تو پھر اے امتِ مسلمہ ذرا سوچو! حضور ﷺ کے اس کلام میں امت کے لئے اِنْتَبَاه ہے اور ساتھ ساتھ کس قدر شفقت فرما رہے ہیں کہ اپنی طرف منسوب فرما کر امتِ محمدیہ کو جگا رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں بدالائت التزائمی کہ اے امتِ مسلمہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف تمہارا تعلق اور لگاؤ اس درجہ ہونا چاہیے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی بھول اور غفلت نہ ہو جائے اور یوں درخواست کر رہے

ہیں کہ اے اللہ مجھے بہت بہت ذکر کرنے والا بنادے، کیا وہاں غفلت کا اندیشہ تھا؟
 معلوم ہوا کہ دُعاؤں سے کبھی غفلت نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اپنی سعی پر نظر
 ہونی چاہیے حکم الہی سعی برابر ہونی چاہیے۔ اسی لئے حضور ﷺ درخواست فرماتے ہیں
 : اللّٰهُمَّ هَذَا لِحُجْرَتِكَ وَ عَلَيْكَ التُّكَّانُ۔ یعنی اے اللہ میری کوشش ہے پر بھروسہ آپ
 ہی کی ذات پر ہے۔ اسی لفظ جہد سے جہاد اور مجاہدہ بھی آگیا، جدوجہد سعی و کوشش بھی
 آگئی اور یہ سعی بھی اس درجہ سے ہے کہ یہ آپ کا حکم ہے۔ لیکن میری اس پر نظر نہیں،
 حکم کی وجہ سے تمیلاً عمل کر رہا ہوں نظر آپ ہی کی ذات پر ہے اور بھلا اس ذات سے
 نظر ہٹا کر دوسری طرف کرنے کے کیا معنی؟

سائلک کو مخلوق سے انقطاع ضروری ہے :

اور چونکہ اپنی سعی کا جو کہ وہ بھی ایک فعل ہے اور وہ ایک قسم کا مخلوق ہے اور
 سائلک کو بالخصوص انقطاع عن المخلوق ضروری ہے (اور جبکہ سلوک کا قدم طے کرنے کا
 اقدام کر چکا ہو) تو پھر اپنی سعی جو کہ مخلوق ہے اس کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اور جب
 ایسا ہے تو پھر بس نظر خالق پر ہو مخلوق سے انقطاع ہو اور اعمال بھی چونکہ مخلوق ہیں
 لہذا ان سے بھی انقطاع ضروری ہونی چاہیے۔ اعمال کے مخلوق ہونے کی دلیل اللہ
 تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمائی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ یعنی تم کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور

تمہارے جو اعمال ہیں ان کو بھی پیدا فرمایا۔ تم اور اعمال مخلوق ہو گئے اور وہ سعی الی
 الاعمال جو کہ وجود اعمال مخلوق کے لئے ہے مخلوق ہوئی اور حکم انقطاع عن المخلوق کا، تو
 پھر اپنے اعمال اور مخلوق پر کیا نظر؟ یہ یعنی انقطاع عن الخلق شریعت کے جزء اعظم

طریقت و سلوک کا مسئلہ ہے گو یہ شریعت کا مسئلہ ہے، طریقت و سلوک شریعت کا جز ہے اور شریعت کل ہے شئی کے اجزاء ملکر ہی کل بنتا ہے۔ ایک تو جزئیات اور افراد ہوتے ہیں اور ایک اجزاء ہوتے ہیں اجزاء سے کل مرتب ہوتا ہے اگر مرتب کا کوئی جز رہ جائے تو مرتب کا وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح سمجھو کہ شریعت کا جو جز اعظم سلوک و طریقت ہے وہ جز ہے اور شریعت کل ہے اگر جز نکل گیا تو پھر کل کا وجود کہاں؟ اور یہ مسئلہ طریقت جو کہ جز ہے اس کو پڑھے لکھے لوگوں نے شریعت سے نکال رکھا ہے۔ اس کو شریعت کا جز تو کیا سمجھتے داخل شریعت ہی خیال نہیں کرتے۔ جب حضور ﷺ جیسی ہستی باوجود معصوم ہونے کے ہر وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے تو چنانچہ دعا فرمائی: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ ذَكَّارًا یعنی اے اللہ مجھ کو خوب یاد رکھنے والا بنا دے کہ کبھی بھی آپ کی یاد میرے دل سے نہ نکل جائے مبالغہ کا صیغہ استعمال فرمایا جس میں ہر عمل کے متعلق ذکر آ گیا تاکہ اعمالی ظاہرہ صالحہ باطنہ حمیدہ ایسے پوست اور ایسے راسخ ہو جائیں کہ پھر ان میں بھول نہ ہو۔

حقیقتِ صبر :

صبر کے معنی مستقل مزاجی، ثابت قدمی کے ہیں۔ مجاہدین نے دُعا کی تھی کہ اے اللہ! اس موقعہ جہاد میں ہم کو ثابت قدم رکھیے گا مستقل مزاج بنائے گا۔ یہ ہیں صبر کے معنی ثابت قدم جما ہوا رہنا۔ صاد پر زبر ہے صاد کے نیچے زیر لگا دو ”صبر“ ایلوے کے معنی ہو جائیں گے اور ایلو ا کڑوا ہوتا ہے نیم سے بھی زیادہ کڑوا۔ اصبر زیر کے ساتھ جو صورت، جو کام، جو معاملہ پیش آیا ہے ایسے موقع پر صبر کی تعلیم ہے کہ تمہاری جانب سے ثابت قدمی کا ظہور ہو مستقل مزاجی کا ثبوت ہو، لڑکھڑاہٹ کا نام تک نہ ہو۔ اسی لئے حضور ﷺ فرماتے ہیں اے اللہ! میری امت کی زبان رہے ذاکر

دل رہے شاکر اور جسم رہے صابر یہ حدیث شریف کے معنی ہیں ایسے اوصاف حمیدہ والا ہی مستحق سلوک ہے ورنہ سلوک سے بدسلوکی ہے۔

ایک حکایت :

حضرت والا یعنی مولانا تھانوی نے ایک قصہ سنایا کہ لڑکی والے کی طرف سے لڑکے والوں کو نکاح کی تاریخ کا پیغام بھیجا گیا۔ اور اس میں لکھ دیا کہ کوئی بوڑھا نہ آئے بارات تیار ہوگئی۔ یہ بارات اُردو کا لفظ ہے اصل میں یہ بارات ہے یعنی لڑکے کا باپ اپنے لڑکے کی شادی سے بری ہو گیا اور لڑکی والا اپنی لڑکی کی شادی سے بری ہو گیا۔ بستی والوں نے بوڑھے سے کہا ہم تیار ہو گئے مگر یہ لکھا ہے کہ کوئی بوڑھا نہ آئے اگرچہ ہمارا تو آپ کو پہلے سے لیجانے کا ارادہ تھا لیکن مجبور ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر بوڑھا آئے گا تو ہم نکاح نہیں دیں گے۔

بوڑھے نے یہ نہیں کہا کہ اچھا تم لوگ چلے جاؤ میں نہیں جاتا، اصرار کر رہا ہے اس میں بھی سبق ہے پہلے بوڑھے شفیق ہوتے تھے جب غیر بوڑھا آدمی شفیق ہوگا تو باپ بوڑھا کتنا شفیق ہوگا۔ اپنی اولاد کے لئے جان دے گا جیسے یہ بوڑھا جان دے رہا ہے نو جوانوں کو قدر نہیں۔ نکاح نہیں ہوگا نہیں ہوگا میں تو ضرور جاؤں گا اور ایسا کرو ایک بڑا صندوق لے آؤ اس میں بیٹھ جاؤں گا۔ موت تو وقت پر آئے گی مگر تمہارے لئے جان گئی تو کوئی بات نہیں آخر بوڑھے کو صندوق میں بٹھا دیا گیا اور پہنچ گئے۔ لڑکی والوں نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا کہ کوئی بوڑھا نہیں ہے اب کھانے کا وقت آ گیا۔ لڑکی والوں نے کہا نکاح تب ہوگا جب تم پہلے چالیس مینڈھے کھاؤ، بڑے پریشان، دو چار ہوں تو خیر، بوڑھے سے پوچھو۔ کچھ چپکے سے بڑے

میاں کے پاس چلے گئے، دادا ابائیوں کہہ رہے ہیں یہ سب تو کھانے مشکل ہیں۔ بوڑھے نے کہا ارے یوں ہی تو میں نے نہیں کہا تھا بیوقوفو! تم اس طرح کرو کہ ایک ایک ذبح کر کے اس کو پکا کے کھاؤ۔ ہر ایک کی ایک ایک بوٹی آئے گی چالیس کے چالیس کھا جاؤ گے اور کھانے کے بعد یوں کہنا کہ اور لاؤ (یہ یوپی والے بڑے ذہین ہوتے ہیں) اور وہ بوڑھا بھی یوپی کا تھا۔

ایک ایک کر کے سب کھا لیے اور کہا اور لاؤ۔ حیران رہ گئے، بستی والوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ عقل کی بات نہیں تجربہ کی بات ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی بوڑھا ضرور ہے لڑکی والے دیکھتے ہیں تو ہے نہیں لیکن عقل کہہ رہی ہے کہ عقلاً تو یہ محال عقلی ہے عقل والے کو یہ سوجھ نہیں سکتا۔ ”عقل مستقیم کہتی ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ یہ عالم ایسا اور ایسا ہو اور اس کا کوئی خالق نہ ہو اور خالق ہو کر رب نہ ہو“۔

حضرت باقی باللہ کی حکایت :

حضرت باقی باللہ جو کہ مجدد صاحب کے شیخ ہیں ان کے ہاں ایک مہمان آیا اس وقت باقی باللہ کے ہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا آپ ادھر سے ادھر پریشان کسی مٹھائی کی دوکان سامنے تھی وہ سمجھ گیا، آیا اور آ کر عرض کیا حضرت جو مہمان آپ کے پاس آیا ہوا ہے میرا جی چاہتا ہے کہ کھانا پیش کر دوں، بہت اچھا کھانا پیش کر دیا۔ مہمان نے کھانا کھا لیا جب برتن لینے آیا اور برتن لے کر چلا حضرت باقی باللہ بڑے خوش ہوئے موج میں آگئے اور فرمایا کچھ چاہو ہم تمہیں دے دیں۔ کہا حضور میں چاہتا ہوں کہ میں آپ جیسا بن جاؤں۔ بھائی اس سے رجوع کر لو، یہ درخواست مت کرو بار بار اصرار پر انکار فرماتے ہوئے منظور فرمایا۔ حجرے میں لے گئے سامنے بٹھا کر توجہ ڈالی بہت

دیر لگ گئی، جب باہر نکلے تو جو وہاں دیکھنے والے تھے وہ دیکھ رہے ہیں ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آیا باقی باللہ یہ ہیں یا یہ ہیں۔

توجہ کے متعلق کلام :

توجہ کی کئی قسمیں ہیں ایک توجہ (جو باقی باللہ نے کی) یہ تو ختم ہو چکی متقدمین نے کبھی کبھی کر لی تھی اور اس توجہ کا نام ”توجہ ذاتی“ ہے لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ باہر نکل کر دو چار قدم چل کر گرا اور مر گیا۔

اس زمانہ کے اولیاء اللہ نے حضرت باقی باللہ پر طعن کیا کہ اُس کی موت ان کی وجہ سے ہوئی ہے جیسے کوئی سنکھیا کھالے اور مر جائے۔ اس کا بعض اولیاء اللہ نے جواب یہ دیا ہے کہ الزام کی کوئی بات نہیں چونکہ شیخ نے تو منع کیا تھا مگر ان میں کچھ شفقت ہی ایسی تھی کہ اُس کے اصرار کے باوجود پھر اثبات ہو گیا اور چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ برداشت نہیں کر سکے گا اس لئے انکار اسی وجہ سے تھا۔

ہمارے اکابر میں توجہ دی جایا کرتی تھی وہ بھی ایسی سخت نہیں تھی لیکن وہ بھی چھوڑ دی گئی۔ کیونکہ آج کل کے اعضاء اعصاب پٹھے برداشت نہیں کر سکتے۔

تیسری قسم کی توجہ یہ ہے کہ خواہ وہ کہہ کر توجہ کرے یا بلا کہے ہی توجہ کرے اب جن میں استعداد قبولیت ہوگی وہ توجہ سے متاثر ہونگے۔ ایک چوتھی قسم بھی ہے، اس میں بھی یہ قید ہے کہ جس پر توجہ کی جارہی ہے وہ کسی بیماری میں مبتلا نہ ہو اور یہ شخص جو توجہ دے رہا ہے وہ بھی بیماری سے خالی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ خیال کے ساتھ بیماری کا خیال چلا جائے اس لئے اکثر یہ توجہ جو کہ بہت مشکل نہیں چھوڑ دی گئی چونکہ اعضاء منع کرتے ہیں۔ جیسے کہ کثرت ذکر اور کثرت شغل کہ ان کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً اپنی

آنکھ کا بھی مشغل ہے اپنے بھؤں کی طرف کا بھی ایک مشغل ہے ان کو بھی برداشت نہیں کرتے اس لئے ان اشغال کو ترک کیا گیا۔

الغرض بات اس پر چلی تھی کہ لڑکی والوں نے کہا کہ کوئی بوڑھا ضرور ہے اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات یاد آگئی کہ جو خالق ہے وہ رب ہے وہ رازق ہے اس پر یہ بھی عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں کوئی پہنچ گیا، اصرار کرتا رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکار کرتے رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نرم دل تھے ایک افسوں سکھا دیا کہ اس کو اس طرح سے کرنا مردہ زندہ ہو جائے گا برخلاف حضرت عیسیٰ کے وہاں افسوں کے ساتھ معجزہ بھی تھا اور آج کل بھی ایسی چیزیں ہیں۔ ایک صاحب کو ہم نے دیکھا تھا وقتی طور پر تین دن کے اندر مردہ پر کچھ ایسا افسوں کیا اور کچھ پڑھا تو وقتی طور پر کچھ حرارت دیکھی گئی پھر ختم ہو گئی۔ ایک قاری صاحب تھے بکرہ کھڑا کر دیا کچھ پڑھ رہے ہیں اور بکرے پر اثر پڑ رہا ہے بیمار کی بیماری بکرے پر آرہی ہے بکرہ مر گیا اور وہ تندرست ہو گیا۔

اپنے مسلک کو چھوڑومت دوسرے کے مسلک کو چھیڑومت :

تم نے مسلک تحقیقی، حقیقی صحیح اختیار کر لیا بس میں کہتا ہوں کہ مخالفین، معاندین دشمنان دین کو خاموش رکھنے کے لئے اس مسلک کو اختیار کر لو۔ اپنے مسلک کو چھوڑومت اور دوسروں کے مسلک کو چھیڑومت دشمن کو چھیڑنے سے اُسکی دشمنی اور بڑھ جاتی ہے۔

رجوع الی الابداء :

حضور اکرم ﷺ اپنی امت پر شفقت غالب فرماتے ہوئے اپنی طرف

منسوب فرما رہے ہیں کہ میں معصوم ہوں اور پھر یوں بھی کہہ رہا ہوں کہ لمحہ بھر بھی، آجھپکنے کے برابر بھی مجھے میرے نفس کی طرف سپرد نہ کیجیے نفس سے غافل نہ ہو جاؤں۔
مبالغات ہیں۔ سلوک کا مسئلہ انقطاع عن المخلوق ہے۔

سعی کامل :

بس حکم سعی کامل کا ہے اور وہ بھی خالی سعی کا نہیں بلکہ سعی بلیغ ہونی چاہیے۔
حق تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ ارَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعِيًّا - اور سَعِيًّا مفعول مطلق ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ترتیب یہ ہونی کہ پہلے جہادِ نفس بترکِ شرک و کفر ہو۔
مؤمن ہوا، اس کے بعد طالبِ آخرت ہو کر سعی کا حکم ہوا جو کہ متعلق بافعال و اعمال، بجوارح و لسان و قلب ہے اور سَعِيًّا کو بڑھانے میں یہ نکتہ ہے کہ سرسری کوشش کافی نہیں ہے بلکہ کامل کوشش نقطہ نقطہ کی کوشش بطریق صحیح جو کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم نے پہلے میری قدر کی کہ ایمان لا۔
پھر اس پر اور قدر بڑھی کہ احکام پر تعمیل سعی کامل کیا پھر میں تمہاری قدر کیوں نہ کروا جبکہ مجھ کو تمہاری طرف سے اخلاص بملکہ معلوم ہوا۔ لہذا اب میں کہتا ہوں فَأُولَٰئِكَ كَانَتْ سَعِيَّهُمْ مَشْكُورًا۔ یعنی یہی ہیں وہ مؤمن جن کی سعی کی میرے ہاں بڑی قدر ہے چونکہ تم نے جسمانی تکلیف کا کچھ احساس نہیں کیا بلکہ میرے حکم کی تعمیل میں اس چھوڑ دیا۔ تو گویا تمہاری زبان ذاکر رہی اور دل شاکر رہا۔

شکر کی حقیقت اور اس کے درجات :

شکر یہ نہیں کہ کھانا کھا کر الحمد للہ کہہ دیا ٹھنڈا پانی پی کر الحمد للہ کہہ دیا۔
یہ تو زبانی جمع خرچ ہے۔ چونکہ جب تم نے الحمد للہ کہا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ

ہذا ذات جو تمام عیوب سے پاک ہے تمام نقائص سے پاک ہے اپنی جان کھپادی
 در سمجھ کر سعی کامل کی۔ لہذا جب تم نے میری خاطر سے یہ قدر کی تو تمہاری قدر کرنے
 والا کون ہوگا؟ شکر کے معنی ہیں کہ زبان پر الحمد للہ ہو کہ اُس کو منعم حقیقی مانا اور خود کو
 ملام ماننا۔ اس لئے طاعتِ کامل میں لگ گیا زبان شکر میں الحمد للہ کہے، حرکت
 سان سے دل میں محبت کا کھپانا تیسرے اپنے آپ کو میری طاعت میں لگانا یہ شکر کے
 تین درجے ہیں اب یہ شکرِ کامل ہوا۔ بالفاظِ دیگر! زبان پر الحمد للہ ہو اور دل میں
 محبت الہی اور اعمال و جوارح میں طاعت۔ ان تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے
 اسی سے مشکور ہے۔ یہ شا کر بنا وہ مشکور بنا۔

توبہ نصوح کے آثار :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا
 اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر بشری تقاضے سے تم سے میرے حکم کے
 خلاف کوئی معصیت ہو جائے تو اس کی پرواہ مت کرو چونکہ میں تواب ہوں تم بھی
 تواب بن جاؤ۔ میں تواب ہوں اور حیثیت سے اور تم تواب بن جاؤ اور حیثیت سے
 لہذا وہ تواب تجھ تواب کو محبوب بنا لے گا، بشارت سنادی، ہمت افزائی کر دی۔ لیکن
 جب مخلوق تجھ کو گناہ میں دیکھے تو حقارت کی نظر ڈالے وہاں سے تجھ پر عظمت اور
 محبوبیت کی نگاہ، واہ رے انسان مؤمن تو شرماتا نہیں یاد رکھ تیرے اس تکبر پر باز پرس
 ہوگی۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ کا مصداق بن گیا، اس نے توبہ نصوح کر لی۔ اکثر
 اولیاء اللہ ایسے ہی ہیں بشرِ حافی انتہائی درجہ شراہی توبہ نصوح کے بعد کیسے ہوئے بیان
 کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت حبیب عجمی کی حکایت :

حضرت حبیب عجمی بڑے سود خور آج کل کی دنیا میں نہ کوئی ایسا شرابی اور نہ کوئی ایسا سود خور ہے۔ لیکن جب توبہ نصوح کی تو کیسے بڑے اولیائے کرام میں سے ہوئے، بڑے بڑے علماء کے شیخ ہوئے۔ حضرت حبیب عجمی عجم کے رہنے والے تھے بصرہ میں باپ دادا آگئے تھے۔ ان کے شیخ حسن بصری ہیں اور حسن بصری کی زینت حضرت علیؑ ہیں آگے پھر رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو حبیب عجمی کا ایک واسطہ ہوا علیؑ سے، کیسی توبہ نصوح کی اس سود لینے والے حبیب عجمی نے۔ جب حسن بصری کے ہاتھ پر بیعت کی اور توبہ کی، راستہ میں جب جا رہے تھے توبہ کے قصد سے ابھی پہنچے نہیں جا ہی رہے ہیں کھیلنے والوں میں سے ایک بچے نے کہا بچو بچو کہیں حبیب عجمی کا سایہ نہ پڑ جائے ورنہ تم دوزخی ہو جاؤ گے بس یہ اور زیادہ چوٹ لگ گئی۔ حضرت حسن بصری کی مجلس میں پہنچ گئے حسن بصری وعظ فرما رہے تھے۔ دوران وعظ فرمایا بعض لوگ لوگوں کے خون چوس کر آ کر بیٹھتے ہیں، حبیب عجمی سمجھ گئے کہ حسن بصری مجھے ہی سے کہہ رہے ہیں۔ جب سب چلے گئے مجلس ختم ہو گئی، تو درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت فرمادیجئے۔ حسن بصری نے بوقت بیعت نصیحت فرمائی کہ تمہارے ذمہ لوگوں کے جو حقوق مالی ہیں وہ ادا کرنے ہوں گے، فرمایا حضرت گھر خالی کر دوں گا۔ اب جب لوٹے گھر کی طرف راستہ میں بچے کھیل رہے ہیں پھر ایک بچے نے کہا بچو آؤ آؤ حبیب صاحب سے لپٹ جاؤ کہ اس کے سایہ سے حق تعالیٰ کے فضل سے جنتی ہو جاؤ گے۔ ابھی ابھی کیا کہا تھا اللہ تعالیٰ نے بچے ہی سے کہلوادیا، توبہ نصوح ایسی ہی چیز ہے اور اس کا یہی اثر ہوتا ہے۔ ایسے ہی فضیل ابن عیاض بڑے پکے ڈاکو ہی نہیں بلکہ

ڈاکوؤں کے سردار تھے آگیا تو بہ نصوح کا وقت سب چھوڑ دیا پھر تو بڑے اولیائے کرام میں سے ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے چوبیس فقہاء مختلف قسم کے اپنے اپنے زمانہ کے عروج و بلندی پر پہنچے ہوئے رکھے۔ کسی کو علم معانی کے لئے کسی کو علم عربی ادب میں کسی کو صرف و نحو میں وغیرہ وغیرہ، فقہ کی ترتیب کے لئے فضیل ابن عیاضؒ کو رکھ لیا امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہ ایسا شخص ہے کہ اگر ہم میں سے کسی قسم کی کوتاہی دیکھے گا تو ٹوٹے گا اس لئے رکھ لیا۔

جدت پسندوں کا علماء کو قدامت پسند سمجھنا :

اب تو علماء کو دقیانوسی کہہ رہے ہیں کہ یہ تو قدامت پسند ہیں جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ انہیں زمانہ جدید کی کچھ خبر نہیں، خواجہ مجذوب صاحبؒ بڑے آدمی تھے ایسے شعروں پر شعر لکھے تھے۔ قدامت سے کب تک بچو گے تیرا دادا پرانا تیرا نانا پرانا تیرا آسمان، تیری زمین پرانی تیرا سورج تیرے تارے تیری ہوا پرانی تو سب پرانوں کو چھوڑ دے کہتا ہے کہ یہ تو پرانہ ہو گیا ہے قدامت پسند ہے۔ کسی بزرگ کی عبادت، تقویٰ پر ہیزگاری اور خلوت میں رہنے کو قدامت پسند کہتے ہو۔ بعض تعلیم یافتہ کہتے ہیں ارے میدان میں آؤ گوشہ میں بیٹھنے کا وقت نہیں رہا اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس زمانہ کے جدت پسندوں سے پناہ مانگی ہے اے اللہ مجھ کو وہ زمانہ نہ ملے اور نہ میرے صحابہؓ کو جس میں علماء کی اتباع نہ کی جائے۔

سائلین کو ہدایت :

اے صوفیائے کرام اگر کسی نے پیچھے سے مٹا مارا ارے پچھانو اپنے آپ کو جانچو قوتِ غضب کو۔ مثلاً کہ پیچھے سے کسی نے مٹا مارا تم نے پیچھے مڑ کر دیکھا یا نہیں؟

اگر دیکھا تو کیوں دیکھا، تو اب جذبہ کس نوعیت کا آیا انتقام کا یا بلا انتقام کا اگر انتقام کا آیا تو کیوں رُکا، بمرضی فضیحت بحفاظتِ فضیحت یا برضائے الہی۔ ارے بھائی یہ تو بڑا موٹا تازہ ہے اور مارے گا اور اگر نہیں مارے گا اور میں نے کچھ کہا تو خواہ مخواہ لوگ کہیں گے، آپ تو مولوی صاحب ہیں وہ تو جاہل تھا اگر مار دیا تو کیا بات تھی فضیحت ہو گئی رُک گئے نہ کہ برضائے الہی۔ تو دیکھا جذبہ سا کچھ آیا تھا مگر رُک گیا دب گیا نہ کہ برضائے الہی بلکہ بحفاظتِ فضیحت اب یہ جانچ ہے۔ یہ مثال پیش کر دی نفس ایسا بنایا نہیں، کچھ کسر باقی ہے شعلہ تو گیا چنگاری ہے اور اگر چنگاری کی طرف سے غفلت ہوئی تو وہ انگارہ بن کر سب کو جلادے گی پھر لوٹ کر اخلاقِ ذمیرہ آجائیں گے۔

صاحبِ علم کو صاحبِ وقار ہونا چاہیے :

جس شخص میں وقار ہے کیا اس میں چھوڑا پن آئے گا، اوباش اور آوارہ گرد قسم کے لڑکوں کے پاس بیٹھے گا، اور اگر بیٹھے گا تو یہ بھی چھوڑا بن جائے گا اور چھوڑے کی کون عزت کرتا ہے چاہے عالم ہو یا اور کچھ ہو اگر چہ یہ خود اوباش نہیں ہے مگر اوباشوں کے پاس بلا ضرورت بار بار کیوں گیا انکی باتوں کی طرف متوجہ کیوں ہو او قار گیا، اگر واقعی تو علیم تھا تو تو صاحبِ وقار کیوں نہ رہا۔

وقار کا الف نکال دو تو وقر بن گیا، بابِ تفعیل میں تو قیر ہو گیا۔ اور تو قیر کے معنی تعظیم کے ہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے آپ بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں اے بیت اللہ تیری عظمت تیرے وقار کو تیرے احترام کو لیکن یاد رکھو مومن کے قلب کے برابر تیری کوئی تعظیم نہیں، تیری کوئی توقیر نہیں۔ اس سے اندازہ کر لو کہ مومن کا قلب کیا ہے جس کو آج دکھایا جا رہا ہے بیٹا باپ کے قلب کو تکلیف دے رہا ہے اگر چہ جسمانی آرام کے اسباب بہت

ہے مگر اپنے الفاظ سے دل دکھا رہا ہے۔ اپنے طرز گفتگو سے اپنے چہرے کو بگاڑ رہا ہے حالانکہ باپ سے زیادہ کسی کا کوئی حق نہیں مباحات میں باپ کی ماننا چاہیے۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اس چہرہ فاسق پر توجہ مت کرو اس کے باطن کو حق تعالیٰ پر چھوڑ دو جو ہوگا حق تعالیٰ کرے گا تمہیں اس کی سرسری بات مان لینی چاہیے، اس کے دل کی تہہ کو مت پہنچو۔ خطیب صاحب پہنچ گئے خطبہ پر، خطبہ کے معنی کی ہی خبر نہیں کیسے پڑھ گیا۔ پڑھ تو لیا خطیب صاحب نے اس موقع پر تفسیروں میں لکھا ہوا ہے جو میں عرض کر رہا ہوں اس کے سرسری اعراف کو مان لو اگر چہ وہ جھوٹ بول رہا ہے دل کی تہہ میں مت پڑو ورنہ معاشرت خراب ہو جائے گی۔ عیش و عشرت خراب ہو جائے گی۔ بات وقار و توقیر پر چلی تھی مؤمن کے دل کی قدر معلوم ہو گئی، حضرت والا کی بات یاد آگئی جمعہ کا دن تھا، خانقاہ میں تشریف لانا اگر چہ بند ہو چکا تھا کچھ ندوی خیالات کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے احقر بھی بیٹھا تھا، ایک راؤ صاحب بولے جناب تو یوں کہتا ہے کہ علماء کی قدر کرو اب وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں علماء کا وقار ختم کر کے رہوں گا۔ حضرت والا نے فرمایا کسی نے یہ بات آپ کو کہی ہے یا آپ نے خود سنی ہے احقر بیٹھا تھا بیچارے کو سکتہ طاری ہو گیا کچھ نہ بولے، حضرت والا نے فرمایا جب علماء نے اپنا وقار کھو دیا اور اس نے کہہ دیا تو کیا بُرا کیا اس نے جو کہا ہے کیا بیجا کہا ہے حضرت کے ہاں بڑے بڑے آئے اور تر ہو کر آئے مگر وہاں سب تری ختم۔

حضرت مدظلہ کی حضرت تھانویؒ سے پہلی ملاقات :

احقر کی تیرا چودہ برس کی عمر تھی حضرت والا کی سب سے پہلی ملاقات اور زیارت علی گڑھ میں ہوئی، اس وقت بہشتی زیور خوب دیکھتا تھا۔ رسالہ النور کا بھی

مطالعہ کرتا تھا یہ رسالہ النور ایک مولوی صاحب کے پاس آتا تھا۔ حضرت سے اعتماد اسی زمانہ میں ہو گیا تھا اور بڑے بڑے مشائخ دیکھے مقرر دیکھے کہیں بلبل ہند کہیں طوبی ہند کہیں امر ہے والے شاہ صاحب دیکھے کہیں کسوٹی والے شاہ صاحب۔ ان کی مجلسوں میں بھی بیٹھا ان کے خلقوں میں بھی بیٹھا اور بعض نے مجھ سے خود کہا کہ آپ مجھ سے بیعت ہوں گے صاف کہہ دیا جی نہیں۔ جناب ان حلقوں میں وہ بیٹھتے ہیں جو بیعت ہوں یا بیعت ہونے والے ہوں میں اٹھ کر چلا آیا۔

جب چودہ برس کی عمر تھی حضرت علی گڑھ تشریف لے گئے تھے ظہر کی نماز مسجد میں پڑھی احقر ساتھ گیا ظہر کے بعد وعظ ہوا جب عصر کی نماز پڑھنے گئے۔ امام صاحب نے کہا حضور آپ نماز پڑھا دیں فرمایا ہم تو مسافر ہیں جب عصر کے بعد تشریف لائے باہر بیٹھ کر مجلس ہو رہی ہے یونیورسٹی کے طلباء آگئے۔ جو بڑے بولتے شاہ تھے ہمارے قریب وطن ”بلوئے“ کے رہنے والے تھے۔ یونیورسٹی کے سرپرست تھے وہ آئے دعویٰ کر کے کہا کہ میں بند کردوں گا شرکت کے لئے دعوت دوں گا جانتے ہو شرکت! گفتگو تنہائی میں کرنی ہے بہت اچھا ایک کمرے میں تشریف لے گئے پانچ سات منٹ ہوئے ہوں گے کہ باہر آئے اور ان کو کہنا پڑا یہاں دال نہیں بکتی۔

ایک صاحب کے سوال پر حضرت تھانویؒ کا جواب :

ایک دینیات کے ناظم یونیورسٹی کے مدبر آئے کہ حضرت کچھ پوچھنا ہے۔ بہت اچھا پوچھو، حدیث شریف میں آیا ہے جہاں زنا کی کثرت ہوتی ہے، وہاں طاعون ہوتا ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت والا نے فرمایا مفہوم تو ظاہر ہے ترجمہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا یا ربط اگر ربط سمجھ میں نہیں آیا تو کیا حرج ہے، حرج تو کچھ نہیں اطمینان

کیلئے، اطمینان کی کیا دلیل ہے؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کہ حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں مُردوں کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ ایمان تو ہے اطمینان کے لئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ چند جگہ سے پرندے لے لو اور رکھ دو پھر ان کو آواز دو، تو جس طرح سے ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا تھا تو کیا میرے کہنے سے آپ کو اطمینان ہو جائے گا؟ ان کو کہنا پڑا کہ آگیا سمجھ میں۔

غصہ کے متعلق حضرت والا کا چند اصحاب سے خطاب :

تین حضرات ایک جگہ سے تشریف لائے۔ ان میں ایک عالم صاحب تھے جو تشریف لاتے رہتے تھے دو حضرات اور تھے ایک تو ان میں آتے رہتے ہیں اور ایک نئے سے معلوم ہوئے۔ میں نے کہا میں تو ان سے واقف نہیں ہوں، عرض کیا کہ حضرت درمیان میں ایک دفعہ اور آئے تھے ہمیں روک دیا گیا تھا مولوی صاحب وغیرہ نے یوں کہا کہ آج تو طبیعت زیادہ خراب ہے۔

مجھے افسوس ہوا کہ مردم شناسی نہیں ہے۔ خیر ان بیچاروں نے میری طبیعت کو دیکھ کر تم سے عرض کر دیا ہوگا اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو میں آپ کو ضرور بلاتا۔ دورانِ گفتگو میں نے کہا کہ مجھے غصے پر بہت غصہ آتا ہے اور بہت دن ہوئے میں نے بعض بچوں سے کہا تھا کہ اگر تم کو کہیں غصہ مل جائے تو پکڑ کر لانا بچوں نے کہا اباجی غصہ کہاں ملے گا ارے بھائی اگر مل جائے، اگر شرطیہ ہے تلازم نہیں ہے اگر مل جائے، اور اگر مل گیا تو آپ کیا کریں گے۔ میں نے کہا اس کو ذبح کر دوں گا اس نے فساد مچا رکھا ہے، فتنہ کر رکھا ہے ایک صاحب نے ان سے کہا کہ حضرت چلا گیا مجھے شبہ ہو گیا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ غصہ ہے میں نے بے تکلفی سے کہا۔ اتنی بے تکلفی کرتا

ہوں آنے والے کیساتھ تاکہ اس کا جی کھلے اور جو کہنا چاہتا ہے کہہ لے تو کیا خدا
 خواستہ آپ میں غصہ تھا۔ حضرت کیا پوچھو بہت غصہ تھا، پھر آپ نے کہا چلا گیا۔
 آپ یقین جانیں مجھے تعجب ہوا کہ طالبانِ تزکیہ آتے رہتے ہیں اور تفسیر جلالین شریف
 وغیرہ کا ترجمہ کرتے ہیں اور یہ بیچارے شائستہ داڑھی والے رنگ روپ اچھا تھا اور
 اجنبی تھے کیا کہہ رہے ہیں اور طالبانِ تزکیہ مجلسوں میں بیٹھے ہیں کتابیں بھی پڑھیں مگر
 ان کا غصہ جاتا نہیں۔ اللہ اکبر اور اس شخص کا دو منٹ میں چلا گیا اور یوں کہہ رہا ہے
 حضرت جی اطمینان رکھو میرا غصہ چلا گیا کیسا دل کا پکا تھا اور پڑھے لکھے جب باتیں
 کریں گے غصہ کے ساتھ کریں گے۔ پون گھنٹہ کے قریب بات ہوئی آخر میں کہتا ہے
 کہ حضرت میں سپر ہو کر جا رہا ہوں دیکھو کیسی حوصلہ افزائی کر رہا ہے کسی جزئی کے اندر
 صحیح نفس کا خلق رذیلہ سے خلا اور قلب کا خلق حسن سے ملا۔

علم کے ساتھ حلم ہونے کی دلیل :

سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ مِیْنِ اَلْمِ نَشْرَحُ لَكَ صَدْرَكَ كِیَا ہَم نِے اَپ كِے سِیْنِے كِو
 یعنی قلب کو (صدر اور قلب کا ربط ہے) نہیں کھول دیا کس بوجھ کے لئے کھوں دیا آپ
 کی خاطر آپ کے نفع کے لئے یعنی آپ کے سینہ کو علم اور حلم کے لئے نہیں کھول دیا؟
 آپ پیغمبر ہیں پیغام رساں ہیں حق تعالیٰ کے احکام پہنچانے کے لئے علم کی ضرورت
 ہوئی۔ تو پہلے علم کے لئے یعنی جن علوم کی آپ کو قیامت تک کے لئے ضرورت ہے وہ کیا
 ہم نے آپ کو نہیں دئے۔ لیکن چونکہ آپ پیغمبر ہیں جن کے پاس دین کی بات پہنچاؤ گے
 آپ کی طبیعت کے خلاف بہت سی باتیں پیش آئیں گی۔ چونکہ مبلغ کو اور صحیح تبلیغ کرنے
 والے کو طبائع مختلفہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے خلافِ طبع باتیں ضرور سامنے آئیں گی

معاند بھی کوئی مل سکتا ہے، زبان سے بھی تکلیف دہ باتیں ہو سکتی ہیں کبھی عزت و ذلت کی بہت سے باتیں پیش آئیں گی تو کیا ہم نے آپ کو شرح صدرِ حلم کے ساتھ علم نہیں دیا۔ چونکہ صاحبِ علم کو صاحبِ حلم بھی ہونا لازمی ہے چاہے تبلیغ عام کرتا ہو یا تبلیغ خاص، مدرس بن کر بیٹھ گیا ہو چونکہ یہ بھی تبلیغ ہے اور اس کو تبلیغ خاص کہتے ہیں اور بلا تبلیغ خاص کے تبلیغ عام نہیں ہو سکتی اور نہ ہی بلا علم کے ہو سکتی ہے کچھ رٹ کے کہہ دیا یہ کیا کہنا ہوا۔

علم کہتے ہیں جھنڈے کو جب حضور ﷺ کسی کو بھیجتے تھے تو جھنڈا دیتے تھے اب بھی جھنڈے اور نشانیاں ہوتی ہیں یعنی علم کے ساتھ حلم ہو اور سند کا جھنڈا ہو۔ خیال فرمائیے، علم جس کا نام تعلیم ہے طلبہ بھی مختلف طبائع کے آئیں گے اور خاص کر اس زمانہ میں۔ لہذا تبلیغ خاص و عام کو بحیثیت تبلیغِ حلیم ہو کر رہنا چاہیے اور حلم کے معنی وقار کے ہیں۔ اُستاد صاحب میں چھچھور پن ٹھٹھے بازی اوروں کی طرح گشت کرنا شہروں میں جانا یہ سب صاحبِ حلم کے خلاف باتیں ہیں۔

علماء اور سائذہ کے لئے ہدایت :

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** یعنی اللہ سے عالم ہی ڈرتے ہیں معلوم ہوا جس میں خشیت ہوگی اس میں حلم بھی ہوگا اور جو عالم ہو خشیت نہ ہو تو اس میں وقار کہاں ہوگا حلم کہاں ہوگا؟ تو عزت کہاں ہوگی اپنے ہاتھوں عزت کھوئی، اور جس میں خشیت کے آثار نہیں ایسا آدمی عالمِ اصطلاحی ضرور ہوگا۔ عالمِ اصطلاحی وہ ہے جس نے میزان سے لیکر دورہ حدیث تک کتابیں پڑھی ہوں مگر عند اللہ عالم نہیں ہے۔ یہ علامات ہیں علامات سے پہچانا آسان ہو جاتا ہے کلمہ کی قسمیں اسم، فعل، حرف ہیں لیکن اسم کو علامات سے پہچانا جائے گا اسی لئے

علاماتِ اسمِ بیان کی گئی ہیں۔

بات وقار کی تھی جب حضور ﷺ کو علم اور حلم دیا گیا تو نائبِ رسول جس نے علم حاصل کیا ہو اور حلم نہ ہو نائب کہلانے کے قابل نہیں۔ اسی لئے جو علماء کی فضیلتیں آئی ہیں وہ باوقار عالم کی ہیں اور شرحِ صدر کے بارے میں آپ حضرات بھی کہتے ہیں کہ بھائی آج مطالعہ تو کیا ہے خیر پڑھا دوں گا، ذمہ داری ہے گھنٹے کی، مگر مجھے شرحِ صدر نہیں۔

یہ محاورہ ہے شرحِ صدر نہیں ہوا، شرحِ صدر مطلوب ہے میزان پڑھانے چلے گئے مگر شرحِ صدر نہیں یوں سمجھتے ہیں میزان ہے اس کو تو ہم پڑھا ہی دیں گے فارغ التحصیل تو ہم ہیں ہی..... نہیں اس کے لئے بھی قابلیت کی ضرورت ہے۔ جب میزان ہی ختم ہوگئی تو ترازو کے پلڑے ڈنڈے اخیر تک کیسے رہیں گے بڑی محنت کی ضرورت ہے اور محنت تب کرے گا جب اس میں حلم ہوگا ورنہ ناراض ہوتا رہے گا۔ کھڑے ہو جاؤ کان پکڑ لو، چلے جاؤ دیکھا کیسا اچھا استاد ہے شفقت کا نام ہی نہیں طالب علم کا دل سکڑ رہا ہے، اور تنخواہ کے بارے میں کہتا ہے اور بڑھا دو۔

تبلیغ کی شرائط :

احقر نے ایک کتاب لکھی ہے اصولِ تبلیغ اس میں لکھا ہے کہ تبلیغ کی پانچ شرطیں ہیں (۱) اخلاص (۲) علم صحیح (۳) حلم (۴) ملاطفت (۵) اور خود صاحبِ عمل ہونا۔ یہ پانچ شرطیں مبلغ کے لئے ضروری ہیں چاہے مبلغ عام ہو چاہے خاص ہو۔

سورة الانشراح کی تشریح :

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ يَا اَنْدَرَسَ وِزْرَكَ بوجھ کیسا پڑ گیا۔ یعنی آپ سے ہم

نے آپ کے بوجھ کو اٹھا لیا بوجھ یہ پڑا کہ آپ نے کسی وقت کسی عبادت کی حیثیت سے بذوقِ قرب، انکا ایسا بوجھ پڑ گیا کہ آپ نے اپنی کمر توڑ دی اَلَّذِي اُنْقَضَ ظَهْرَكَ - ظَهْرُ کہتے ہیں کمر کو اس نے آپ کی کمر توڑ دی میں نے عبادت کا کام بتایا اس کا رنج ایسا ہوا اتنا بوجھ پڑا کہ کمر توڑ دی جیسا ایک عام آدمی معصیت سے توبہ کرتا ہے۔ جس چیز نے بوجھ بن کر آپ کی کمر توڑ دی تھی ہم نے اسی کو اٹھا رکھا ہے آپ کا کتنا خیال فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو سالک صوفی واقعی اخلاص کے ساتھ کمر بستہ ہو کر مشتبہات سے بچتا ہو، مباحات سے قلت رکھتا ہوا کچھ کر گزرتا ہے اور بعد میں اس کے خیال میں آتا ہے تو اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ حضور ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں جیسا کہ شیخ بھی تسلی دیتا ہے۔ شیخ نے چونکہ سلوک طے کرتے ہوئے اس کو دیکھا ہے کہ اس میں طبیعت بجھی بجھی سی رہتی ہے اس وجہ سے سالک کی طبیعت بھی معلوم ہے۔ اس کو حکم ہے کہ پوچھ لے اور جب پوچھ لیا تو طبیعت بجھی ہوئی دور ہو گئی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ جہاں میرا ذکر ہے وہاں تمہارا بھی ذکر ہے قرآن میں اگر توحید کا ذکر آتا ہے تو حضور ﷺ کا بھی ذکر آتا ہے تو حضور ﷺ کا ذکر بلند سے بلند تر ہے اور آپ ﷺ اس میں کمر توڑ رہے ہیں۔ اتنا رنج اٹھا رہے ہیں آپ کو کوئی ضرورت بھی نہیں فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یہ جو عسر آپ کو ہو گیا ہے وہ عسرِ یسر سے ہے اور تعلیم و تبلیغ کے دوران بڑی بڑی باتیں آئیں گی ان کا کچھ خیال نہ کیجیے کہ آپ سجدہ میں ہیں ابو جہل وغیرہ نے اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی۔ ظاہر اعزت میں فرق کی بات ہو گئی لیکن یہ وقتی عسر ہے اس کے بعد پھر یسر ہی یسر ہے۔

لہذا جو صحیح معنی میں نائبِ رسول ہیں ان سے کہا جا رہا ہے حضور ﷺ کی حالت

ان کے سامنے رکھی گئی ہے کہ تم کو بھی اسی طرح رہنا اور کرنا چاہیے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ، محبت کا تقاضہ تو کچھ اور ہے آپ دوسروں کی خدمتِ خلق میں دین کے لئے لگے ہوئے ہیں بیچ میں ایک مختصر سی بات، ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے بیاناتِ قرآن میں تکوین کے زیادہ ہیں یہ تکوین کے بیان بزیادت دعوتِ توحید ہیں۔ جب آپ کا منصبی سے فارغ ہو گئے دعوت سے فارغ ہو گئے تو پھر اپنے لئے رات کو بالخصوص آخری حصہ ذاتی عبادت کے لئے مشقت میں ڈالیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مبلغ خاص ہو چاہیے عام ہو، میں تو دین کے کام میں لگا ہوا ہوں، مطالعہ کر رہا ہوں میں تو پڑھاتا ہوں میں تو تھکا ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ذاتِ خاص کے لئے مشقت اٹھانی چاہیے۔ حضور ﷺ کو تہجد کا حکم ہے مدرس کو حکم نہیں کہ اپنے لئے کچھ وقت فارغ کر کے عبادتِ خاص میں لگے اگرچہ نافلہ ہیں اگرچہ تہجد کی نماز پہلے فرض تھی اور اب تمام نافلہ سے زیادہ مرتبہ والی ہے۔ اور مبلغ کہتا ہے کہ میں تو دین کے کام میں لگا ہوا ہوں اپنی ذاتِ خاص کے لئے مشقت اٹھاؤں لفظ ”فانصب“ کہہ رہا ہے۔

وَالِیٰ رَبِّكَ فَاَرْغَبْ، اپنے پروردگار کی طرف رجوع الی اللہ کیجئے ہر معاملہ میں انابت الی اللہ اور رجوع الی اللہ ہونی چاہیے۔ حلم بلا واسطہ متعلق بالقلب ہے علم کا دل میں جانا بواسطہ ہے اور حلم کا قلب میں جانا بلا واسطہ ہے صحیح علم جو اعانت کی چیز ہے وہ بوصفِ حلم ہے جو کہ قلبی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ اپنے فضل و کرم سے آراستہ اور مزین فرمائیں۔ (آمین)





اڑتیسویں مجلس

مؤمن کا اوّلین فرض اجراء احکام ہے

مورخہ ۱۱ شوال ۱۴۱۱ھ بمطابق ۲۷ اپریل ۱۹۹۱ء بروز شنبہ بوقت صبح

دوست کے اوصاف :

یار دوست کو کہتے ہیں یعنی مددگار، یارستن کے معنی ہیں طاقت رکھنا اور بھلا وہ بھی کوئی یار ہے جس کو یار کی خبر نہ ہو وہ کیا طاقت رکھے بلکہ وہ تو آرہے، لکڑی میں ایک کیل یا میخ ٹو کے دینے کو آرہتے ہیں۔ اور ایک ہے عارین کے ساتھ کہ دوست کی خدمت کرنے سے اس کو عار آرہی ہے کہ لوگ مجھے چھوٹا سمجھیں گے ان کو بڑا سمجھیں گے اور بن رہا ہے دوست، مرید شاگرد اور استاد کی خدمت کرنے سے عار ہے۔

ہر مؤمن اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے :

جس وقت ذات باری تعالیٰ نے کہا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تَوَعَالِمِ مِثَاقٍ مِیْنِ کَمَا

گیا تھا قَالُوا بَلٰی اس کہنے سے ربوبیت کا اقرار ہوا وہ سارے مؤمن تھے۔ اس کے

بعد اللہ تعالیٰ نے وجودِ خارجی میں آدم علیہ السلام کو بھیجا تو پیدا کرنے سے پہلے فرمایا: **وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً** اور جس وقت کہ ارشاد فرمایا: آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں نائب۔ اور پھر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کی پشت میں سارے انسان تھے تو پھر سارے کے سارے خلیفہ ہوئے۔ ان کی پشت سے جو ایمان والے نکلتے چلے جائیں تو وہ سب خلیفہ ہیں۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام پر فرشتوں کی گزارش اور

اللہ تعالیٰ کا حکمانہ جواب :

لیکن فرشتوں نے بفراسہ ایمانی کہا: **قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ**۔ فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خون ریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح کرتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** کہ جو چیز تم مانع سمجھ رہے ہو اس کی تخلیق سے وہی باعث ہے اس کی تخلیق کا، مجھ سے پوچھو مجھے علم ہے اور جو تم کہہ رہے ہو اس کا بھی مجھے علم ہے چونکہ میں عالم الغیب والشہادۃ ہوں جو معدوم ہے اس کا بھی مجھے علم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اعتراضاً نہیں کہہ رہے ہو استحقاقاً نہیں کہہ رہے ہو بلکہ شاید خدمت کے لئے اپنے آپ کو مجھے پیش کرنا چاہتے ہو۔ اس سے سب اعتراضات ختم ہو گئے۔ میں جانتا ہوں تم فرشتے ہوں تمہارے یہاں تو خلافت کی بات ملکوتیت کے علاوہ آہی نہیں سکتی لیکن کیا کیا جائے تمام عالم کو پیدا کرنا ہے۔

اللہ آسمان وزمین والوں کے لئے نور ہے :

چنانچہ ارشاد ہے: اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہاں مضاف محذوف ہے اللّٰهُ نُورُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی صرف السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مراد نہیں بلکہ تمام عالم مراد ہیں۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور اس سے مراد تمام اقالیم ہیں۔ اور نور راستہ دکھاتا ہے تو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں اس کو بھی جان رہا ہوں چونکہ میں ہی ہادی ہوں اور سب مہتدی ہیں۔ مہتدی کہتے ہیں ہدایت قبول کرنے والے کو اور ہادی کہتے ہیں ہدایت عطاء کرنے والے کو۔ ایمان کو بھی آپ نے نور کہا ہے۔

قرآن پاک نورِ ہادی ہے :

قرآن پاک کو بھی اللہ پاک نے نور کہا ہے تو رات کو بھی ہدایت کہا ہے اور ہدایت کے معنی ہیں اِرَاةُ الطَّرِيقِ الی الْمَطْلُوبِ اور اِیْصَالُ الی الْمَطْلُوبِ۔ اور واصل بحق ہونے کا ذریعہ۔ آخر میں قرآن پاک ہے جو کہ ہادی ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ اور یہ قرآن ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے راستہ دکھاتا ہے اور راستہ دکھانے والے کے لئے نور ہے۔

سو جو شخص شیطان سے بد اعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا، جس کو کسی طرح شکستگی نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں اور خوب جاننے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے۔ قرآن پاک کو بھی نور کہا گیا ہے اور آپ کو بھی نور کہا گیا ہے۔

وحدة الوجود اور وحدة الشهود کا مطلب :

اور چونکہ مؤمن سے عالم والوں کو رہبری ہوتی ہے، روشنی ہوتی ہے، چاند بھی ہے سورج بھی ہے تارے بھی ہیں لیکن چاند کے سامنے اس کا نور کچھ نہیں، یہ ہے وحدة الوجود۔ اور وحدة الشهود سورج بھی ہے، چاند بھی ہے تارے بھی ہیں لیکن سورج کے سامنے یہ سب گویا ناپید ہیں، یہ ہے وحدة الشهود۔ ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی پر وحدة الوجود کا غلبہ تھا اور مجدد الف ثانی سرہندی پر وحدة الشهود کا غلبہ تھا۔

خلیفہ کو پیدا کرنے کی وجہ :

فرشتوں نے کہا کہ یہ تو زمین میں لڑائی فساد خونریزی کریں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں سب کچھ جانتا ہوں، تم تو فراستِ ملکوتی سے سمجھے ہی نہیں، اور جو انسان کی حقیقت تم نے بیان کی ہے اس کو میں بھی جانتا ہوں، ایسا بھی ہوگا لیکن تمہارے خیال میں مطلقاً آگیا اور میرے خیال میں اور میرے علم و عندیہ میں بھی ہے کہ ایسے بھی ہوں گے۔ اور یہی وجہ ہے تخلیق کی خلیفہ بنانے کی، چونکہ اس مخلوق انسان میں ہر قسم کے ہوں گے جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی ہوں گے اور جو میں جانتا ہوں وہ بھی ہوں گے اور جو صحیح معنی میں ایسے ہوں گے وہی خلیفہ ہوں گے، اور یہی لوگ میری خلافت میں عدل و انصاف کو قائم کرنے والے ہوں گے میرے احکام کو نافذ کرنے والے اور اجراء کرنے والے ہوں گے من حیث العدل۔ اور اگر ایسے نہیں ہوں گے تو پھر تم تو ہو ہی، اور اسی وجہ سے میں نے کہا خلیفہ نائب، یعنی میری صفات اپنے اندر لئے ہوئے تب ہی تو وہ

خلیفہ ہوں گے تب ہی تو وہ نائب ہوں گے، مستحق نیابت ہوں گے۔ اسی وجہ سے اس عالم میں ضرورت ہوگی کہ میرے نائب کے نائبین بھی ہوں اور وہ بھی ہوں گے، اے فرشتو! تم نے درجہ اطلاق میں بات کہہ دی اور میرے علم غیب میں درجہ اطلاق میں نہیں ہے میں تمہاری اصلاح کر رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح :

جیسا کہ آئندہ موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح کروں گا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے کسی نے پوچھا کہ اے موسیٰ علیہ السلام کیا آپ سے زیادہ بڑا کوئی اور عالم ہے؟ فرمایا نہیں۔ حق تعالیٰ نے اصلاح فرمادی کہ آپ نے مطلقاً کیسے کہہ دیا، آپ سے زیادہ جاننے والا ہمارا ایک بندہ ہے جس کا نام حضرت خضر علیہ السلام ہے ان سے ملاقات کرو تو معلوم ہو جائے گا۔

مرشد کا کام ہر چیز کی اصلاح کرنا ہے :

اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کا کام جہاں اعمال کی اصلاح کا ہے وہاں کلام کی بھی اصلاح ہے کہ تم اس طرح کیوں بولے؟ دیکھیے! حضور ﷺ سے سوال کیا تھا اصحاب کہف کے بارے میں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل بتادوں گا، پندرہ دن تک وحی نہیں آئی اور جب وحی آئی تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے انشاء اللہ کیوں نہ کہا (اس میں کلام کی اصلاح فرمادی)

معلوم ہو گیا کہ مرشد کا، شیخ کا کام ہر چیز میں اصلاح کا ہے خواہ اشارۃً کہے، خواہ کنایۃً کہے خواہ صراحتہً کہے خواہ حکایتہً کہے اب سننے والا غور کرے کہ میری اصلاح

ہورہی ہے۔

فرشتے خلیفہ کی حقیقت کونہ پہچان سکے :

تو اے فرشتو! میں تمہاری اصلاح کر رہا ہوں، تم نے درجہ اطلاق میں سب انسانوں کو اس طرح سمجھا۔ ایسا نہیں بلکہ جس چیز کو تم مانع سمجھ رہے ہو وہی چیز باعث ہے انسان کی تخلیق کا جو کہ میرا نائب ہوگا میں نے لفظ خلیفہ کہا ہے تم پوری حقیقت مالہ و ماعلیہ کو نہیں پہچان سکے۔

کبھی عدل کے خلاف ہونے سے خلافت میں فرق نہیں آتا :

اور خلیفہ مؤمن ہوتا ہے تو بھلا مؤمن بے عدل ہو کر کہاں رہے گا یعنی وہ تو عادل ہوگا جو کہ اس کے ایمان کا تقاضہ ہے۔ چونکہ جو اس میں عدل رکھا ہوا ہے وہ اسے برا بیگنہ کرے گا کہ یہ خلاف عدل کیوں ہوا؟

معلوم ہوا کہ مؤمن سے جو کچھ خلاف ہو جاتا ہے اس کی خلافت من حیث المؤمن ختم نہیں ہوتی، اور ویسے خلافت کے درجے الگ الگ ہیں لیکن باوجود مؤمن سے خلاف ہونے کے بھی خلیفہ ہے، ہر مؤمن اپنی جگہ خلیفہ ہے۔

خلیفہ وہ ہے جو اپنے اوپر احکام خداوندی جاری کرے :

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے احکام کا اجرا اور نفاذ کرے گا وہ میرا خلیفہ ہے لہذا ہر مؤمن خلیفہ ہے۔ تو پہلے اپنے اوپر میرے احکام کا اجرا اور نفاذ کرنا ہے اور اگر نہیں تو کافر ہے۔ بھلا کون مؤمن ایسا ہوگا کہ جو اپنے اوپر میرے احکام کو نافذ اور جاری نہ کرے گا اور ساتھ ساتھ تو اب نہ بنے گا۔

خدا تو اب ہے مؤمن کو تائب بننا چاہیے :

ذاتِ باری تعالیٰ کے اسماء میں سے تائب کا لفظ نہیں ہے، تائب کا لفظ مؤمن کے لئے ہے اور جب ایسا ہو تو تو اب اس کے لئے بھی ہے۔ تو ذاتِ باری تعالیٰ تو اب اور ایسا مؤمن بھی تو اب مؤمن کے لئے تائبیت بھی ہے چنانچہ فرمایا حدیث میں اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ تو خلیفہ رہ گیا شرک سے نکل گیا۔ اور جب نصیحت ہو گئی تو تو اب ہے، جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اور زیادت الفاظ دلالت کرتے ہیں زیادت معنی پر یہ نحو اور لغت کا قاعدہ ہے۔

مؤمن کو تو اب کا لقب کب ملتا ہے :

تائب ہونا اور حیثیت سے اور تو اب ہونا اور حیثیت سے ہے، جب تو یہ بڑی سچی پکی شرعی ندامت کے ساتھ نہ کہ عرفی کے ساتھ اور آئندہ کے لئے عزم بالجزم کے ساتھ تو اب بنا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء میں ایک لقب دیدیا، اس کا نام تو اب ہو گیا، تو پہلے یہ مؤمن من حیث الایمان مکلفی خلیفہ ہوا، اور خلیفہ ذاتِ باری تعالیٰ کے احکام کو اجراء اور نافذ کرنے والا کہلاتا ہے، تو یہ پہلے مکلف ہے اس بات کا کہ اپنے اوپر احکام کو نافذ اور جاری کر لے اور اسی طرح پہلے ایمان کا اجراء ہے نفاذ ہے خواہ وہی طور پر ہو گیا ہو یا مؤمن کے یہاں پیدا ہو کر مگر شروع رہا۔ تو ایمان اختیاری گو وہ پہلے غیر اختیاری تھا پھر جوں جوں آیتیں آتی رہیں اس کا ایمان بڑھتا گیا۔ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں۔

خلیفہ کا بھی خلیفہ ہونا چاہیے :

نفسِ خلیفہ تو وہ ہے کیونکہ وہ اپنے اوپر احکام کو جاری اور نافذ کر دیتا ہے اور جب یہ اپنے اوپر احکام کو جاری کر رہا ہے اور یہی معنی ہیں خلیفہ کے تو یہ مؤمن خلیفہ ہوا وہاں خلافت مل چکی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے اوپر بھی کوئی خلیفہ ہونا چاہیے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں چونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا تو من حیث النبوۃ یا بلا نبوت، تو پہلا جو مستحق ہوگا خلافت کا وہ نبی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے علوم کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے :

چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے صفات نبی میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور تمام دُنیا بھر سے زیادہ نبی کا علم ہوتا ہے اور نبی کا ماخذ اللہ تعالیٰ ہے۔ اب نبی سے جو علم نقلاً بعد نقل چلتا رہے گا اور جو بھی لیتا رہے گا اور عمل ان کے نمونہ کے ساتھ کرتا رہے گا وہ ان کا نائب ہوگا اور پھر وہ نائب اللہ تعالیٰ کا ہوگا اور نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے۔

نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے :

اور جب نائب کا نائب، نائب ہوتا ہے کیونکہ لازم کا لازم بھی لازم ہوتا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کے نائب کا نائب بھی اللہ تعالیٰ ہی کا نائب ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک تحصیلدار جو کہ اپنی جگہ پر مستقل ہے اپنی جگہ پر پوری تحصیل کا مالک ہے اور کلکٹر پورے ضلع کا۔ تو تحصیلدار نائب ہے کلکٹر کا اور کلکٹر کے اوپر گورنر ہے۔ تو کلکٹر نائب ہوا گورنر کا تو کیا تحصیلدار گورنر کا نائب نہیں ہے؟ تو اس اعتبار ہر مؤمن اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ لہذا ہر مؤمن مکلف ہے چونکہ صاحب اختیار بنا کر بھیجا گیا۔

خلیفہ کے درجے مختلف ہیں :

اسی لئے فرمایا: **هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ** وہ جس نے تم کو زمین میں خلیفہ صاحب اختیار بنا کر تم کو نائب بنا دیا نہ کہ پتھر نہ اور نہ ہی پانی کو اور پھر کہہ دیا **وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ** آگیا درجہ معلوم ہو گیا کہ خلیفہ کے الگ الگ درجے ہیں تاکہ آزمائے تم کو اس چیز میں جو کہ دیا ہے اس نے تمہیں اس لئے درجے مقرر کیے۔

خلیفہ کی آزمائش کا معیار :

دیکھنا یہ ہے کہ منعم حقیقی کی نعمت کی کون قدر کرتا ہے اور کون بے قدری؟ یا آگے حسد میں آگے حرص و طمع میں کھینے لگے دنیاوی لہو لعب میں بھول گئے منعم حقیقی کو نعمت کی کون قدر کرتا ہے اور کون بے قدری کرتا ہے یہ آزمائش ہے۔ اور جو منعم حقیقی کی قدر کرتا ہے وہ فرمانبردار اور مطیع کہلائے جانے کے قابل ہے اور جو بے قدری کرتا ہے وہ نافرمان اور غیر مطیع کہلائے جانے کے قابل ہے۔ تو کچھ مطیع ہوں گے اور کچھ غیر مطیع اور جب صاحب اختیار بنا کر بھیجا ہے اور پھر یہ آزمائش اس طرح اس نعمت کی قدر اور ناقدری پر مطیع اور غیر مطیع، تو ہر ایک کے ساتھ معاملہ جداگانہ ہوگا۔

لہذا مکلفین کو چاہیے کہ حق کی پیروی کرتے رہیں اور باطل و ناحق کی پیروی سے باز رہتے رہیں، اس لئے فرماتے ہیں: **إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ** اور یہ بھی فرماتے ہیں: **إِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ** دو باتیں ہیں ان کو میں سنائے دیتا ہوں کہ آپ کا پروردگار یقیناً جلدی عقاب کرنے والا ہے نافرمانوں کے لئے اور جو اپنی خلافت کو برباد کرنے

والے ہیں وہ اب خلیفہ کہلائے جانے کے قابل نہیں۔

کافر مجرم ہے مؤمن مجرم نہیں ہو سکتا :

معلوم ہوا کہ مؤمن مجرم نہیں ہے، مؤمن باوجود معصیت کر جانے کے مجرم نہیں ہے، اس ذی جرم کا جرم ناپاک نہیں ہو سکتا۔ اس میں پاکی بھی ہے۔ وَ اَمْتَا زُوَا الْیَوْمِ دُوْرَرِ هُوَانِ كَے ساتھ کہاں جا رہے ہو یہ جنتی ہیں اور تم دوزخی تمہارا ان کے ساتھ کیا واسطہ؟ تو کافر کو مجرم کہا، احتراز ہو گیا اعتراف ہو گیا مرتے مرتے بھی خلیفہ ہی رہا اور اگر اس مؤمن سے کچھ کہہ سن بھی دیا تب بھی خلیفہ ہی رہا۔ یہ ذالمت باری تعالیٰ کی خصوصی محبت و رحمت ہے۔

مؤمن کی شان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے :

ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے کہا تھا اللہ تعالیٰ سے کہ محبت تو کرتے ہیں مؤمن آپ سے اور اتباع کرتے ہیں میری۔ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ میرے محبوب ہیں کہ محبت کرتے ہیں مجھ سے، تو اس اتباع سے خوش ہے یہ ایک عارضی اور فانی چیز ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ مؤمن کی شان تو یہ ہے: وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ تو اے سرکش کیسی بات کرتا ہے وہ سرکش نہیں ہیں، اور جب سرکش نہیں ہیں تو ان سے جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن محبت مجھ ہی سے ہے۔ اس لئے میں ان کو چاہتا ہوں اور تو ہے سرکش، سرکش اسم فاعل سماعی ہے تو تیرا سر کھینچا جائے گا یہ احقر کے الفاظ ہیں۔ اور وہ سرکش نہیں ہیں تیرا سر بن کر رہے گا تجھ پر سردار رہے گا وہ ہے جانبازا اور تو ہے سرکش اگرچہ کسی وقت میں ہار ہو گئی جان کا بازیدن معنی ہے۔ لیکن وہ تو میرے جانبازا

ہیں عمل میں کوتاہی ہوگئی تو ہوگئی لیکن اعتقاد تو میرے ساتھ ایسا ہے بس تو آدمی بن۔ اور یہ بات تو ان کے بابا آدم علیہ السلام سے بھی ہوگئی تھی اس شیطان نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا اور یہ آسمان پر ہوا نہ کہ زمین میں آنے کے بعد۔

توبہ کرنے سے مؤمن کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے :

اور زمین پر جانے کے بعد تو نہ معلوم کیا کیا ہوا اور انہوں نے تو کبھی یہ بات دیکھی بھی نہیں۔ بیچارے سیدھے سادھے مسلمان تھے خلافت کی بات کبھی دیکھی نہ تھی اور پھر قسم کھا کر کہہ رہے ہیں اللہ کی محبت محبوب حقیقی کی قسمیں کھا کر کہہ رہے ہیں، ارے دیکھ تجھ سے بھی خلاف ہوا چونکہ تو جسکی اولاد ہے آدم علیہ السلام سے بھی یہ بات ہوئی تھی تو اگر آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہو جائے تو کیا بات ہے؟ لیکن وَنَسِيَ آدَمَ اور جب بھول ہوگئی تھی اے سرکش تیرے اس منعم حقیقی کی قسمیں کھانے پر لیکن جب یاد دلایا گیا تو بے انتہا نادم ہو گئے اور ایسا رویا کہ سبزی اُگ آئی اور اس نے اپنے رب کو تضرع اور حیفہ سے یاد کیا وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً۔

جب دل میں یاد آگئی تضرع اور حیفہ کے ساتھ اور اس نے توبہ کی ہے عاجزی و انکساری کے ساتھ تو اس کا درجہ تو بلند تھا ہی اور بڑھ گیا، (شیطان) تیرا منہ ان مؤمنوں کے بارے میں کہنے کا کیا حق رکھتا ہے؟ اے اتنے بڑے بے حیا اور عنادی! اور جب ایسا ہو گیا تو توبہ کے بعد ایسا ہو گیا جیسے کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

انسان صفاتِ خداوندی کے مظہریت کا نام ہے :

اس لئے کہتا ہوں کہ جو نافرمان بندہ ہوتا چلا گیا اس کے لئے سریع العقاب ہے۔ اور جو نافرمان ہونے کے بعد تائب ہو گیا تو اس کے لئے غفاریت کا مظہر بن

گیا اور اسی لئے تو اس کو پیدا کیا گیا فرشتوں نے کہا تھا کہ کیوں پیدا کیا۔ غفاریت غفر سے مشتق ہے اور غفر کہتے ہیں چھپا دینے کو، اسی لئے کاشکار کو غافر کہتے ہیں کہ وہ بھی بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ فرشتوں نے تو کہہ دیا کہ اس کو کیوں پیدا کیا ہے؟ یہی چیز باعث ہے اس کو پیدا کرنے کا۔ تم پر میرے اسماء و صفات کا پوری طرح ظہور نہیں ہوتا۔ تم پر قد و سیت کا ظہور ہوتا ہے لیکن غفاریت کا ظہور نہیں ہوگا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میری صفات کا ظہور اس عالم میں بھی ہو اور اس عالم میں مؤمن پر ہوگا جب کہ اس سے کوئی امر عمد یا خلاف عمد ہو جائے گا تب وہ میری صفات کا مظہر بنے گا اور میں چاہتا ہوں کہ صفات کا ظہور ہوتا رہے۔ اس لئے اس عالم کے اندر اس اپنے خلیفہ کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ تم پر میری ایک صفتِ قدسی کا ظہور ہے اور قہر کا بھی ظہور ہونا چاہیے، غفاریت کے ظہور کے ساتھ ستاریت کا بھی ظہور ہونا چاہیے اور اسی مظہریت کا نام انسان ہے اسی لئے اس کو پیدا کیا۔

کافر فتنہ ہے مؤمن فتنہ نہیں ہے :

اور جتنے غیر مؤمن ہیں وہ سب شیطان اور سب کا بادشاہ خود شیطان ہے چونکہ فتنہ کی ابتداء اسی سے ہوئی اور وہی اس کا بانی ہے اور بانی کا جس پر اثر آئے گا وہ کیسا ہوگا.....؟ جتنے کافر ہیں من حیث الازل وہ سارے کے سارے شیطان ہیں۔ اور اسی وجہ سے قرآن پاک میں کفر کو فتنہ کہا گیا ہے ”فاقتلوہم“ ان کو قتل کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور فتنہ کفر ہے اور اس کے خلاف مؤمن ہے مؤمن فتنہ نہیں ہو سکتا فتنہ پرداز نہیں ہو سکتا اور واقع میں کفر میں فتنہ اور سارے کافر فتنہ پرداز ہیں۔

بحیثیتِ خلیفہ مؤمن کے اوصاف :

ہر مؤمن مؤمن ہونے کی حیثیت سے کس درجہ کا خلیفہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن سے کیا چاہا ہے، ہم مؤمن ہو کر اپنے اوپر من حیث الخلیفہ احکاماتِ باری تعالیٰ کا ظاہر و باطناً اجراء و نفاذ کس درجہ پر کر رہے ہیں اور ہر انسان درجہ کمال کا چاہتا ہے۔ تو پھر یوں دیکھیے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے احکام کا نفاذ اور اجراءِ ظاہری اور باطنی اعمال میں کس درجہ پر کر رہا ہوں۔ من حیث القناعت ہے یا من حیث الزیادت، اور **وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا** کا مصداق ہے۔ لہذا ترقی کی اُمنگ ہونی چاہیے، اور جب ہونی چاہیے تو زیادتِ اُمنگ کیوں نہیں! کہ اس میں زیادتِ ترقی ہے اور زیادتِ ترقی کا عقلِ سلیم مطالبہ کرتی ہے۔

خدا کی معیتِ محسنین کے ساتھ ہے :

جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم معرکہ میں شہید ہو گئے اور بعض صحابی شہید نہ ہوئے اور اس کے بعد کافی مدت تک زندہ رہے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ لوگ جو شہید نہیں ہوئے اور وہ لوگ جو شہید ہو گئے درجہ میں کون سے اچھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بعد میں اعمالِ صالحہ کرنے کے ساتھ سیدہ سے بھی اجتناب کرتے رہے ان کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ چونکہ وہ بھی جہاد میں رہے اور یہ بھی جہاد میں رہے لیکن یہاں رہ کر چونکہ وہ محسنین ہیں اور محسن کے معنی ہیں مخلص کے اور میرا وعدہ ہے کہ جنہوں نے میرے راستہ کو اختیار کیا جو کہ جنت کا راستہ ہے اس کو ہدایت دیتا رہوں گا اس لئے کہ محسنین مخلصین میں سے ہے اور وہ شہیدوں میں سے بھی آگے ہیں چونکہ وہ نفس سے جہاد کرتے رہے جگہ جگہ پر اور ہر وقت مجاہدہ میں لگے رہے۔

مؤمن کا اصلی وطن جنت ہے :

تو لہذا ہم چاہے چار دن کے لئے یا چار مہینے کے لئے یا چاہے چار سال کے لئے اپنے وطن کو جو کہ عارضی ہے اور اسی کو وطن اصلی کہا جاتا ہے اور وطن عارضی کو وطن اقامت اور وطن سفر کہا جاتا ہے تو یہ وطن سفر کس لئے کہا؟ مجاہدہ کے لئے تو وطن اصلی سے جو ہجرت کی وطن اقامت کی طرف جہادِ نفس کے لئے تو وہ مقیمین چاہے اقامت سفر میں ہوں مجاہد ہیں اور اسی لئے ہجرت کی تو مہاجر بھی ہوئے۔ تو لہذا ان مجاہدین و مہاجرین کی قدر میزبان کے یہاں کتنی ہونی چاہیے اور گو اس اقامت میں اس کا قصور ہو۔ لیکن محبت میں کہہ رہا ہوں چونکہ میزبان کو چاہیے کہ حسن ظن رکھے، سو ظن کا کوئی کام نہیں۔ اور مؤمن تو اس عالم میں وطن اقامت میں ہے اور اس کا وطن اصلی تو جنت ہے اور اس کو چاہیے کہ وطن اقامت کہے اور وطن اصلی کو چھوڑ کر آیا، اسی وجہ سے اس کی قدر ہے من حیث المہاجر اور من حیث المجاہد تو پھر ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاں اس مؤمن کی قدر کیوں نہیں ہوگی۔

مؤمن مہاجر بھی ہے اور مجاہد بھی :

حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ مؤمن جبکہ اس عالم میں نفس کے خلاف مجاہدہ کر رہا ہے اور وہ کفر و شرک کو چھوڑ کر مضبوطی سے ایمان کو اختیار کر رہا ہے اور پھر ایمان کی مضبوطی کو لے کر چلا تو ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاں اس مؤمن کی اس عالم میں رہتے ہوئے بھی کس درجہ قدر ہے۔ اور کافر کسی بھی اعتبار سے مجاہد نہیں ہے اور نہ ہی کسی اعتبار سے مہاجر ہے اور یہ ہر اعتبار سے

مجاہد بھی ہے اور مہاجر بھی لہذا جو امتیاز مومن کو اس عالم میں حاصل ہے وہ کافر کو ہرگز نہیں ہے۔

اے اللہ ہمیں صحیح معنی میں قدر شناس بنا دے کہ منہی عنہا کے ظاہر و باطن سے اجتناب اور مامور بہا کے ظاہر و باطن کے ساتھ اقتبال پورا پورا کرتے رہیں یہ ہے اجر اور یہ ہے نفاذ من حیث الخلیفہ اور مومن کو اپنی ذات میں غیور ہو کر با حیا ہو کر جائزہ لیتے رہنا، احتساب کرتے رہنا تا کہ کوئی گھڑی بھی اس مومن بندہ خلیفہ کا اپنے اوپر جائزہ لینے سے غفلت نہ ہو۔





انتالیسویں مجلس

حقیقتِ تجلی اور اس کے آثار

مورخہ ۱۲ شوال ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۶۸ اپریل ۱۹۹۱ء بروز یک شنبہ بوقتِ صبح

تجلی کا تعلق سینہ ہے، اسی کو قرآن پاک میں صدر سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ**۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ قلب بھی متجلی ہو بس پھر تو ہمہ وقت تجلی ہی تجلی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی شانِ جلالی :

ترکوں کا زمانہ تھا مکہ معظمہ میں جیسے اب سعودی حکومت ہے پہلے ان کی حکومت تھی اس کے بعد قبضہ کیا۔ ترکوں کی طرف سے جو بادشاہ ہوتا تھا اس کا لقب شریف ہوتا تھا جیسے اب بھی لقب ہوا کرتے ہیں کسی کا لقب گورنر ہے کسی کا وزیر اعظم ہے۔ ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ شریف مکہ نے حضرت حاجی صاحب کے متعلق کچھ کہہ دیا۔ جا کر کسی نے حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی کہہ دیا کہ شریف مکہ یوں کہہ رہا تھا کہ میں حاجی صاحب

کو یہاں سے شہر بدر کر دوں گا۔

حاجی صاحب نے فرمایا کہ وہ کون ہوتا ہے شہر بدر کرنے والا حالانکہ حضرت حاجی صاحب نہایت متواضع اور صاحبِ جمال تھے مگر اس وقت ایک جلال آ گیا، ہر وقت جدا جدا شان ہوتی ہے۔ یہ سننے کی باتیں ہیں کس قدر شائستہ اور صاف پاکیزہ دل کہ جو بات اندر تھی وہ کہہ دی شہنشاہی کیا ہوتی ہے وہ کون ہوتا ہے؟ وہ کیا جانتا ہے کہ مکہ کسے کہتے ہیں مدینہ کسے کہتے ہیں مکہ نام ہے تجلی جلال کا اور مدینہ نام ہے تجلی جمال کا جہاں بیٹھ گئے وہیں مکہ ہے مدینہ ہے۔ یہ بات کسی نے شریف مکہ تک پہنچا دی کہ حاجی صاحب یوں فرما رہے ہیں۔ شریف مکہ نے شرافت کی بات کہی اور یوں کہا نہیں نہیں حضرت حاجی صاحب کو خوش رکھوں گا مجھ سے غلطی ہوگئی۔

پھر کسی نے حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ شریف مکہ یوں کہہ رہا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔

امام غزالی کے دل میں ایک ڈاکو کی بات کا اثر :

امام غزالی جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر چلے، اس زمانہ میں پیدل سفر ہوا کرتا تھا، ڈاکوؤں نے گھیر لیا اور بھی مسافر تھے، سبھی کو لوٹ لیا۔ امام غزالی ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچ گئے کہ تمہارے ماتحت ڈاکوؤں نے ہمیں لوٹ لیا ہے مجھے اس لوٹنے پر کوئی بے چینی نہیں لیکن وہ جو میرے کاغذ ہیں ان کی وجہ سے بے چین ہوں وہ دلواد بچئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ ان کاغذوں کی قیمت تمہارے نزدیک اتنی ہے کہ جو آپ کا مال لوٹا گیا ہے اس کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے۔

امام غزالی نے فرمایا، جی ہاں.....! اس لئے کہ میں فلاں جگہ مدرسہ میں

طالب علم تھا میں پڑھ رہا تھا، فضل الہی سے مجھے فراغت حاصل ہو گئی ہے میں وطن واپس جا رہا ہوں ان کاغذات میں میرے اُستادوں کے درس کی تقریریں محفوظ ہیں، اس لئے میں ان کو لینا چاہتا ہوں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اچھی بات کہی کہ مجھے آپ کی یہ بات سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا علم کاغذوں میں ہے سینہ میں نہیں۔ بس امام غزالیؒ کو چوٹ لگ گئی ڈاکوؤں نے کاغذات دے دئے، گھر پہنچ کر سینہ میں رکھنے شروع کر دیئے۔

امکانِ عقلی پر شرعاً عمل کی گنجائش ہے :

کسی شئی میں عقلاً متعدد احتمال نکل سکتے ہیں۔ امکانِ عقلی میں گنجائش ہے کہ کسی بھی احتمال کو اختیار کر لے بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہو لیکن جب شرعاً ممنوع ہو جائے گا تو ممنوع ہو جائے گا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہر طور پر پہنچ گئے، باری تعالیٰ سے کلام شروع ہو گیا، ادھر محبت اور عشق کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چونکہ حضور ﷺ کی شریعت میں عشق کا لفظ پسند نہیں ہمارے محاورے میں ہے اس لئے بولا جاتا ہے عاشقِ الہی، عاشقِ رسول ﷺ اس ہمارے محاورے کو قرآن میں اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں جو تکلم ہو جانے کے بعد عشق رکھا ہوا تھا اس کی لہر دوڑ گئی اُمنگ پیدا ہو گئی کہہ بیٹھے: ”رَبِّ اَرِنِي اَنْظُرُ اِلَيْكَ“۔ لیکن من حیث الشرع ممنوع ہے تو فرمایا: ”لن ترانی“ کہ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی یہ آنکھیں اس عالمِ ہادی میں جو کہ مادی عنصری ہے اس میں یہ طاقت نہیں کہ یہ دیکھ سکیں۔

اس وجہ سے کہ اس عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ اقدام برداشت نہیں کر سکے گا اسی برداشت نہ کرنے پر ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے نفی ہو گئی، لیکن یہ نفی اس

عالم میں اُس عالم کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ چونکہ وہ عالم مادہ سے مرکب نہیں ہے بلکہ وہ عالم جوہری غیر مادی ہے میں وہاں دیکھا جاسکتا ہوں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنتی سے جہاں ذاتِ باری تعالیٰ کا تکلم ہوگا: ”سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ“ اور سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ“ وہیں دیدار بھی ہوگا تو وہاں کی نفی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کو جنت میں بحالتِ عین دیکھو گے صحابہ کرام نے سوال کیا کہ کس طرح سے؟ فرمایا کہ جس طرح کہ تم مجھ کو دیکھ رہے ہو۔

اہل جنت کی آپس میں دعوت :

اسی طرح جنتیوں کی آپس میں دعوت ہوگی، ایک دوسرے کی دعوت کریں گے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف سے بھی دعوت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی دعوت ہوگی دعوتِ جسمانی بھی ہوگی کہ طرح طرح کی چیزیں کھلائی جائیں گی۔ جیسے جب کوئی مہمان آتا ہے تو اول وہلہ میں جہاں ٹھرنے کے لئے کمرہ مقرر کیا گیا ہے پہلے اس میں بٹھا دیتے ہیں اور اس وجہ سے بھی بٹھا دیتے ہیں تاکہ آنے والے بھی ملاقات کر لیں اور ذرا پسینہ اتر جائے اور تھکان ختم ہو جائے بعد میں کہتے ہیں کہ اچھا اچھا آپ تشریف لائیے۔

ایسے ہی ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاں بھی یہ سلسلہ جاری ہے حساب کتاب ہو کر کفار دوزخ میں جا رہے ہیں اہل جنت کی جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہوگی۔

جنت میں داخل ہونے سے پہلے مٹی کی روٹی کی دعوت :

مٹی کی روٹی کھلائی جائے گی، حضرت مولانا یعقوب صاحب سے کہ طالب علم نے کہا کہ حضرت وہ تو کر کری ہوگی پھر کیسے کھائی جائے گی.....؟ فرمایا تمہارے ہاں چھلنی بھی تو ہوتی ہے آٹے کو اس میں سے نکالا جاتا ہے پھر وہ میدہ میں جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی چھلنی میں اس کو چھانا جائے گا کر کراہٹ بالکل ختم اس کی روٹی کھلائی جائے گی اور جتنی دُنیا بھر میں غذائی چیزیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہوں گی اور جنتیوں کو جنت میں داخلہ سے پہلے کھلائی جائے گی یہاں بھی بعض مرتبہ دوسروں کے طفیل میں مل جاتی ہے تو وہاں بھی کچھ طفیل میں روٹی ملے گی۔

کافروں کا اُس عالم میں کوئی حصہ نہ ہوگا :

مؤمن تو کھاتا ہے ایک آنت سے اور کافر کھاتا ہے سات آنتوں سے تو اس کو زیادہ چاہیے اور وہاں اس کے لئے ہے نہیں اور کھاتا ہے زیادہ تو اس کو زیادہ پہننے کو بھی چاہیے۔ مابلی حیثیت سے بھی زیادہ چاہیے، جاہی حیثیت سے بھی زیادہ چاہیے اور وہاں اس کے لئے مال ہے نہ جاہ اور نہ وہاں کھانا اور نہ پانی۔ کافر کے لئے نہ بطنی جسمانی فرحت اور نہ باطنی فرحت و راحت ساری چیزوں سے وہاں محروم۔

تو اے اللہ کے مؤمن بندو یہاں تو دینے دو اور مؤمن کہہ رہا ہے کہ ہم تو مؤمن ہیں اور وہ تو بالکل ہی کفر و شرک کی کھلی کھلی باتیں کرتا ہے، ہم اس طرح سے ہیں اور وہ اس طرح سے مالا مال ہے۔ یہ انتظامی طور پر ہے تمہیں خبر نہیں اور وہاں تو یہ ہے لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَهَاں کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔ ان کا حصہ جو تھا اپنے کو اس

سے انہوں نے محروم کر دیا یا اختیار، کہ میرے ہاں کوئی ذمہ نہیں ہے۔ جو ان کا حصہ تھا انہوں نے اپنی میراث حاصل کر لیا، اس وجہ سے ان کو حصہ وہاں کامل گیا۔

لیکن آج مسلمان بھی یوں کہتا ہے کہ وہاں کا حصہ ہمیں وہاں نہیں چاہیے یہاں دے دو۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ایسا خیال مت کرو ان کا وہاں کچھ حصہ نہیں بلکہ وہاں کا حصہ تم ہی کو ملے گا۔ لہذا تم یہاں تو ان کو زیادہ دینے دو یعنی بادشاہت بھی جو انتہائی درجہ دنیاوی چیز ہے ان کا جی خوش ہو جائے گا۔ مگر خوشی کی بات تو یہ ہے نہیں بلکہ ان کے لئے تو اور مصیبت ہے بلکہ وہ تو طفیلی ہیں کہ اس عالم میں بھی بطفیل مؤمن کھاتے ہیں اور وہاں تو سارے ہی مؤمن جنتی ہوں گے وہاں طفیل کیسا؟

جنت میں داخل ہونے سے پہلے زاہدوں کی

خاطر سے مٹی کی روٹی ہوگی :

ہاں کچھ مسلمان بندے ہمارے ایسے عاشقِ رسول ہوتے ہیں کہ دنیا کے مباحات سے بھی بے غرض، انہوں نے لذت کی چیزوں کو گویا طلاق دے دی لذیذ چیزوں کو تناول نہیں کیا تو ان زاہدوں کی خاطر زمین کی روٹی اور زمین میں جو چیزیں میوے، پھلوں کی ہیں ان سب سے مرکب کر دی ہے اس میں سب چیزیں ہوں گی۔

اب بتاؤ وہ روٹی کس کس ذائقہ کی ہوگی یہ اہل جنت کی پہلی دعوت ہوگی کہ دخول سے پہلے گویا کہ یوں کہا جائے گا کہ ٹھہرو ٹھہرو یہ حکم نہیں بلکہ ایک پروانہ ہے تم بھوکے ہو تو زمین اپنے سب اجزاء جمع کر دے گی تاکہ میں ان کو دھو دوں۔ اس کھانے کے بعد اب جنتی جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت میں داخل ہونے کے بعد دوسری دعوت مچھلی کباب :

پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد ایک اور دعوت ہوگی مچھلی کے کباب۔ بہت بڑی مچھلی ہوگی یہیں دنیا کے دریا میں پانی کے جہاز کو بچا بچا کر لے جانا پڑتا ہے کہ کہیں پانی میں ٹکر نہ لگ جائے۔ بعض مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ٹکر لگ جائے تو جہاز پلٹ جائے تو جب یہاں سمندر کی مچھلی اتنی بڑی ہوتی ہے تو وہاں کی مچھلی کتنی بڑی ہوگی، اور اس کے بعد تو علی الارائنک ينظرون کہ آپس میں آمنے سامنے میسروں پر تکیوں پر ٹیک لگائے ہوئے خوش بیٹھے ہوں گے۔

جنت کی نعمتیں :

قرآن شریف اس طرح پڑھا کرو کہ ولولہ آجائے جو اعمال ذات باری تعالیٰ کی رضاء و قرب کے ہیں جن کا محل جنت ہے اور جنت میں انبیاء علیہم السلام کی طرف سے بھی دعوت ہوگی اور ذات باری تعالیٰ کی طرف سے بھی دعوت ہوگی کیا کھلائیں گے؟ یہ ذہن میں نہیں آسکتا۔ چونکہ جنت میں تو بہت سی ایسی نعمتیں ہوں گی کہ نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ زبان نے چکھی اور نہ کسی ہاتھ نے چھوئی ایسی دعوت ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے : ولا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ محبت میں آدمی محبوب کی آواز پر لٹو ہو جاتا ہے تو پھر خدائی دید پر کیا حال ہوگا۔

اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے اے عورتو! نامحرم سے نرم نرم کلام مت کرو کہیں تمہارے نرم کلام سے سننے والے کے دل میں میلان نہ ہو جائے۔

حق تعالیٰ سورہ رحمن سنائیں گے :

معلوم ہوا کہ کلام میں بھی ایک اثر رکھا ہوا ہے اس کے بعد ذاتِ باری تعالیٰ اس جسم جوہری کی دعوت فرمانے کے بعد فرمائیں گے کہ اور کیا چاہتے ہو؟ حق تعالیٰ فرمائیں گے میں تم کو اپنا کلام خود سنانا چاہتا ہوں تو ذاتِ باری تعالیٰ سورہ رحمن سنائیں گے۔

محرم راز ہی اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں گے :

میں نے تو پیغام پہنچا دیا تھا: کتب ربکم علی نفسہ الرحمة لیکن جنھوں نے اعتبار نہیں کیا اور میرے کلام کو اور میرے پیغمبروں کو جادو گر کہہ دیا اور یوں کہا کہ یہ تو پہلی کہانیاں چلی آ رہی ہیں، تو انھوں نے اپنے آپ کو محروم کر لیا، اور جنھوں نے اپنے کو محروم نہیں کیا بلکہ محرم راز بن کر رہے میرے کلام کے ساتھ بھی اور میرے پیغمبروں کے ساتھ بھی تو وہ میرے حرم میں آگئے پھر محروم کہاں رہے۔

بیقرار اور فریفتہ کو تسلی دینی چاہیے :

ایک بات لطیفہ کے طور پر یاد رکھو کہ جب یہ دیکھو کہ جس چیز کو طلب کر رہا ہے، اس چیز کی سہارا نہ لے سکے گا اور انکار پر اس کا دل برداشتہ ہو جائے گا۔ اس کے دل میں چھین ہو جائے گی، طبیعت بجمی بجمی ہو جائے گی اس نے اپنی فریفتگی کا اظہار کیا تھا آپ اس سے فراری کا کلام فرما رہے ہیں اس کے دل کا کیا حال ہوگا۔
لہذا اس کی تلافی کیجیے تاکہ اس کو یقین ہو جائے کہ جو اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے معلوم نہیں میرا کیا حال ہوتا۔

سید احمد رفاعی کبیر کا واقعہ :

غوث پاک سید عبدالقادر جیلانی کے زمانہ میں سید احمد رفاعی بہت اونچے اولیائے کرام میں سے ہیں۔ جب حج کرنے گئے اور مدینہ منورہ پہنچے۔ روضہ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ بخاطر درود و سلام پڑھ کر کہنے لگے حضرت ﷺ میں غائبانہ سلام پہنچاتا تھا اب حاضر خدمت ہوں، مجھ سے لوگ پوچھیں گے کہ تم نے کیا دیکھا تو میں کیا جواب دوں گا؟

میراجی چاہتا ہے کہ دست مبارک سامنے آئے اور میں اس کی تقبیل کروں تو پھر جا کر کہوں گا دست مبارک باہر آیا تھا یہ عالم برزخ کی باتیں ہیں بوسہ دیا، تقبیل کی، ہاتھ اندر ہو گیا۔

غوث پاک کی خدمت میں ایک شخص کا آنا :

غوث پاک اور سید احمد رفاعی کا زمانہ ایک ہی ہے، ایک شخص غوث پاک کی خدمت میں آیا حاضر ہو کر سلام کیا، فرمایا تم شقی ہو، میرے پاس سے جاؤ وہ شخص چلا گیا۔

سید احمد رفاعی کی فنائیت :

اور سید احمد رفاعی کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کیا، جواب دیا اور فرمایا اوہو ہمارے بھائی عبدالقادر نے تم کو شقی کہہ کر نکال دیا بھائی ہم بھی شقی ہیں تم بھی شقی ہو آ جاؤ۔ وہ بات تو عبدالقادر جیلانی کی رہی لیکن عبدالقادر کو جو کشف ہوا وہ یہ سمجھے کہ یہ شقی ابدی ہے۔ اور سید احمد رفاعی کو بھی کشف ہوا اور شقی ہونے کا ہوا لیکن ان کے خیال میں ابدی ہونا نہیں آیا اور یہ سوچا کہ جب یہ طلب صادق کے ساتھ متوجہ ہوا اگر

پوری توجہ کی جائے گی تو اس کی حقارت مبدل بسعادت ہو جائے گی، شتی سعید ہو جائیگا۔
چنانچہ توجہ کی، توفیق الہی سے سعید ہو گیا اور پھر فرمایا جاؤ۔ ہمارے بھائی عبد
القادر کو سلام کرو، اور پہنچ گیا سلام ہوا اور جواب دیا غوث پاک نے فرمایا ہم میں وہ
طاقت کہاں کہ شتی کو سعید بنا دیں وہ تو ہمارے بھائی سید احمد رفاعیؒ میں ہے کہ شتی
سعید ہو گیا۔

کشف کو شریعت کی روشنی میں پرکھے :

بعض دفعہ اول تو کشف ہونا ضروری نہیں، اگر کبھی ہو جاتا ہے تو بعض دفعہ
پورا ہو جاتا ہے بعض دفعہ کسر رہ جاتی ہے۔ پھر اس کو ٹولنا پڑتا ہے کہ شریعت اس بارے
میں کیا کہہ رہی ہے۔ اگر امکان عقلی ہے تو پھر یہ دیکھے کہ شرع اس عقل کی نفی کرتی ہے یا
نہیں، شرعاً ممنوع ہے کہ نہیں! اگر ممنوع شرعی نہیں ہے تو اس کو گوارا کر لیا جائے گا اور
اگر ممنوع شرعی ہو جائے گا تو اس کو پھینک دیا جائے گا اصولی باتیں ہیں۔

ماتحتوں کی دلجوئی کرنی چاہیے :

اگر کسی شخص کی تمنا کو پوری کرنے میں کوئی مصلحت انکار کر رہی ہو جیسے بچہ
ایک روپیہ مانگ رہا ہے اور آپ دے رہے ہیں ایک پیسہ، اور دوسرے وقت میں وہ
دس روپے مانگ رہا ہے اور آپ نے 100 روپے دیدیئے۔ تو جس وقت اس نے
ایک روپیہ مانگا اور آپ نے دیا ایک پیسہ تو اس کا دل؟ لہذا جب آپ نے اس کی دل
سوزی کر دی ہے مہربانی فرما کر اس کی دلجوئی بھی فرمادیں۔

اسی طرح استادو! یہ نہیں کہ شاگرد سے جو چاہے کہہ دیا، پیرو! جو چاہے مُر

یدوں سے کہہ دیا، میاؤں! بیوی سے جو چاہا کہہ دیا جو چاہا نوکر سے کہہ دیا یہ ہرگز درست طریقہ نہیں۔

اساتذہ و طلبہ کو نصیحت بھرا خطاب :

آج کل تو درسگاہ میں بھی دیر سے جاتے ہیں وہاں طلبہ چٹائیاں پھاڑ رہے ہیں اور جب پھٹ جائیں تو پھر تقاضا کہ اس سال چٹائیاں پھٹ گئیں، مدرسہ کے پیسہ پر بھی رحم نہیں آتا۔ گھنٹی بجی ابھی لڑکے اٹھ کر جانے بھی نہیں پائے استاد صاحب پہلے ہی اٹھ کر چلے گئے اب بچے لڑ رہے ہیں کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ یہ بیچ میں بطور جملہ معترضہ کے ہے اسی طرح باپ بننا تو آسان مگر بنانا مشکل ہے۔

چھوٹوں کی دلجوئی کی جائے :

یہ بڑے قسم کے لوگ ایسے ہوتے ہیں چھوٹوں پر غصہ کرتے رہتے ہیں مگر غصہ کرنا آتا نہیں بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے ایسے ہی استاد وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس کے دل میں ہے بھی نہیں اور پھر دلجوئی بھی نہیں کرتے، اسکی تلافی و تدارک بھی نہیں کرتے۔ اس کا تدارک کرنا چاہیے تاکہ بیچارے کی شرمندگی ختم ہو جائے اور اس کی سمجھ میں آجائے کہ ہاں میں غلطی پر تھا میری ہی مصلحت کے لئے ایسا کیا، اپنے لئے کچھ نہیں کیا دلداری دلجوئی کرنی چاہیے تدارک کرنا چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلجوئی :

جیسے ذات باری تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کی نفی کر دی تاکہ خود سمجھ جائیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں جو میں نے سوال کیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بدل کو نہیں کہا تھا لیکن ذاتِ باری تعالیٰ تسلی فرما رہے ہیں کہ بچہ کا دل دکھ رہا ہے ”یہ میرے الفاظ ہیں“ تم خود ہی سمجھ جاؤ گے کہ میں نے تمہاری مصلحت کے لئے کہا ہے وَلٰكِنْ اَنْظُرِ اِلَى الْجَبَلِ ‘پہاڑ پر تجلی ہوئی اور پہاڑ بھی پتھر کا اور پھر اس کی جسامت انسانی جسامت سے طولانی، تو پہاڑ چکنا چور ہو گیا۔ حضرت موسیٰ عليه السلام اس سے متاثر ہو گئے اور وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا اس حالت کو دیکھ کر گر پڑے واہ اللہ میاں واہ! خوب مجھے زندہ رکھا مجھے زندہ رکھنا چاہ رہے تھے۔ آپ نے مجھ پر احسان فرمایا۔

معلوم ہو گیا کہ آپ کا مقصد مجھ کو زندہ رکھنا تھا مجھ سے خدمتِ دین کی دعوت کا کام لینا تھا اور میرا جی بھی خوش کر رہا ہے۔ جب پہاڑ کا ایسا حال ہو گیا جو ایسا سخت ایسا جسیم و لحم ہے تو اس چمڑا ہڈی کا کیا ہو جاتا، یہ آپ کی میرے حال پر رحمت ہوئی۔ اس کا بدل ذاتِ باری تعالیٰ نے موسیٰ عليه السلام کو کر کے دکھا دیا کہ جب تم اس طرح سے بھی برداشت نہ کر سکتے تو بھلا اس کو تم کیا برداشت کر سکتے ہو؟ وہ تو دوسری جگہ ہے جہاں اس دیدار کا محل ہے وہ آنکھیں اور جسم اور ہوگا۔ وہاں تو تم دیکھ سکو گے لیکن یہ عالم ایسا نہیں کہ دیکھ سکے، موسیٰ عليه السلام کو تسلی ہوئی دلجوئی ہوئی۔

حقیقتِ تجلی اور اس کے معنی :

باری تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اور یہ تجلی جو صوفیاء کے یہاں ہے یہ ایک اصطلاح ہے ورنہ وہ بھی وہیں سے نکلی ہے تجلی بمعنی ظہور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک شئی کی طرف اس طرح توجہ ہوئی کہ غیر کی طرف بالکل ہی نہیں رہی۔ یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی ذات کی طرف اس درجہ توجہ ہوئی کہ غیر کی طرف توجہ نہیں رہی، حتیٰ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات کی طرف بھی توجہ نہ رہی اب اس کا حال کیا ہوگا، یہ ہیں تجلی

کے معنی اور جب ایک دفعہ ایسا ہو گیا اور پھر بھی وہ اس کا طالب بنے گا تو کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس کی جان چلی جائے خودکشی کر لے۔ لیکن اگر کسی محقق کے پاس بیٹھا ہو اور تحقیق محقق سے سنا ہو تو خودکشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تجلی کا محل بھی ہونا چاہیے :

اس تجلی کا محل جلا ہے اور جلا روشن نور کو کہتے ہیں جس کو دوسرے الفاظ میں قلب و روح کہتے ہیں۔ کہیں قلب کو صدر سے بھی تعبیر کر دیا کرتے ہیں: الم نشرخ لك صدك۔ سینہ سامنے جو کہ دائیں سے بائیں کو گھیرے ہوئے ہے اس میں بائیں جانب دل اور دائیں جانب روح ہے۔ اس طرح پورے دل اور روح کو صدر کہہ دیا اور پھر صدر کہہ کر شرح صدر کر دیا یہ شرح صدر بھی ایک نوع کی تجلی ہے۔ بس پھر تو شرح صدر ہو گیا یعنی جس شئی کی جس طرح حقیقت صحیحہ تھی اس کا انتساب پورا پورا ہو گیا، چنانچہ پڑھانے والا بھی کہتا ہے کہ میں نے پڑھایا تو سہی لیکن ایک مقام پر کہہ آیا کہ خود مجھے بھی شرح صدر نہیں ہوا۔ معلوم ہوا شرح صدر کوئی اور چیز ہے تو تجلی میں جلا رکھا ہوا ہے وہ محل ہے۔

ایمان نور اور کفر ظلمت ہے :

مؤمن میں جو ایمان رکھا ہوا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا، یہ جلا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اللہ ولى الذين امنوا يخرجهم من الظلمت الى النور۔ ایمان کو نور سے تعبیر کیا ہے اور کفر کو تعبیر کیا ہے ظلمت سے، تو کفر ظلمت ہے اور ایمان نور ہے اب نور کو چاہے ایمان کہہ دو اور چاہے ایمان کو نور کہہ دو جب ایمان ہوگا تو نور ہوگا اور جب

نور ہے تو ایمان ہے تو نفسِ نور نفسِ ایمان ہوا ترکِ کفر و شرک بالکل۔ لیکن اس نے تو امنوا کے بعد اتقوا اللہ بھی بڑھایا ہے اب تقویٰ میں نورِ ایمان کا تقاضا ترکِ کفر و شرک ہو گیا۔

سالک نور علی نور کیسے بنے :

اب دوسرا نور حاصل کر رہا ہے جس کا نام تقویٰ متعلق باحکامِ ظاہرہ اور متعلق باحکامِ باطنہ ہے تو اس کا نور بڑھتا ہوا تقویٰ بتقویتِ نورِ ایمانی نور علی نور ہوتا چلا گیا، اب وہ اسی پر کفایت نہیں کرتا، قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جو اس تقویٰ کے لئے عجیب زینت کی چیز ہے اور نورانیت کی چیز ہے اس کو بھی اختیار کر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر لسانی و قلبی، دائمی۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا : رَبِّ اجْعَلْنِي لَكَ ذَكَرًا لَكَ شُكْرًا لَكَ رَهَابًا لَكَ مَطْوَأًا لَكَ مُطِيعًا إِلَيْكَ مُخْبِتًا إِلَيْكَ أَوْهَا مُنِيبًا۔ کہ میرے رب مجھے ایسا بنا دیجئے گا کہ ہر وقت آپ کی یاد میرے دل میں رہے میں ہر وقت آپ کو یاد کرتا رہوں اور ہر وقت آپ کا شکر ادا کرتا رہوں، اور ہر وقت آپ کا خوف ہو، اور ہر وقت آپ کی تابعداری کرتا رہوں اور ہر وقت میرا قلب متاثر ہوتا رہے اور ہر وقت میں آپ کی طرف رجوع کرتا رہوں۔

مہندی اور ہادی بننا چاہیے :

بلکہ وہاں تو اور ترقی چاہتا ہے پہلے مہندی پھر ہادی پہلے ہدایت پایا ہوا اور پھر ہو گیا ہدایت کرنے والا ہدایت دینے والا۔ حضور ﷺ جن کی ذات اور ہستی ایسی ہو تو پھر مجھ کو کیسا ہونا چاہیے اور جبکہ میں مکلف بنا کر بھیجا گیا ہوں تو مجھ کو مساعی جمیلہ

میں بسعی کامل لگنا چاہیے۔

تجلی کی دوسری نوعیت :

اور مزید آگے بڑھتا چلا گیا : **وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا** پایا گیا اب دیکھ لیں کہ آیتیں اس کے سامنے پڑھی جا رہی ہیں اور وہ آیتیں زیادتِ ایمان کا سبب بن رہی ہیں اور زیادتِ ایمان کا تقاضا کیا ہو رہا ہے قناعت، کفایت یا کچھ اور؟ نقلیں بھی نہیں پڑھتا وقتی نماز تو کیا پڑھے گا۔ اس تجلی کے لئے وہ نورِ ایمانی ابتدائی افتتاحی کافی نہیں لیکن اس پر بھی کبھی اس کے درجہ کے اعتبار سے ہو جاتی ہے اگر وہ اس کی قدر کرے تو بڑھتی جاتی ہے لیکن وہ قدر نہیں کرتا جسکو کھٹک کہتے ہیں ایمان کہتا ہے کہ تو نے اس آنکھ کو اس زبان کو، اس کان کو، اس دل کو غیر محل میں کیوں استعمال کیا؟ کھٹک ہو گئی تجلی آگئی اور وہ کھٹک تجلی ہو گئی لیکن اس تجلی کی اس نے قدر کی نہیں جو منجانب اللہ ایک مہمان تھی پھر اب کیوں آئے گی۔ گا ہے ایسا ہوتا ہے کہ اس نفسِ نورِ ایمان پر ترکِ کفر و شرک تجلی آتی ہے لیکن اگر وہ قدر نہ کرے تو وہ اٹھ جاتی ہے اور اگر قدر کرے تو نور بڑھتا چلا جائے گا ایسے حضرات ہر وقت تجلی میں ہیں کہ تقویٰ بھی ہو اور زبان پر ذاتِ باری تعالیٰ کا نام بھی ہو اور دل میں بھی بسا ہوا ہو تجلی کی حقیقت معلوم ہو گئی۔

سالک کو قناعت نہیں کرنا چاہیے :

اس سے معلوم ہوا کہ سالک کو قناعت کر کے بیٹھنا اچھی بات نہیں ہے جسمانی غذا میں تو قناعت کرتا نہیں اور غذائے روحانی میں قناعت کر کے بیٹھ گیا، ایسا شخص جو اس تجلی کے ساتھ ہے جب اس کے سامنے قورمہ خوش ذائقہ آیا تو شور بے میں بھی تجلی ہو گئی اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ بیچارہ خشک زاہد ہے تو اس کو شور بے میں پانی

ملانے کی سوجھتی ہے تاکہ نفس کی اصلاح ہو جائے۔

احقر جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت والا کے یہاں اپنا حال لذیذ اشیاء کے

استعمال کے بارے میں لکھا، حضرت والا نے لکیر کھینچ دی اور لکھا : التائب الشاکر

کا الصائم الصابر یعنی ذاکر بھی ہو اور شاکر بھی ہو۔

مؤمن کے ہر وقت تین حال ہونے چاہئیں :

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بندہ کی زبان ذاکر رہے اور دل شاکر رہے

اور جسم صابر رہے، کبھی اتفاق سے ہو جائے لیکن دائماً نہ ہو، اس میں محبت بھی آگئی،

عظمت بھی آگئی طاعت بھی آگئی۔

شکر صرف الحمد للہ کہنے کا نام نہیں ہے دل شاکر محبت حق بعظمت احکام

بتائب دوام یہ معنی ہیں شاکر کے اور جسم صابر اگر چہ ابتدا ہو اور آخر تک ہی رہے، کوئی

جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے، تحمل کر گیا دل کا سکون نہیں گیا جسم میں تکلیف ہے تو لیکن

ہے وہ صابر جسماً صابر ہے ایسا شخص مجاہد ہے۔ اور جب مجاہد ہے تو ذات باری تعالیٰ

کیوں نہ عطاء فرمائیں گے ہدایت۔ حالانکہ قرآن شریف میں ہے:

والذین جاهدوا فینا لنھدینھم سبیلنا۔

اور اللہ تعالیٰ محسنین مخلصین کے ساتھ رہتے ہیں تو بھلا اس ذات کی معیت

کیوں نہ ہوگی؟ اور جب معیت ہوگی تو تجلّی کیوں نہ ہوگی: لا تخف ان اللہ معنا۔

اگر کسی کو بیعت کی اجازت دیدی جاتی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ منہجائے

سلوک پر پہنچ گیا۔ وہ تو اس وجہ سے کہ ذرا طبیعت کا شرمیلا ہے حیاء دار ہے اس لئے

قتاعت کر کے نہیں رہے گا بلکہ برابر نورانیت و شاکریت اور ذکاراً شکاراً اس کی

طبیعت بن گئی یا ابھی ذاکر ہے ذکر ہو جائے گا ابھی شاکر ہے شکار ہو جائے گا، وہ تو نور علی نور محل تجلی ہوگا اور جب تجلی کامل ہو تو مخلوق کی معیت میں ہے یا خالق کی؟ اس لئے سالک کو قناعت و کفایت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اس کا کوئی وقت بھی ذکر سے لساناً و قلباً خالی نہیں ہوتا تو وہ جلا میں خود ہی متجلی اور محل تجلی اور ہر وقت ذات حق کی تجلی مست و مگن رہتا ہے۔

سالک میں صدق اور اخلاص ہر وقت ہونا چاہیے :

اخلاص کے معنی ہیں رضائے الہی کے سوا اور کوئی دوسری ہیت نہ ہو سب چیزوں سے خلاصی ہو سب چیزوں سے الگ ہو کر صرف رضائے الہی کی نیت ہو اور کوئی نیت دل میں نہ ہو۔ صدق کہتے ہیں کسی شئی کو درجہ کمال پر پہنچانا۔ صادقین سے صدق ہے اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اور صدق کے معنی ہیں کہ جس چیز کو حاصل کر رہا ہے اس کو درجہ کمال پر پہنچانا۔ لہذا سالک سلوک کو درجہ کمال پر پہنچا دے جس کی ابھی آپ کے سامنے کچھ تعبیر کی گئی ہے۔ اسی طرح نماز ایک اس کا اخلاص ہے اور ایک اس کا صدق ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب مخلصین و صادقین تھے :

بھلا صحابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھے گا کسی کو دکھلانے کے لئے یا خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا سلام پھیرنے کے بعد قُمْ، صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، کھڑے ہو جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی اسی طرح تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تیسری دفعہ کے بعد صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا

رسول اللہ ﷺ مجھے تو ایسی ہی پڑھنی آتی ہے آپ ﷺ بتلا دیجیے، حضور ﷺ نے دکھلانی، پیغمبر ﷺ اپنی زندگی کو پیش کر رہا ہے اسی لئے پیغمبر ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کا مؤمن کو مکلف بنا دیا گیا ہے۔

بعض صحابہ ؓ جو کچھ دور رہتے تھے، حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے آپ ﷺ فرماتے کہ ذرا نماز پڑھ کر دکھاؤ، نماز پڑھ کر دکھلا دی آپ ﷺ نے وہاں نہیں فرمایا کہ قم، تو کیا وہاں کمی تھی اخلاص نہیں تھا؟ بلکہ جو نماز کے آداب ہیں جو حسن و جمال کا درجہ رکھتے ہیں وہ نہیں تھے، پہلے اخلاص تو تھا صدق نہیں تھا اور بلا صدق کے کمال نہیں آتا۔

تجلی کو سلوک میں فناء کہتے ہیں :

لہذا سلوک میں بھی جب تک صدق یعنی درجہ کمال نہ آئے قناعت نہیں ہونی چاہیے۔ وہ تو مخلص بھی ہو صادق بھی ہو جب اخلاص پیدا ہو گیا تو اخلاص پر قناعت کیسی؟ ہاں جب اخلاص و صدق دونوں مل جائیں گے اب کہا جائے گا کہ اس شئی کی تکمیل کو پہنچ گئے۔ لیکن یہ سب کچھ توفیق الہی سے ہوتا ہے جو اخلاص و صدق کا نتیجہ فناء نفس ہے تجلی ہو گئی اسی تجلی اصطلاحی کو سلوک میں فناء سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اسی کو حضور ﷺ نے اپنے ذاکر ہونے یا اپنے شاکر ہونے کو بیان نہیں کیا بلکہ ذکر و شکر فرمایا۔ اور چونکہ انسان کو صاحب اختیار بنا کر بھیجا گیا ہے وہ صفات الوہیہ بطور تجلی و جلا کے ہو جائیں ایسے حضرات ہر وقت تجلی ذات حق کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان صفات کے ساتھ متجلی ہو کر توفیق ارزانی سے نوازیں۔

(آمین)



چالیسویں مجلس

مہندی بن کر ہادی بھی بننے کی ہدایت

مورخہ یکم محرم الحرام ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۴ جولائی بروز یکشنبہ بوقت صبح

مؤمن مسلمان مکلف صاحب اختیار کو خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے تو خیال کرے کہ اس کو کس درجہ پر مہندی ہو کر رہنا چاہیے یعنی ہدایت کے راستے پر کس قدر اہتمام و التزام کے ساتھ چلتے رہنا چاہیے۔ یعنی راہ بین ہو کر اس کو کس درجہ پر رہنا چاہیے۔ بالفاظ دیگر صراطِ مستقیم پر کس درجہ پر کس قدر ہمت اور عزم کے ساتھ لگا رہنا چاہیے۔ اور پھر یہ ہی نہیں بلکہ اس درجہ اہتمام اور التزام کے ساتھ رہتے ہوئے راہ بین ہو کر راہ نما بزبان عربی ہادی ہو کر رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ تم پہلے مہندی بنو اور بڑے پختہ، مضبوط بحال استقامت بنو اور بن کر بخیل نہ بنو بلکہ سخی بنو اور جب تم راہ بین ہو گئے ہو تو پھر دوسروں کے لئے راہ نما بنو۔

امت محمدیہ کو خیر امت کا لقب ملنے کی وجہ :

حق تعالیٰ نے مؤمنین سے بتقاضہ ایمانیہ مطالبہ کیا ہے اور اسی اعتبار سے

اے مسلمانو! امت محمدیہ کو خیر امت کا لقب دیا ہے تاکہ تم راہ بین ہو کر صحیح معنی میں رہنمائی کرتے رہو چنانچہ ارشاد ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیک کام بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔ جبکہ یہ لقب پہلے کسی بھی امت کو نہیں ملا اور امت محمدیہ کو جو یہ لقب ملا کہ جس کی وجہ سے یہ اوصاف بیان کئے اور اوصاف پر ہی خطاب کیا جاتا ہے۔ اگر ان اوصاف کو باقی رکھا جائے گا تو خطاب بھی باقی رہے گا اور اگر ان اوصاف پر نہ رہا جائے بلکہ ان اوصاف کو اپنے اندر سے نکال دیئے جائیں تو خطاب بھی سلب ہو جائے گا۔ وجودِ صفات پر خطاب ہوتا ہے اور بقائے صفات پر خطاب باقی رہتا ہے ورنہ سلب ہو جاتا ہے۔

قول و فعل حال بن جائے :

اور عنوان غیرتی سے حق تعالیٰ نے دوسری جگہ بھی فرمایا۔ قرآن شریف میں ہے: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کیوں ایسی باتیں کہتے ہو تم جو خود نہیں کرتے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک ایسا نہ ہو تو بھلی بات مت کہو بلکہ یوں فرمایا کہ جو بات تم کہتے ہو، وہ تمہارے اندر تو ہونی چاہیے۔ غیرت دلائی ہے نہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے روکا ہے۔ یعنی وہ قول جو تو دوسروں کو پہنچا رہا ہے جماؤ کے طریق سے تجھ میں ہونا چاہیے، تاکیدی طور پر فرمایا ہے کہ تمہارے اندر وہ قول بطریق فعل ہو اور وہ فعل بطریق حال ہو اور جب تک کہ اس فعل خیر کو نہ کر لیا جائے چین نہ آئے یہ ہیں حال کے معنی کہ اس قدر اس کا تقاضا ہو کہ کہیں قضا نہ ہو جائے۔

اپنے کو نیک بنانے کی فکر ہونی چاہیے :

اور پھر دوسری جگہ کچھ اور فرمایا ہے : **اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ**
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ کیا غضب ہے کہ کہتے ہو دوسرے
لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے، حالانکہ تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی
تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تم پڑھے لکھے ہو ذرا سوچو تو، خیال تو کرو دوسروں کو درس دیتے ہو پر کا اور
اپنی ذات کو پر لانے کے لئے بالکل التفات نہیں کرتے، توجہ ہی نہیں حالانکہ پڑھتے
پڑھاتے ہو۔ لیکن اپنے لئے ابراریت کے کاموں سے تغافل برتتے ہو تاہل اختیار
کرتے ہو کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے؟

پہلے تو اپنا حق ہے، اپنے کو ناحق بنا دیا اور دوسروں کو التفات الی الحق کراتے
ہو، گویا ٹیب ریکارڈ کی طرح بزبان حال غیرت دلا رہا ہے نہ معلوم ہمارا حال ٹیب
ریکارڈ تک کیسے پہنچ گیا۔ یہ آیتیں بتلا رہی ہیں خصوصاً اہل علم کو کہ اپنے کو جانچتے رہنا
اپنے کو پرکھتے رہنا اپنے کو اس کسوٹی پر دیکھتے رہنا اہل علم کو لازم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ
ارشادات فرما رہے ہیں سوئے ہوئے کو بیداری کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

وقت کی بڑی قیمت ہے :

وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ قسم کھا کر اشارہ کر دیا وقت کی قدر دانی
کی طرف کہ وقت کی بڑی قیمت ہے۔ چونکہ میں قسم کھا رہا ہوں اور قسم ایسی چیز کی کھائی
جاتی ہے جو کہ انتہائی درجہ کی منفعت کی چیز ہو اور ایسی چیز بڑی قابل قدر ہوتی ہے اس

کے ضائع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور جو چیز قابلِ قدر ہو اس کی اضاعت کو کوئی عقلمند بھی پسند نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ وقت کی بڑی قیمت ہے کوئی دوسری چیز لوٹ کر آ سکتی ہے۔ جوانی کے اوقات ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے استعمال سے جوانی کی لہر بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ متعدد ایسے واقعات ہیں کہ عمر تو ہے بڑھاپے کی اور لہر دے رہی ہے جوانی کی۔ بہر حال معلوم ہوا کہ وقت کے سوا کوئی دوسری چیز گئی ہوئی لوٹ آ سکتی ہے لیکن گیا ہو وقت پھر لوٹ نہیں سکتا، ماضی حال نہیں بن سکتا تو وقت کس درجہ کی چیز ہوئی۔

ایمان بمغیبات کی تفصیل :

اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے قسم کھا کر بتا کید و تحقیق بحرف ”ان“ اور ”لفی خسر“ میں لام تاکید یعنی یقیناً انسان البتہ خسران اور گھاٹے میں ہے جس نے وقت کی قدر نہ کی۔ اے اللہ یہ تو معلوم ہو جائے کہ وہ قدر کی چیز وقت میں کیا ہے جس کو بجالاتے رہیں تاکہ خسارہ سے بچیں۔ دنیاوی حیثیت سے بھی نفع والی بنے اور دوسرے عالم کی حیثیت سے بھی نفع والی رہے اس کو بتا دیجیے تو پھر ہم اس وقت کی قدر آپ ہی کی اعانت اور مدد سے آپ ہی کی توفیق سے کریں گے چونکہ آپ ہی اس کے بجالانے کے اسباب خیر مہیا فرمائیں گے۔

تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلی چیز تو صحیح ایمان اور صحیح عقائد ہے کہ جو چیزیں ایمان سے متعلق ہیں صحیح عقائد سے متعلق ہیں ان کو دین دیکھے ہوئے بلا دیکھے ہوئے کہ جس سے ایمان قلب میں جم جائے۔ جیسا کہ احقر نے عرض کیا تھا کہ ٹیپ ریکارڈ کہتا ہے کہ میرے اندر جو صدا آتی ہے میں اس کو جمع کر کے اندر بٹھا لیتا ہوں وہ چیز نکل

نہیں سکتی تو اس سے بھی کہیں زیادہ۔

تصحیح عقائد جس کو تعبیر کیا جاتا ہے چھوٹے سے لفظ ایمان کیساتھ اور وہ مغیبات میں سے ہیں۔ جو ان کو مان لے میرے ہاں اس کی خوب قدر ہوتی ہے کہ ابھی دیکھی بھی نہیں، بلا دیکھے مغیبات کی چیزوں پر ایمان ہے کہ میرا وجود بظاہر سامنے آیا نہیں مغیبات میں سے ہے، تیری عقل مستقیم و فہم سلیم کہ جس پر کوئی خارجی غبار نہ آیا ہو میرے وجود و جو بی کو بطریق وحدانیت تسلیم کرتا ہے مانتا ہے عقل رہبری کر رہی ہے۔ اور ملائکہ دیکھے نہیں اور مانتا ہے جنت دیکھی نہیں اور مانتا ہے دوزخ دیکھی نہیں اور مانتا ہے۔ وہ عالم عاقبت یعنی حشر سامنے ابھی آیا نہیں اور مانتا ہے۔ مرنا سامنے ہے لیکن مرنے کے بعد زندہ ہونا سامنے نہیں ہے اور مانتا ہے۔ حیات بعد الہمات کو مانتا ہے۔ اور مزید یہ کہ ان چیزوں کی تعلیم کا کوئی ذریعہ نہیں لیکن جب اپنی عقل مستقیم اور فہم سلیم سے غور کرتا ہے اور سوچنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے تو یہ چیزیں رہنمائی کرتی ہیں حالانکہ وہ بڑی استعجاب کی چیز ہے لیکن پھر مانتا ہے۔ اور جو اس طرح سے مانتا ہے اس کو مؤمن کہا جاتا ہے: ان الذین آمنوا ^{تصحیح} میں صحیح عقائد اور ایمان بمغیبات مراد ہے اور اس ^{تصحیح} صحیح عقائد کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہر چیز کے دو درجے ہیں :

ہر شئی کے دو درجے ہیں، ایک درجہ پہلا حصولِ نفسِ شئی کا ہے اس چیز کے حاصل ہونے کا ہے کہ میری قدرت نے انسان کو کیسا پیدا کیا ہے نیز عقل دے کر تمام مخلوق سے ممتاز کر دیا۔ لیکن عقل کہتی ہے کہ نفسِ شئی کا حصول اپنی جگہ پر ہے مگر وہ نفسِ شئی بتلاتی ہے کہ میرا کوئی درجہ تکمیل کا بھی ہے کمال کا بھی ہے۔ اور کوئی انسان عقلمند کسی

شئی کے درجہ نفسِ شئی کے حاصل ہونے پر قناعت اور کفایت ہرگز نہیں کر سکتا۔
 بلکہ اس کی عقل کہتی ہے کہ اس شئی کو درجہ کمال تک پہنچاؤ تکمیل پر لاؤ۔ تو یہ
 ایمان اس طرح پر جو کہ قلب میں جمایا ہے نکل نہیں سکتا، نکالا نہیں جاسکتا، یہی اس کا
 تقاضا ہے اور کمال تک اس طرح پہنچائیں کہ جس پر ایمان لائے ہیں یعنی وجود
 ، وجوب اور وحدانیت باری تعالیٰ اس کی تکمیل کے لئے کچھ اسباب ہوں گے کچھ
 سامان ہوں گے ان اسباب کی تلاش کرنی چاہیے۔ اس عقل نے بتلایا کہ اُس چیز کا نام
 احکام ہے۔

رسول کی صفت :

تو ان کا بھی کچھ نزول ہونا چاہیے، اور وہ نازل کئے ہوئے ہر ایک کے ساتھ
 تو ہوئے نہیں بلکہ جو بہت ہی مقرب اور دنیا بھر سے زیادہ دانا، دنیا بھر سے زیادہ فہم
 رکھنے والا ہو وہ ہوا کرتا ہے۔ اور جو ایسا ہو گا وہ اس ذاتِ وجوبی کا اخص الخواص ہو گا
 کہ وہ اپنی طرف سے کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتا، نہ الفاظ میں اور نہ ان الفاظ کے
 معانی میں۔ جیسا کہ ٹیپ کہہ رہا ہے یہاں بھی بزبانِ حال کہ میرے اندر جو الفاظ آگئے
 ہیں جب میں ان کو نکالوں گا میں اس کے اندر کوئی تبدیلی الفاظ نہیں کر سکتا۔
 ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ وہ شخصیت ہوگی جو کسی بھی قسم کی
 تبدیلی نہیں کر سکتی، اس ذاتِ اخص الخواص میں بطریقِ ٹیپ ریکارڈ وہ کلام اس کے
 اندر رکھ دیا ہے۔ تو جو رکھ دیا ہے اور جتنا رکھ دیا ہے اتنے ہی وہ الفاظ بولے گا اور جب
 چپ ہونے کے لئے کہا جائے گا تو چپ ہو جائے گا۔ ایسی ذات کا نام جو کہ اخص
 الخواص ہے، انسان بشر بھی ہے، ان صفات کے ساتھ موصوف و متصف بھی ہے، اسے

پیغام پہنچانے والا کہتے ہیں، دوسرے لفظوں میں اسے ہادی کہتے ہیں، اب یہ الگ بات ہے کہ یہ لفظ ہمارے علم میں لانے کے لئے کچھ اور ہوتا ہوگا اسے رسول کہتے ہیں۔ تو ہم اس وجودِ وجودی کے ماننے کے ساتھ پیغمبر کو جس کو رسول کہتے ہیں اس پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں۔

رسول کی نشانی معجزہ ہے :

اور عقل کہتی ہے کہ اس کے پاس نشانیاں ہوں گی کچھ علامتیں ہوں گی، جو کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اس کے بھیجنے پر اس کو دی ہوں گی وہ ان کو ظاہر کرے گا۔ چونکہ بلا دلیل کے تو کسی بات کا ماننا مشکل ہے، بلکہ اس کے لئے شہادت ہونی چاہیے اور ایسی شہادت ہونی چاہیے کہ اور کسی مخلوق میں نہ پائی جائے بلکہ اس سے تمام مخلوق عاجز آجائے اور ایسی ظاہری نشانی اور کوئی دکھلا نہیں سکتا اور عاجز کرنے والی چیز کا نام معجزہ ہے بشرطیکہ خارجی غبار نہ آیا ہو۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور جب یہ ہے تو اس رسول نے کہا کہ جس کو دلائل سے تم نے مان لیا اور پھر اس پر ایمان لائے، تو پھر اس ایمان میں کمال پیدا کرنا چاہیے۔

اعمالِ صالحہ سے کمال پیدا ہوتا ہے :

اور جب تم ایمان میں تکمیل پیدا کرنا چاہتے ہو کمال کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ رسول کہہ رہا ہے کہ اس کے اسباب اس کے ذرائع یہ ہیں۔ جب ہم تک یہ بات اس نفسِ ایمان کی تکمیل کی پہنچ گئی اور ہر ایک کی عقل یوں کہتی ہے کہ بھلا میں اس پر بس کیوں کروں میں اس کو درجہ کمال پر کیوں نہ پہنچاؤں اور جبکہ مجھے اس کے اسباب و ذرائع بھی معلوم ہو گئے۔ جب میری عقل مستقیم یوں کہتی ہے تو پھر میں انکو

کیوں نہ اختیار کروں۔ تاکہ اس شئی کا درجہ کمال حاصل ہو جائے ان کا نام ہے احکام۔ ان احکام پر چلتے رہو تو نفس ایمان میں کمال آتا چلا جائے گا اور وہ احکام جو کہ درجہ عمل اور درجہ فعل میں لائے جاتے ہیں ان کا نام ہے اعمالِ صالحہ۔

اجتماعِ ضدّین محال ہے :

اور جب اس لفظ اعمالِ صالحہ سے معلوم ہو گیا کہ جو اس کی ضد ہوگی اس کو استعمال نہ کرنا ہوگا چونکہ عملوا کے ساتھ صالحات کی قید ہے چونکہ وہ اعمالِ صالحہ کی ضد ہیں اور اجتماعِ ضدّین محال ہے لہذا اس دوسری ضد کا اس کے ساتھ استعمال کرنا کفر ہوگا۔ جیسے میٹھا شیریں کڑوے کے خلاف ہے، چونکہ اجتماعِ ضدّین ہے دن میں رات کیسی؟

ابی طرح تصحیح عقائد اور کمالِ ایمان کے حصول کے جو وسائل اور دلائل ہیں ان کے خلاف دوسرا سبب دوسرا ذریعہ جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ہونا چاہیے اور اگر استعمال کیا تو جو چیز کہ اعمالِ صالحہ ہیں وہ صالحہ نہیں رہیں گی یا تو ان میں ضعف اور کمزوری آجائے گی جس کی وجہ سے ایمان میں بے رونقی اور بے نوری ہوگی اور جو ایسا ایمان ہوگا تو اس کو درجہ کمال تک کون کہے گا۔ اور اگر کوئی چیز عملِ صالح کے ساتھ بالکل ہی خلاف استعمال کی ہو تو اسمیں صلاحیت کا کوئی درجہ بھی نہ رہے گا درجہ کمال تو کیا نفسِ شئی بھی باقی نہ رہے گی۔

نتیجہ تابعِ ارذل ہوا کرتا ہے :

چونکہ عقلِ مستقیم اور فہمِ سلیم کہتی ہے کہ نتیجہ تابعِ ارذل ہوا کرتا ہے اور ارذل کہتے ہیں نکتی چیز کو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ جب میں کسی کو

پیدا کرتا ہوں تو درجہ بدرجہ ہوتا ہوتا اس کو ارذلِ عمر تک پہنچا دیتا ہوں کہ وہ عمر بیچارے کی نکمی ہو جاتی ہے اور اس بات کی وجہ سے کہ آخر میں کیا حال ہے نتیجہ تابع ارذل ہوگا اور اسی طرح جب ان صالحات کے ساتھ طالحات کو ملا دیا تو نتیجہ تابع ارذل تو پھر وہ صالحات کہاں رہے اور صالحات کو اعمال کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے تو وہ اعمال صالحہ صالحہ کہاں رہے۔ چونکہ نتیجہ تابع ارذل ہوا کرتا ہے معلوم ہوا کہ درجہ کمالِ شئی اسی وقت ہوگا جبکہ اس میں کوئی اور دوسری چیز شامل نہ ہو جیسے موجبہ کلیہ ایک مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ سالہ کلیہ ہے نتیجہ جو آئے گا وہ سالہ کلیہ آئے گا موجبہ کلیہ نہیں ہوگا چونکہ ایجابِ اعلیٰ ہے اور سلبِ ارذل ہے اس وجہ سے موجبہ کلیہ، سالہ کلیہ کا نتیجہ سالہ کلیہ آئے گا۔

ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ ملانے کی حکمت :

چونکہ اس عالم سے اُس عالم میں جاتے ہی اس کو خیر کی جگہ حیاتِ دائمی، نعمتِ دائمی عطاء فرمادے کہ نفسِ ایمان کے ساتھ ہے اور یہ کافی ہے۔ بلکہ و عملوا الصالحات سے معلوم ہوا کہ نفسِ ایمان کافی نہیں کہ آتے ہی حکم دے دیا کہ جاؤ راحت کی جگہ فرحت کی جگہ عجیب عجیب نعمتوں کی جگہ یہ کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ دوسری چیز ہونی چاہیے جو کہ ایمان کو نکھارنے کے لئے ہو اور جب مومن اعمالِ صالحہ کے ساتھ جمع ہو گیا تو بے کھٹکے اور بے فکر فرما دیا جائے گا کہ جاؤ راحت کی جگہ میری ملاقات کی جگہ وغیرہ وغیرہ۔

مؤمن جہنم میں نکھار کے لئے بھیجا جائے گا :

ورنہ نفسِ ایمان میں جو کمی آئی ہے اس کو نکالا جائے گا جیسے ٹیپ اگر اس میں

کچھ نقص آگیا تو اس کو نکالا جائے گا تا کہ کمال الفاظ، کمال صوت اس میں جمع ہوں۔ تو اس کی کو جو کہ نکالنے کے قابل ہے اس کی کو جو ایمان میں آگئی ہے اور وہ کمی نکالے جانے کے قابل ہے تو اس کو سنار کی طرح سے کہ سونے میں جب کھوٹ آجائے تو اس کو آگ میں تپایا جائے گا اور اس کھوٹ ہی کو نکالنے کے بعد اس سونے سے جس قسم کی ہیئت شکل بنانی ہے بنائے گا۔

ٹھیک اسی طرح جو کمی اس نفس ایمان میں جو کہ وہ مدارِ دخولِ جنت اور خلودِ جنت ہے اور اس میں جو کمی کھوٹ نکالے جانے کے قابل ہے اور اس میں کمی نکالنے کے لئے ایک آگ ہے جس کا نام نار اور دوزخ ہے، ہمارے الفاظ میں اس کا نام جہنم ہے۔ جو آگ کی جگہ ہے اس میں اس میں کمی نکالنے کے لئے ڈالا جائے گا۔ لیکن چونکہ وہ میل اور کھوٹ نکالے جانے کے قابل ہے ایسا نہیں کہ جو نکالے جانے کے قابل نہ ہو تو اس کے لئے تپش اور حرارت کمی کے اعتبار سے پہنچائی جائے گی اور جو کھوٹ ایسا ہو کہ نکالے جانے کے قابل نہ ہو اس کی ناریت کا طبقہ اور ہے چونکہ وہاں نفس ایمان جو ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہے بلکہ اس میں تو پورا کا پورا کھوٹ ہے، تپانے کے بعد بھی وہ اصل چیز نہیں آسکتی تو اس کے لئے دخول کے ساتھ خلود ہے۔ اور جس میں کہ نفس ایمان میں کمی آئی ہے اس کے لئے ناریت کا طبقہ اور ہے کہ اس کے لئے ناریت دخول کے اعتبار سے ہے خلود کے اعتبار سے نہیں۔ لہذا دخول کے بعد جب کمی نکل گئی تو اس نفس ایمان میں کمال کا درجہ آگیا اب وہی ایمان دخولِ جنت مع خلود کا سبب ہو گیا۔ اور جنہوں نے اس کھوٹ کو نکال لیا بشمول اعمالِ صالحہ ایمان کے ساتھ وہ تو ہر حال میں خسارے سے بچے ہوئے ہیں۔

بد عمل بظاہر با سکون در حقیقت بے سکون :

اور اگر دوسرا بالمقابل اس کے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے رُکا ہوا ہے بچا ہوا ہے اگرچہ دنیوی نقطہ نظر کے اعتبار سے کیسی بھی ظاہری دولت اور سلطنت اور حکومت ہو لیکن درحقیقت وہ خسارے سے خالی نہیں ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ آپ کے پاس سلطنت و حکومت ہے تو یہ دولت ہے، وہ کہے گا یہ سامان و اسباب تو واقعی ایسے ہی ہیں جو اطمینان اور سکون کے معلوم ہوتے ہیں لیکن صبح سے شام تک نہ معلوم کتنی فکر مندی ہوتی ہے کتنا رنج پہنچتا ہے۔

مؤمن صالح حقیقی سکون میں ہے :

اور مؤمن کامل بکمال بشمول اعمال صالحہ نتیجہٴ ارذل میں زندگی گزارنے والا جس کے پاس دنیوی نقطہ نظر سے کوئی اچھی چیز نہیں اس سے پوچھے گا کہ آپ تو بڑی ڈکھن میں ہوں گے بڑے بڑے صدے آپ کو پہنچے ہوں گے وہ کہے گا : الحمد للہ ثم الحمد للہ میرے دل پر جو آپ فرما رہے ہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ میرے پاس ایسی چیز ہے جو مانع ہے ان باتوں کے لانے سے اور اگر کبھی وہ چیز آ بھی گئی تو میرے اندر ایسی قوی چیز موجود ہے جو اس کو دفع کر دیتی ہے۔ میرے اندر قوت مانعہ بھی ہے اور قوت دافعہ بھی ہے مجھے آپ پر ناز نہیں بلکہ اس پر نازاں ہو کر کہہ رہا ہوں۔

ہادی بننے کے طریقے اور شرائط :

دو لفظ ہیں ایک وَتَوَاصُوا بِالْحَقِّ اور دوسرے وَتَوَاصُوا بِالصَّبْرِ اور یہ بالمقابل ہے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے۔ اور جب قبولِ ایمان ہو گیا تو آگے و تَوَاصُوا

بالحق ہے اور جب تو اسی حق کو قبول کر لیا۔ پھر تو اس میں تحمل ہر ہر موقع پر کرنے کی ضرورت نہیں بس ایک دفعہ ہے معلوم ہوا کہ وتواصوا بالحق مقابل ہے امنوا کے کہ اگر کوئی شخص مؤمن نہیں ہے۔ اس کو ایمان لانے کی دعوت دو جبکہ دیکھ لو کہ مدعو میں غلبہ قبولیت کا خیال ہو یہ احقر نے شرطیں بیان کر دیں بدرجہ اطلاق نہیں۔

اور ایسے شخص کے درپے ہونا جس میں حق کو قبول کرنے کی استعداد معلوم نہ ہو مثلاً دیکھ لیا یا کہہ کر دیکھ لیا، یا اندازہ سے اس کی حالت باطن کا علم ہو گیا، ایسے کو خطاب کی ضرورت نہیں اور درپے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا: **أَمَّا مَنْ اسْتَعْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ** جو شخص بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں؟ منع فرمایا اس لئے اس قید کے ساتھ تو اسی بالحق ہوگا، دعوت وہاں دو جہاں محل ہو چونکہ خلاف محل دعوت دینے سے وہ عمل صالح نہ ہوگا بلکہ عمل طالح ہوگا۔

صبر بڑے درجہ کی چیز ہے :

دوسری چیز **وَتَوَاصُوا بِالصَّبْرِ** ہے جو کہ بالمقابل ہے اعمال صالحہ کے یعنی جو مؤمن ہیں ان کو جزئیات ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ چونکہ ہر ہر جزئی کو عمل میں لانے میں تحمل کرنا ہوگا طبیعت اولیٰ کو طبیعت ثانیہ کی طرف لانے کے لئے چونکہ اعمال صالحہ کی دعوت ہے اور ہر عمل کو صالح کے ساتھ استعمال کرنا بڑے صبر کی بات ہے بڑے حوصلہ کی بات ہے، بڑے دل گردہ اور عالی ظرف کی بات ہے معمولی بات نہیں ہے باہر سے قالب کو اندر سے قلب کو ادھر جھکانے کی ضرورت ہے اس لئے اس کو تعبیر کیا صبر کے ساتھ۔ اس میں بھی اجبار نہیں ہے، اپنے آپ کو جبر میں ڈالنے کی ضرورت

نہیں ہے وہ تو مؤمن ہے اس مؤمن کے ایمان کا تقاضا خود یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کرتا اور اس کی ضد نہ کرتا۔

لیکن اس کے باوجود اس کو فہمائش کی جا رہی ہے اس کو اس کے ساتھ خیر خواہی برتی جا رہی ہے اور پھر بھی کان نہیں لگتا اس کو کیا نفع ہوگا اور جب نفع ہی نہیں تو اس کی ضد غیر نفع، تو غیر نفع کی جگہ پر تم کیوں گئے۔

دین میں اکراہ نہیں :

اس کی دلیل اِنِّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ اور لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ جب ایمان کے تقاضے واضح ہو گئے انکی اشاعت ہو گئی تو اب اکراہ کی بات کیسی؟ ابتدائے اسلام میں حضور ﷺ راتوں کو اندھیروں میں اٹھ کر جو دوسرے باہر کے لوگ آتے خاص کر حج کے موقعہ پر مدینہ طیبہ والے آتے ان کو دعوت تو حید فرماتے۔ لیکن جب قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ ہو گیا، کیا تب بھی آپ ﷺ محلوں اور گلیوں میں جا جا کر دعوت دیتے تھے؟ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مؤمن ہو گئے تھے اور باہمی آپس میں شرکتِ دینی کاروبار فرماتے تو وہ بھی یوں کرتے کہ ایک ہفتہ کو تم چلے جاؤ حضور ﷺ کی مجلس میں باتیں سنو اور آ کر ہمیں سنا دینا اور پھر میں جاؤں گا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھی کو بھیجتے وہ رہ کر بعد میں آتے۔

امر منکر سے روکنے کا پہلا درجہ :

حضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ معلوم ہوا کہ تم میں کوئی شخص کوئی منکر بات دیکھے تو ہاتھ سے روک دے جبکہ ہاتھ سے روکنے کا

محل ہو۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہاری پٹائی ہو جائے بجائے خیر کے شر ہو جائے کہیں اُلٹے سیدھے الفاظ نہ کہنے لگے۔

دوسرا درجہ :

اور دوسرا درجہ اگلے لفظ میں بیان فرما دیا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ یعنی جس کے ہاتھ میں طاقت نہ ہو تو وہ زبان سے کہہ کر دیکھ لے اور جب زبان سے بھی کہہ کر دیکھ لیا ہو اور بات مانی جائے تو سمجھ لو کہ وہ تو بڑا ہی سر پھرا ہے یہ خیر خواہی کا محل نہیں ہے بلکہ ایسی جگہ سے اپنی جان چھڑاؤ، زبان سے بھی مت کہو۔ ورنہ یہ درجے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

تیسرا درجہ :

اور اگر نہ ہاتھ سے روک سکتے ہو اور نہ زبان سے روکنے کا محل ہو تو دل پر کسی کا قابو نہیں اور دل کی بات کسی کو معلوم نہیں۔ تو اس امر منکر کی دل میں کراہیت ہونی چاہیے بلکہ امر منکر کو دیکھتے ہوئے دل میں آنی چاہیے۔ پسینہ کیوں نہیں آتا، پیشانی پر بل کیوں نہیں آتا اور اگر نہیں آتا تو اس کے معنی یہ ہونے کہ تم اس منکر کے منکر ہونے کو خیال نہیں کر رہے ہو بلکہ معروف خیال کر رہے ہو کہ دل میں بھی گرانی نہیں تو اس حالت میں تم بھی اس میں شریک ہو اگرچہ محل میں شریک نہیں ہو، معلوم ہوا کہ منکر کو دیکھتے ہوئے اس منکر سے گرانی نفرت کراہیت آنی چاہیے۔

فعل منکر کی تحقیر ہو فاعل منکر کی تحقیر نہ ہو :

اور یہ کراہیت فعل منکر سے آنی چاہیے یعنی فعل پر تکرار اظہار رنجیدگی اور

برائی ہو فاعل منکر کی تذلیل و تحقیر دل میں نہ ہو۔

موتو قبل ان تموتوا کی تشریح :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے مُوتُوا قَبْلَ ان تَمُوتُوا یعنی موتِ طبعی سے پہلے اپنے آپ کو موت کا درجہ دے دو۔ جیسے میت کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کیسی بھی طبیعت کے خلاف کیسی بھی بات ہو مگر مُردہ کو غصہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تیزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، انتقام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو خاموشی سے چپ لیٹا ہے۔

اسی کو فرماتے ہیں کہ تمہارے نفس کی حالت میں بھی مُردہ کی سی حالت ہونی چاہیے جیسا کہ مُردہ ہوتا ہے اور یہ مُردہ کی سی کیفیت اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ کسی امر منکر کو دیکھ کر بھی قلب میں گرائی نہ پیدا ہو۔

مبلغ میں غایت درجہ حلم و شفقت ہونی چاہیے :

اسی لئے مبلغ کے لئے جہاں اور شرطیں ہیں جنکو محققین نے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ اس میں انتہائی درجہ کا حلم ہونا چاہیے۔ اس میں ترحم و ملامت ہونی چاہیے یعنی نرمی اور شفقت ہونی چاہیے۔ دوسروں کی طرف سے خلاف طبیعت بات پیش آجائے تو اس کو برداشت کرنا چاہیے اور یہ کب ہوگا جبکہ اس کا نفس مُردہ ہو گیا ہو حیوانی صفات اور اخلاقِ رذیلہ و ذمیرہ اس کے مر گئے ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو وصیت نہ کرو۔

حاصل یہ کہ وقت کی بڑی قدر ہے اور یہ ٹیپ ریکارڈ کہہ رہا ہے اے مسلمانو،

اے مومنو! مجھ سے سبق لے لو، اس لئے کہ میرے اندر جو چیز آجاتی ہے وہ جم جاتی ہے اور جمی ہوئی رہتی ہے اور جب میں اس کو نکالتا ہوں اور عمل میں لاتا ہوں تو اسی طریقہ سے عمل میں آتا ہے۔ لہذا ایمان جو کہ اندر بیٹھ گیا ہے اس کے تقاضے پر عمل ہونا چاہیے اور اس ایمان ہی کے تقاضے کے ساتھ افعال صادر ہونے چاہئیں، وہ چاہے قوی ہوں چاہے عملی اعضائی ہوں اعصابی ہوں اور چاہے متعلق بالقلب ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی برابر توفیق ارزانی سے نوازیں۔

﴿آمین﴾





اکتالیسویں مجلس

وساوس غیر اختیار یہ و رویا کی تفصیل

مورخہ ۵ جماد الاخریٰ ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۴ جنوری ۱۹۸۹ء بروز منگل و شنبہ

وساوس غیر اختیار یہ کی تشریح اور ان کا علاج :

اگر ایک شخص مزید ہے اور دماغ قصداً طور پر کسی چیز کی طرف چلتا ہے جس کا نتیجہ پریشانی ہے اور مل کچھ نہیں رہا ہے، اب اس وقت بڑی مضبوطی کی ضرورت ہے، اعصاب کے ضعف والے کو ایک اگر بڑا نہیں تو معمولی سی طبیعت میں ایک چنگاری و شعلہ پیدا ہو جاتا ہے (یعنی ایک سوزش، جلن اور پریشانی ہو جاتی ہے) اس وقت اس کو دباننا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اور اس میں بڑی مضبوطی کے ساتھ خلاف کرنے کی ضرورت ہے، اس کے مطابق عمل بالکل نہ کرے، پھر انشاء اللہ طبیعت پچھلے ضعف کی طرف بدل جائے گی اس کی یہ اصلاح ہے۔ اب اس زمانہ میں یہ باتیں جلدی متاثر ہونے کی پیش آتی ہیں اسلئے شروع میں زور پڑے گی۔ ہاں جس کے قوی مضبوط ہیں، اعضاء مضبوط ہیں، معدہ اور آنتیں مضبوط ہیں وہ اس تاثر کا کچھ اثر لے گا نہیں کیونکہ اندر

ایک قوت ہے وہ آنے کو منع کر رہی ہے اور اگر آگئے ہیں تو اس کو دفع کر رہی ہے، اور اگر ضعیف اعصاب و ضعیف معدہ، ضعیف امعاء ہیں تو جلد متاثر ہو جاتی ہیں اور یہ اثر زود تر ہے اور دفع کرنے میں زور دینی پڑتی ہے۔ لیکن اس زور کو برداشت کیا جائے جہاں دو چار دفعہ اس طرح ہوگا پھر طبیعت سنبھل جائے گی اور زور بند ہو جائے گی۔ ایک اچھا خاصا ہیجان ہو جاتا ہے اس وقت طبیعت میں، اب اس ہیجان کو دبانے میں ضعیف دماغ والے ضعیف اعضاء والے پر زور بن جاتا ہے، لیکن زور اس کے خلاف کرو موافقت نہیں مخالفت کرو اسی سے انشاء اللہ اعتدال اور سمجھ پیدا ہو جائے گی خلجان کی بات سے بچنا چاہیے اور خلجان کی بات جب پیش آجائے تو جلدی سے اس کو ہٹا دینا چاہیے۔

دُنیا میں عورتوں کی کثرت کی حکمت :

مجموعی مردم شماری کی جائے ہفت اقلیم یعنی پوری دُنیا کی تو تعداد عورتوں کی زیادہ نکلے گی۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کے ساتھ مرد رکھ دیئے ہیں تو چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت دی ہے، جب چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت دی ہے تو وہ کہاں سے آئیں گی، اس سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔

یہ استنباط ہے بالفرض سو مرد ہیں چار سو عورتیں، تب ہر ایک کو چار چار ملیں گیں، لیکن اس میں ایک قید لگا دی۔

وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة۔۔۔ الآية۔

اگر تم انصاف نہ کر سکتے تو پھر ایک ہی ہے دو بھی نہیں، چار تو بڑی دور کی بات

ہے۔ اب عدل و انصاف سے رہنا بہت مشکل ہے۔

حضور ﷺ پر مکلف نہیں تھے :

رسول پاک ﷺ پر عدل ازواجِ مطہرات ضروری نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ عدل فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے فرائض کے ساتھ واجباتِ شرعیہ کے ساتھ کچھ مستحبات و مستحبات رکھے ہیں ان میں اختیار دے دیا، اس لئے کہ دخولِ جنت کا وہ موقوف علیہ نہیں ہیں، بلکہ درجات کے لئے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ولکل درجات مما عملوا جیسے دنیاوی ترقی کے درجہ کے خواہاں ہوتے ہیں ایسے ہی آخرت کی ترقی کے درجہ کے خواہاں ہونا چاہیے۔ کوئی شخص فرضِ منصبی میں بہت ہی بااوقات ہے، بڑے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے بڑے عدل و انصاف کے ساتھ، افسرِ کاچی خوش ہو گیا تو ترقی ہو رہی ہے کہ ابھی تحصیلدار تھا، اب ڈپٹی ہو گیا درجہ بڑھ گیا منصبی حیثیت سے عہدے و منصب بڑھتے رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں رہنا چاہیے اگر نہیں ہو سکتے تو ولکل درجات مما عملوا کیوں کہا؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے موافق درجے ہیں، تو جنت کا دخول وہ تو ایمان پر ہے جو کہ ضروری ہے اور درجہ تقویٰ پر ہے جو آیتِ قرآن پاک میں ہے۔

مؤمنین کا ملین کی صفات :

كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔ (پ ۲۶ سورۃ الزاریات)

فرما رہے ہیں : میرے بندے مؤمن ایسے بھی ہیں جو رات کو بہت کم سوتے ہیں، وبالاسحار یستغفرون اور جب صبح ہونے کو ہوتی ہے تو پھر بہت استغفار کرتے ہیں، زیادہ حصہ تو جاگ کر عبادت میں لگایا اپنے پہلو کو آرام گاہ سے الگ کر دیا

یہ سورۃ الم سجدہ میں ہے، ارشادِ ربانی ہے :

تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا وطمعاً۔

(سورۃ سجدہ، پ ۱۶، ۲۱)

اور پھر جب صبح ہونے کو ہوتی ہے تو پھر استغفار کرتے ہیں۔

شیخ امراضِ باطنہ کا حکیم ہوتا ہے :

انطباق ہر ایک کا کام نہیں، جو شخص جس کام میں لگا ہوتا ہے اس کو تجربہ ہوتا ہے جو فقہ کی حیثیت سے مشائخ ہیں ان کو فقہی جزئیات کا تجربہ ہوتا ہے۔ جن صاحب کا کو پتہ چلتا ہو کہ مختلف قسم کے مریض ان کے یہاں آتے ہیں اور اکثر شفا یاب ہوتے ہیں اس کو امراضِ جسمانی اور ان کے معالجات میں تجربہ اور مہارت ہو جاتی ہے۔

ایسے ہی شیخ امراضِ باطنہ کا ہے کہ اس کے پاس ہر قسم کے امراض کو لئے ہوئے آتے ہیں اور اکثر شفا یاب ہوتے رہتے ہیں، مثلاً شیخ کی طرف رجوع کرنے سے پہلے دُنیا میں کیسا شغف تھا، حرص و طمع کی کیسی حالت تھی، ترقی دُنیا کی طرف اس کی طبیعت کس قدر چل رہی تھی، غضبِ نا کی طبیعت میں کس درجہ کی تھی لایعنی جاہ، معاصی کی طرف کس طرح من حیث الافعال چلتا رہتا تھا، خانگی زندگی، تشدد کی قساوت کیسی تھی، باہر لوگوں کے ساتھ تنازع کی شکل کیسی تھی، حسد کے مارے کیسا حال ہو کہ یہ دُنوی ترقی اس کو کیسی ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب جب طلبِ صحیح صدق کو لے کر کھڑا ہوا، اب اُن چیزوں میں جو اس کے

اندر تھیں دور ہو رہی ہیں، اور بے رغبتی دُنیا کی طرف سے دل میں آتی جا رہی ہے، اور

یہی مقصود ہے۔

زہد کی حقیقت :

کہ دُنیا کی طرف سے زہد و بے رغبتی شوق کے ساتھ آتی ہے، اگرچہ بادشاہ ہے مگر دل میں دُنیا کی طرف سے زہد یعنی بے رغبتی بدشوقی آتی رہے، یہ ہے مقصد، یہ نہیں کہ دُنیا کی کوئی چیز نہ رکھے یا کوئی چیز نہ رہے، یہ کوئی کمال نہیں، کمال یہ ہے کہ رکھتا ہے مگر دل میں رکھے ہوئے نہیں یہ معنی ہیں زہد کے اصل طریق سنت و زہد کا یہی ہے، تو ایک ہے تارک الدنیا اور ایک ہے متروک الدنیا۔

اصل تارک الدنیا ہے متروک الدنیا نہیں :

اصل تارک الدنیا ہونا ہے متروک الدنیا ہونا نہیں ہے، یعنی دُنیا کے سامان جو دُنیا کہلائے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ دُنیا نہیں ہے بلکہ دُنیا کے سامان ہیں لیکن دل ان کی طرف سے تارک ہے اور متروک الدنیا وہ ہے کہ اس کے پاس ہے ہی نہیں، جب اس کے پاس ہے ہی نہیں تو اس کا ترک کرنا کس چیز کا وہ تو ہے ہی نہیں بخلاف تارک الدنیا کے کہ اسباب دُنیا بسہولت مہیا ہیں لیکن دل میں اس کی کوئی وقعت نہیں اسباب عادیہ ہیں اس شے کے استعمال کرنے کے استعمال کرتا ہے، کیونکہ استعمال کرنے کا حکم ہے مگر نظر اور اعتمادِ قلب مسبب پر ہے، اور یہی طریق سنت ہے کہ اگر مالی نقصان خدا نخواستہ ہو گیا ہو غم لے کر نہیں بیٹھ گیا، اس کی سوچ میں نہیں پڑ گیا، دماغ کو ادھر ادھر نہیں چلا رہا، سوچ سوچ کر طبیعت غم کی طرف نہیں لارہا بلکہ لا پرواہ ہے ایسا نہیں ہوا کہ اپنی طرف سے اُمید رہنے کی تھی اور صورت نا اُمیدی کی آگئی، اسی سے دلالت نکلا کہ اس پر ناز نہیں کرتے، اسی طرح شب بیداری پر ناز نہیں کرتے بلکہ اپنی کوتاہی پر تصور و خیال آتا ہے، لہذا استغفار کرتے ہیں۔

عبادت کے بعد استغفار ہے تو معصیت کے

بعد بدرجہ اولیٰ استغفار ضروری ہے :

یہاں سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عبادت کے بعد بھی استغفار مہونا چاہیے، جب یہ ہے تو پھر اللہم احفظنا، معصیت کے بعد استغفار نہ ہونے کے کیا معنی گناہ ہو جانے کے بعد توبہ ندامت نہ ہونے کے کیا معنی۔ عبادت کے بعد کس درجہ کی عبدیت ہے کہ اس طرح عبدیتِ کاملہ اپنے عمل پر نظر نہیں، توفیق پر شکر ہے، کوتاہی پر نظر پھر استغفار، اپنی عبادت اور اچھائی پر نظر کر کے، تکبر کی بات نہیں بلکہ اظہارِ انکسار ہے۔ حضرت والا کو کسی صاحب نے لکھا اپنی عبادت کے سلسلے میں کہ مجھ سے عبادتِ کامل نہیں ہوتی، حضرت والا نے لکھا کہ جس دن اپنی عبادت پر کامل ہونے کا تخیل ہو وہ دن ماتم کا ہے۔

ماتم کا دن :

جس دن اپنی عبادت پر کامل ہونے کا تخیل ہو وہ دن ماتم کا ہے، یعنی وہ دن رونے کا ہے۔ کہاں اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت اور کہاں اپنی عبادت کہ اس کی شان کے مطابق ہونے کا خیال کر لیا اس سے معلوم ہوا کہ بس کام کرتا رہے کمال سے نظر انداز رہے۔ سالک کو نشاط چاہیے۔

سالک کو نشاط و چستی کی ضرورت ہے :

سالک دین کے احکام کی عظمت دل میں لئے ہوئے حتی الامکان پورے اہتمام کے ساتھ بجالاتا رہتا ہے، تو اس کو نشاط کی ضرورت ہے، سُستی نہ آئے یعنی ہر

وقت طبیعت کھلی ہوئی رہے اس کی ضرورت ہے، دلچسپی، میں فرق آئے ان چیزوں سے رُکا ہوا رہے اور جلد از جلد دفع کر دے۔

عوام کو وساوس نہیں آتے بلکہ سالک کو آتے ہیں :

اسی لئے وساوس ایسوں کو زیادہ آتے ہیں، مشکل یہ ہوگئی، عوام کو نہیں آتے، عوام کو تو دو چار روپیہ کہاں، کہاں سستا ملتا ہے، سستے کی جگہ سے لاؤں اور مہنگے کی جگہ بیچوں تو اس کے ذہن کے بارے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ تو ادھر لگ گیا، یہ دین پر اہمیت لئے ہوئے اہتمام کے ساتھ لگے ہوئے آتا ہے، ایمان کا ڈاکو اسی کے پاس آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج بتلا دیا کہ بالکل لا پرواہ، بالکل بے خیال، بالکل بے التفات جیسے خیال نہ تھا، حتی الامکان اس طرح رہو کہ انما النجوی من الشیطان لیخذن الذین آمنوا۔ شیطان کی جانب سے مؤمن کو رنج پہنچاتے رہنے کے لئے ایسے ایسے خیالات آتے رہتے ہیں۔

تو اے مسلمانو! ایسے خیالات کا خیال مت کرنا، اب شیخ وہیں سے لکھتا ہے، کیونکہ شیخ کی ان پر نظر ہے، مدرس کی نہیں ہے۔ اُمید کے موافق ہونا یہ تمہاری طبیعت کے موافق ہے، اور اُمید کے موافق نہ ہونا یہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طبیعت کے موافق ہے، تو تم اللہ تعالیٰ کی چاہت کو ترجیح دیتے ہو وہ تمہاری موافقت کی بات تھی اور یہ ذاتِ حق کی موافقت کی بات ہے اور ہونا چاہیے تمہاری طرف سے ذاتِ حق کی موافقت، جب یہ چیز جم گئی، تو مال وغیرہ جو انسان کی ضروریات میں سے ہوا کرتا ہے، ضائع ہونے پر غمزدگی کہاں ہوگی، ہاں ایسا خیال آئے گا لیکن رکھے گا نہیں، اب سوچ کو لائے گا نہیں، بڑھائے گا نہیں بلکہ یہ سوچ کر اس کو بڑھائے گا نہیں بلکہ مٹائے گا۔

صبر بھی نماز کی طرح عبادت ہے :

کیونکہ صبر کا ہونا بھی عبادتِ باطنی ہے، اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے اس غم کی صورت پیش آنے پر بقضائے بشری اس نے صبر سے کام لیا اور صبر حق تعالیٰ کی موافقت ہے اور بے صبری ناموافقت ہے تو صبر عبادت ہے اس لئے سوچ سوچ کر رنج کو لانا بڑھانا یہ خلافِ صبر ہے، حق تعالیٰ کی مراد کے موافق کہاں ہے؟ تو اپنی ہی مراد کے موافق ہوتا رہنا چاہنا یہ خلافِ عبدیت ہے تو اعمالِ صالحہ ہوتے رہے اور اُمید وار بنا رہے یہ ہے خیر العمل والباقیات والصالحات خیر عند ربك ثوابا و خیر مردا، یہ باقیاتِ صالحات آپ کے رب کے نزدیک خیر ہے اور اُمیدواری بہ خیر ہے، خیر عمل خیر اُمید تو اس پر اُمیدواری ہونی چاہیے، اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، موعود ہے لیکن دُنیاوی نقطہ نظر خیر ہی خیر ہو اور شر نہ ہو یہ مودود نہیں کیونکہ اس کے خلاف پیش آنے پر دوسری چیز جو عبادت کی ہے صبر وغیرہ وہ کس طرح ہو گا وہ بھی رکھا۔

غیر اختیاری خیالات و وساوس رنج دینے والے ہیں :

غیر اختیاری خیالات اور غیر اختیاری وساوس رنج دہ ہیں، لیکن اپنا دماغ اس کی سوچ کی طرف لگانا یہ خلافِ عبدیت اور خلافِ عبادت ہے اپنے ارادہ سے دماغ کا چلانا تو ذاتِ باری کی طرف رضا کے لئے ہونا چاہیے، اور تم نے غیر رضا کی طرف دماغ چلایا، سوچ میں ڈال دیا، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ غیر اختیاری خیالات نہ آئیں، قرین لگا ہوا ہے ساتھی لگا ہوا ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا کم و بیش سب ہی کو آئیں گے، لیکن عبدیت کی شان یہ ہے کہ ان کی طرف التفات نہ کی جائے توجہ قصدی، فکری نہ لگائی جائے۔

برے خیالات اور برے خوابوں سے

دُنیوی و اُخروی نقصان نہیں ہوتا :

تو ہمارے ان غیر اختیاری وساوس و خیالات کا آنا اسی میں سے خوابوں کا آتا رہنا وہ بھی داخل ہے، غیر اختیاری تمہارے لئے کوئی مضر نہیں، کوئی پریشان کن نہیں، حق تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں، تعلیم فرما رہے ہیں کہ مضر نہیں، نہ مضر دُنیوی نہ مضر اُخروی، یعنی ضرر دینے والی چیز دُنیوی جانی، مالی آبروی ان تین میں سے کوئی ہوتی ہے، اور خوابوں سے نہ جانی نقصان ہو نہ آبروی نقصان ہو، تو آنکھ کھلنے پر رنج کیوں ہے، لہذا بے فکر رہنا چاہیے بلکہ جس کروٹ سے تمہاری آنکھ کھلی ہے اس طرف تین دفعہ تھوک کر لا حول پڑھ دو اور دوسری کروٹ لے کر تین دفعہ تھوک کر تین دفعہ لا حول پڑھ دو، یہ شیطانی خیالی خواب کی تردید ہوگی۔

شیطانی خیالات سے بے خیال رہنے والا پکا مومن ہے :

لہذا حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ شیطان مومنوں کو رنج پہنچانے کے لئے طرح طرح کے خیالات ڈالتا رہتا ہے، مسلمانو! اس کی طرف نم کچھ خیال مت کرنا میری طرف سے تو کچھ پوچھ گچھ نہیں ہے بلکہ میں تو اور زیادہ خوش ہوں کہ کیسا اچھا مومن ہے کہ ایسے ایسے خیالات، وسوسے شیطان کی جانب سے آتے رہتے ہیں لیکن وہ کوئی پرواہ نہیں کرتا نہ عقیدہ کے اعتبار سے کچھ کمزوری اور نہ اعمال میں سُستی آنے نہ کمزوری، کیسا پکا مومن ہے کہ برابر اپنے معمولات میں لگا ہوا ہے، اور انہیں عقائد ایمانیہ میں مضبوطی سے لگا ہوا ہے کیسا اچھا مومن ہے کہ یہ تو اس کے بڑے درجہ کمال

ایمان کی بات ہے، یہ تمہید تھی حدیث شریف کی، حضور ﷺ سے جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے وساوس کا حال بیان کیا کہ اب تو ایسے ایسے وساوس آتے ہیں کہ اس سے اچھا یہ ہے کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جائیں تو کتنے سخت وساوس تھے کہ اس قدر گھبرا گئے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ذلک صریح الایمان یہ تو بڑے کھرے ایمان کی بات ہے، تمہیں رنج ہوا مجھے خوشی ہوئی، تو میری خوشی میں تم خوش رہو کہ شیطان کو تو اس میں خوشی ہے کہ رنجیدہ دیکھے اور مجھے اس میں خوشی ہے کہ میں تمہیں بشاش دیکھوں خوش دیکھوں تو میری خوشی میں خوش ہو یا شیطان کی خوشی میں خوش ہو، مؤمن کیا کہے گا کہ میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں، اب گویا حضور ﷺ فرما رہے ہیں جب میری خوشی میں خوش ہو تو میں یوں کہہ رہا ہوں چنانچہ پھر کسی قسم کی شکایت نہیں کی حالانکہ خیالات تو آتے ہوں گے چھوٹے بڑے کچھ نہ کچھ، لیکن اس کے بعد کسی نے بھی شکایت نہ کی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعتماد اور اعتقاد کا حال :

یہ ہے اعتماد اور یہ ہے اعتقاد مرہی مجازی کے ساتھ یہ اعتماد پر اعتقاد کہ ساری عمر کے لئے علاج ہو گیا، خوش خوش ہو گیا اور رنج بھاگ گیا نہ کہ روز روز تخیل اور وساوس کا خوابوں کا ذکر کر رہا ہے اور پھر اس طرف رنجیدگی کا تخیل کر رہا ہے تو اس نے کیا اعتقاد اور کیا اعتماد کیا اس کو لے کر بیٹھے گا۔

واقعہ : اسی لئے حضرت شبلیؒ نے ایک درویش سے پوچھا کہ آج کل کون سے مقام کی تصحیح ہو رہی ہے انہوں نے کہا توکل کی، تو حضرت شبلیؒ نے فرمایا اوہو ابھی تک آپ کھانے پینے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ توکل بڑا اونچا مقام ہے مگر دوسرا اس سے بھی آگے ہے۔

شیخ کے علاج پر اعتماد اور عمل ہونا چاہیے :

تو معلوم ہوا کہ شیخ پر اعتماد نہیں رکھا، اپنی رائے و خیال چلا رہا ہے تو گویا وہ اپنا معتقد ہے تو حضور اکرم ﷺ نے کیا صرف تسلی کی بات فرمادی تھی یا آخری بات اور مستقل علاج بتلا دیا تھا۔ ٹھیک اسی طریقے سے کیا شیخ محض دل کی تسلی کے واسطے ایسا کرتا ہے، اگر یہ عقیدہ ہے تو یہ پریشانی اسی کا نتیجہ ہے، سالک تو احکام کی جو ظاہری و باطنی اہمیت لئے ہوئے اہتمام صالحات کی طرف اور طالحات سے بچنے کی طرف رکھتا ہے اس سے اپنے قلب کو ہمیشہ امور غیر اختیار یہ سے بچا کر رکھتا ہے خود بھی ایسے کاموں سے بچا ہوا رہے جس سے تشویش پیدا ہو اور خارجی باتیں اگر تشویش کی پیدا ہوں تو ان سے طبیعت کو خالی رکھے، ان کی طرف التفات نہ کرے، اگر وقتی طور پر زور پڑ رہا ہے ان خیالات کو دفع کرے، تو زور پڑنے کا خیال نہیں بلکہ اور زور کے ساتھ اس زور کو ختم کر رہا ہے زور کے ساتھ اس شور کو جو ہیجان و خلجان ہو گیا ہے، طبیعت میں قویٰ کے کمزور ہونے سے اعصاب اعضا و امعاء دماغ کے کمزور ہونے سے، تو بزور اس ہیجانی و خلجانی چیز کو دفع کرنا یہی نہیں بس بے التفات ہو جائے کیونکہ دفع کرنا بھی التفات ہے اور وہاں یہ فرمایا ہے بے التفات رہو، لہذا اپنا التفات ہی نہیں جب اپنا التفات ہوگا تو افسوس ہوگا، افسوس سے ہی اس کو ہٹایا جا رہا ہے، گویا یہ فرما دیا کہ کام میں لگو، ذلک صریح الایمان ایسے خیالات سالکوں کو بہت آتے ہیں شیطان کی طرف سے اور بعض دفعہ بہت زور پڑ جاتا ہے، متعدد ایسے واقعات ہیں۔

ایک عالم صاحب کا واقعہ :

چنانچہ اچھے عالم صاحب اور اچھے واعظ حضرت والا سے متعلق بیعت تھی،

حضرت والا کی وفات کے بعد یہاں آئے پہلے سے کچھ خط و کتابت تھی تو منی والی مسجد میں ادھر ادھر کشمیری رہتے ہیں اس میں رہتے طلبہ تو تھے نہیں یہاں رہنے والے مدرسہ میں رہتے تھے، ذاکر و شاعل آدمی مولوی صاحب واعظ اور اچھے واعظ صبح کی نماز پڑھ کر آئے میں اوپر رہتا تھا، دستک دی کواڑ جو اوپر کے ہیں اس کو کھولا، دیکھا تو مولوی صاحب ہیں، کیا بات ہے؟ کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا تھا، طبیعت گھبرا رہی ہے اور اجازت لینے کے لئے آیا ہوں گھر جاؤں، میں نے کہا مولوی صاحب آپ کیسی بات کر رہے ہیں، اتنی بات، ایسا اثر خواب کی وجہ سے، کہا کہ وہ خواب ہی ایسا ہے۔ خواب یہ دیکھا ہے کہ میری بیوی کو میرا پڑوسی جو بڑا شریر ہے وہ بھگا کر لے گیا، مولوی صاحب آپ کیسی بات فرما رہے ہیں، جی نہیں میری بیوی بڑی خوبصورت ہے اور پڑوسی بڑا شریر ہے۔

حضرت کا معمول اصرار کا نہیں ہے :

میں نے کہا بہت اچھا خدا حافظ۔ یہ بھی عادت ہے ہمیشہ سے کہ کسی ایسی باتوں کے کرنے پر ایک دو دفعہ کہتا ہوں جب نہیں مانتا تو خدا حافظ، بہت اچھا مولوی صاحب چلے گئے، بڑے سچے منصف عالم آخر ذکر و شغل کرنے والے تھے۔ وہاں سے انہوں نے نہایت افسوس کا خط لکھا کہ جب میں گھر پہنچا تو میری بیوی خوش و خرم اور باشاد ہے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں ہے مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کی فہمائش اور سمجھانے پر کچھ خیال نہ کیا، میں معافی چاہتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، تو دیکھیے شیطان آگیا اور اپنے بڑے پر اعتماد و اعتقاد نہ رکھا، شیطان کا جی خوش کر دیا، رخصت کو ناراض کر دیا تو سالکوں کو ایسی باتیں بہت پیش آتی ہیں۔

طالب علم کو گھریا آ گیا کوئی خواب دیکھا کچھ خیالات گھر کی طرف چلنے لگے
ماں بہن یاد آ گئیں، اب طبیعت بے چین اب اس کا مقابلہ بہت مشکل ہے بس چھٹی
لے کر جانا چاہتا ہے اور طرح طرح کی باتیں کرتا ہے سمجھانے پر سمجھتا نہیں تو جو بھی
دین کے کام میں لگا ہوا ہے جس درجہ پر بھی جس میں طبیعتی علم ہے اور طبیعتی تربیت بھی
ہے (یعنی تعلیم و تربیت میں بطور خود مشغول ہے) اُس کے پاس شیطان جائے گا۔

شیطان دین کے بڑے کام سے چھوٹے کام کی طرف لاتا ہے :

کسی بڑے دین کے کام سے روک کر دین ہی کے چھوٹے کام کی طرف
اس کو لگاتا ہے کیونکہ دنیوی کام کی طرف تو توجہ کرے گا نہیں، یہ تو ایسا کچھ پختہ ہو گیا
ہے لہذا اس کو دین کے کام کی طرف توجہ دلاؤ، تو وہ یہ سمجھ کر کہ یہ دین ہی کا تو کام ہے
دین کا بڑا کام چھوڑ کر اس دین کے کام کی طرف لگ گیا، اب ایسے وقت اس کا امتیاز
کرنا کہ یہ چھوٹا دین کا کام ہے یا بڑا دین کا کام ہے، اگر کسی محقق کے پاس کافی دنوں
تک بیٹھا اٹھا ہو گا غور کے ساتھ اعتماد و اعتقاد قلب کے ساتھ سنا ہو گا تو کچھ امتیاز کر
لے گا ورنہ تو امتیاز مشکل ہے۔

فکر صحیح طالب صادق کی رہبری کرتی ہے :

کہیں جہاد ہو رہا تھا طبیعت میں بار بار آرہی ہے یہ بات کہ جہاد میں جا کر
شریک ہونا چاہیے بڑی فکر ہو گئی فکر صحیح، صحیح رہبری کرتی ہے طالب صادق کی من جانب
اللہ، چنانچہ جب ان سالک صاحب نے صحیح فکر سے کام لیا اور غور کیا تو سمجھ گئے، طبیعت
اور نفس سے کہا کہ میں سمجھ گیا، میں تیرے ساتھ ہر وقت جہاد کرتا رہتا ہوں چوبیس گھنٹے تو
اس سے گھبرا کر جہاد کی طرف رغبت دلا رہا ہے اور وہ کوئی نفیر عام نہیں ہے یہ بھی تو میں

جہاد ہی میں لگا ہوا ہوں۔ تیری خواہشات، تیری شہوات، تیری لذات تیرے تعلقات کو دفع کرتا رہتا ہوں چھوڑتا رہتا ہوں تو تیرے ساتھ جہاد ہی تو ہوتا رہتا ہے یہ جو تجھ پر چوبیس گھنٹے دو دھاری تلوار چلتی رہتی ہے لا الہ الا اللہ کی۔ اس سے چھڑا کر تو ادھر یہ رائے دے رہا ہے میں نہیں جاؤں گا تو بڑی عبادت سے روک کر چھوٹی عبادت کی طرف لے جانا چاہتا ہے، تو طالبِ تربیت اور طالبِ علم کی طرف شیطان بہت آتا ہے، بڑی طاعتوں سے ہٹا کر چھوٹی عبادت کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس اختلاط میں اس خلطِ ملط میں امتیاز دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ جس پر اعتقاد و اعتماد ہے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس کی رائے بھی غلط ہو۔ بعض صاحبوں کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے، ظاہر تو نہایت شر ہوتا ہے اور باطن نہایت ہی خیر ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ خواب کا ظاہر نہایت خیر ہوتا ہے مگر باطن بڑا شر ہوتا ہے۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر :

ایک شخص حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں حاضر ہوا خواب بیان کر رہا ہے کہ میں نے رات رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں، تشریف لائے اور شاہی لباس میں تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا جاؤ جلدی جاؤ اور با کر اپنا گھر جلدی خالی کر دو وہ گرنے والا ہے۔ تو دیکھئے حضور ﷺ تشریف فرما ہیں اور تعبیر ہے بربادی و ہلاکت، مکان گرنے والا ہے اس کو اعتقاد تھا، اعتماد تھا چلا گیا جلدی اپنے بیوی بچے سامان وغیرہ کو جلدی اس نے وہاں سے منتقل کرنا شروع کر دیا، سامان منتقل ہو گیا چھت بیٹھ گئی مکان گر گیا۔ کسی نے پوچھا شاہ صاحب سے (جب شاہ صاحب بولتے ہیں تو اس سے مراد شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

ہوتے ہیں) کہ حضرت یہ تعبیر کیسی کہ تشریف لائیں حضور اکرم ﷺ اور تعبیر دیں ایسی۔ فرمایا کہ میرا ذہن فوراً منتقل ہو گیا تھا قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها یہی ہے، جب بادشاہ لوگ کسی کو فتح کرتے ہیں اور جب بعد فتح داخل ہوتے ہیں اس ملک میں، شہر میں تو اس کو برباد کرنا ہلاک کرنا شروع کر دیتے ہیں افسدوہا اپنی زور اپنی طاقت و قوت اقتداریت بٹھانے کے لئے تہ و بالا کرنا شروع کر دیتے ہیں تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ شاہی لباس میں تشریف لائے تھے اس لئے میں نے یہ تعبیر دی جو قرآن شریف میں ہے کہ یہ طریق بادشاہوں کو فحشیا بی کے بعد عادت ہے، دیکھئے خواب کیسا اچھا تھا لیکن تعبیر کیسی ہوئی۔

ظاہر خراب باطن اچھا ہونے کی تعبیر :

اور وہ خواب کیسا خراب تھا کہ ماں کے ساتھ وطی کر رہا ہے اور تعبیر یہ کہ اس کے اندر عبدیت و فنایت پیدا ہو گئی کہ ماں سے مراد ہے زمین اور لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں کر رہا اور وطی سے مراد ہے اپنے آپ کو زمین پر روندنا۔ دیکھیئے خواب کیسا ہے وہ ڈر گیا ہوگا کہ میرا ایمان بھی باقی ہے کہ نہیں کہ میں ماں کے ساتھ اس طرح۔ تو یہ وضاحت کے لئے بیان کیا گیا (خوابات بزرگوں کے اقوال و ارشادات افعال و اعمال کہ ایسے وقت وہ کیا کرتے ہیں) قرآن پاک کیا کہہ رہا ہے۔ حق تعالیٰ کا کلام کس طرف متوجہ کر رہا ہے دین میں اہتمام و اہمیت کو لئے ہوئے کام کرنے والوں کو خالی الذہن کر رہا ہے ان کی پراگندگی ذہن کو دور کر رہا ہے، انتشار و ذہنی ختم کر رہا ہے، دماغ اور دل کو وہ سکون کی طرف دعوت دے رہا ہے، بشاشت کے ساتھ ذات باری تعالیٰ بحسب تعلیم دے رہے ہیں اپنوں کو۔ جو شخص حق تعالیٰ کے ارشادات و احکام پر لگاتار

خلوص کے ساتھ اہتمام کے ساتھ لگا رہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا آدمی ہو یا نہیں، اپنا ہوا تو اپنے کو با شاد رکھنا چاہتا ہے بے فکر رکھنا چاہتا ہے۔ ایسوں کا نام ہے سالکین، تو ان کو چاہیے کہ اپنے دل کو اپنے دماغ کو تازگی کیساتھ بشاشت کے ساتھ سکون کے ساتھ رکھیں، ہر ایسے کام سے جس سے بشاشت میں فرق آتا ہو، فکر مندی پیدا ہوتی ہو ان اسباب سے گریز اور ان اسباب سے اعراض کرنا چاہیے اور اگر غیر اختیاری طور پر پیش آجائیں تو ان سے بے التفاتی یہ ہے اس کا طریق۔ اگرچہ طبیعت پر ان غیر اختیاری بات کے پیش آجانے سے ایک ہیجان و خلجان سا پیدا ہو گیا ہو تو اس کی طرف سے بے التفات ہو جاؤ اس کی طرف توجہ نہ کرو، گوزور پڑے، اس زور کے مقابلہ میں اپنی زور دکھاؤ تو وہ زور گھٹ جائے گی، ورنہ تنکا پہاڑ ہو گیا اور اگر اس زور کے مقابلہ میں اپنا زور ڈال دیا تو پہاڑ تنکا ہو گیا ذلك صریح الایمان کیسا پہاڑ تھا وہ کہ جل کر کوئلہ ہو جائے۔

تو اب چاہے اس تنکے کو پہاڑ بنا لو چاہے پہاڑ کو تنکا بنا لو، مربی حقیقی یوں فرما رہے ہیں، تمہاری خوشی تم جانو کہ میں تو یوں کہہ رہا ہوں کہ انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا۔ (سورۃ المجادلہ پ ۲۰۲۸) تم جانو غم میں پڑے رہو یا غم میں نہ رہو، مربی حقیقی کہہ رہے ہیں میں تو یوں کہہ رہا ہوں ساری عمر کا علاج ہو گیا یہیں رہتے ہوئے یا گھر پہنچ کر ہی تنہائی میں بھی خلوت میں بھی جلوت میں بھی شیخ کے پاس رہتے ہوئے شیخ سے دور رہتے ہوئے بھی خانگی امور غیر اختیاریہ میں بھی، دینی امور غیر اختیاریہ میں بھی، ہر موقع پر۔

بیوی مل گئی زبان دراز تو اماں نے تو شکل دیکھی تھی گوری گوری ہے اب اسے

کیا خبر کہ زبان دراز بھی ہے یا نہیں؟

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تفسیر میں مقام :

اب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو قرآن پاک کی تفسیر میں ان کو اہمیت اور اولین درجہ حاصل ہے وہ فرما رہے ہیں کہ للرجال علیہن درجۃ اس کی تفسیر میں فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے ایک بڑی فوقیت حاصل ہے بڑی اونچائی حاصل ہے، فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ہے اب پھر مرد کو چاہیے، میاں کو چاہیے کہ اس کے طبیعت کے خلاف ہونے پر متحمل ہو برداشت کرے اور خلاف پیش آنے پر صبر کرے اور جو شیخ واقعی ہے تجربہ کار اس کے ذہن میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں حضرت والا کو ایک شخص طالبِ طریقت نے لکھا کہ میری بیوی اس درجہ زبان دراز ہے، ایسا ویسا کہتی سنتی رہتی ہے میں کیا کروں؟ حضرت والا نے لکھا کہ تمہاری طرف سے اس کے ساتھ عدل اور اس کی بے عدلی پر صبر ہوا اگر تم نے بھی اس جیسا ہی معاملہ کیا پھر زبان دراز کا کیا سوال؟ تم بھی عورت وہ بھی عورت، جب تمہارا اونچا درجہ ہے تو اس کے ساتھ تمہاری طرف سے تو عدل ہی ہو اور اس کی بے عدلی پر صبر ہو غیر اختیاری پر تو بات آج چل رہی ہے۔ اب کوئی پوچھے کب تک میں اس کا کہا مانوں؟ تو زندگی بھر تک تاحیات۔

گفتگو طالبِ صادق سے ہے :

یہ گفتگو طالبِ صادق تزکیہ طالبِ اصلاح سے ہو رہی ہے تو امورِ غیر اختیاریہ کی مثال کہ گھر میں خانگی امور میں ظاہر کے اعتبار سے بہت زیادہ باتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ان میں صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا، خلافِ شرع قولاً وفعلاً کوئی اقدام نہ ہوگا۔

چنانچہ مجھے ایک جوان لڑکے نے لکھا کہ میری بیوی بڑی زبان دراز ہے اور سخت الفاظ کہنے والی ہے میں کبھی کچھ کہہ بھی دیا کرتا۔ ایک دن وہ مجھ سے کچھ کہہ رہی تھی میں چپ چاپ سنتا رہا پھر باہر چلا گیا، پھر آیا وہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی، میں اس کے پاس گیا۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کمر کو تھپکا یعنی پیار و محبت کے ساتھ کہا مسکراتا ہوا، بیوی سبحان اللہ اس وقت جو آپ فرما رہی تھیں، پھول جھڑ رہے تھے اور بہت اچھی معلوم ہو رہی تھیں تو میں ان باتوں کو سننے کے لئے پھر آیا ہوں، بڑا مزا آ رہا تھا ہاں آپ کیا فرما رہی تھیں، ذرا پھر فرمایا گا! اسے ہنسی آگئی، تو حضرت اتنا عرصہ ہو گیا وہ دن آج ہے، ہم دونوں کی زندگی بڑے مزے کی گزر رہی ہے، اپنے کو بدلنا پڑتا ہے۔

مؤمن کامل کی شان :

اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ رات کو کم حصے میں سوتے ہیں: کانو قليلا من الليل ما يهجعون (سورۃ زاریات، پ ۱۹، ۲۶) اور جب صبح ہونے کو ہوتی ہے، وبالاسحار هم يستغفرون تو مجھ سے استغفار کرتے ہیں کہ اس طرح سے جاگتے بھی رہے اور جب صبح ہونے کو ہوئی تو عبدیت کا اظہار کر رہے ہیں، اتراتے نہیں کہ ہم رات ایسے ایسے جاگے، ایسی ایسی عبادت کی، ہم مستحق عبادت ہو گئے، مستحق قبولیت ہو گئے، یہ نہیں کرتے بلکہ میری شانِ معبودیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شانِ عبدیت کا اظہار کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کتنی بھی عبادت کرتے رہیں اخلاص کے ساتھ اور صدق کے ساتھ مگر اترانا نہ ہو، ظہور عبدیت و انکساری ہی ہو۔ اب یہ جو باری تعالیٰ نے بیان فرمایا اور اوپر مؤمن متقیوں کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر فرمایا کہ

راتوں میں اس طرح جاگتے رہنا اور صبح ہونے پر استغفار کرنا یہ جنت کے دخولِ خلود کے لئے موقوف علیہ نہیں ہے۔

جنت کے دخول کا موقوف علیہ :

جنت کے دخولِ خلود کے لئے تو ایمان و واجباتِ شرعیہ کا بجالاتے رہنا، اول وہلہ میں دخول، اول وہلہ میں ہی مرتے ہی دخولِ مخلود ضروریاتِ شرعیہ کا ما مورات اور منہیات سے بچتے رہنے کا بجالاتا رہنا، لیکن اول وہلہ یہ وعدہ نہیں اور گفتگو مرتے ہی دخولِ مخلود سے متعلق ہے۔ آگے پھر جو حق تعالیٰ نے بیان کیا کہ ان میں ایسے بھی ہیں کہ جورات کے زیادہ حصے میں جاگتے ہیں، کم حصے میں سوتے ہیں اور پھر استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ درجہ کی بڑھائی درجوں کے حصول کا ذکر ہے یہ عرض کیا جا رہا تھا اور درجوں کی نیادتی کا طالب دنیا میں کون نہیں تو پھر اس کا کیوں نہیں بطریق اولیٰ ان کی شاباشی فرما رہے ہیں کہ ایسے بھی بندے ہیں متوجہ کیا ہے اس طرف کہ وہ ضروری دینی کی طرف متوجہ ہونے والے ادھر بھی متوجہ ہو جائیں یہ ترغیب ہے ترقی درجاتِ اخروی کی اور سالکوں کو طالبوں کو جب سلوک میں داخل ہوئے ان کا منشاء کیا ہے؟ و لکل درجات مما عملوا کا استحضار اور ضروریاتِ شرعیات پر مستحبات اور مستحبات پر بقدرِ صحت و بسہولت بترکِ تساہل لگا رہنا۔

ایک صاحب کا خط اور حضرت والا کا جواب :

ایک صاحب نے خط لکھا کہ میں اشراق، چاشت، اوابین، تہجد پڑھتا ہوں لیکن بعض دفعہ قصداً چھوڑ دیتا ہوں کہ فرض کا درجہ نہ ہو جائے میں نے ان کو لکھا کہ عقیدہ تو یہی ہے کہ یہ نفل ہے لیکن دوامِ عمل اس طرح پر ہے کہ جیسے فرض کے ساتھ ہوا

کرتا ہے تو پھر قصد اترک کیسا؟ تو علاج ہو گیا، عقیدہ میں تو فرض نہیں، عقیدہ میں تو نفل ہے اس لئے اہل اللہ تہجد کی نماز کے نفل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں جیسے کہ کوئی فرض ہو تو سالک کی تو عملی زندگی، حصول درجات، ترقی عمل میں شُغْل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سالکوں کے ساتھ نیک سلوک کی توفیقات سے مخلص

صدق سے نوازیں۔ (آمین)





بیالیسویں مجلس

مقصود اور غیر مقصود کا فرق

مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء بروز یکشنبہ بوقت صبح

دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں، مقصود اور غیر مقصود، جو مقصود ہے وہ مطلوب ہے اور جو مقصود نہیں وہ مطلوب نہیں ہے، جس کو مطلوب کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس میں اہتمام کے ساتھ لگا دینا، کھپا دینا اور جو مطلوب و مقصود نہیں ہے اس میں اپنے آپ کو لگا دینا کھپا دینا یہ خلاف عقل ہے، عقل کا تقاضا اہم اور غیر اہم میں تمیز کرنا اور اہم کو مقدم کرنا ہے۔

غیر مقصود میں صرف ہمت کا فرق :

مقصود کا جو مادہ ہے ق ص د یعنی قصد، ارادہ اختیاری کو عمل میں لائے رکھنا کہتے ہیں میرا یہ قصد ہے یعنی میرا یہ ارادہ ہے، ارادہ اور مراد کے حصول کے بیچ میں کسی چیز کا تخلل نہیں ہوا کرتا کہ وہ مغل ہوگا، جب قصد ہو تو یہ دوسری بیچ میں مغل کیوں آئی۔ تو جو چیز مقصود ہوتی ہے اس میں اپنے اختیار کا دخل ہوتا ہے تو غیر مقصود کی طرف

اس مقصد کے حصول کے لئے متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں البتہ مقصود کے حاصل کرنے میں وہ غیر مقصود معاون ہے تو وہ اگرچہ اپنی ذات میں مقصود نہیں مگر مقصود کے حاصل کرنے میں اس سے امداد ملتی ہے معاون ہوتا ہے، تو اس مقصود کے ساتھ وہ غیر مقصود بھی مقصود ہو گیا، اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مقصود اور غیر مقصود کی مثالیں :

زندگی کے لئے اصل مقصود جسم ڈھانکنا، پیٹ بھرنا اور رہائش کی جگہ کا ہونا ہے لیکن ان کے لئے مال کی ضرورت ہے اور مال کے حاصل ہونے کے لئے تجارت زراعت اور صنعت و حرفت، ملازمت وغیرہ کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ مقاصد میں سے نہیں ہیں، مقصود کے لئے جو مطلوب ہے اس کے تابع ہیں یہ ذریعہ ہیں، اب اگر کسی شخص کو بدون زراعت، بدون تجارت بدون صنعت و حرفت اور بدون ملازمت تن ڈھنکنے کے لئے پیٹ بھرنے کے لئے مل جائے اور رہائش کے لئے اگر جگہ مل جائے تو مقصود حاصل ہوا۔ اگر کسی شخص کو اس طرح حاصل ہو جائے تو ملازمت کی کیا ضرورت، تجارت کی کیا ضرورت یہ تو مقاصد میں سے نہیں ہیں اگر یہ مقاصد ذاتیہ میں ہوتے تو کوئی بھی آپ کو اس سے خالی نہ ملتا۔

لیکن بعض مخلوق نہ زراعت کرتی ہے، نہ تجارت کرتی ہے نہ ملازمت کرتی ہے، کھانے کو بھی مل رہا ہے پہننے کو بھی مل رہا ہے رہنے کو بھی مل رہا ہے اسی لئے تو مل رہا ہے کہ یہ چیزیں زراعت وغیرہ مقاصد میں سے نہیں ہیں۔ بہت سی مخلوق ایسی ہے کہ کسی سے مانگتی بھی نہیں، کسی کے گھر لینے بھی نہیں جاتی لیکن مقاصد حاصل ہیں۔

مقصود اور غیر مقصود کی فقہی مثال :

شریعت میں مؤمن کے لئے اصل مقصود نماز ہے وضو نہیں ہے لیکن وضو جو غیر مقصود ہے وہ ایسا ہے کہ بلا اس کے جو مقصود نماز ہے وہ حاصل نہیں ہوتی، تو نماز جو مقصود ہے اس کے لئے وضو مقصود ہے اور وضو ہوتا ہے پانی سے، تو پانی اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے اس لئے کہ اگر پانی نہ ہو تو اس کا قائم مقام تیمم ہے تو اصل مقصود تو طہارت ہے، طہارت کا ذریعہ وضو ہے اور وضو کا ذریعہ پانی ہے اگر وہ نہیں ہے تو تیمم ہے اور تیمم کا ذریعہ مٹی کی چیز ہے چاہے آگ میں پکا لیا ہے جیسے پکا گھڑا پکا مٹی کا لوٹا، چاہے پاک کپڑا ہو کہ مٹی کا غبار ہے اس کے اوپر لگا ہوا ہو۔ تو مقصود طہارت ہے وضو اور تیمم اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے۔ وضو کرنے کے لئے ایسا بیٹھا کہ وضو ہی ختم نہیں ہوتا جماعت ہی ختم ہوگئی۔ تو کیا مقصود وضو تھا یا نماز۔

مقصود اور غیر مقصود کی طبعی مثال :

ایسے ہی طبعی مثال کہ ایک شخص کو پیاس لگی ہے تو پانی پیاس کے لئے ہے، پانی اصل مقصود نہیں ہے وہ تو پیاس کے دفع کے لئے ہے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایسا ہے کہ جس کو پیاس لگتی ہی نہیں اس کو خشکی آتی ہی نہیں۔ اب پانی کی کیا ضرورت جب ضرورت نہیں تو وہ کنویں کے پاس کیوں جائے کنویں کے پاس جانا تو اپنی پیاس کے دفع کرنے اور بچھانے کے لئے تھا اور وہ ہے نہیں، چنانچہ بعض اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں کہ ان کو پانی کے پاس جانے کی چھ مہینے تک ضرورت نہیں آئی، چکھ لیا تو چکھ لیا، کھانے کی ضرورت نہیں چکھ لیا اور بس۔ حکم کی تعمیل کی کہ دن میں روزہ رکھ لیا کرو، ا

ور وہاں حکم ہے افطار کا بعد الغروب۔ جب افطار کا وقت آیا تو بادام کی گری و مغز اس کے پاس ہے اس نے اس بادام کو الٹا کر ذرا سا کاٹ لیا جیسے سرسوں کا دانہ اور تھوڑا سا پانی پی لیا۔ اب یہ افطار بھی ہو گیا یہ کھانا بھی ہو گیا اور یہ سحری بھی ہو گئی کل پھر روزہ ہے اب جب افطار کا وقت آیا تو پھر اسی طرح سے تو چھ مہینے وہ بادام کی گری اور وہ ذرا سا پانی اب بتلاؤ اس شخص کو ملازمت کی کیا ضرورت ہے، تجارت کی کیا ضرورت ہے صنعت و حرفت کی کیا ضرورت ہے۔

ہر شخص کے لئے ترک وسائل صحیح نہیں :

لیکن جو شخص ایسا نہیں ہے اس کے لئے ان چیزوں کا حاصل کرنا ضروری ہو گا تو عامتاً ان چیزوں کا مقاصد اصلی کے لئے حاصل کرنا ضروری ہو گا۔ یہاں ایسے حضرات کی نقل نہیں چلے گی ان حضرات کی یہ نقل حرام ہے کہ پیاس لگی ہوئی ہے، بھوک لگی ہوئی ہے پانی موجود ہے کھانے کی چیز موجود ہے لیکن نہ پانی پیتا ہے اور نہ کھانا کھاتا ہے موت ہونٹوں پر آگئی اگر اس نے پانی نہ پیا اور کھانے کا لقمہ نہ کھایا اور مر گیا تو حرام کی موت ہو گئی۔

حیات مطلوب ہے اپنی طرف سے ایسا طریق جس میں موت آجائے اس کو اختیار کرنا حرام ہے مرنے کے لئے سنبھیا کھالے، بندوق مار لے حرام کی موت ہوگی۔ حاصل یہ ہوا کہ جو چیز کہ اصل اور اپنی ذات میں مقصود ہے اس کی اہمیت ہے اس کو تو مقدم رکھنا ہے اس کو تو اول حاصل کرنا ہے اختیار کرنا ہے اور اس مقصود کے لئے جو فی نفسہ غیر مقصود ہے اگر اس مقصود کے لئے معین ہے مددگار ہے کہ اس سے مدد ملتی ہے اس مقصود میں تو وہ بھی مقصود ہے اور اگر مدد نہیں ملتی تو وہ چیز مقصود نہیں اور نہ مقصود کے لئے

مقصود ہے تو ایسی چیز کی طرف توجہ کرنا التفات کرنا لگنا اور اسمیں خود کو کھپانا حرام ہے۔

زندگی جو مقصود ہے اس کے لئے مال کی ضرورت ہے تو مال تو حاصل ہو

لیکن کس طرح حاصل ہوا کہ وہ مقاصد میں نہیں بلکہ وہ رُکاوٹ میں سے ہے ایسی

رُکاوٹ میں سے ہے کہ اگر کھانے کی وہ چیز چوری سے یا حرام ذریعہ کمائی سے حاصل

کی اور اسکو غذا سمجھا اور کھانے کو بیٹھ گیا تو یہ ظاہر میں تو کھانے کی چیز کھا رہا ہے مگر حق

تعالیٰ فرما رہے ہیں یا کلون فی بطونہم ناراً یہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں

آگ کھا رہے ہیں۔ دیکھنے میں وہ کھانے کی چیز ہے لیکن حقیقت میں وہ آگ بھر رہا

ہے۔ تو حرام کھانے پر بسم اللہ پڑھنا، شکھیا کھانے پر بسم اللہ پڑھنا ہے۔

غیر مقصود کی دو قسمیں ہیں :

تو غیر مقصود چیز دو طرح کی ہوئیں ایک وہ جو مقصود کے لئے معاون و مددگار

ہے، وہ بھی مقصود میں داخل ہے۔ حلال طیب کا کمانا حاصل کرنا وہ اصل مقصد کے

لئے معاون ہے۔ دوسری چیز کی نفی ہوگئی کہ جو اپنی ذات میں نہ مقصود ہو اور نہ اس مقصود

کو اس سے مدد پہنچ رہی ہو تو یہ چیز اپنی ذات میں مطلوب اور مقصود نہیں ہے اور جو چیز

مقصود و مطلوب ہے اس کو اس سے مدد نہیں پہنچ رہی ہے تو وہ لایعنی ہے۔

اعراض عن اللغو مؤمن کی شان :

قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا: والذین ہم عن اللغو معرضون

یہ کیسا مؤمن ہے کہ ایسے کام میں لگتا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں نفع کوئی نہیں

بلکہ اور اندیشہ ہے کہ کہیں ضرر نہ پہنچ جائے تو لغو کام سے اعراض کرنے والے مؤمن

ہوتے ہیں۔ تو لایعنی حرکتوں، لغو کاموں، لغو کلاموں میں مشغول ہونا مؤمن کی شان

سے بعید ہے۔

جب بطن کے لئے تیار نہیں تو باطن کے لئے ایسے ایمان پر تیار ہونا، قناعت کرنا یہ کون سا ایمان اور عقل کی بات ہے۔ اصل پیٹ نہیں ہے اصل تو روح اور دل ہے یہ کیسا عقلمند ہے کہ غذاءِ جسمانی بطنی میں تو پکا پکا، اچھا اچھا، لذیذ لذیذ فرحت بخش خوشبودار خوش رنگ و خوش ذائقہ چاہتا ہے اور ایمان کا خوش رنگ ہونا خوش ذائقہ ہونا اس کی طلب نہیں حالانکہ اسکی طلب ہونی چاہیے۔

حلاوتِ ایمان :

اسی لئے رسول پاک ﷺ نے ایمان کا ذکر فرماتے ہوئے ایمان کی حلاوت کا بھی ذکر کیا ہے، حلاوت کہتے ہیں مٹھاس کو بخاری شریف میں ایک باب مستقل ہے۔ باب حلاوة الایمان۔ یہ باب جو بیان کیا جا رہا ہے اس کے نیچے جو احادیث شریف آرہی ہیں وہ ایمان کی حلاوت کی یعنی مٹھے ہونے کی چیزیں ہیں ایمان بڑھتے رہنے کی چیزیں ہیں ان چیزوں کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا : لہذا دو ایمان مع ایمانہم تا کہ زیادہ کر لیں وہ ایمان کو اپنے اس پہلے ایمان کے ساتھ۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی زیادتی ہوتی ہے، جیسے جسم بڑھتا ہے ایمان میں بھی بڑھوتری ہوتی ہے، جب ان چیزوں کو اختیار کرے گا جسمانی غذاؤں میں تو جسم بڑھے گا کہ نہیں بڑھے گا؟ ایسے ہی ان چیزوں کو جو ایمان کے بڑھنے کی چیزیں ہیں ان کو استعمال کرے گا تو ایمان بڑھے گا اور ہو سکتا ہے کہ جسمانی غذاؤں کے استعمال کرنے سے جسم نہ بڑھے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایمان کی زیادتی کے سامان اختیار کرے گا تو ایمان میں زیادتی نہ ہو، یہ نہیں ہو سکتا، جسمانی سلسلہ میں بعض دفعہ تو وہی دوا جو نفع دے رہی تھی نقصان

دینے لگی وہی غذا جو نفع دے رہی تھی نقصان دینے لگی۔ لیکن ایمان کی زیادتی کی جو غذائیں بیان کی ہیں ان کو استعمال کرنے سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایمان گھٹ جائے، ایمان میں ضعف و کمزوری آجائے تو عقل کہتی ہے کہ جیسے غذائے جسمانی میں تم اس کے درپے ہوئے اس سے زیادہ ایمان کی بڑھوتری زیادتی کے درپے ہونا ہے کہ وہ ساتھ جائے گا، یہ غذا نہیں جائے گی۔

عقل مند یا احمق :

ہے انتہائی درجے کا احمق، انتہائی درجہ کی بے عقلی اور سمجھ رہا ہے اپنے آپ کو عقل مند کام کر رہا ہے احمقانہ اور سمجھ رہا ہے عاقلانہ، ڈاکہ ڈال کر ڈاکو چوری کر کے چور اپنے خیال میں کامیاب ہو کر آگیا نہیں پکڑا گیا خوش ہو رہے ہیں۔ جھوٹ بولنے کو کامیابی سمجھ رہا ہے اور سچ بولنے کو ناکامی۔

سچائی نجات دلاتی ہے :

اس لئے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے : الصدق ینجی والکذب یهلك۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سچ میں نجات ہے اور جھوٹ میں بربادی اور آج مسلمان اکثر و بیشتر کہتا ہے کہ مولوی صاحب بس چپ رہو وہ زمانہ بھول جاؤ۔ آج تو زیادہ سے زیادہ جتنا جھوٹ بولا جاسکتا ہو جتنی فریب کاری اور مکاری اور چالاکیاں کی جاسکتی ہو اس میں نجات ہے اس میں کامیابی ہے دیکھ لو کیسے کامیاب ہو رہے ہیں اور سچے بچارے بھوکے مر رہے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، سچائی والے سچ بولنے سے کبھی نہیں مر رہے، کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے جھوٹ بولنے پر شکر، نہیں کہے گا۔

اور سچ بولنے پر کہے گا اللہ تیرا شکر، غصب کی چیز میں مکان دبا بیٹھ کر تو اس پر کہے گا خدا کا شکر؟

الصدق ینجی و الکذب یرہک انتہائی درجہ صدق کا نجات ہی ہے اور انتہائی درجہ کذب کا بربادی ہی ہے، آج نہیں تو کل بالفعل کسی حکمت سے اگر یہاں بربادی نہ بھی آئی آخرت میں تو بربادی ہے ہی۔ کہ دوسری زندگی کوئی ہے نہیں کیا ایسا بھی ہوتا ہے ذرا کچھ عرصے تک صبر کیا اور تحمل کی ضرورت ہے، نجات صدق ہی میں ہو گی اور کذب میں بربادی ہوگی۔

حضرت والا نے کانپور کا واقعہ سنایا کہ ایک نیک بخت حلال و حرام کا خیال کرنے والا اس نے بانسوں کی دکان کھولی اب بانس ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ کھوکھلا بھی ہوتا ہے ٹھوس بھی ہوتا ہے، کیڑا لگا بھی ہوتا ہے اب جب لوگ بانس خریدنے کے لئے آتے تھے تو وہ بانس والا کہتا تھا دیکھ لو پسند کر لو اب وہ دیکھ رہے ہیں پسند کر رہے ہیں خریدار لینا چاہ رہا ہے، اب وہ مالکِ دوکان کہہ رہے ہیں کہ یہ بانس تو اس درجہ کا ہے اور یہ بانس اس درجہ کا ہے، یہ کچھ کھوکھلا ہے ذرا اندر سے ایسا ہے اور باہر سے ایسا معلوم ہو رہا ہے اس کی یہ قیمت ہے اور جو ٹھوس عمدہ ہے اس کی قیمت یہ ہے۔ اب چاہے وہ لے لو، چاہے یہ لے لو کیونکہ مسئلہ ہے شریعت کا کہ دوکاندار کو اپنی چیز میں عیب معلوم ہو تو اس کو بتلا دینا چاہیے، اگر نہ بتایا وہ خرید کر لے گیا وہ پوری قیمت دے رہا ہے اور وہ لے رہا ہے اور گھر جا کر نقص و عیب معلوم ہو گیا تو بدل دینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں تو بیچنے والا گناہ گار ہو گیا۔ چنانچہ یہ مالک بے چارہ بتا دیتا تھا تو اس کی دوکان میں بانس کی لکڑی کم ہوتی تھی دوسرے دوکاندار جو پرانے قریبی قسم کے تھے وہ ہنستے

تھے اور کہتے تھے کہ ارے کہیں تجارت اس طرح بھی ہوتی ہے، کیا دوکانداری کہیں اس طرح چلتی ہے۔ لے بیچ لے وہ تو شام کو اچھے اچھے پیسے لے کر جاتے اور اس کی کم لکڑی بکی ہوتی تھی وہ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے کہ اپنے صدق کو آباد کر رہا ہے اور ہم جھوٹوں کو جھوٹ آباد کر رہا ہے۔

لیکن اس نے پرواہ نہیں کی اپنی سچائی کو نہیں چھوڑا وہ تو پکا شریعت والا ہے ایسا جما ہوا ہے جس کو ذات باری تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا یقیناً بلا شک و شبہ وہ جو کہ کہا انہوں نے ہمارا رب اللہ ہے ہماری پرورش کرنے والا، پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے پھر جے ہوئے مستقیم اور مضبوط رہے تو ان کے لئے بشارت سنائی تدرول علیہم الملائکۃ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے ملائکہ کی طرف سے ایسی باتیں دلوں میں ڈالی جاتی ہیں۔

تو وہ بانسوں کی دکان والا مضبوط رہا پوری طرح، اس مضبوطی کا یہ اثر و نتیجہ ہوا کہ بالآخر دکان خوب چلی، گاہک خوب آنے لگے اس کی دیانت پر اعتماد ہو گیا تو گاہک آنے لگے، پرانی جو دوکانیں تھیں وہ ٹھپ ہونے لگیں ان کی لکڑی پکنی کم ہونے لگی۔ ایسے بہت واقعات ہیں کہ اللہ کے بندوں نے سچائی پر ثابت قدمی اور استقامت اختیار کی ہے اس لئے وہ کامیاب ہوئے ذرا صبر و تحمل کی ضرورت پڑتی ہے بے چینی سے رکنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کم ہمتی کے بعد بلند ہمتی تو اچھی چیز ہے بلند ہمتی کے بعد کم ہمتی کا ظہور نہ ہو، بلند ہمتی بڑی ضرورت کی چیز ہے۔

روح جب نکلے طہارت پر نکلے :

روح جو کہ طیب و طاہر چیز ہے نزہت کی چیز ہے جب وہ بدن سے نکلے تو

طہارت ہونے کی حالت میں نکلے، تو روح طہارت پر نکلے جس کے ذہن میں یہ بات آگئی وہ اپنے آپ کو ہر وقت با وضو رکھتے جب کہ اس نے یہ بھی سن لیا ہو کہ پہلے تو مجھے معلوم تھا نہیں اب معلوم ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ :

کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب سے فارغ ہو کر ڈھیلے سے استنجاء فرما کر پانی سے استنجاء فرما کر تشریف لے جا رہے ہیں تو تیمم فرما رہے ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ پانی یہیں قریب ہی ہے آپ ﷺ وضو فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے اندیشہ کیا اور فرمایا کہ عجب نہیں ہے کہ میں پانی تک نہ پہنچوں اور میری روح نکل جائے تو پلا طہارت میری روح نکلے گی تو میں چاہتا ہوں کہ تیمم کر لوں اور بعد میں جا کر وضو کر لوں حالانکہ نبی کی روح بلا اجازت فرشتہ آ کر نہیں نکال سکتا، اجازت لے گا اتنا تقرب حاصل ہے نبی کو حق تعالیٰ کے ساتھ۔

لیکن حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں جبکہ آپ ﷺ مجسم نور ہیں کیا عجب ہے کہہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میری موت آ جائے اور میں طہارت پر نہ ہوں اس لئے پانی تک پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ تیمم فرما رہے ہیں تو جس مؤمن نے یہ سن لیا ہو اور پھر اس کے دل میں یہ بات بطلب آگئی ہو خاص کر جو اصلاح کے طالب ہیں سا لکین کو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ با وضو نہ رہے۔ ہاں جب پانی ہی نہیں ہے یا سردی ہے گرم پانی نہیں ہے تو معذوری ہے مجبوری ہے لیکن نیت کا ثواب ملے گا، اس نیت پر اس کو معنوی طہارت کہ نیت اندرونی چیز ہے تو طہارت بھی اندرونی حاصل ہوگئی اور یہ وضو اپنی ذات میں مقصود نہیں گفتگو یہ ہو رہی تھی تو دیکھنا پڑے گا کہ ہماری زندگی کا مطمع نظر

ہماری زندگی کا مقصود کیا ہے؟۔

ہماری زندگی کا مقصود کیا ہے :

جو مقصود ہے بالذات اس میں تڑپ کر جی لگا کر کھل کر محنت کے ساتھ لگنا یہ فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے اور جو مقاصد میں سے نہیں ہے اگر وہ مقصد کے لئے معین ہے تو اس میں بھی اپنے آپ کو لگانا ہو گا وہ بھی مقاصد میں سے ہے طبعاً تو ذاتِ باری تعالیٰ نے اس انسان کو عالمِ میثاق میں ایمان عطاء فرما کر مؤمن بنا کر احسانِ عظیم فرمایا، اس نے کب کہا تھا کہ مجھے ایمان عطاء کر۔ مؤمن بنا کر اس عالمِ دنیا میں آدم علیہ السلام کو بھیجا تھا اور ساری مخلوق انسان آدم علیہ السلام کی پشت میں ہے تو ساری کی ساری اس مؤمن کی پشت میں ایمان والا بنا کر بھیجا گیا اور بتلا دیا کہ تمہارے بھیجنے کا مقصد تمہاری ترقی ہے ورنہ جنت میں ہی رکھ لیتا۔

فرما دیا کہ تمہارے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ جنت میں رہ کر ترقی کی کوئی صورت نہیں آرام ہے فرحت ہے خوش خوش رہنا تو ہے لیکن ترقی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جیسے فرشتوں کو ترقی کی کوئی صورت نہیں ہے کہ میکائیل علیہ السلام جبرئیل علیہ السلام ہو گئے ہوں اور جبرئیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام ہو گئے ہوں، جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام کا مقام لیا اور جبرئیل علیہ السلام کا مقام میکائیل علیہ السلام کو دیدیا ہو۔ تو وہاں نہ تنزلی ہے اور نہ وہاں ترقی ہے بخلاف انسان کے ان کو یہ فرما دیا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم جن جن چیزوں کو جن جن باتوں کو جن جن حکموں کو بھیجتے رہیں ان پر چلتے رہنا ایمان جو تم کو دیدیا اس ایمان کے ساتھ جن جن کاموں جن جن اعمال کو ہم بھیجتے رہیں ان کو تم کرتے رہنا تو یہ ایمان تمہارا ترقی یافتہ ہوتا رہے گا اور درجہ کی بڑھوتری ہوتی رہے گی۔

ترقی منصب و عہدہ چاہنا طبعی بات ہے دنیا میں ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے اُونچا منصب اور عہدہ مل جائے حالانکہ ترقی بی اے ایم اے کر کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں۔ بی اے ایم اے کر لیا پھر مجھے نوکری نہیں مل رہی ہے، درخواست دے دے کر جی گھبرا گیا مگر نوکری نہیں ملتی (کسی کو ملی کسی کو نہیں ملی) لیکن یہاں حق تعالیٰ نے خود فرمایا کہ یہ یہ اعمال ہیں جن کے کرتے رہنے سے جو تمہارا پہلا ایمان ہے اس پہلے ایمان میں زیادتی ہوتی رہے گی کہ ان اعمال کو بیان فرما کر فرمادیا کہ لیذا دادوا ایماناً مع ایمانہم کہ ان کے ساتھ جو پہلا ایمان ہے اس کے ساتھ ان اعمال کو اختیار کرنے سے ایمان میں زیادتی و ترقی ہوتی رہے گی یہ ہے مقصد اب ان اعمال کو اختیار کرنا چاہیے جو ایمان زیادتی و بڑھوتری کا سبب ہوں۔

تو مقصود اس عالم میں بھیجنے کا زیادت ایمان ہوا جس کے لئے کچھ کام، کچھ اسباب اور ذرائع وسائل اختیار کرنے پڑ گئے کہ یہ عالم اسباب ہے مقصد یہ ہوا تو اس مقصد میں اصل جو مقصود ہے اس مقصد کی چیز کو دیکھنا ہوگا کہ ہمارے مقصود میں اس سے مدد ملتی ہے یا نہیں ملتی، انہیں میں سے ایک علم ہے جو اپنی ذات میں مقصود نہیں بلکہ جو اصل مقصود ہے اس کے لئے مقصود ہے کہ زیادت مقصود اس سے ہوگی معاون مقصود ہوگا وہ علم ہے۔

معاون و مقصود علم نافع ہوتا ہے :

وہ علم جو وحی کے ذریعہ سے نازل فرمایا ہے جو ایمان کی زیادتی کا سبب بنے نہ کہ انگریزی علم وہ ایمان کی زیادتی کا سبب کیا ہوگا بلکہ اندیشہ ہے کہیں مانع نہ ہو جائے کہیں رکاوٹ نہ بن جائے مقصود میں اور اگر نہ بن جائے اور وہ معین ہو جائے تو

فی نفسہ انگریزی علم پڑھنا حرام نہیں ہے، اب معین تو ہوتا نہیں نفع وہ ایمان میں ہوتا نہیں اور ضرر وہ ہو جائے تو حرام ہے۔ اور اگر کوئی علم عربی پڑھے علم عربی بھی جو اصل مقصود ہے ایمان کی زیادتی کا وہ حاصل نہ ہو تو اس نے علم عربی وحی شرعی دینی کا کیا حاصل کیا ہے؟

اصل مقصود قرب الہی کے لئے عمل ہے اور عمل کا جو اصل مقصود ہے اس کے لئے معین علم وحی ہے جیسے احقر نے وضو کی مثال دی تھی، کھانے کی مثال دی تھی اور اسباب نکاح کی مثال دی تھی ایسے ہی علم ہے کہ مقصود عمل ہے اس علم سے، چنانچہ جب یہ آیت آپ کے سامنے پیش کی لہذا دادوا ایمانا مع ایمانہم درجے کے لئے ذات باری تعالیٰ نے دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا ہے: ولکل درجات مما عملوا۔ ایک ایک کے لئے درجے ہیں اس کے اعمال اس کے عمل کے مطابق یہ نہیں فرمایا اس کے علم کے مطابق دلیل ہوگئی علم تو ہے لیکن وہ علم عمل کی طرف نہیں لے جا رہا۔ وہ عمل جو عند الشرع اور عند اللہ مطلوب ہے مقصود ہے اس کی طرف لے جانے کا سبب ذریعہ نہیں بن رہا پھر کیا ہوا؟ تو مما عملوا فرمایا: مما عملوا نہیں فرمایا۔

احقر نے مثال دی تھی باطن کی، ایک شخص یوں کہتا ہے کہ بھوک لگ رہی ہے بھوک اگر لگ رہی ہے تو کھانا کھا لو، کھانے سے ہی پیٹ بھرتا ہے یہ بازار گیا اور لکڑی خرید رہا ہے، دیا سلائی کا بکس خرید رہا ہے آٹا خرید رہا ہے، ارے بھائی تم تو یوں کہہ رہے تھے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور بھوک تو کھانے کے بغیر نہیں جایا کرتی یہ تم کہاں لگ گئے۔ لکڑی خرید رہے ہو آٹا خرید رہے تو کیا کہے گا وہ؟ یہی پیٹ بھرنے کے لئے مقصود کے لئے مقصود ہے اگر میں آٹا نہ خریدوں لکڑی نہ خریدوں، دیا سلائی نہ

خریدوں تو پھر یہ پیٹ بھرنے کی جو چیز ہے روٹی کیسے حاصل ہوگی؟ تو پیٹ بھرنا مقصود ہے اس کے لئے یہ چیزیں حاصل کرنا مقصود ہو گیا تو جو مقصود کے لئے معاون ہو وہ بھی مقصود میں داخل ہے۔ اور جو ایسا ہو کہ نہ اپنی ذات میں مقصود اور نہ مقصود حاصل ہونے کے لئے معین و مددگار و معاون ہو وہ لغو ہے وہ لا یعنی حرکت ہے، وہ لا یعنی کلام ہے۔

سیر فی الارض کا حکم کیوں؟

واضربوا فی الارض، سیروا فی الارض، زمین میں چلو پھرو، تو یہ سیر کرنا اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے پھر حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیسے فرمادیا: سیروا فی الارض اس لئے فرمادیا کہ اس طرح سیر کرنے سے اور چلنے پھرنے سے ذات باری تعالیٰ کے قدرتی مظاہر سامنے آ کر ذات باری تعالیٰ کی معرفت کے بڑھنے کا ذریعہ ہوگا یہ سیر ذات باری تعالیٰ کی معرفت کے زیادہ ہونے کا کہ قدرت الہی کے مظاہر منازل میں نظر آ رہے ہیں ذریعہ ہیں تو اصل مقصود تو معرفت الہی ہے لیکن یہ مظاہر قدرت الہی کا دیکھنا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جب کسی کو یہ چیز حاصل ہے تو سیر اسے حاصل ہے اب اس کے لئے سیروا نہیں ہے وہ تو معرفت الہی کے حصول کے لئے تھی محض تفریح کے لئے نہیں ہے۔

صحت جسمانی بھی مطلوب ہے :

عند اللہ جیسے صحت روحانی مطلوب ہے ایسے ہی صحت جسمانی بھی مطلوب ہے، اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے بلکہ صحت روحانی کے لئے مطلوب ہے۔ کہ اگر صحت جسمانی نہیں ہے تو جن اعمال کا حکم دیا ہے ان اعمال کو بلا صحت جسمانی بھلا کیسے کرے گا؟ تو اپنی ذات میں صحت جسمانی، مطلوب نہیں ہے، بلکہ صحت جسمانی

صحتِ ایمانی صحتِ روحانی صحتِ قلبی، صحیح اعمال کے لئے مطلوب ہے۔

دوا کھانا اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے لیکن دوا کھانا اس لئے مقصود ہے کہ صحت مقصود ہے اب اس کا خیال اور لحاظ فرض ہے عندالشرع، اس لئے کیا علاج کرانے سے صحت ہو جاتی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے علاج کرا کر بتلا دیا کہ میں علاج کر رہا ہوں تو آپ ﷺ کا خیال تو عام احکام کے لئے عام مخلوق کے لئے، امتی امت کے لئے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بالکل ہی علاج نہ کراؤں تو میری امت مسلمہ بھی کچھ کمزور ہوگی اس کی تسلی اس کی تقویت اس کے گھر والوں کا سکون وہ تو علاج سے ہوگا۔

نبی ﷺ نے بعض کام امت کی خاطر کیے :

لہذا حضور ﷺ نے وہ کام جو آپ کے لئے ضروری نہ تھے وہ بھی آپ ﷺ نے کئے جو کہ موافق نبوت تھے خلاف نبوت نہ تھے، اپنی امت مسلمہ کی خاطر کہ اگر میں نے یہ نہ کیا تو وہ بھی نہ کرے گی ایسی مخلوق بھی میری امت میں ہوگی امت مسلمہ لہذا ان کاموں کو بھی کیا جو نبوت کے موافق ہیں خلاف نہیں امت کی خاطر۔ اور اس لئے بھی بعض کام کئے کہ مجھے لوگ بشر سمجھیں، میری امت مجھ کو بشر سمجھیں فرشتہ نہ سمجھیں جیسے اور امتوں نے اپنے نبیوں کو خدا کا درجہ دیدیا، میری امت مجھ کو خدائی کا درجہ نہ دے سکتے۔

اور امتوں نے کہا لیکن آپ ﷺ کی امت میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ محمد ﷺ اللہ تھے، آپ ﷺ کو بخار آیا دوا کھائی، سر میں پٹی باندھی، سر میں درد ہوا آپ ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا آپ ﷺ پر رنج آیا آپ کی آنکھوں سے آنسو نکلے، یہ بشری تقاضا تھا، حالانکہ امت مسلمہ میں ایسے اولیاء اللہ گذرے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو بھی

نہیں دل میں رنج کا خیال بھی نہیں تو پھر حضور ﷺ کو رنج کا کیا خیال؟ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور ہے ان کی حکمت و مصلحت پر نظر ہے یا رنج کا کام؟ آنسوؤں کا نام؟

ایک بزرگ کے نکاح کی حکایت :

ایک بزرگ کی رات کو آنکھ کھل گئی آنکھ کھلتے ہی شور مچا دیا کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ وہ خادم خاص جو تھا اس کی آنکھ کھل گئی، حضور! میں حاضر ہوں حکم؟ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، بہت اچھا حضور دن ہونے دیجیے انشاء اللہ نکاح ہو جائے گا فرمایا میں ابھی کروں گا، کہ حضور ابھی کہاں جاؤں کس کو کہوں کیا کروں، وہ بیچارہ عذر کر رہا ہے جب دیکھا کہ یہ تو بہت مصر ہو گئے، ابھی کروں گا..... تو خادم نے کہا کہ میری بیٹی ہے جو کہ شادی کے قابل ہے، حضور قبول فرمائیں تو حاضر ہوں فرمایا بہت اچھا۔ اب خانقاہ میں دو چار یا پانچ آدمی تھے ہی وہاں اٹھا دیا گواہ ہو گئے نکاح ہو گیا رخصتی ہو گئی اور بیوی خاوند کے پاس آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد میں لڑکا دیا لیکن وہ کچھ دن ہونے پر مر گیا، جب وہ مر گیا کفن دفن سب ہو گیا تو پھر ایک دن اپنی بیوی سے کہا تمہیں میرا حال معلوم ہے کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں، کھانے پینے کو بھی زیادہ نہیں ملتا سب کچھ معلوم ہی ہو گیا، اگر تمہارا جی چاہے رہو، ایسے حال میں اگر رہنا چاہو تو ٹھیک ورنہ میں تم کو طلاق دیدوں؟

بیوی نے کہا یہ تو عجیب سی بات ہے کہ تم نے تو راتوں رات نکاح کر لیا اور اب فرما رہے ہیں کہ طلاق دیدوں؟ یہ کیا قصہ ہے یہ کیا بات ہے؟ ان بزرگ نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں رات کو سو رہا تھا میں نے قیامت کا میدان دیکھا کہ وہاں نفسی نفسی ہو رہی ہے، ایک مؤمن بندہ کے لئے حکم ہو گیا کہ دوزخ میں لے جاؤ، اب

فرشتے اس کو پکڑ کر دوزخ کی طرف لے جا رہے ہیں کہ اچانک اتنے میں ایک بچہ آیا اور اس نے کہا کہ یہ تو میرے باپ ہیں میں نہیں جانے دوں گا، فرشتے اس کو دوزخ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں اور بچہ جنت کی طرف لے جانا چاہتا ہے کہ یہ تو میرے باپ ہیں کشمکش ہو گئی ذات باری تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بچہ بلا اپنے ساتھ جنت میں لے جائے جنت نہیں مانے گا، جاؤ ہم نے اس کے باپ کو بھی بخش دیا، وہ بخشنا گیا، میری آنکھ کھل گئی، مجھے خیال ہوا کہ میرے اعمال تو کچھ ایسے ہیں نہیں لیکن کیا اچھی بات ہے کہ میں شادی کروں اور شادی کر کے بچہ پیدا ہو اور پیدا ہو کر مر جائے تو میرے لئے بخشش کا ذریعہ ہو جائے اس لئے میں نے شادی کی تھی۔

ہم تو اس لئے کرتے ہیں کہ ایک اور بیٹا پیدا ہوا، دو اور ہوں ایک ہی بیٹا ہے دو اور ہوں۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے کہ لڑکا ہوا اور مر گیا، اور کیا کہہ رہے ہیں کہ میری بخشش کا ذریعہ تو دیکھو امت میں ایسے بھی ہیں کہ بیٹا مر گیا تو کوئی غم اور آنکھوں میں کوئی آنسو بھی نہیں آتے۔

رسول پاک ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھی اور رنج کا اظہار بھی ہے اور زبان پر الفاظ بھی، خیال فرمایا؟ تو اگر آپ کے آنکھوں میں آنسو کا ہونا نہ ہوتا اور دل میں رنج کا ہونا نہ ہوتا تو امت مسلمہ ساری بزرگ تو ہے نہیں۔ تو رنج ہوتا آنکھوں میں آنسو بھی آتے جیسا کہ ہوتا ہے ایسا خیال پیدا ہوتا کہ یہ میری حالت یہ میرے ایمان کی کمزوری کی بات ہے۔ اب تسلی ہو گئی کہ حضور ﷺ کو بھی رنج ہوا تھا، حضور ﷺ کے بھی آنکھوں سے چشم مبارک سے آنسو بہے تھے، لہذا میرے اس ایمان میں کوئی کمی نہیں ہے کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں میرے دل میں رنج ہو رہا ہے بچہ کے

مرنے کا، یا کسی بھی رنج کی بات کے آنے پر رنج کا ہونا، آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا یہ کوئی میرے ایمان کے خلاف بات نہیں کہ حضور ﷺ بھی روئے تھے، حضور بھی غمزہ ہوئے تھے۔

وہ کام جو حضور ﷺ کی نبوت کے خلاف تو تھے نہیں لیکن کیے اپنی امت مسلمہ کی خاطر اسی میں سے اس کو بھی سمجھ لو کہ آپ ﷺ کو استغفار کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ استغفار گناہوں پر ہوتا ہے، علاج جسم کا مرض پر ہوتا ہے تو معصیت بھی مرض ہے اس کا علاج توبہ ہے استغفار ہے اور حضور ﷺ کو ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ تو معصوم ہیں جب معصوم کی عصمت ہے تو معصیت کیسی؟ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ استغفار فرما رہے ہیں، بڑا سبق ہو گیا کہ جہاں استغفار کی ضرورت نہیں ہے وہاں استغفار ہے تو ہمیں تو استغفار کی کتنی ضرورت ہے۔

عام عادت قابل ترک ہے :

اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مؤمن کا کسی وقت یہ کہنا کہ میں آج کل اس طرح تکلیف میں ہوں، غریبی میں ہوں، بیماری میں ہوں، پریشانی میں ہوں، نہ معلوم کون سا مجھ سے ایسا گناہ ہوا کہ پکڑا گیا، یہ کہنا فریب ہے اس کو کہ مجھ سے ایسا کون سا گناہ ہوا ہے ارے صبح سے شام تک بہت ہوتے رہتے ہیں، وہ تو ایسے کریم ہیں کہ بلا توبہ و استغفار کے بھی معاف کرتے رہتے ہیں، اگر سب گناہوں پر پکڑ ہو تو ہمارا تو کہیں ٹھکانا نہیں بلا توبہ کے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں تو حضور اکرم ﷺ استغفار فرما رہے ہیں تو سبق کس کیلئے ہو گیا؟ آپ کی امت مسلمہ کے لئے استغفار سے کوئی وقت خالی کیسا؟

اصل مقصد رضائے الہی ہے اور رضائے الہی کا محل اس عالم کے بعد عالم آخرت میں جنت اور جنت کے حصول کی علت ایمان ہے اور اس ایمان کی زیادتی اور تقرب کی بڑھوتری کا ذریعہ اعمال یعنی اعمالِ صالحہ ہیں اور ان اعمالِ صالحہ کو اعمالِ ممنوعہ سے بچا کر جس کا نام تقویٰ ہے تو یہ وسائل و اسباب ہیں۔

الغرض اصل مقصود جو رضائے الہی ہے اس کی علت تو ایمان ہے اگر ایمان نہیں ہے تو رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جنت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ علت ہے اس علتِ ایمان کے ساتھ اب ایمان کی بڑھوتری کے اسباب، ذرائع اور وسائل وہ اعمالِ صالحہ ہیں اور ان اعمالِ صالحہ کے ساتھ ان اعمالِ صالحہ میں کمی نہ کر دینے والی چیز وہ تقویٰ ہے اسی آمنو کے بعد اتقوا اللہ ہے اے ایمان والو! کہ ایمان تو ہے پھر یہ اتقوا اللہ کیا ہے اس تقویٰ ایمانی کے ساتھ جو دوسرا تقویٰ ہے وہ زیادتِ تقویٰ ایمانی کے لئے لیزدادوا ایمانا مع ایمانہم فرمایا۔





تینتالیسویں مجلس

احکام شریعت نہایت عظیم امانت ہیں

موزہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۱۱ء بمطابق ۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء بروز شنبہ

اللہ تعالیٰ نے خود ہی بندوں کو کام سپرد فرما دیا :

اللہ تعالیٰ نے خود ہی کام بندوں کے سپرد کر دیا ہے، اور وہ ایسے کہ الست بربکم کہہ کر اور بلی کہلوا کر فرما دیا کہ بس یہ میرے احکام ہیں ان کو بجالاتے رہنا، سپرد کر دیا تو اس عالم میں موجود فرما کر پھر اس کی یاد دہانی فرمادی انا عرضنا الامانة تو امانت احکام سپرد فرمادی، اب اس امانت میں خیانت کیسی؟ اس کی تو ضمانت ہوگی۔ اب اس کی حفاظت بڑی لازمی ہوگئی، اور قاعدہ ہے کہ جیسی امانت کوئی کسی کے سپرد کرتا ہے ویسی ہی امانت کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ دیکھنا ہوتا ہے یہ امانت کی چیز کہاں اور کس جگہ چھپا کر رکھوں۔ ایسی مستور اور پوشیدہ رہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے اور ایسی عمارت میں کہ نہ ٹوٹے نہ گرے اور ایسا تالا ہو کہ نہ کٹے اور ایسی کنجی ہو کہ دوسری نہ پڑے یعنی دوسری کنجی نہ لگ سکے۔ اس لئے یہ امانت احکام خداوندی سوچ لیں کہ کیسی

امانت ہے۔ ایسی ہے کہ لا الہ کی کنجی سے بند ہو کر الا اللہ کی کنجی سے کھولتا رہے اور آگے بڑھتا رہے۔

ایمان عظیم ترین نعمت اور عظیم ترین امانت ہے :

اور لا الہ الا اللہ بشمول محمد رسول اللہ ﷺ پر عظیم نعمت ہے، عظیم امانت ہے اللہ تعالیٰ کو اس نعمتِ عظیم ایمان پر بڑی محبت آئی ہے، اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری جوئی ہے یعنی احکامِ الہیہ کی بجا آوری جو قبول کی ہے اس کا برابر خیال اور لحاظ رکھیں۔ اس کو انجام دیتے رہیں اللہ تعالیٰ کے کرم کے شکر یہ کے ساتھ کہ ہم سے وہ ذات خدمت لے رہی ہے، یہ اس کا فضل و احسان ہے۔ دیکھو اگر کوئی شیخ اپنا خدمت بتلا دے تو جی خوش ہوگا کہ نہیں ہوگا۔

طاعات کو خوشی خوشی انجام دے :

اسی طرح یہاں بھی یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے عرض بھی نہیں کیا خود ذاتِ باری تعالیٰ مرہی حقیقی نے ہم کو خدمت سپرد فرمادی، یہ ان کی درہ نوازی اور کرم فرمائی ہے جیسے مرہی مجازی، شیخ کوئی خدمت سپرد کر دے اور ہر ایک سے کہا بھی نہیں جاتا بلکہ اسی سے کہا جاتا ہے جس سے بے تکلفی ہو جائے جس سے محبت زیادہ ظاہر ہو جائے گویا شیخ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ ارے جب تو بے تکلف ہو گیا تو میں بھی بے تکلف ہو گیا لہذا تجھے میں خدمت کے لئے کہہ رہا ہوں تو خود سمجھ لے کہ تیری بے تکلفی ہے، اب میں تجھ سے نہ کہوں اور کس سے کہوں تو محبت اور تعلق والا یہ سوچے گا کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے لہذا خوشی خوشی انجام دے گا۔ اسی طرح حق

تعالیٰ مرہی حقیقی کی جو خدمات ہیں یعنی جو شرعی طاعات ہیں ان کو انجام دیتا رہے۔ عقل خود اس کو تجویز کرتی ہے اور جی چاہتا ہے جیسے شیخ کبھی کسی خدمت کے لئے کہے اور کہہ دیا اور بلا کہے کہہ دیا تو بس مزید پھول گیا لوگوں سے بھی کہہ رہا ہے آج مجھ سے حضرت نے فلاں خدمت کے لئے فرمایا تھا بس کچھ مت پوچھو باغ باغ ہے میرا دل تو مرہی حقیقی ذات باری تعالیٰ کے فرمان کا کیا عالم ہوگا؟

جان و مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں استعمال ہو :

اور جب یوں بھی فرمادیں سب کو "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنة" اور با کے معنی شرح مائتہ عامل میں عوض بھی ہے اختصاص بھی ہے مقابلہ کے لئے بھی آتا ہے اور نہ معلوم کیا کیا ہیں "بان لہم الجنة" ان کا اسم ہے الجنة۔ کیا اس میں تمہیں کچھ شبہ ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اس میں تمہیں کچھ شبہ ہے؟ بالتحقیق بلا شک و شبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں کو تمہارے مالوں کو خرید لیا ہے، تم نے بیچ دیا ہے میں نے خرید لیا ہے، اب تمہارا اس میں کیا دخل ہے، تمہارے ان مالوں میں اور ان جانوں میں بتاؤ کیا دخل ہے۔

دیکھیے! جب کسی نے اپنی زمین بیچ دی کسی کو تو اس میں کیا دخل ہے اپنے پاس مال تھا جب کسی کو دیدیا تو کیا دخل ہے اور جب جان بھی سپرد کر دی اپنی جان کا کیا دخل ہے جس سے محبت ہو گئی دنیاوی اس سے کہتے ہیں کہ یار کیا بات کر رہے ہو جان و مال سب تمہارے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے روزانہ کے محاورہ میں ہم سے خطاب فرما رہے ہیں کہ تم تو خود جانتے ہو جب تم میں سے کوئی اپنی کسی چیز کو جان و مال کو سپرد کر دے، تمہارا کیا دخل رہتا ہے تو ایسے ہی یہاں سمجھو کہ تمہاری جان

اور مال ہمارا ہو چکا ہے تو اب تمہاری جان و مال میں تمہارا کیا دخل ہے؟
پس جہاں تمہاری جان کے خرچ کرنے کو کہوں وہاں جان خرچ کرو تو ہر
موقعہ پر یہ دیکھ لیا کرو یہاں خرچ کرنے کو کہا بھی یا نہیں کہا؟ یا خواہ مخواہ خرچ کر رہے
ہو اور جہاں مال خرچ کرنے کو کہا وہاں مال خرچ کرو۔ چونکہ وہ مال میرا ہے، مگر
تمہارے پاس میں نے رکھ دیا ہے مُستعار یا امانت..... اور میں نے تم کو اجازت
دیدی ہے تو پھر تم کو جان و مال کا کیا دخل ہے تو جہاں میں کہوں وہاں جان اور جہاں
میں کہوں وہاں مال لگاؤ خرچ کرو۔ تو اب بندہ کہہ رہا ہے، بہت اچھا آج سے حکم سر
اور آنکھوں پر ہے تو آگے کچھ کہنا تو نہ چاہیے تھا کہ یہ تو اُن کی کرم فرمائی ہے جو یوں
فرما رہے ہیں ورنہ تو فی الحقیقت جان بھی اُن کی مال بھی اُن کا یہ خریدنے کا کیا
سوال؟ یہ تو اُن کی کرم فرمائی ہے کہ یوں فرما رہے ہیں ورنہ تو بلا واسطہ اور بغیر عوض
جان بھی انہیں کی مال بھی ان کا، یہ تو اُن کا کرم ہے کہ یوں فرما رہے ہیں کہ ہاں چلو
مان لیا جان بھی تمہاری مال بھی تمہارا مگر وہ تو بکا ہوا ہے۔ تو اولاً بالذات تو میرا ہی ہے
لیکن خیر تمہارا ہی سہی، لیکن تم نے تو بیچ دیا۔ ہم نے کب بیچا ہے؟ گویا حق تعالیٰ فرما
رہے ہیں کہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ باغ و بہار کی جگہ دیدیجیے ہمیں تو کیا مفت ہی دے
دوں، ایسا باغ و بہار کہ تم نے کبھی سنا نہ ہو، کبھی دیکھا بھی نہ ہو، تمہارے دل میں کبھی
خیال بھی نہ گذرا ہو۔ تم اس کو مانگ رہے ہو تو اس چیز کے لینے میں کچھ عوض ہوا کرتا
ہے۔ تو ایسی چیز مانگ رہے ہو اور دائمی طور پر مانگ رہے ہو اچھا تو اللہ تعالیٰ جب
ایسی چیز دے رہے ہیں تو ہم کیا دیدیں ہم تو فانی ہیں اور وہ باقی ہے تو اس کا عوض کیا
ہو سکتا ہے؟ ہاں ہو تو نہیں سکتا ہے لیکن میرا کرم ہے اس باقی کو فانی کے عوض دے رہا

ہوں، واہ اللہ میاں کیا چیز ہے وہ؟ وہ تمہاری جان اور تمہارا مال ہے بس وہ دیدو ہمیں۔ اے اللہ تعالیٰ طبیعت شرما گئی..... شرما کیوں گئی؟ جان بھی آپ کی مال بھی آپ کا وہ تو آپ ہی کا ہے، ہاں یہ تیری سعادت ہے۔ اب تو ہم تیری طرف منسوب کر رہے ہیں، اب اسی مال کو جو تو کہہ رہا ہے کہ میرا ہے اور جان بھی تیری سعادت ہے۔ اسی جان اور اسی مال کو تو رکھ تو اپنے پاس ہی مگر جہاں کہا کروں وہاں خرچ کر دیا کرنا جان کو بھی اور جہاں کہا کروں وہاں خرچ کر دینا مال کو بھی بس اور جہاں خرچ کرنے جان کو کہا کروں، وہ بھی تیرے نفع کے لئے یہ احقر کیا کہہ رہا ہے، وہ بھی تیرے نفع کے لئے، تو جہاں میں کہوں وہاں استعمال کر..... اب نہیں پانچ وقت میں وہاں خرچ کر دینا تو میرے لئے خرچ کر رہا ہے..... تو جہاں میں کہوں پنجوقتہ وہاں جان خرچ کرنا تیرا ہی نفع ہے اور نقصان سے بچنا ہے۔ اور جہاں مال کو خرچ کرنے کے لئے کہوں وہاں مال کو خرچ کرنا تیرے ہی نفع کے لئے خرچ کرنا ہے نقصان سے بچنے کے لئے اپنے پاس ہی رکھ، بس یہ عوض ہے تو اب وہ جان وہ مال فانی چیز باقی کے عوض ہے۔

اے اللہ! یہ آپ کا کرم ہے اس باقی کے عوض یہ فانی چیز اور پھر میں آپ کے خلاف خرچ کروں اور مال خرچ کروں تو پھر میری سعادت کہاں رہی، اور جب سعادت نہ رہی تو سعید کہاں رہا اور جب نہ رہا تو اما الذین سعدوا ففی الجنة کا مصداق کہاں رہا ایسے آدمی کا دل رو رہا ہے، اور یوں گویا کہ کہہ رہا ہے کہ مصداق میں کہاں رہا۔ اے اللہ تعالیٰ میری سعادت کو آپ باقی رکھیے، شقاوت سے بچائیے کہ شقی بمقابل سعید ہے۔ اور سعید کے متعلق وعدہ ہے ففی الجنة۔

شیخ کی خدمت دلچسپی سے ہو :

جب شیخ مربی مجازی بہ تربیت روحانی کے واسطے دل چاہتا ہے کہ کسی خدمت کے لئے فرمادیں اب جب فرمادیا تو طبیعت میں لہر آگئی۔ اس سے اندازہ کیجئے گا کہ جب شیخ مجازی ایسی محبت میں کوئی کام سپرد کریں، خدمت کے لئے فرمائیں تو سرو آنکھوں سے قبول ہے وہ تو علی الراس والعین کہتا ہے، تو مربی حقیقی کسی خدمت کے لئے فرمادیں تو سب سے بڑھ کر اولاً اپنا ہاتھ بڑھا جائے کہ میں آگے نکل جاؤں اور والسابقون السابقون کی ندا کان میں اور دل میں آجائے تو اس کے نتیجہ میں اولئک ہم المقربون ہے اور سبقت کرنے میں اپنی جیسی کوشش کرتا رہے، امتحان میں فرسٹ کلاس اور اول نمبر آنا چاہیں، فانی چیز کے لئے تو اول نمبر کی کیا ضرورت ہے۔ تو قرآن شریف میں تین جماعتیں بیان کیں اول مقررین دوسرے ابرار ہیں، اور آگے چھوڑ دو غیر اسلام کو، تو ابرار اور ابرار سے آگے مقررین تو مقررین وہ السابقون السابقون ہیں جیسے مہاجرین سابقین، وہ مقررین ہیں اور بعد کے جو مہاجرین ہیں وہ ابرار ہیں تو درجہ مہاجرین اول کا اولیٰ ہوا تو پہلے ہاتھ مارے اپنی جیسی کوشش کرے، کیونکہ عزت، مال و دولت کوئی چیز نہیں، ایمان کی حفاظت کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اسی کو عرض کیا جا رہا تھا جان کیا چیز ہے؟ مال کیا چیز ہے؟ اور جب تم ہمیں دے بھی چکے اور ہم خرید بھی چکے اور اس کی تم نے خود پسند کر کے امانت رکھ لی تو ایمان کی امانت کے مقابلہ میں جان و مال کوئی چیز نہیں، جہاں ہم جان کو کہیں گے خرچ کرو، جہاں ہم مال کو کہیں گے خرچ کرو کوئی بات نہیں، ”ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة“ بھلا قدیم کے مقابلہ میں حادث کیا چیز ہے؟ اور بقاء کے مقابلہ میں فناء کیا چیز ہے؟

شیخ سے محبت اور پیار ہو :

اس لئے میں نے ایک نظیر پیش کی تھی آپ کی خدمت میں کہ جس کو واقعی شیخ کہتے ہیں اور اپنا مربی اور اعتمادِ کامل، اعتقادِ جازم کے ساتھ اختیار کیا ہے اپنے کو اس کے سپرد کیا ہے تو اس سے زیادہ دُنیا بھر میں اور کسی سے محبت نہیں، وہ اگر پیار سے بولے تب تو پیار ہے ہی اور اگر سختی سے بولے تب بھی پیار ہے، نرمی سے بولے تب پیار ہے دھتکار دے تب پیار سے کہتے ہیں محبت۔

مخلص اور منافق کی پہچان :

کُتے کو پالنا تو جائز ہے زراعت کھیتی کی حفاظت کے لئے مکان کی حفاظت کے لئے اور شکار کے لئے لیکن گھر میں رکھنا جائز نہیں، بعض دفعہ مالک کتے کو مار رہا ہے اور اس کو یوں کہہ کر دور کر رہا ہے ہش ہٹ لیکن وہ کہتا ہے کہ مجھے آپکی چوکٹ چھوڑنا نہیں کتا بزبانِ حال کہ رہا ہے، ماریے گا مگر آپ کی چوکٹ مجھے چھوڑنا نہیں.....

آیا ہوں ترے در پہ، کچھ کر کے ہٹوں گا

تو کر دے میرا فیصلہ ورنہ مر کے ہٹوں گا

کتا کہہ رہا ہے سبق دے رہا ہے کہ بہت اچھا، پیار آیا پیار کے معنی محبت کے ہیں، محبت و پیار تو وہ ہے جو پیار پر مار ہو اور پھر بھی پیار ہو وہ ہے محبت، جب کھانے اچھے اچھے دیتے رہیں، صحت و تندرستی اچھی اچھی دیتے رہیں، دُنیا کی عزتیں دیتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کو پیار آ رہا ہے اور ذرا کچھ اس میں جھبکی آگئی خلاف میں، تو آزمائش ہوگئی معلوم ہو گیا حق تعالیٰ کا مخلص کون ہے اور منافق کون ہے۔ ان کو پہچاننا قرآن

پاک میں بہت ضروری ہے حق تعالیٰ کو معلوم ہے مگر حال ظاہر میں دیکھنا ہے اور اس کو دکھانا چاہتے ہیں کہ تیرے اندر کیسا اخلاص تھا تیرے کلام میں کتنی سچائی تھی، تیرے قدم میں کتنا اخلاص تھا بس ذرا سی ہوا مل گئی، تو ایمان کا رہا یا نفاق کا ہو گیا۔ ارشاد ہے:

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون بس کہہ دیا: امنا تو کافی ہو گیا، قرآن پاک میں ہے کیا گمان کر رکھا ہے لوگوں نے اس طرح سے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں امنا کہنے سے اور ان کی آزمائش نہ ہو۔

مرید کی مار سے مزہ آتا ہے :

پیار پر تو پیار ہے دیکھنا یہ ہے کہ آر پر بھی پیار ہے کہ نہیں یا عار آتی ہے، اسے کہتے ہیں پیار، شیخ نکال رہا ہے مگر نکلتا نہیں، اور بیعت جب ٹوٹے گی جب مرید نکلے، لہذا شیخ ہزار دفعہ کہے تو میرا مرید نہیں مرید رہے گا، کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک وہ بالقصد اپنے ارادہ سے مرید ہونے سے نہ نکلے، اسے تو پیار آ رہا ہے آپ کے اس کہنے پر نکلو، مجھے تو پیار آ رہا ہے، ذرا بھی فرق دل میں تو کیا آتا چہرہ پر بل بھی نہیں آتا۔

مؤمن کو تکلیف میں بھی مزہ آتا ہے :

باری تعالیٰ کے احسانات میں سے وجود ہی ایک ایسا احسان ہے کہ جس کا کوئی حق ادا نہیں ہو سکتا، اور اس کے لئے سارے سامان میسر کہ جس کی زندگی کے لئے جتنے وہ سب کے سب میسر کتنا بڑا احسان کتنی بڑی نعمت ہے ساری عمر کے لئے تو اگر ذات باری تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات کڑواہٹ کی آجائے تو کیا اس کو زبان پر لائے کہ واہ اللہ میاں واہ آج یہ کیسا ہو گیا؟ اور یاد رکھو کہ میٹھے کا مزہ اتب ہی آ سکتا ہے صحیح طریقے سے جب کہ کڑوی چیز بھی چکھی ہو یہ بشارت ہوگئی، میٹھی چیز کھاتے رہیں لیکن

قدر نہیں کہ میٹھی ہے اور جس دن کڑوی چیز مل جائے اب پھر دیکھیں اوہو یہ کیا ہو گیا کہ کڑوی چیز کھائی نہیں اور جو کھائی تھی وہ تو میٹھی چیز تھی اس کی قدر کھل گئی، قدر کا علم ہو گیا ویسے ہی پیار کی قدر پر جب آرگلی اور عار نہیں آئی جیہی تو پیار کی قدر ہے۔

بچوں میں خلوص زیادہ ہوتا ہے :

ان بچوں کو تو یہ خبر نہیں کہ ثواب ملے گا یہ کیا جانیں بچوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ بدلہ ملے گا پیسہ دو پیسہ، بچوں کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ دُعا ہی ملے گی اس سے زیادہ محبت کون سی ہوگی نہ پیسوں کا عوض، نہ دُعا کا عوض نہ طمع کچھ نہیں ان کے ذہن میں۔

بچے کے خلوص میں اور بڑے کے خلوص میں زمین و آسمان کا فرق ہے بڑے کے تو کچھ نہ کچھ ذہن میں ہوگا، کم از کم ثواب تو ہوگا، اور یہ تو ہوگا کہ بزرگوں کی خدمت کرنے سے دوسروں کی نگاہوں میں کچھ نہ کچھ عزت ہو جاتی ہے، بزرگوں کی خدمت کرتا ہے اور کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے اور بچے کے ذہن میں تو کچھ بھی نہیں۔

دادا کو پوتے سے فطری محبت ہوتی ہے :

دادا کو جتنی محبت پوتے کی ہوتی ہے، اتنی محبت باپ کو ہے تو مگر اس کا اظہار نہیں ہونے پاتا۔ بیمار ہے دادا لئے پھرے کندھے پر، اس پوتے سے کیا امید ہوگی، باپ کو تو کچھ ہوگی ابھی تو جوان ہے باپ، دادا میاں کے پاؤں لٹکے ہوئے ہیں قبر میں، اس سے کیا امید ہے کہ ہمارے ہاتھ پاؤں دبائے گا کما کے کچھ کھلائے گا ہماری راحت پہنچنے کا کچھ سبب بنے گا۔ ہم نے بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ بڈھا اور بچہ دونوں برابر، نہ تو بچہ کے ذہن میں کچھ ایسی چیزیں ہیں طمع وغیرہ کی، اور نہ دادا وغیرہ

کے ذہن میں ایسی کچھ چیزیں ہیں حرص و طمع کی، تو بڑھا بھی مخلص بچہ بھی مخلص۔

اللہ کی محبت مؤمن سے ازلی ہے :

تو بندہ مؤمن کو جو بچہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت ہے لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کو بندہ مؤمن سے جو محبت ہے وہ محبت کہاں ہے بندہ کو ارے کم از کم دل تو رو جائے بندہ مؤمن کو محبت نہیں تھی تو ایمان کیسے لایا تو بندہ مؤمن کو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے تسلیم ہے لیکن ذاتِ باری تعالیٰ کو بندہ مؤمن کے ساتھ جو محبت ہے وہ بندہ میں ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ کہاں ہے۔ وہ تو ازلی ہے ابدی ہے، جب دادا صاحب کو پوتے کی اتنی محبت ہے تو اللہ میاں کو بندہ مؤمن کے ساتھ کتنی محبت ہوگی اے اللہ ہمیں اپنی محبت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

مؤمن کو ذاتِ باری تعالیٰ کا پروانہ ہونا چاہیے :

تو شیخ کچھ خدمت کے لئے کہتا ہے تو تربیت پرواز کر جاتی ہے پروانہ بن جاتا ہے۔ تو ذاتِ باری تعالیٰ نے جو خدمت سپرد کی ہے اس کے لئے اس بندہ مؤمن کو کیسا پروانہ بننا چاہیے تو پروانہ نو پر عاشق ہے اور لپک لپک کر لو کی طرف جا رہا ہے اور جانتا ہے کہ جل جاؤں گا ہاں جلنے ہی کے لئے تو پروانہ ہے پھر جلنے دو کیا پرواہ ہے۔ عشق بھی یوں ہی کہتا ہے کہ میں جلنے ہی کے لئے ہوں پھر مجھے جلنے کی کیا پرواہ ہے کہ کوئی کیا کہے گا.....

عاشق بدنام کو پروانہ نیک و نام کیا

جو خود ہی ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

محبتِ کاملہ کا اثر طاعتِ کاملہ ہے :

کیونکہ بدنام ہوتا ہے عاشق لوگوں کی نگاہوں میں اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا

ہے جو کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے : لایؤمن احدکم حتی یقال انه مجنون -

تم میں کوئی شخص مومنوں میں سے مومنِ کامل نہیں ہو سکتا جب تک دیکھنے والا تم کو یوں

نہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے۔ اے مومنو! تم اس وقت تک مومنِ کامل نہیں ہو سکتے جب

تک کہ دوسرا دیکھنے والا تم کو یہ نہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اب گویا مہر لگ گئی لوگوں کی

اس کے پاگل کہنے پر کہ اس کو محبتِ کاملہ ہے کہ پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے،

برادری کے لوگ کیا کہیں گے کہ کس طرح نکاح کیا، اس طرح کہیں نکاح ہوتا ہے۔

کچھ پرواہ نہیں کرتا وہ تو شریعت کے مطابق نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن برادری طعنہ دے

رہی ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کیونکہ عاشقِ الہی ہے، بدنام کر رہے ہیں یہ تو پاگل ہے

یہ کیا جانے دُنیا کو سنبھالنا کسے کہتے ہیں، یہ تو دقیانوس ہے اسے زمانہ کی کچھ خبر نہیں یہ

پرانا آدمی ہے اس کو کچھ خبر نہیں، اسے کہہ رہے ہیں پاگل دیندارِ کامل کو لوگ پاگل کہتے

ہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو رہے ہیں کہ میرے ایسے بندے کو لوگ پاگل

کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوگی اس شخص پر، اس شخص پر جس کو پاگل کہا، اور جس

نے پاگل کہا ہے اس پر حق تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ ہے رضی اللہ عنہم ورضوا

عنه ذلك لمن خشي ربه کیونکہ وہ تو پروانہ ہے، اڑنے والا چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن اُو

پر عاشق ہے یہ کہتا ہے کہ میں بھی پروانہ اُڑا اُڑ کر چکر کا تار ہا ہوں گا۔

پریدن کے معنی ہیں اُڑنا مَوْنُثِ سَمَاعِیِ پروانہ ہے اُڑا اُڑ کر جا رہا ہے، اور لوگ

اس کو جھڑک دیتے ہیں، پھر جا رہا ہے ارے تو یہاں جلنے کے لئے کیوں آ رہا ہے تجھے

اپنی جان پیاری نہیں ہے، میں تو جان آپ کو دے چکا ہوں، پھر جان کی پروا کیسی؟ وہ تو آپ ہی کیلئے تو ہے یا نہیں؟ اور دشمنوں کو جلانے کے لئے ہے آپ کی راہ میں جلنے کے لئے ہے، اس لئے جل جل کر ہمارے ایمان پر ایسی ایسی بات کہتے ہیں، اور جل جل کر ہمارے ایمان کے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں، جی اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جل رہا ہے اور دشمنوں کو جلا رہا ہے۔

خدا کی نوازش پر ناز نہ آنا چاہیے :

کیا ایک پیسہ والوں کو بھی مالدار کہتے ہیں؟ کیا پیسہ مال نہیں ہے لیکن کوئی کہہ دے گا مالدار؟ یوں تو ایمان ہے لیکن اس کو کہتے ہیں ایمان، اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے اس ایمان کی توفیقات سے نوازیں، وہ نوازیں اور ناز نہ آئے نیاز رہے کیونکہ ان کی بخشش ہے تو پھر ناز کی کیا بات ہے بلکہ جتنا بھی نیاز ہو تھوڑا ہے اطاعت پر چلتے رہیں اور دعاؤں سے غافل نہ ہوتے رہیں۔

حضرت سید الانبیاء ﷺ کو عبد کا لقب ملا :

اس لئے اس کا نام عبد ہے عبد کامل، اس سے اونچا کوئی عہدہ، اس سے اونچا کوئی تخلص نہیں کہ رسول پاک ﷺ کو بھی جب خطاب دے رہے ہیں تو عبد کے عنوان سے عبد کے تخلص سے عبد کے لقب کے ساتھ، جب خط لکھتے ہیں کسی کو دعوت پر تو بڑے بڑے القاب لکھتے ہیں۔ لیکن ذات باری تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا عنوان، خطاب عبد کا ہے انتہائی درجہ کی عاجزی و انکساری لفظ عبد میں رکھی ہوئی ہے۔ سبحان الذی اسری بعبدہ اور مراد حبیب سردارِ دو جہان سید الانبیاء والملائکہ ﷺ ہیں اور عبد خطاب سے بلائے جا رہے ہیں۔

سبحان کہنے میں حکمت اور شبہ کا جواب :

اور شروع کیا سبحان اللہ سے یوں نہیں کہا: اللہ الذی یعنی اپنی صفت منزه
مُبرّاسے کہ اس ذات میں کسی قسم کی کسی اعتبار سے کسی وقت میں کسی زمانہ میں کسی
مکان میں بھی نقص ہے ہی نہیں اس میں تو پورا کمال ہے، پھر اگر وہ دعوت دے کسی کو تو
تمام راستہ اس کے مجھ تک پہنچنے کیلئے سب صاف شفاف کھلے ہوئے ہیں کوئی چیز بیچ
میں مانع، دافع کیسے ہو سکتی ہے کہیں طبقہ زمہریر میں ٹھنڈک تو کچھ نہیں طبقہ نار یہ آئے تو
کچھ نہیں طبقہ ہوا سیہ آئے تو کچھ نہیں، کیونکہ پہلے کہتے تھے کہ طبقہ زمہریری ہے، بھلا
کیسے گذرے ہوں گے، ارے دیکھو تو سہی براق اڑ رہا ہے، جب کوئی ملک کا وزیر اعظم
صدر بادشاہ دعوت دیتا ہے تو سواری کیسی ہوتی ہے اس کی اور راستے اس کے کتنے
صاف کہ اس وقت تک کوئی سواری گذر بھی نہیں سکتی، سڑک کیسی صاف اور راستہ کے
موانع سارے ختم بڑی آسانی بڑی راحت کے ساتھ بڑی فرحت بڑے سکون کے
ساتھ بڑے چین کے ساتھ سواری چلی جاتی ہے تو وہ ذاتِ قادر

قدرت تو داری ہرچہ خواہی میکنی

زندہ را مردہ کنی مردہ را زندہ کنی

جو زندہ تھے وہ سب مردہ ہو گئے مردہ بھی زندہ ہو گئے، طبقہ زمہریر بھی مردہ

ہو گیا طبقہ نار یہ وہ بھی مردہ بن گئی سب مردہ ہو گئے، سب میدان صاف تو کہا: سبحان

الذی اس لفظ سبحان میں معترضوں کے شبہ کا جواب ہے کہیں مت جاؤ سبحان کے لفظ

میں معترضوں کے اعتراض کا جواب ہے۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں عبدیتِ کاملہ تھی :

اور لفظِ عبد میں روضیت کا اظہار ہے، تو ایسا ہے جس کو بک یا جارہا ہے زمین سے لیکر اور جہاں تک اس کو بک یا جارہا ہے سب صاف عبدیتِ کاملہ، یہ عہدہ بہت اونچا ہے اور آپ کی عبدیتِ کاملہ لامتناہی تو پھر سید الانبیاء والمرسلین سید الملائک صلی اللہ علیہ وسلم وہ نہیں تو کون ہوگا جس کو لفظِ عبد کے ساتھ یاد کیا جا رہا ہے۔

حضرت بشر حافی کی عظمت و محبت کا ظہور :

جب بندوں میں کوئی ایسا بندہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ کبھی اظہار کھے لئے فرمادیتے ہیں، بندے تو اور بھی ہوتے ہوں گے لیکن جب ایک بندہ میں توبہ نصوح کے ساتھ اور ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت و عظمت کو لیکر کھڑا ہوا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ فرمادیتے ہیں کہ جہاں جہاں اس کے قدم پڑ جائیں تو اے پرند و چرند! تمہاری وہاں گو بر اور مینگنی نہ پڑنے پائیں، وہ تو ننگے پیر پھرتے تھے توبہ نصوح کے بعد اور جب کسی نے کہا تو کیا کہا زمین اللہ تعالیٰ کا فرش اور بادشاہوں کے فرشوں پر ننگے پیر چلا کرتے ہیں تو پھر میں جو تے لیکر کیسے چلوں اس کا ظہور اب ہوا، طالبِ علموں میں کچھ شوخی ہوتی ہے کہ مؤمن، مسلمان امتی ہو کر زمین کو اللہ تعالیٰ کا فرش کہہ رہے ہیں اور بادشاہ کا فرش ہے اور بادشاہ کے فرش پر کہیں جوتے پہن کر چلا کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کے دو جواب :

اب طالبِ علمانہ شبہ ہو گیا۔ پیغمبرانہ اُسوۂ حسنہ ذہن میں ہے نہیں، تو کیا حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی اتنی عظمت نہیں تھی العیاذ باللہ! کیا اتنی محبت نہیں تھی جیسی

کہ بشرحانی ظاہر کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ حال پر قادر ہیں، حال تابع ہے حضور ﷺ کے نمبر ایک، نمبر دو کہ حضور اکرم ﷺ اپنے اقتدائیت کے واسطے تشریف لائے تھے، سارے مقتدی، آپ ﷺ متبوع سارے تابع، آپ ﷺ کا ہر فعل و عمل اتباعیت کو لئے ہوئے ہیں، اگر آپ ﷺ ننگے پیر چلتے رہتے تو اس مخلوق امتی کا ننگے پیر چلنے کا حال کیا ہوتا؟ آپ ﷺ تو چل لیتے گوارہ فرما لیتے، بشرحانی بیچارے حضور ﷺ کے سامنے کیا چیز ہیں، لیکن امت کے لئے دشواری تھی۔

سالمک اور خشک صوفی کو ہدایت :

ولی کے احوال سے اپنے احوال کو نہ ملاؤ کہ نہیں ملتے، صحابی کے ساتھ ملاؤ نبی کے ساتھ ملاؤ ملتے ہیں اگرچہ اس ولی کے ساتھ حال سے حال نہیں ملتا پرواہ نہیں ہے کچھ گنجلک نہیں ہے تشویش نہیں ہے اپنے اوپر جھنجھلاہٹ نہیں ہے طبیعت میں ٹھنڈا پن نہیں ہے گرما گرمی وہی ہے طبیعت بجھی ہوئی نہیں ہے۔ جب ایسے شخص کو جب کچھ حقیقت شناس ہو گیا ہے کہیں کوئی جگہ مل گئی ہے اس طرح بیٹھنے کی اب ایسے صوفی صاحب کو ایسے طالب تزکیہ کو تذکرۃ الاولیاء کے مطالعہ میں کچھ حرج نہیں ہے ورنہ بڑا حرج ہے وہ تنگ حال نہیں ہوگا، اس کی طبیعت بجھے گی نہیں اور جب تک ایسا نہیں ہوا صوفی! ابھی بیچ میں بیچارہ پڑا ہوا ہے اس کو تذکرۃ الاولیاء کا مطالعہ جائز نہیں ہے، بُستان العارفین دیکھنا جائز نہیں ہے ایسا صوفی تو اپنی ساری ریاضتوں مجاہدوں کو بے کار سمجھے گا اور روٹ کر بیٹھ جائے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز ہی چھوڑ دے۔

محبت کے آثار اور اس کا مقتضی :

تو شیخ کے ساتھ محبت تمام دنیا بھر سے زیادہ ہو اس لئے تجویز تشخیص کے بعد

ہو۔ اب جب پھر بھی وہی خدمت کے لئے وہ کہتا ہے تو مرید کا جی پھول جاتا ہے حتیٰ کہ دوسروں کے آگے تذکرہ بھی کرتا ہے مجھ سے حضرت نے آج خدمت لی جو کہ مرہی مجازی ہے تو مرہی حقیقی کی محبت کا تقاضا نہیں؟ یہ کہتا ہے کہ بعض صحابیہ نے آ کر عرض کیا حضور ﷺ کا خدمت میں یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی محبت تو ہمیں بھی ہے جیسے مرد صحابہ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ جب خطاب فرماتے ہیں اور علم وحی نازل فرماتے ہیں تو مردوں کے خطاب کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ہمارا بھی یوں جی چاہتا ہے کہ عورتوں کے خطاب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نازل فرما دیا کریں۔ دیکھیے محبت کہہ رہی ہے ہم کو خطاب خاص عنوان کے ساتھ نازل فرمائیں حالانکہ دونوں کے لئے تھا تو ہومن کی محبت کا تقاضا ہوا کہ اپنا خود جی چاہے اللہ تعالیٰ کے مذاق و مزاج اور طبیعت کے موافق کام کرنے کو لیکن کریں تو کیسے کریں کیا میں منتخب کروں اپنی محبت ہی میں ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اور ذات باری تعالیٰ ہی کی عظمت ہی میں ذات باری تعالیٰ کے لئے۔

باپ کو بلا رضا بیٹے کی چیز میں تصرف جائز نہیں :

جیسے باپ نے اپنی چیز بیٹے کو دیدی اب باپ کو بیٹے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اس کی رضا پر موقوف ہے بشرطیکہ عاقل بالغ ہوا اگر بچے کو دیدی ہے تو اس بچے کو مالک بنا کر دینے کے بعد باپ کو بھی اس پیسے میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ رضا سے بھی دے چنانچہ مالک بنا دیا ہے دس پیسے کا اور بازار سے شکر قندی مول کر لے آیا ہے تو باپ کو اس میں کھانا جائز نہیں ہے اگر کھائے گا تو اتنے پیسے جتنی کھائی ہے دینے پڑیں گے کہ اس کی ہے، خیال کرنے کی بات ہے۔

بندہ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے :

اللہ تعالیٰ بندہ سے ایسا برتاؤ فرما رہے ہیں جیسے کہ باپ بیٹے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آج کل جانتے نہیں کہ بڑے چھوٹے کی حوصلہ افزائی کیسے کریں؟ ہاں اچھا پڑھا لکھا ہے بیچارے نے الفاظ پڑھ لئے کچھ معنی جان لیے، طاہر داری ہو گئی اندر کیا جانے بیچارہ باپ بننے والے جانتے ہی نہیں کہ بچہ کی حوصلہ افزائی کس طرح کرنی چاہیے۔ بیٹے کی حوصلہ افزائی میں محنت کرنا پڑے بیچارہ پر، اچھا اس زمانہ کا باپ ہے باپ تو بن گیا مگر باپ بننا نہیں آتا۔ حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ تیری سعادت مندی ہے کہ میں تیری طرف منسوب کر رہا ہوں میں خریدنا چاہتا ہوں ورنہ پھر خریدنے کا کیا سوال؟ اور تو بار بار یہ کہتا ہے یعنی مؤمن جنت جنت تو کیا مفت ہی جنت لے گا؟۔

جنت کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی :

تو جانتا بھی ہے کہ جنت کسے کہتے ہیں کہ ہاں میں نے لغت کی کتاب میں دیکھا تھا، جنت کے معنی تو باغ کے ہیں، تو پھر جنت جنت کہہ رہا ہے تو پھر کسی کے باغ پر قبضہ کر لے اس کی قیمت بھی ادا کرے گا یا مفت ہی تو جنت کا سوال کر رہا ہے۔ پھر اس کا کچھ عوض بھی تو ہونا چاہیے۔ اے بندہ مؤمن! جنت تو میں آپ سے مانگ رہا ہوں، اور آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں وہ تو باغ ایسا عجیب قسم کا کہ میرے خواب میں بھی نہیں آ سکتا تو پھر ہمارے پاس اس کی قیمت مشکل ہے، اس کا عوض ہمیں بہت مشکل ہے کہ جس کی جنت کا میں سوال کر رہا ہوں اور وہ آپ کا لگایا ہوا باغیچہ ہے اور رہے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جو میں کہہ رہا ہوں جو درخواست پیش کر رہا ہوں وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اے اللہ اس کی قیمت پاس تو نہیں آ سکتی جو ہوگی بھی تو وہ فانی ہے

اور میں خود فانی ہوں اور جس چیز کا سوال کیا ہے وہ باقی ہے بھلا فانی چیز سے باقی چیز کی کیا قیمت ادا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہاں یہ تیری سعادت ہے، تجھ کو یہی خیال کرنا چاہیے لیکن میرے کرم اور میرے فضل کا کچھ اور تقاضا ہے۔ کہ تیری فانی چیز کو ایسی باقی چیز کا عوض بنا دیا۔ اے اللہ مؤمن کہہ رہا ہے کہ طبیعت بے چین ہو گئی، تو جلدی بتائیے گا وہ کیا چیز ہے جو میں سپرد کروں آپ کو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: وہ تیری جان اور تیرا مال ہے۔ ہم اس کے عوض میں جنت دیں گے۔ تیری جان اور تیرا مال وہ جنت کے عوض میں بک چکا خریداجا چکا، اب تجھ کو اپنی جان میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تجھ کو مال میں تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جہاں جہاں ہم تجھ کو جان کے تصرف کی اجازت دیں وہاں تجھ کو تصرف کرنا ہوگا بس یہ ہمارا ہے جو تیرے پاس استعمال کے لئے مستعار دیا ہے۔

سعادت کو شریعت میں استقامت کہتے ہیں :

اب اس سعادت کا ثبوت دیتا رہ کہ دیکھیں تو جان کو کہاں خرچ کرتا ہے مال کو کہاں خرچ کرتا ہے۔ اے اللہ مجھ کو توفیق عطا فرمائیے گا اس سعادتمندی کے نبا ہنے کی جس کا نام شریعت میں استقامت ہے۔ اسی لئے اهدنا الصراط المستقیم ہے۔ استقامت کی اللہ سے درخواست ہے کہ سعید بنا رہوں۔ اور سعید کے متعلق آپ نے فرمایا ہے: واما الذین سعدوا ففی الجنة۔

اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت پر ناز سے بچتے ہوئے نیاز کیساتھ رہنے کی توفیق

عطا فرمائے۔



چوالیسویں مجلس

ایمان کا تقاضا ایفائے عہد ہے

مورخہ ۵ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء

بروز چہار شنبہ بوقت صبح جلال آباد

محبت و شفقت کا خطاب :

جوان اولاد بوڑھے باپ پر رحم نہیں کرتی بلکہ اولاد اُلٹی اپنے پر رحم کرانا چاہ رہی ہے بزبانِ حال کہہ رہی ہے کہ میں اُلٹی جو چاہوں کروں جو چاہوں کہوں جہاں چاہے جاؤں مگر مجھ پر رحم کھاؤ یعنی مجھ سے کچھ نہ کہو آزاد اور مخلی بالطبع رہنے دو، تو آپ حضرات بھی اپنے شوق میں نہ آئیے کہ اُلٹے شوق میں تشریف لے آتے ہیں اور پیچھے بوڑھے باپ مجازی پر اپنے شوق میں شفقت کا نام ہی نہیں رکھتے، چلو بڑے میاں کے پاس خیر ٹھیک ہے بہت اچھا ہے۔ بھائی! میرا بھی کچھ وقت آپ حضرات کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ آپ حضرات کی تشریف آوری کے شوق کو دیکھ کر۔

ایک خط :

ایک صاحب کا خط آیا ہے فیروز آباد ضلع آگرہ سے اس کا جواب لکھا ہے میں

نے، پہلے وہ سنا دوں کہ یہاں تشریف آوری پر بندہ کی طرف سے کیا کرتے ہیں۔ خط لکھنے والے تحریر فرماتے ہیں :

احقر کا حضرت والا سے بذریعہ مکاتبت اصلاحی تعلق ہے، اب حضرت والا ملاقات کے لئے دل از حد بے چین ہے، آمد و رفت کا اور زمانہ قیام کا بفرانخی انتظام ہے، گھر میں بھی کسی قسم کی کوئی دشواری احقر کے یہاں سے جانے میں نہیں۔ اس لئے احقر حضرت والا کی زیارت کا متمنی ہے بغرض اصلاح فقط ملنے ہی کو طبیعت چاہ رہی ہے اور ایک ہفتہ کے لئے حاضری کی اجازت کا خواہاں ہے۔ یہ مضمون ہے اب اس کا جواب سنئے!

جواب بزمانہ شناسی :

مکرم! زید مجدہم السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ! آپ کی مخلصانہ محبت اور عظمت شریعت بشرف صالحات، تزکیہ کا شوق، مبارک سفر کا سکون، اور متعلقین کے حقوق کہ ان کو پیچھے انتظام قیام و طعام اور بچوں کی طرف سے اطمینان اور رات کو گھر سونے کے لئے مردِ محرم دیانت دار، دیانتدار کی بھی قید لگادی ہے میں نے! محرم ہے پردہ تو ہے ہی نہیں مگر چونکہ واقعات بہت اُلجھے ہوئے میرے سامنے آچکے ہیں، اگر بتا دیئے جائیں تو آپ حضرات کو اس چودہویں پندرہویں صدی میں سن کر بڑا تعجب ہوگا۔

محرم سے پردہ نہ ہوتب بھی احتیاطاً پردہ سارکھا جائے :

اس سے اندازہ فرمائیے گا کہ اب محرم کا بھی محرم سے گو وہ پردہ نہ ہو مگر پھر بھی ڈھکا چھپا رہنا چاہیے۔ کوئی زبانی آ کر گھر والا کہتا ہے تو کوئی لکھ کر بھیجتا ہے کہ

ہندوستان میں بھی اور غیر ہندوستان بھی کہ حقیقی بھائی حقیقی بہن سے مل گیا حقیقی باپ حقیقی بیٹی سے مل گیا، حقیقی داماد اپنی حقیقی ساس سے مل گیا، یہ سب محرم ہیں تو جب سے اس احقر کو اس قسم کی اطلاعات پہنچی ہیں تو یہ قید لگا دیتا ہوں ”محرم دیانت دار۔“

غیر محرم رشتوں میں تو احتیاط اور زیادہ ضروری ہے :

تو اس سے اندازہ کیجئے گا پھوپھی زاد بہن بھائی، ماموں زاد بہن بھائی، خالہ زاد بہن بھائی وغیرہ جن سے نکاح درست ہے تو ان سبھی سے احتیاط کیسا تھ زندگی میں لازم ہے : اللہم احفظنا۔ اور رات کو گھر سونے کے لئے مرد محرم دیانت دار ہو اور سارے متعلقات کا ہی سبب انتظام ہو، دوکان کر رہا ہے، تجارت کر رہا ہے، کھیتی کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ، اپنی غیر موجودگی کا پورا پورا انتظام ہو تب سفر ہو۔

قیام خانقاہ کے شرائط و اصول :

اور یہاں آ کر کلام میں سکوت ہے کسی سے بات نہیں ملنا نہیں، اور دل میں سکون کہ دل میں کچھ سوچ نہیں، اللہ تعالیٰ احقر کو صحیح خدمت کی مخلص کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

یہ ہیں مکرمان بندہ! تشریف آوری کی شرطیں، اور تشریف رکھنے پر شرطیں اس طرح کوئی آسکتا ہے تو آئے اور رہ سکتا ہے تو رہے ورنہ نہ آئے اور نہ رہے۔

کام سے پہلے اس کے موضوع اور غرض و غایت پر نظر :

ہر کام کا ہر عمل کا ایک موضوع ہوتا ہے، اور اس موضوع کے تحت غرض ہوتی ہے جیسا کہ آپ صاحبان نے پڑھا ہوگا کہ علم صرف کا موضوع کچھ اور نحو کا موضوع

کچھ منطق کا کچھ اور فلسفہ کا کچھ اور، تو ہر چیز کا ایک موضوع ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کی تعریف بھی ہوتی ہے اسی اعتبار سے اسکی کچھ غرض ہوتی ہے، تو کسی شے کی حد، کسی شے کا موضوع اسی شے کی غرض و غایت معلوم کرنا ضروری ہے۔ ان باتوں کو سمجھ کر، سوچ کر اہل عقل، اہل فکر، اہل دانش اُس کام کا اقدام کرتے ہیں اُس کام کے لئے اٹھاتے ہیں۔

صدق و اخلاص کیساتھ کام پر اقدام ہو :

اور دینی لحاظ سے ہر شے پر کامل اخلاص کے ساتھ نیت رضائے الہی کے سوا اور دوسری ہے ہی نہیں، اور پوری صدق کی نیت کے ساتھ کہ اس شے کو ہمیں درجہ کامل پر حاصل کرنا ہے یہ اس کا صدق ہے جب شروع کرنے سے پہلے یہ استحضار ہو گیا، حدی طور، موضوعی طور، غایتی طور اخلاص کے طور، تو یہ سب موضوع کے مقدمات ہیں۔

عدم استحضار سے خلاف موضوع اور نفاق کا صدور :

پھر اقدام کے بعد اقدام کے ساتھ اس کے خلاف کیسا؟ اس لئے کہ اس کے خلاف اقدام تو منافقت ہے مقید خلاف مقید ہو گیا پھر خلاف اقدام کیا، اور آ کر مٹلی بالطبع ہو گیا۔ چلا تھا مقید بالطبع ہو کر اور آ کر ہو گیا مٹلی بالطبع۔ موضوع سے نکل گیا حد سے تجاوز ہو گیا تو یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور وہاں رضائے الہی کی نیت، پھر یہاں پر یہ کیا کہا کہ پیر صاحب کو کیا خبر، شیخ کو کیا خبر۔

قصد اور نیت ہو جانا اللہ تعالیٰ سے عہد ہو جانا ہے :

لیکن جو چلا تھا بیت رضائے الہی، اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے، ان کے تو علم

میں ہے یہ تیرا استحضار جاتا رہا وہ جو اقدام شروع ہو رہا تھا کس لئے تھا کیا نیت تھی، بایں لحاظ تو اللہ تعالیٰ سے عہد تھا اس وقت تو پیر جی سامنے نہیں تھے وہ اللہ تعالیٰ سے عہد تھا قلبی عہد اللہ تعالیٰ سے ہو کر اللہ تعالیٰ سے بیعت تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان الذین یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم۔ وہ جو بیعت ہوئی تھی عالم میثاق میں اور اس کا پھر خلاصہ ظاہر کر دیا تھا اس کلام الہی میں چنانچہ ارشاد فرما دیا: ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنة تو دراصل بیعت اللہ تعالیٰ سے ہوئی بس اب نمونہ ہے عالم شہود میں اس عالم غیب کا کہ ذات باری تعالیٰ نے اصلی بیعت کو بواسطہ مذکور یاد بھی دلا دیا۔ تو جب چلا تھا پیر جی کہاں سامنے تھے؟ مگر اللہ تعالیٰ تو تھے۔

سائلک کے لئے لمحہ فکر یہ اور ایفائے عہد :

تو بیعت اور معاہدہ اللہ تعالیٰ سے ہو گیا تھا اس کا استحضار اس صاحب السلوک کو زندگی بھر موت تک لازم ہو گیا اس کے خلاف میں منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایمان میں اس اعتقاد عہد میں منافقت عملی آگئی، شرک فی العہد ہو گیا اور جس راہ میں قدم اٹھایا تھا اس میں یہ شرک فی السلوک، شرک فی الطریقت ہو گیا، ایمان کا اجمالی جو عہد ہوا تھا اس میں احکام پر عمل کرنے کے لئے بھی عہد آ گیا تھا، اور سب سے پہلے اقیموا الصلوٰۃ سے ندا آئی اذوا الصلوٰۃ نہیں کہا۔

اقیموا الصلوٰۃ کے معنی :

اقیموا الصلوٰۃ کہا، اس اقامت الصلوٰۃ کے لفظ اقامت میں ساری چیزیں نماز کی متعلق بالظاہر اور متعلق بالباطن آگئیں من حیث الاوقات، من حیث الرکعات،

من حیث الارکان، من حیث الشرائط، من حیث الخشوع والخضوع اقيموا الصلوة میں سب آگیا۔

یہ ترکِ صلوة مشرکوں کا کام ہے تمہارا کام نہیں ہے، تم تو مؤمن ہو کیا لفظ شرک و مشرکین کا اپنے لئے عنوان گوارا کرتے ہو؟ کیا یہ خلافِ غیرت نہیں ہے؟ یہ تو مشابہت مشرکین کے ساتھ ہوگئی، اس کی شرح حضور اکرم ﷺ نے فرمائی ہے: ”من تشبه بقوم فهو منهم“ تو یہ ترکِ صلوة مؤمن کی طرف سے مشابہت مشرکوں سے ہوگئی۔ لہذا مؤمن ترکِ صلوة کر کے ایفائے عہد نہ کرنے والا فهو منهم ہوا، انہیں میں سے ہو گیا اور اس ایفائے عہد کا حکم اور اعلان آچکا ہے۔

ایفائے عہد ایمان کا تقاضا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أوفوا بالعقود، اے ایمان والو! اس ایمان کا منشاء ایفائے عہد ہونا چاہیے تم نے عقد کیا ہے ایمان لا کر تو تمہاری زندگی کے سارے جزئیات وافر ہوں گے اور جزئیات کا میں تم کو علم دے رہا ہوں کہ ایمان کے یہ اجزاء ہیں جس کو اسلام کہتے ہیں گویا کہ ایمان، اسلام دونوں میں تساوی کی نسبت ہے۔ گویا کہ اسلام، ایمان جو تصدیقِ قلبی کا نام ہے اس کے لئے شاہد ہے کہ بلا شہادت کے کوئی دعویٰ قبول نہیں ہوتا جس درجہ کی شہادت میں تفریق ہوگی، کبھی فعلِ شرک ہوگا، یہ عمل شاہد شہادت ہے اس باطنِ ایمان کا۔

ترکِ عملِ ظلم ہے اور ظلم پر سزا ہے :

ورنہ پھر مؤمن کو سزا کیوں دی جاتی؟ ان اعمال کے ترک پر ظلم قرار دے کر

سزا کیوں مقرر کی گئی گو عین شرک کی سزا نہ سہی۔ ظلم مجرم کا جیسا ویسی حد یعنی سزا کبھی تعزیر کے طور پر ہوتی ہے کبھی حد کے طور پر ہوتی ہے، کبھی جسمانی ہوتی ہے کبھی مالی ہوتی ہے۔ بحالت حیض زوجہ سے مقاربت حرام ہے لیکن ابتدائے حالت حیض قریب ہونے کی سزا اور ہے اور بحالت انتہائے حیض قریب ہونے کی سزا اور ہے۔ تو جیسا جرم اسی اعتبار سے وہ مجرم، اسی لحاظ سے وہ سزا، تو مانا کہ عین شرک نہیں ہے لیکن درجہ بدرجہ ہونے کی حیثیت سے شرک تو آگیا نفاق تو آگیا اسی اعتبار سے سزا۔ تو یہ سزا کیوں بیان کی؟ تصدیق قلبی تو ہے؟ ایمان تو ہے؟ جو اجزائے ایمانیہ ہیں وہ موجود ہیں۔ اجزائے ایمانیہ تو ہیں لیکن اس کے جو جزئیات ہیں وہ تو پورے نہیں اور جب پورے نہیں تو نقص ہے اور جیسا نقص ہوگا جو کہ جرم ہے اسی اعتبار سے سزا ہے۔

عقد نکاح عقد ایمان کی نظیر ہے :

یٰٰایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود، آمنوا کے بعد ایفائے عقود کا مطالبہ فرمایا ہے تو یہ عقد ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے ضمن میں بہت سے عقود قبول کئے ہیں ان کے پورا کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے نظیر کے طور پر حضرت والا نے بیان فرمایا ہے وعظوں میں کہ شادی ہوگئی اور بیوی آگئی عقد ہو گیا۔ اب میاں بیوی کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے، وہ بیچاری کبھی کچھ کہتی ہے یہ چیز نہیں ہے وہ چیز نہیں ہے اس کی ضرورت ہے اس کو لانا چاہیے، میرے پاس کپڑے، میرے پاس رہنے کا ٹھیک مکان ٹھیک قسم کے کھانے پینے کی چیزیں درکار ہیں۔ آپ نے تو معلوم کر لیا تھا کہ کس گھر کی ہوں کس کنبہ کی ہوں غریب گھر کی ہوں امیر گھر کی ہوں کس شریف خاندان کی ہوں وغیرہ وغیرہ، یہ سب آپ نے معلوم کر لیا تھا مجھے کپڑا، مجھے کھانا، مجھے اپنا رہنے کو مکان

چاہیے، اور میاں کہہ رہے ہیں اللہ کی بندی کیسی باتیں کرتی ہے وہ تو قاضی جی آئے تھے، انھوں نے یوں کہا تھا کہ تمہارا نکاح فلاں لڑکی جو فلاں کی ہے بعوض مہر اتنا تمہارے نکاح میں دی، تم نے قبول کی؟ میں نے کہا قبول کی۔ اس نے تو نہ مکان کا نام لیا نہ کھانے کا نام لیا نہ پینے کا نام لیا، نہ رہنے سہنے کا نہ کپڑے کا پھر کیسی باتیں کر رہی ہو جاہلانہ پاگلانہ۔ اوہو آپ مجھے پاگل کہہ رہے ہیں میں ادب سے کہہ رہی ہوں کہیں خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ آپ باہر جا کر فرمادیں کہ بیوی یوں یوں کہہ رہی تھی تو کہیں آپ کے دوست یوں نہ کہیں کہ وہ پاگل یا آپ پاگل؟

جب آپ نے قاضی جی کے کہنے پر اس کے ایجاب پر قبول فرمایا تھا تو اس کہنے ہی سے کھانا، پینا، رہنا، سہنا، کپڑے یہ سب چیزیں ذمہ ہو گئیں آپ کے۔ چونکہ جب قاضی صاحب نے کہا تھا کہ آپ کے نکاح میں فلاں لڑکی فلاں کی بعوض مہر نکاح میں دی تم نے قبول کیا؟ تو تم نے کہا تھا کہ ہاں میں نے قبول کیا اس میں سب ذمہ داریاں داخل تھیں۔ تو اس قبولِ امرآة میں اس کے جو جزئیاتِ زندگی ہیں وہ تمام تمہارے ذمہ آگئے۔

جوانوں کے لئے انتباہ :

ابھی جوان بچے ہو، شباب ہے اس میں قوتِ غضبیہ بھڑک رہی ہے، قوتِ شہوانیہ چل رہی ہے، قوتِ عقلیہ بلا حکمت ہے، جوان تو ہو لیکن جب گھر چلے تھے جو عرض کیا جا چکا ہے! بازار بایمان ہو کر چلے تھے تو جوان بے زار ہو کر نہیں چلے قوتِ شہویہ لیکر نہیں ہم جب چلے تھے اس کو تو مٹانے کے لئے چلے تھے قوتِ غضبیہ تھی مگر چلے تھے تو قوتِ غضبیہ کو مغلوب کرنے کے لئے، جب چلے تھے تو قوتِ عقلیہ کے جذبات کو چھوڑ

کر چلے تھے افراطِ عقل کو چھوڑ کر چلے تھے۔ جب اس نیت کیساتھ چلے تھے تو اس محل پر جا کر اس کا جو موضوع ہے اس طرح پر قیام، اس طرح پر رہائش کہ جو اس کے اجزاء ہیں اعمالِ صالحہ ظاہرہ و اعمالِ صالحہ باطنہ ان کا استحضار و اہتمام پورا پورا ہو، قلب میں دوسرے کی محبت کی اس طرح کہاں گنجائش جو عہد کیا تھا رضائے الہی کے ساتھ نکلنے میں پھر اس کے خلاف غیر کی محبت کا اثر و آثار کیسے؟

یہ ہے عدمِ اختلاط یہ کون کہتا ہے کہ تم بیوی سے نکاح مت کرو، یہ کون کہتا ہے کہ بچے نہ ہوں، نکاح تو احکام میں سے ہے۔ جب مانع ازدواجی نہ ہوں کہ نہ قوتِ جسمیہ ہے، نہ قوتِ مالیہ ہے نہ طبیعت میں قوتِ غضبیہ کا اعتدال ہے تو مانع موجود ہے نکاح کرنا درست نہیں۔

نکاح کے لئے ایک مانع شرعی :

قوتِ مالیہ بھی ہے، قوتِ جسمانیہ بھی ہے مگر قوتِ غضبیہ افراطی ہے تب بھی اس جوان کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں، کٹنے پٹنے کیلئے نہیں آرہی مار کھانے کے لئے نہیں آرہی، گالی سننے کے لئے نہیں آرہی ہاں کوئی غایت درجہ کی کچھ بے حیائی کی چیز سامنے آجائے اور باوجود فہمائش کے باز نہ آئے تو اور بات ہے تنبیہ کرنا درست ہوگا۔

شوہر کو باحوصلہ باظرف ہونا چاہیے :

لیکن اگر تجھ میں حوصلہ ہے تو سب کچھ سن لے اس کے باوجود بھی رہنے دے کیا تجھ سے کبھی ایسی غلطی نہیں ہوئی؟
اے بیوی والو! سمجھ لو اچھی طرح سے۔ و با پھیل رہی ہے طلاق کی مارنے کی،

آج ہی شادی ہوئی پہلی رات اور طلاق۔ کیا ان باتوں کے سننے کی ضرورت نہیں ہے
 مؤمنوں کو اور خاص کر مولویوں کو اور خاص کر مولویوں کو اور بھی زیادہ ضرورت ہے ان
 باتوں کے سننے کی، دل میں رکھنے کی جمانے کی، اور اس طرح سے طبیعت کے ہو جانے کی
 وقت پر اس کے مطابق عمل۔ تو اگر ایسا بھی ہے خدا نخواستہ تو حوصلہ سے کام لے ابھی ڈھکی
 چھپی ہے اور جب طلاق دیدی آپ سے پوچھے گا کہ کیوں دیدی، اسکی ماں کہے گی کہ
 کیوں دیدی۔ اس کی سہیلیاں کہیں گی کہ فلاں عورت کو کیوں طلاق ہوگئی۔ تو مخلوق کے
 سامنے اس کی توہین ہوئی، تذلیل ہوئی، رشتہ داریوں میں تفریق پیدا ہوگئی، عداوتیں
 آگئیں ذرا عالی حوصلہ بن، عالی ظرف بن۔

بیوی سے برتاؤ میں خوفِ خدا :

کم ظرفی کا ثبوت مت دے، سوچ لے! مجھ سے بھی کبھی کوئی ایسی بات
 ہوئی ہوگی نہیں؟ شاید کہ کوئی ایسا ہو کہ نہ ہوئی ہو اور خاص کر اس زمانہ میں۔ اگر اب
 تک نہیں بھی ہوئی تو کیا اندیشہ و احتمال نہیں ہے کہ کہیں زندگی میں کبھی ایسا ہو جائے مجھ
 سے مگر کون سنے! کیا ایسا نہیں ہوگا کیا ایسا احتمال نہیں ہے، یا ایسا اندیشہ نہیں ہے؟ اور وہ
 ممکن ہے پگلی سچی توبہ کر کے اخیر وقت تک ولی بنی رہے اور تیرے اندر شرک آ جائے
 عفت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ شرک آ جائے اور وہ پگلی توبہ کر کے کہیں ایسا نہ ہو کہ ولایت آ
 جائے۔ اس کو ولایت حاصل ہو جائے۔

عبرت ناک واقعہ :

ایک رئیس صاحب مال و دولت صاحب جاگیر و جائداد کھانا کھا رہا ہے بیوی
 کیساتھ۔ ایک سائل آگیا، سائل نے سوال کیا آیت ہے واما السائل فلا تنهروه

رئیس صاحب بگڑ گئے جتنا تیز بیچارے کو اپنی رعایا پر ہونا چاہیے تھا اس پر بھی تیز ہو گئے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگا۔ بے حیا بے غیرت ہو گئے، ہاتھ پاؤں اچھے خاصے کمایا نہیں جاتا کھایا نہیں جاتا وغیرہ وغیرہ۔ بیوی نے کہا کہ آپ رحم نہیں کرتے، بیوی نے کہا میں دے آؤں کچھ تو رحم کرو؟ نہیں نہیں پکڑ لی وہ چلا گیا۔ ادھر قہر نازل ہونا شروع ہو گیا، یہاں لا تنہر کے خلاف ہوا یعنی لا تنہر ہوا وہاں سے قہر ہوا، نقدی ختم، جاگیر ختم، جائیداد ختم، فقر و فاقہ کی نوبت، چونکہ فقیر کو ڈانٹا فقر کی نوبت آگئی، میاں نے کہا بیوی! اب ایسی حالت میں میں تجھے کیا رکھوں، میں طلاق دیدوں، بیوی نے کہا یہ تو آپ کی خوشی کی بات ہے میں تو نہیں چاہ رہی طلاق دے دی، عدت گزار کر اس نے شادی دوسری جگہ کر لی۔ وہ بھی رئیس تھا بلا مرغے کے بلا مرغ پلاؤ کے بات نہیں کرتا۔ ایسا رئیس تو ایک دن دوسرا میاں اس بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے مرغ پلاؤ کھا رہے ہیں اتنے میں سائل آ گیا۔ سائل نے دروازے پر آ کر سوال کیا عاجزی انکساری کے ساتھ، بیوی نے کہا بیچارہ سائل سوال کر رہا ہے، میاں نے کہا کہ میں بھی یہی خیال کرتا ہوں یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سائل بیچارہ ہمارے دروازے پر آئے اور ہم مرغ پلاؤ کھائیں اور اس کو ہم یوں ہی خالی لوٹا دیں۔ دینا چاہیے۔ رقابی میں پلاؤ لیکر اس کو دیدو، تو اٹھی اور رقابی میں مرغ پلاؤ نکال کر دروازہ پر گئی تو ذرا کیواڑ کی آڑ میں ہو کر کہا لو! تو سائل نے جو ہاتھ بڑھایا اور چہرہ پر جو نگاہ پڑی اس عورت کی تو حیران ہو کر رہ گئی۔ پسینہ آ گیا رونے لگی اور اس کو حوالہ کر کے کہ وہ چلا گیا اب کھڑی رو رہی ہے آنکھوں سے آنسو کہ میاں پوچھے گا تو کیا ہوگا پوچھ رہی ہے اب اس کو فکر ہوئی کہ دیر ہوئی تو میاں کو کہیں وہم نہ ہو جائے کہ اتنی دیر کیوں لگی، کہیں فقیر سے باتیں کرنے لگی

یہ دیر کیوں لگی۔ پونچھ پانچھ کر آئی چپ بیٹھ گئی، میاں نے دیکھ لیا، یہ چکی چکی ہوئی آئی ہے طبیعت ذرا بجمھی ہوئی ہے، پانی سا بھی کچھ آنکھوں میں ہے، پوچھا کیا بات ہے، کیا فقیر نے کچھ تجھ کو چھیڑا تھا کچھ کہا تھا جلدی بتا؟ تاکہ اس کی خبر لوں کیونکہ وہ تو رئیس ہے بیوی نے کہا کچھ نہیں، شوہر نے کہا اب بھی رونے کی شکل ہے بتانا کیا بات ہے؟ بیوی نے روتے ہوئے کہا کہ میاں! یہ جو سائل آپ کے دروازہ پر آیا یہ پہلا میرا میاں تھا۔

کبھی جلدی ہی ایسا ہو جاتا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کہ جیسا جرم جیسا ظلم ویسی ہی سزا اللہم احفظنا۔ ڈرنے کی بات ہے۔ وہ جو سائل تھا میاں! وہ پہلا میرا میاں تھا تو جس طرح سے اب آپ کے ساتھ مرغ پلاؤ ہوتا ہے کھانا ایسے ہی اسکے ساتھ بھی ہوتا تھا لیکن ایک سائل آیا تھا اسکو ڈانٹ دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا جو میں نے دیکھا۔ یہ وہ پہلا میاں تھا کہ مرغ پلاؤ سے بات کرتا تھا اور آج سائل ہے۔

میاں نے کہا سن! وہ سائل جو تھا وہ میں ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آخری زندگی ایسی دیدی کہ میں اس کی جاگیر و جائداد کو خریدتا رہا اور اس کی بیوی بھی میرے پاس پہنچادی اللہ تعالیٰ نے۔

اصلاح کا حاصل و منتہا :

چاہے وہ دولت ایمانی ہو بڑے تقویٰ کے ساتھ ظاہر و باطناً، چاہے دولت اموالی دینوی ہو افراط کے ساتھ مگر دونوں کو کبھی کسی وقت بھی اپنے اندر تعلق اور دوسرے کو بنظر تحقیر دیکھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اپنی اخروی حیثیت سے کتنا ہی دولت مند ہے اور دنیاوی حیثیت سے کتنا ہی سرمایہ دار دولت مند ہے اور دوسرا اخروی حیثیت سے کتنا بھی غریب ہو یا دنیاوی حیثیت سے کتنے ہی مفلس ہو وہ اچھا ہے اور تو بُرا ہے

اس لئے کہ یہ انتہائی درجہ کا گناہ ہے۔ یہ انتہائی درجہ کا اپنے پر نظرِ تعلیٰ کا انتہائی درجہ کا گناہ ہے اس کے گناہ سے بدتر گناہ ہے۔ یہ منتہاء ہے اصلاح کا اگر یہ نہیں تو پھر اصلاح کا نام و نشان بھی نہیں۔ اصلاح کا کام نہیں تو پھر نام و نشان کہاں؟ صورتاً ہے حقیقتاً نہیں، دوسرا کہہ دے گا کہ تو صالح ہے لیکن اللہ تعالیٰ نہیں کہیں گے کہ تم صالح ہو اور عند اللہ تعالیٰ کا اعتبار ہے نہ کہ عند الناس کا، پیشی وہاں ہوگی نہ کہ پیشی یہاں ہوگی یہ منتہا ہے۔

نبوت و طلب مسکینیت :

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے فرمایا : ”اللہم احینى مسکینا و امتنى مسکینا واحشرنى فى زمرة المساکین“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خا کساری کی درخواست کر رہے ہیں۔ مسکین کے معنی خا کساری والا، انسان خا ک سے پیدا ہوا۔ یہ رنگ آنا چاہیے چونکہ ہر چیز کے لئے ایک موضوع ہوتا ہے تو انسان کا موضوع اصل عبدیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون“ اصل موضوع اس تخلیق انسان کا ہوا؟ مخلقی بالطبع ہونا یا مقید بالطبع ہونا؟ تو تیرا ہر کام من حیث العبادت ہونا چاہیے ظاہری اعمال میں بھی اور باطنی اعمال و اخلاق حمیدہ کے رسوخ و ملکہ کیساتھ یہی موضوع ہے یا کچھ اور موضوع ہے اس کا؟ جسم سے بھی ٹپکے مسکینیت رفتار میں بھی تو وہ شہادت ہے باطن کی، حضور ﷺ نے یہ سب کر کے بھی کھادیا کہ کس طرح چلا کرتے تھے اور کس طرح بیٹھا کرتے تھے اور کس طرح کھایا کرتے تھے مثل غلام حدیث میں ہے: آکل کما یاکل العبد، رفتار میں، گفتار میں بھی تکبر کی کیفیت نہ تھی دعاء کر رہے ہیں : ”اللہم احینى مسکینا و امتنى مسکینا و

احشرنی فی زمرة المساکین“ اے اللہ مجھے خاکسار بنا کر زندہ رکھے اور خاکساری ہی کی حالت میں موت دیجیے اور خاکساروں ہی میں میرا حشر کیجیے۔ چلتے ہیں تو کبھی آگے ہو جاتے ہیں کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں کبھی بیچ ہو جاتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ اس باطنی طلب و چاہت کے ساتھ درخواست کے ساتھ یوں بھی درخواست کر رہے ہیں، اے اللہ مجھ کو مسلمان تا بعد از بنا کر زندہ رکھئے گا اور تا بعد از اری کی حالت میں مجھ کو موت دیجیے گا۔

میری مسکینیت اور وہ میری خاکساریت میرے اعمال سے ظاہر ہو کہ کمال اطاعت میں اخیر دم تک لگا رہنا ہو۔ حضور اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حق تعالیٰ فرما رہے ہیں: ”واعبد ربك حتى ياتيك اليقين“ یوں نہیں فرمایا: ”صل ربك حتى ياتيك اليقين“ نماز پڑھتے رہو، اے رسول ﷺ! حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہو رہا ہے اپنے رب کی نماز پڑھتے رہو موت کے آنے تک، یہ کہا؟ نہیں بلکہ ”واعبد“ فرمایا یہاں ”واتبع“ کا لفظ بھی نہیں ہے اطاعت و اتباع کرتے رہئے ”واطمع“ کا لفظ بھی نہیں ہے ایک جامع لفظ بول دیا جو پوری طاعتوں کو شامل ہے۔

واعبد میں عبدیت، مسکینیت اسلامیت تامہ موجود ہے :

”واعبد“ جس میں عبدیت رکھی ہوئی ہے جس میں مسکینیت رکھی ہوئی ہے جس میں اسلامیت تامہ رکھی ہوئی ہے، اے اللہ میں آپ کے احکام ظاہرہ و باطنہ پر پوری گردن جھکائے رکھوں، اسلام کے معنی کیا ہیں؟ روٹی کھانا سو جانا بس؟ بلکہ گردن نہادن بطاعت۔ اسی سے مسلم ہے۔ اسی کی درخواست حق تعالیٰ سے کر رہے ہیں، رسول اکرم ﷺ کہ جو میں نے کہا اس کو اب یہاں کہہ رہا ہوں۔ تم نے مسکینیت لے

لی، کمالِ صدق جس کو شروع میں احقر نے عرض کیا تھا کمالِ صدق و اخلاص۔ وہاں پر تو اخلاص آ گیا اندر مسکینیت اور یہاں شہادت آ گئی۔ اسلامیت اور اس کا ظہور، صرف مسکینیت کے الفاظ کہنے سے کام نہیں چلتا بلکہ اس کی شہادت مسلم ہو کر دو یعنی پوری پوری آخر حیات تک جو جو جس جس موقع پر احکام کے نزول کے احسن طرق ہوں ان کو بجالاتا رہنا اور کون کہہ رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کہ جن کی خاطر سے بالائی و تحتانی پورا عالم پیدا فرمایا جن کی خاطر لولاک لما خلقت الافلاک کہ اگر مجھ کو تمہارا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو ہرگز عالم پیدا نہ کرتا، یہ سب آپ کی خاطر سے پیدا کیا، سارا جہاں آپ کا، نور تقسیم کیا آپ کا اول ما خلق اللہ نوری اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا پھر تقسیم ہوا۔

کیا ہمارے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور ہونے کا انکار کیا ہے۔ یہ دوسری جماعت نے انتہائی درجہ کی تہمت لگائی ہے۔ ایک حیثیت سے آپ ﷺ نور ہیں تو دوسری حیثیت سے آپ ﷺ بشر ہیں ”انما انا بشر مثلکم“ ہاں! امتیاز و فرق دوسرے انسانوں سے یہ ہے کہ آپ صاحبِ وحی اور صاحبِ نبوت ہیں۔

حضور ﷺ نے خود فرما دیا اور انما کیساتھ جو کہ حصر کے لئے آتا ہے میں تو تم

جیسا ہی بشر ہوں، کتنی عاجزی ہے اپنے کو دوسروں میں شامل کر دیا!

اصل چیز دل میں عاجزی و مسکینیت ہے :

اصل چیز ہے اندر مسکینیت خاکساریتِ حقیقی پیدا کرنی ہے، اس کی درخواست حضور اکرم ﷺ کر رہے ہیں اور اسکی شہادت دیتے رہے ہیں آپ ﷺ موت کے وقت تک اسلامیت۔ ایمان ایک دعویٰ ہے جو کہ اندر ہے اور شہادت وہ اس کی

اسلامیت ہے اور جتنی تفریق و فرق ہے اسی اعتبار سے ایمان میں بھی فرق ہے۔ فرما رہے ہیں: اللہم انی اسئلك تمام الوضوء وتمام الصلوٰۃ و تمام رضوانك و تمام مغفرتك۔ اے اللہ! میں آپ سے وضوٰ کامل کا سوال کرتا ہوں کہ جب میں وضو کروں تو بدرجہ کامل کرو۔ کمال وضو طہارت ہے، جو کہ شرط ہے صلوٰۃ کی نہ کہ اصل رکن تو اس شرط کی بھی جو کہ اسباب شرطیہ میں سے ہے اس کے لئے بھی حضور ﷺ درخواست کر رہے ہیں کہ اے اللہ وضو بھی کامل درجہ کا ہونا قص درجہ کا نہ ہو۔

ایمان میں درجہ کمال مطلوب ہے :

معلوم ہوا کہ ہر چیز میں درجہ کمال مطلوب ہے تو ایمان میں بھی درجہ کمال اور وہ بدون طاعتِ کاملہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ناقص پر صبر و قناعت کیسی؟ رہی معزوری، کمزوری، وہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، وہ تو پہلے ہی سے استثناء کر دیا۔ یار دوست سے تو گھنٹے گھنٹے باتیں کر لے اور بیٹھا بیٹھا باتیں کرتا رہے اور نماز کے لئے کمزوری یہ ہے نماز کی اہمیت، گو اس کہنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے، معلوم ہوا کہ ہر چیز میں درجہ کمال مطلوب ہے، اور وہ درجہ اخلاص کے ساتھ صدق کا درجہ جو احقر نے شروع میں عرض کیا تھا۔ حضور ﷺ صدق کی درخواست کر رہے ہیں کہ وضوءِ کامل جو اس کا مقام ہے اور درجہ ہے اس کی رکنیت و فرض کا اس کے درجہ سنیت کا اس کے درجہ استجاب کا خیال کیا جائے گا تو وضوءِ کامل ہوگا۔ اور حضور ﷺ نے کیا درخواست کی ہے؟ تو اُمت کو کیا درخواست کر کے اور کس طرح ہونا چاہیے، اُمتِ مسلمہ چوں کہ اُمتِ مؤنث ہے اس لئے مسلمۃ اس کی صفت مؤنث ہے تو مسلم نماز کے لئے جو وضو کر رہا ہے اسلام کی اس عملی حیثیت سے جو ایمان اندر رکھا ہوا ہے، اس کا تقاضا اس

عمل اسلامی، ظہور شہادتِ ایمانی کامل یا ناقص؟ سوچ لو!

اسباب و آلات کا اثر مقصود پڑتا ہے :

اب جیسا آلہ ہوگا ویسا ہی جو مقصود اور اعلیٰ ہے وہ ہوگا ورنہ تو جیسا مقدمہ کمزور ادنیٰ ایسے ہی کامیابی بھی کمزور، مقدمہ یعنی جس چیز کے پہلے جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں کرنے کی جیسے وضو ہوگا ویسے ہی نماز بھی ہوگی۔ اس لئے بھی یا اس لئے امام کے پیچھے کھڑا کون ہو؟ کہیں اس کا اثر امام پر نہ پڑ جائے یہ تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ نہیں کہ جو چاہے کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونے والے رعایت بھی نہیں کرتے سب سے پہلے ہی آ کر بیٹھ گیا امام کے پیچھے، پہلے کوئی بیچارہ پیچھے بیٹھ جایا کرتا تھا اور بچوں کے بھی پیچھے بیٹھ جایا کرتا تھا اب کسی کو شوق ہو گیا اس کی جگہ وہ بیٹھ گئے، اب جب میں پہنچا دیکھا کہ وہ تو کوئی صاحب بیٹھے ہیں اس دن سے وہ جگہ چھوڑ دی خاموشی کے ساتھ، جہاں جگہ مل گئی وہاں جا کر بیٹھ گئے اور اسی پر عمل کرتا رہا۔

درخواستِ مسکینیت تو بہت آسان ہے لیکن اس کی شہادتِ مسلم ہو کر بہت مشکل ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ درخواست کر رہے ہیں کہ مسکین کہا ہے میں نے، میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں مسلم ہونے کی، تو حق تعالیٰ نے بھی فرما دیا ہے اس موقع پر کہ آپ ﷺ کسی کے کہنے سننے کا کچھ جو رنجیدگی کی بات ہوا کرتی ہے بشری تقاضے سے اس کی پرواہ نہ کیجیے، آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں لگ جائیے اللہ تعالیٰ جانیں وہ جانیں..... آپ تو میرے حکموں کی بجا آوری میں لگ جائیے اور سیدھی بات تو میں یوں کہتا ہوں: واعبد ربك حتى ياتيك اليقين اپنے رب کی عبادت میں لگ جائیے، کلام اللہ شریف کے کیا عجیب انوار و لطائف واعبد ربك

ہے یا واعبد اللہ ہے؟ واعبد ربك جس موقع کا لفظ جو حق تعالیٰ کی صفات میں سے آنا چاہیے وہی استعمال فرماتے ہیں حق تعالیٰ اپنے کلام شریف میں اختیار کرتے ہیں۔

حتی یاتیک الیقین کی تفسیر :

یقین کے معنی یہاں موت کے ہیں کہ جس میں کسی کو بھی کلام نہیں افلاطون کو ہوا؟ ارسطو کو ہوا؟ لقمان کو ہوا؟ کسی اور چیز میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن موت میں کسی کا کلام نہیں، اس موت کو یقین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے موت کو کہ جس میں کسی کا بھی کلام نہیں۔

افلاطون بیمار ہو گیا دستوں کی بیماری لگی۔ اور اسہال کے مرض میں اس کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بیماری لگا دی اور وہ دست بند نہیں ہوتے، شاگرد نے کہا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جو دست بند ہوں؟ افلاطون نے کہا مٹکا لاؤ اور پانی سے بھر دو۔ رکھ دیا بھر کر ایک چھوٹی سی پڑیا نکالی اور اس مٹکے کے اندر پانی میں ڈال دی اس نے کہا ڈھک دو اس کو، ڈھک دیا۔ کچھ دیر کے بعد کہا اسے کھولو! کھولا تو پانی جما ہوا تھا، شاگرد سے کہا دیکھا اتنی سی چٹکی تھی وہ جو مٹکے بھرے پانی میں ڈالی جس سے پانی جم گیا ایسی پڑیاں میں کئی کھا چکا ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حکم یقینی اسی میں موت لکھی ہوئی آگئی ہے تو کون بند کرے گا۔

موت میں کسی کو شبہ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے یقین کا لفظ فرمایا : ”واعبد ربك حتی یاتیک الیقین“ اے میرے حبیب! موت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔ جو میرے احکام ہیں موت تک کرنے کے انھیں کرتے رہو اور ان کے خلاف سے پرہیز جس کو تقویٰ کہتے ہیں وہ رکھو۔ موت تک اس کی عبادت میں لگے

رہو، کوئی کچھ کہے کہنے دو، اس کی طرف التفات نہ فرمائیے گا۔

رنج و غم کا علاج :

تسبیح و تحمید میں لگو اور عبادت کرتے رہو، علاج بتلا دیا، ساری امت مسلمہ کو اگر کسی شخص کی طرف سے اپنے ہوں یا پرانے تمہارے خلاف ہوتا ہے وہ کچھ کہتا سنتا رہتا ہے، تم دوسرے کام میں لگ جاؤ، دوسرے کام میں لگ جانے کی وجہ سے اس کی طرف سے بے التفاتی ہو جائے گی، اگر رنج و غم بالکل نہیں جائے گا تو کم تو ہو ہی جائے گا۔ ورنہ غم جان لے لے گا۔ تعلیم فرمادی عموماً ایک ایک جزئی کو کہاں سوچو گے تم ایسا نہ ہو کہیں صرف تسبیح ہی لیکر بیٹھ جاؤ۔

ہر شے کا ایک موضوع ہے :

تو احقر نے عرض کیا تھا کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور ایک غایت ہوتی ہے اور ایک اصل موضوع ہوتا ہے اس موضوع کی وضع سے ہٹنا یہ اپنے پر ظلم کرنا ہے اسی پر ایمان اور اسی کے ساتھ اسلام جو متفرق مختلف اعمال زندگی اندرونی بیرونی ہیں سارے کے سارے اعضاء جو ہمارے ہیں ان میں لگنے کے لئے ان کی ہر چیز کی وضع بتادی ہے کہ اس کا موضوع یہ ہے آنکھ کا موضوع یہ ہے زبان کا موضوع یہ ہے پیٹ کا موضوع یہ ہے اور دل کا موضوع ذکر۔ اب جب کبھی اس موضوع سے ہٹے گا اسی درجہ کا نقص آجائے گا۔ در خواست کی تھی کامل کی۔ حضور اکرم ﷺ نے جس کی تعلیم ہمیں یعنی امت مسلمہ کو فرمائی کہ دیکھو! میں کیا درخواست کر رہا ہوں تو بطریق اولیٰ تم کو تو اور بھی زیادہ ہمہ وقت درخواست کرتے رہنا چاہیے اس میں غفلت مت کرنا تا کہ تمہارا وہ ایمان بمعیت اسلام بدرجہ کامل بکمال ایمان کے ساتھ ہو ذات حق کے سامنے تم جاؤ

اور مجھے خوشی ہوگی تمہارا کام بنے گا اور میرا نام بنے گا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ایسے گھرانے میں نکاح کرو جس میں اولاد زیادہ ہوتی ہو، تاکہ میں اپنی امت کثیرہ پر فخر کروں۔ گھمنڈ نہیں بلکہ ناز و شکر اللہ کا ادا کروں، جب قطار کھڑی ہوگی امت مسلمہ کی حدیث شریف میں آیا ہے۔ تو حضور ﷺ کو خوشی ہوگی اور اب بھی خوشی کیا آپ کی خدمت میں اعمال پیش نہیں ہوتے؟ تو جب بھی اعمال پیش ہوں گے تو اپنی امت مسلمہ کے ایمان کے تقاضے پر اسلامِ کامل جس جس کا جاتا رہے گا کتنی خوشی ہوگی، اور حضور اکرم ﷺ نے ہمارے لئے کتنی تکلیف اٹھائی ہے، کتنے رنج و غم سہے ہیں، کتنی راتوں کو دن رات دعائیں کی ہیں تو کیا ہمارے اعمال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے وقت رنجیدگی کی حالت ہو کیا یہ گناہ کم ہے؟ یہ کھوٹ کچھ کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پورے اخلاص و صدق کے ساتھ رہتے رہنے کی توفیق ارزانی عنایت فرمائیں۔





پیتا لیسویں مجلس

کمال آداب مشاہدہ و معائنہ کے ہمہ وقت

ملحوظ و مطلوب ہیں

مورخہ ۱۵ جمادی الآخر ۱۴۱۲ بمطابق ۱۹۹۱ء بروز شنبہ صبح جلال آباد مظفر نگر

فصاحت، بلاغت اور لطافت میں اوّل درجہ

عربی ہے پھر فارسی پھر اردو :

پہلی زبان فصیح و بلیغ اور نہایت لطیف عربی ہے دوسری فارسی، تیسری اردو، باقی تو بقیہ ہیں گو ترجمے ہو رہے ہیں دینی کتابوں کے، بہشتی زیور کے انگریزی میں بھی ہندی میں بھی اور گجراتی میں بھی ترجمہ ہوا ہے لیکن جو بات اردو میں ہے وہ سوائے عربی اور فارسی کے دوسری زبانوں میں نہیں۔

قرآن پاک کا رسم الخط غیر عربی میں کرنیکی خرابیاں :

عجیب عجیب رسم الخط پیدا ہو رہے ہیں اور قرآن پاک عربی زبان میں ہے، اس کا رسم الخط عربی ہے اور عربی رسم الخط ہونا اس کے لئے لازمی اور ضروری ہے مگر آج

کل اس کا رسم الخط ہندی چل رہا ہے انگریزی چل رہا ہے۔ تعجب اور افسوس ہے، یہ نہیں سوچتے کہ عربی تلفظ کی ادائیگی کے لئے وہ حروف کہاں سے لائیں گے انگریزی اور ہندی میں (یعنی انگریزی میں لکھنے سے صحیح حروف کی ادائیگی نہیں ہو سکتی) عجیب اشاعت کا شوق ہے۔

بلا استاد کے قرآن شریف پڑھیں گے، اس کا ترجمہ پڑھیں گے، اس کی تفسیر ذہن میں لائیں گے، پڑھنے اور سمجھنے میں بکثرت غلطیاں واقع ہوں گی، کچھ بھی کر لیں اور کیسا بھی کر لیں اور کتنی بھی اشاعت کر لیں اور کیسی بھی تحریف کر لیں مگر صحیح قرآن پاک اور تفسیر اسلاف ختم نہیں ہو سکتی وہ تو قیامت تک قائم رہے گی۔

قرآن پاک کو معدوم کرنے کی ناکام کوشش :

ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ قرآن پاک دشمنوں نے ملحدین نے خرید کر دریا میں بہائے، کوئی عقلمند اس کو مل گیا کہ یہ کیا حرکت ہے تمہاری؟ اس نے جواب دیا کہ مسلمانوں سے ایمان و اسلام جو اس کے تحت ہے اس کو ختم کر رہا ہوں تاکہ ان کا ایمان و اسلام چلا جائے، اس نے کہا بے وقوف! یہ امت پہلی امتوں کی طرح سے نہیں ہے ان کے لاکھوں سینوں میں رکھا ہوا ہے، اگر ایک سے کسی لفظ کسی حرف میں غلطی ہو گئی تو دوسرے بہت سے بتلانے والے اس کی تصحیح کے لئے کھڑے ہو جائیں گے یہ امت سابقہ کی طرح سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ایسے محافظ پیدا فرماتے رہیں گے۔ اسی کلام میں بتلا دیا گیا ہے: ”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“ تو ایسے طریقے ایسے اسباب اللہ تعالیٰ قائم فرمائیں گے کہ کسی حرف اور نقطہ میں بھی فرق نہیں آسکتا۔

مقبول خدا کی کتاب جلانے سے اسکی اشاعت زیادہ ہوتی ہے :

جب مخلوق کی مقبولیت اس درجہ ہے کہ اسکی کتاب کو جلائی جائے اتنا ہی اس میں جلا پیدا ہوتا ہے تو ذات باری تعالیٰ کا کلام کتاب اللہ جلائی اور ڈبوی جائے اور اس کا جلاء بڑھتا نہ جائے۔ حضرت والا کی بہشتی زیور جلائی گئی، امام غزالی صاحب کا احیاء العلوم جلا یا گیا تو جتنا جلا یا اتنا ہی جلا پیدا ہوا، گھر گھر موجود ہے جب مخلوق کا ایسا حال ہے تو ذاتِ قدسی کا کلام! ظاہر ہے کہ اس کے مٹانے اور جلانے اور دریا میں غرق کرنے سے اور زیادہ، زیادہ سے زیادہ اس کا شیوع ہوگا، اشاعت بڑھے گی، حاسدین کے دل میں ملحدین کے دل میں زخم آ گیا ان کے دل پر مرہم رکھ رہا ہے ڈبو کر، جلا کر تو مرہم کا رآمد نہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ مؤمن ہو کر مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہ پڑھے اور پڑھ لیا ہو اور پڑھنے کے بعد اس کو کھول کر نہ دیکھے، اس کو سینہ سے نہ لگائے، سر پر نہ رکھے، تقبیل نہ کرے، دستِ پاک سے نہ چھوئے، یہ کلام اللہ قرآن پاک گویا محبوبِ حقیقی کا خط ہے، اور محبوب کے خط کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا ہے۔ دیکھیے! جب دوست کا خط آئے تو اس کو بار بار دیکھ رہا ہے، چومتا بھی ہے جب ڈاکیہ نے ہاتھ میں لا کر دیا معلوم ہو گیا تو طبیعت میں فرحت آگئی باغیچہ کھل گیا چوم بھی رہا ہے دیکھ بھی رہا ہے پڑھ بھی رہا ہے اور بار بار پڑھ رہا ہے۔

شیخ کے چہرہ پر بلا وضو نگاہ نہ پڑے :

آدابِ شیخ میں جہاں اور آداب لکھے ہیں وہاں یہ بھی ادب لکھا ہے کہ شیخ کے چہرہ پر بلا وضو نگاہ نہ پڑے، ہوش، جب ایسے خلق کیساتھ ایسا ادب ہے تو خالق برتر کا ادب

کس درجہ ہونا چاہیے۔ مراقبہ، مشاہدہ، معائنہ باحسان ہوتے ہوئے مؤمن صاحب سلوک بمشاہدہ حق بلا وضور ہے؟ جب خلق کی طرف نظر ایسی (یعنی طہارت ہو) تو خالق کی طرف نظر کیسی ہونی چاہیے۔

تصوف و سلوک شریعت کا جزء اعظم ہے :

شریعت کا جزء اعظم سلوک بہت لطیف ہے پاکیزہ اور نکھرا ہوا ہے، اس کا ایک حق مستقل ہے کہ اگر کوئی عذر نہیں ہے تو سالک کو با وضور ہونا چاہیے۔ تو قرآن پاک کیسی نعمت اللہ تعالیٰ کا کیسا کرم، کیسا فضل، کسی نے کہا تھا کسی سے ...

ع چست قرآن اے کلام حق شناس

یعنی اے حق پہچاننے والے ذرا بتلا تو سہی قرآن کیا چیز ہے؟ اس نے کہا.....

ع رونمائے رب ناس آمد بناس

لوگوں کے رب کی طرف سے ہے، رب نے اپنی رونمائی کے لئے بھیجا ہے رُو کے معنی چہرہ اور نمائی حاصل، مصدر ہے نمودن سے جس کے معنی ہیں دکھلانا یعنی اپنے آپ کو دکھلانے کے لئے بھیجا ہے، لوگوں کے قلب میں لوگوں کی اگر فطرت خراب نہیں ہوگی، اپنی جگہ پر سلامتی کے ساتھ ہے ان کا جی میری رویت کو چاہے گا تو اس کلام کے ذریعہ مجھ کو دیکھ لیں گے۔ اور اس عالم میں لوگوں کا عقلاً کمال امکان میری رونمائی جس کو رونمائی کہتے ہیں آمنے سامنے ہو کر جسمی طور پر وہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

تمام انبیاء علیہم السلام نہایت درجہ عقلمند تھے :

اسی لئے انبیاء علیہم السلام حضرت آدم عليه السلام سے لے کر میرے محبوب حقیقی

نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ ﷺ تک جتنے نبی آئے ہیں سب عقلِ اتم کے ساتھ تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے میری عین ذات کے لئے ”ارسی“ کہا اور ان کی عقلِ اکمل ہے اتم ہے، ان کی عقلِ اکمل و اتم نے امکان کو قائم کیا کہ ممکن ہے لیکن میں نے موسیٰ کو تعلیم دی کہ اس عالم میں بحق شرع محال ہے ایسا نہیں ہو سکتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخواست کرنے میں امکان تو ثابت ہوا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے اس امکان کو اس عالم میں محال فرما کر اس عالمِ آخرت میں بحال فرما دیا اور آپ کو اس عالم میں محال ہونے کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ اس پہاڑ کو دیکھو! جس پر میری تجلی کا ظہور ہو گا تم اس سے سمجھ جاؤ گے ”فلما تجلی ربه للجبل جعله دكا“ اللہ تعالیٰ رب العالمین نے تجلی فرمائی تو پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ایک ہیبت ذاتِ باری تعالیٰ کی طاری ہوئی نہ کہ پہاڑ کو دیکھ کر کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا بلکہ ہیبت ذاتِ باری تعالیٰ کا ظہور ہو گیا : ”وخر موسیٰ صعقاً، فلما افاق قال سبحنك تبت اليك“۔

نبی اپنے مرتبہ عالیہ کے سبب خلافِ اولیٰ پر بھی توبہ کرتا ہے :

انابت ہو گئی توبہ کی بات نہ تھی مگر مقامِ نبی کا بہت اونچا ہے اس لئے وہ خلافِ اولیٰ پر بھی توبہ اسی طرح کرتا ہے جیسا کہ متین مؤمن گناہ پر توبہ کرتا ہے۔ لوگ دھوکہ میں آتے ہیں ذاتِ باری تعالیٰ کا یہ فرمان : ”واستغفر لذنبك“ دیکھ کر خیال کر لیتے ہیں کہ نبی سے بھی گناہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ نبی کی شان بہت اونچی ہوتی ہے اس لئے خلافِ اولیٰ اگر ہو جاتا ہے کہ پہلے یہ سمجھا نبی، کہ یہ اولیٰ ہے میں اسکو اولیٰ سمجھتا ہوں تو کروں۔ اور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ خلافِ اولیٰ ہے یہ بہت احساس ہوتا ہے متاثر ہو جاتے ہیں، شدید تاثر ہوتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ”الذی انقض ظہرک“ کمر ٹوٹ گئی اس کی تلافی ہو رہی ہے: ”و استغفر لذنبک“ کو سمجھے ہی نہیں اپنے مقام کی حیثیت سے مرتبہ کے اعتبار سے درجہ کے اعتبار سے ظہورِ غایتِ غلامیت کا اظہار فرما جا رہا ہے، تو عین ذاتِ حق کی رویت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا گویا یوں عرض کیا: ”ارنی ربی نفسک“ اسی وقت جواب دیدیا، تسلی ہو گئی ذرا ابھی انتظار رکھو، بعض چیز ذرا ادھار اچھی ہوتی ہے۔ بس سکون ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے سوالِ رویت میں فرق ہے :

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذاتِ عین کے مشاہدہ کے لئے نہیں فرمایا۔ کیفیتِ احیائے موتی کے متعلق سوال کیا اور عین ذات کے مشاہدہ کے متعلق نہیں کیا احیائے موتی کی کیفیت کا سوال تھا: ”رب ارنی کیف تحی الموتی“ الہام ہوا کہ تم ایسا سوال کر رہے ہو: ”قال اولم تؤمن۔ قال بلی“ زندہ کرنے کا تو یقین ہے کامل، اکمل، اتم و ایمان و یقین ہے: ”و لکن لیطمئن قلبی“ اپنے قلب کے اطمینان کے لئے سوال کیا تھا میں نے، ہاں جو چیز مشاہدہ کی ہوتی ہے وہ عقلی طور سے سمجھ میں نہیں آسکتی اس لئے عقلاً سمجھایا نہیں جاسکتا اس کا سوال کہیں زائد از ضرورت نہ ہو۔

جو چیز مقدار کے اعتبار سے من حیث الکم ہو کر من حیث الکلیف ہو تو جب تک وہ چیز اپنے اوپر واقع نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس کی کیفیت کا پتہ نہیں چل سکتا۔

احوال و کیفیات کے درپے نہ ہونا چاہیے :

اس لیے جتنے بھی احوال ہیں وہ من حیث الکیف ہیں ان کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی تلاش میں نہیں پڑنا چاہیے، تجسس نہیں ہونا چاہیے، اعمال کا مکلف ہو احوال کا مکلف نہیں۔ مقاصد کے عدم معصیت کی حیثیت سے ہو جائے ہو جائے، نہ ہو جائے فکر نہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احيائے موتی کی کیفیت کا سوال کیا تھا ذاتِ عین کے مشاہدہ و معائنہ کے لئے نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ چیز مشاہدہ کی تھی اور وہ مشاہدہ معائنہ تھا اور یہ عین ذات محال تھی اس کو قبول نہیں کیا اور سوال کیف کا تھا مشاہدہ سے کیفیت معلوم ہو سکتی تھی اس کو قبول کیا۔

”قال فخذ اربعة من الطير فصرهن اليك ثم اجعل على كل جبل منهن جذء ثم ادعهن ياتينك سعياً۔ واعلم ان الله عزيز حكيم ۝“
 ارشاد ہوا کہ چار پرندے لو اور کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف جگہوں پر اس طرح رکھو، کسی کا دھڑ یہاں ہے گردن وہاں پیٹ یہاں سینہ وہاں۔ پھر آواز دے دو مشاہدہ ہو جائے گا کیفیت کا، ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے چوٹی پر رکھ دیئے ادھر صد اگونجی ”کن فیکون“ معاملہ سامنے مشاہدہ کا احيائے موتی کی کیفیت کا آ گیا۔

مشاہدہ قلبی شدہ شدہ عینی جیسا ہو جاتا ہے :

تو مکرمان بندہ! طالبان سلوک بمشاہدہ بمراقبہ احسان! یہ درجہ مشاہدہ قلبی کا بعض دفعہ مثل عینی ہو جاتا ہے جب مثل عینی ہو جاتا ہے تو پھر شیخ کی طرف دیکھنا اس کے چہرہ پر نظر کرنا بلا وضو خلاف ادب ہوگا اور سالک کا سلوک بمشاہدہ بمراقبہ احسان

مثل عین اور بلا وضو؟ یہ بحق شرع بالزام سلوک طے کرنا گویا کہ بحق شرع ہی ہے جیسا کہ ادھر اس معائنہ کو گویا کہا ہے جب جبرائیل نے سوال کیا تھا ”ما الایمان اور ما الاسلام“ کے بعد ما الاحسان کسی چیز کی ماہیت حقیقی کے لئے ما سے سوال ہوتا ہے کہ اسکی ماہیت حقیقی جو ہے اس کا جواب دو، ایمان کا سوال تھا جواب دیدیا، اسلام کا سوال تھا جواب دیدیا تھا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے تو پھر دوسرا ما کیوں لائے؟ پھر حقیقت کے سوال کی کیا ضرورت ہے؟

حدیث جبرائیل میں ایمان و اسلام کے بعد احسان کے

ذکر سے دونوں کو کامل کرنے کا بیان ہے :

اس کی ضرورت ہے تعمیر تو ہوگی ایمان کی، تعمیر تو ہوگی اسلام کی تو یہ بلا ترمین روکھاپن کیسا؟ نفس ایمان پر نفس اسلام پر قناعت کر لی؟ نہیں، ان دونوں میں عجیب حُسن کی ضرورت ہے اور تم جانتے ہی ہو کہ حُسن کسے کہتے ہیں اس لئے قلبی اور جوارحی دونوں میں حُسن ہونا مطلوب ہے درجہ و جوب ہے کس طرح؟ ایمان کی جو تعلیم کیفیت کے ساتھ کی گئی ہے ایمان جس ماہیت کے ساتھ ہے اسلام جس ماہیت کے ساتھ ہے اس طرح ہوں دونوں جو کہ عبادات مقصود و حیات کہ جس پر تو ایمان لاتا ہے جن احکام پر تو اعمال کے لئے کمر بستہ اور ہر وقت آمادہ رہتا ہے وہ اس طرح ہو گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے: ”ان تعبد اللہ کانک تراہ“ معلوم ہوا کہ اس کی رویت اس خلق مؤمن کے لئے بطور عین طریق گویا ہو سکتا ہے، اس کا طریق استعمال کیا جائے تو وقوع ہو گیا، اسی لئے اہل اللہ، عارف باللہ کوئی مجبوری و معذوری نہ ہو تو ہمہ وقت گویا

کہ سامنے ہے اس کے آداب بجالاتا ہے بیٹھنے میں بھی، چلنے میں بھی بولنے میں بھی کھانے میں بھی کیونکہ مؤمن کا بولنا، چلنا، کھانا، پینا، یہ سارا کا سارا عبادت ہے۔

حُسنِ کلام کا بھی مکلف بنایا گیا ہے :

کلام میں بھی مکلف بنایا گیا ہے: ”قل لعبادی يقولوا التی ہی احسن الایة“ کلام میں بھی مکلف بنایا گیا ہے اس کلام کے طریق احسن کو مت چھوڑنا ورنہ تنازع ہو جائے گا نا اتفاقی ہو جائے گی خانہ جنگی ہو جائیگی، دوستانہ بگڑ جائے گا، متانت میں فرق آجائے گا اس لئے کہ ”ان الشیطان ینزع بینہم“ سخت کلامی کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان شیطان فساد پھیلاتا ہے، ذرا تکلم اے مسلمان! سوچ سوچ کر کر جو چاہا جب چاہا جس طرح چاہا جس کے ساتھ چاہا کلام خرد برد کر لیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ شیطان تو کھلا واضح دشمن ہے مسلمانوں کا۔

”ان الشیطان للانسان کان عدوا مبیناً“ لعبادی سے مراد مسلمان ہیں یہاں بھی انسان سے مراد مسلمان ہیں کہ کافر کو کیا چھیڑے گا وہ تو گمراہی کی آخری حد تک پہنچ چکا۔ وہ تو چاہتا ہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان نا اتفاقی تنازع جھگڑا بڑھتا چلا جائے۔ تو ذاتِ باری تعالیٰ نے جیسے تصحیح اور اصلاح اعمال کی فرمائی ہے ایسے ہی کلام کی بھی فرمائی ہے۔

پڑھے لکھے بھی اہتمام نہیں کرتے حالانکہ چھوٹوں کے

ساتھ بھی حُسنِ کلام کا ہونا ضروری ہے :

لیکن اس کا اہتمام اچھے خاصے پڑھے لکھوں میں بھی نہیں ہے۔ مولویت کا

نصاب پورا کر دیا، میزان سے لیکر دورہ حدیث شریف تک لیکن احسن کلام کا اپنے کو مکلف خیال نہیں کرتا اولاد کے ساتھ، تلامذہ کے ساتھ، شاگردوں کے ساتھ، چھوٹوں کے ساتھ بھی مکلف ہے چہ جائیکہ بڑوں کے ساتھ، کلام بھی آداب و تہذیب کے ساتھ کرنا، شیخ کا کام ہے کہ سکھائے۔ صرف اعمال ہی پر نظر نہ رکھے کلام پر بھی نظر رکھے، اسکی نشست و برخاست اور اٹھنے بیٹھنے پر بھی نظر کرے کہ کس طرح بیٹھا ہے، بلا ضرورت کس طرف دیکھ رہا ہے، کس طرح بیٹھا ہے وہ اشارے و کنائے سے ٹوکتا رہتا ہے صراحتاً مجبور ہو کر کہتا ہے۔

صدق و اخلاص کا فرق اور دونوں کا مطلوب ہونا :

صدق کے معنی یہی ہیں کہ بدرجہ کمال ہو۔ ایک عمل کا اخلاص ہوتا ہے اور ایک عمل کا کمال ہوتا ہے اس کمال عمل ہی کو صدق کہتے ہیں۔ سوائے رضائے الہی کے اور کوئی دوسری نیت عمل میں ہے ہی نہیں یہ اخلاص ہے اور جب اس عمل کو کر رہا ہے تو کامل طریقہ سے بجالا رہا ہے ناقص طریقہ سے نہیں بجالا رہا ہے یہ اس عمل کا صدق کہلایا جاتا ہے۔ تو عمل میں اخلاص بھی مطلوب ہے اور صدق بھی مطلوب ہے اور محبت وہ ایک عمل ہے جس کا تعلق قلب سے ہے۔ اس میں بھی اخلاص و توحیدِ خالص اس میں بھی صدق، ادھر توحیدِ خالص ادھر اخلاص کامل بصدق ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر اطاعت نہ ہو یا اطاعت میں کمی ہو۔ ”لو کان حبك صادقاً لا طعتہ“ لام تا کید کا ہے لا طعتہ ضرور اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اطاعت ہے تو سچی محبت ہے کیونکہ

ع ان المحب لمن یحب مطیع

اس لئے کہ محبت محبوب کی پوری اطاعت طوعاً لا کرھا کیا کرتا ہے۔

محبتِ الہی کے لئے اتباعِ لازم ہے :

”قل ان کنتم تحبون اللہ“ اس کا ثبوت دو عملی اتباعیت سے قدم بقدم چلے آؤ پیچھے، جیسا کچھ جس موقع کے متعلق کہا گیا ہے قدم بقدم اس کے پیچھے چل کے اس کے ساتھ چلے جاؤ، یہ ہے ثبوت محبتِ حقیقی کا فاتبعونی میرا محبوب ہونا ثابت ہو گیا۔ جب تمہاری طرف سے محبت ہو کر میرا محبوب ہونا ثابت ہو گیا اتباعیت سے تو کہہ دیجیے : ”یحیبکم اللہ“ تم بھی میرے محبوب ہو گئے، جیسے تم محبت میں تمہارا محبوب اسی طرح میں تمہارا محبت تم میرے محبوب۔ محاورہ ہے ہتھیلی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی، اگر ایک ہاتھ سے بچے گی تو ہلکی ہوگی ایسے ہی ایک جانب سے محبت ہلکی ہوگی، حق تعالیٰ نے فرمادیا اپنی محبت کا ثبوت دو اتباعیت اور طاعتِ کاملہ کے ساتھ اور پھر دیکھو! اس نفسِ ایمان پر جو کہ وہ بھی تمہارے عاشق اور محبت ہونے کا ثبوت ہے میں راضی ہوں مگر یوں چاہتا ہوں کہ رضائے کامل ہو جائے یہ سن کر مؤمن کا دل پھڑک جائے گا ٹپ جائے گا کہ میرے اس ایمان میں کمی کیوں ہوئی کمالِ ایمان کیوں نہ ہوا اطاعتِ کاملہ کے ساتھ، ایک نفسِ ایمان کا موقوف علیہ ہے اور ایک کمالِ ایمان کا موقوف علیہ، یوں فرما رہے ہیں: ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ“ تمہارا یہ حال ہو جائے اس کمالِ محبت کے ثبوت کیساتھ کہ تمہارا دل اندر سے یوں کہنے لگے.....

آرزو ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے

تم ہمارے سامنے ہم تمہارے سامنے

گویا جب محبت میں آدابِ خلقِ خلق کے ساتھ اس طرح نئے چاہیے تو

آدابِ خلقِ خالقِ برتر کے ساتھ کس طرح ہونے چاہیے؟ ملاحظہ فرمائیے گا!
 اور یہ سب ممکن الوجود ہے اس کے صحیح طرق کے استعمال کرنے سے ممکن
 الوجود وقوع الوجود، کہ اس ممکن الوجود شے میں اس ممکن الوجود مؤمن نے صحیح طریق کو
 اختیار کیا ہو گا یا وجود عینی مشاہد، اور ہر اُمتی ہر وقت عبادت میں ہے اور عبادت کے
 متعلق حکم ہے: ”ان تعبد اللہ کانک تراہ“ اگر ابھی ایسا نہیں ہو تو ایسا یقینی ہے
 ”فان لم تکن تراہ فانه یراک“ یہاں کَانَ نہیں ہے فانه یراک ہے۔

احسان کا طریق تحصیل :

اس طریق سے سوچ کے ساتھ فکر کے ساتھ لگے رہو تو کانک تراہ ہو جائے
 گا جب کانک تراہ ہو جائے گا تیرا وجودِ خارجہ کچھ اور ہی طرح کا ہو جائے گا۔ جب
 تیرا مکان ایسا ہو جائے گا تو تو ایسا ہو جائے گا کہ اگر تجھ کو کوئی ایذا پہنچائے گا۔ چونکہ یہ
 عالم ایسا ہی ہے صلاح و فساد لئے ہوئے، جب تو ایسا ہو جائے گا تجھ کو ایذا دی جائیگی،
 مگر تو ایسا ہو گیا ہے کہ اس ایذا پہنچانے پر نہایت درجہ کا تجھ میں میرا وصفِ صبر و حلیم
 ہونے کا آ گیا ہے کہ میں تیرے سامنے ہوں اور اُس ایذا کا بدل تیری طرف سے
 ایذا کا نہیں ہوگا۔ اس کو خُسنِ ظن کے ساتھ اعذار میں لا کر معاف کر دینا ہوگا اور بجائے
 ایذا رسانی کے تیری طرف سے راحت رسانی ہوگی کیونکہ تو احسانِ ایمان میں اور اس
 مکانِ اسلام میں دیکھ تو کیسا ہو گیا ہے۔ جب ایسا ہو گیا ہے تو ایسا رہے گا۔

احسان کا اثر تہ خانہ کے مانند ہے کہ انسان فتنوں

کے اثر سے محفوظ ہو جاتا ہے :

چونکہ ایمان تہ خانہ اور اسلام مکان جیسا ہے تو تو ایمان کے تہ خانہ میں ہے۔

تہ خانہ گرمی کے لئے ٹھنڈا پانے کے لئے امن کے لئے گرمی سے امن کے لئے بنایا جاتا ہے، ہم تہ خانہ میں چلے جایا کرتے تھے، ہر سال ریت بدل دیتے تھے، تو وہاں ایسی ٹھنڈک رہتی تھی کہ روزہ کی حالت ہے اور جی چاہتا ہے کہ چادر اوڑھ لو، ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ تو جس طرح تہ خانہ مکان میں ہوتا ہے اسی طرح یہ ایمان تہ خانہ ہے دل میں اور اسلام تعمیر مکان کی حیثیت سے ہے کہ اعمال ظاہر اور نظر میں ہوتے ہیں، اور ایمان ایسا تہ خانہ میں رکھا ہوا ہے تو تیری طرف سے تو امن ہی ہونا چاہیے ورنہ سارے عالم میں بد امنی پھیل جائے گی چونکہ تعمیر مکان اسلام میں داخل ہے، جب ایسا مکان ہے تو مکین کیسا ہو؟ یا سلامتی ہو جب تو نے اس مکان کو اپنایا ہے تو اپنی طرف سے سلامتی کو بھی اپنا! اگر تو نے بھی سلامتی کو چھوڑ دیا تو عالم سے سلامتی گئی..... اور جب سلامتی گئی تو خانہ جنگی ہو گئی جیسا کہ ظہور ہو رہا ہے۔

شریعت کا جز اعظم جس کو سلوک کہتے ہیں وہ کس درجہ کا ہے جس سے شریعت میں ظاہر و باطناً حسن سلامتی اور حسن امن آتا ہے۔ نظر غائر بغیر طالب سلوک مکلف ظاہر و باطن کا کیا بغیر تہذیب اخلاق نہیں بلکہ تعمیر اعمال تہذیب اخلاق۔

تہذیب اخلاق کی حقیقت :

تہذیب کے معنی ہیں ”ہذب الشجر“ یہ عربی کا محاورہ ہے تہذیب ہذب باب تفعیل سے ہے اس نے درخت کو چھانٹ دیا جو شاخیں ٹیڑھی اور معیوب تھیں ان کو درست کر دیا اور سیدھی عمدہ نہایت پُر حسن شاخوں کو بنا دیا بنانے والے نے جس کو مالی کہتے ہیں۔

ہذب الشجر اعوجاج ٹیڑھا پن، یہ ہے اخلاق کے ٹیڑھے پن کو چھانٹ

کاٹ کر مہذب بالکل ایک صف سیدھی ہموار سطح کر دیا مثلاً انسان میں بجل کا ٹیڑھا پن تھا اس کو چھانٹ دیا ایک شاخ تھی ٹیڑھی اس کو چھانٹ دیا جو دو کرم آ گیا وغیرہ وغیرہ، جو شاخیں ٹیڑھی تھیں اخلاق میں اس کو تہذیب کے ساتھ اس کو چھانٹنے کے ساتھ صحیح بالکل ٹھیک کر دیا جن اخلاق کے ساتھ ابتدائی پیدائش اصل ہوئی تھی وہ آگئی جو مکلف کی چیزیں تھیں ان میں اعجاب آ گیا تھا اس کو نکال کر صحیح تہذیب آگئی کہ تزکیہ ہو گیا، اس کا تخلیہ ہو گیا اس کا نام تہذیب رکھ دیجیے۔ اور اس تہذیب میں بطریق مستقیم دائمی اس کا نام پھر تمکین رکھ دیجیے۔ ایسی شاخ سیدھی کر دی اس میں کچھ ایسا مصالحو لگا دیا کہ ٹیڑھا پن آتا ہی نہیں ٹیڑھا پن آ بھی گیا تو فوراً وہیں کا وہیں سکو کر رہ گیا اسی طرح خلق بھی ہو گیا۔ اس لئے سالک نے جب قدم سلوک میں رکھا تھا بنیت استقامت رکھا تھا اور بنیت استقامت مطلقاً نہیں بلکہ استقامت بقید مثل منعم علیہم کے کہ خیال استقامت زبان سے ادا کرتے کرتے، اور دل میں زبان پر اس کو لاتے لاتے، زبان پر اس کو رکھتے رکھتے، دل میں اس کی طلب لیتے لیتے، اس طرح ہو بھی گیا: ”اهدنا الصراط المستقیم“ اس کا بدل عمومی نہیں بلکہ ”صراط الذین انعمت علیہم“ وہ جو میری نظر میں جو آپ کی نظر میں وہ صراط مستقیم منعم علیہم والی چاہت ہے کہ جس میں نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو، نہ یہودیت ہو اور نہ نصرانیت ہو۔ میں اس کی نفی کر رہا ہوں ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ نہ افراطیت ہو نہ تفریطیت ہو اور دونوں اہل کتاب اور دونوں میں یہ ہیں اسی سے یہ لازم آ گیا پھر تو بطریق اولیٰ شرک کا نام نہیں، جب یہودی اور نصرانی سے میں پرہیز کرتا ہوں بالکل جو اہل کتاب رہ چکے ہیں تو جو بالکل شرک میں ہیں انکی تو بطریق اولیٰ مجھ سے نفی ہے تو اے رب

العالمین، ارحم الراحمین! آپ سے فریاد ہے، سالک کہہ رہا ہے کہ میں توحیدِ خالص و اخلاصِ کامل بصدق کا طالب ہوں تو اس کے آداب بھی مطلوب ہیں، عرض یہ کیا گیا تھا کہ سالک اور بے وضو؟ مشاہدہ حق یہاں تک کہ معائنہ حق جب ایک ایسے خلق کا ادب ملحوظ تو خالق برتر کا ادب کتنا؟ جب کوئی عذر اس کے خلاف کا داعی نہیں ہے تو پھر خلاف کیسا؟ اور اس حالت میں جب کہ عذر موجود ہے اس خالق برتر نے رخصت دیدی ہے۔

خدا تعالیٰ بندۂ مؤمن کے لئے ہر طرح کی

واقعی راحت چاہتے ہیں :

اس لئے کہ مؤمن راحتِ جسمانی کی پرواہ نہیں کرتا اور دل کی فرحت کی پرواہ نہیں کرتا، ایسی حرکات کرتا ہے کہ اپنی جسمانی راحت میں بھی فرق آئے اور اپنی قلبی فرحت میں بھی فرق آئے۔ مگر وہ ذات چاہتی ہے کہ تیری جسمانی راحت میں بھی فرق نہ آئے اور نہ قلبی فرحت میں کوئی فرق آئے لہذا جب تجھے عذر ہے تو جس طرح چاہے بیٹھ جس طرح چاہے لیٹ، جس طرح چاہے چل، جس طرح چاہے بول اور جب عذر شرعی نہیں ہے معذوری نہیں ہے تو کمالِ آداب مشاہدہ و معائنہ کے ہمہ وقت ملحوظ ہوں۔

سلوک کے آداب عین شریعت ہی ہیں چونکہ جو مرکب چیز ہوتی ہے اُس کا ہر جز عین ہی میں داخل ہوتا ہے۔ یہ چار دیواری اس تعمیرِ مکانی، جسمانی اور چھت، کھڑکیاں تعمیرِ مکانی یہ دروازے چوکھٹ تعمیر کے اجزاء ہی ہیں۔ یہ سب تعمیر میں داخل

ہیں تو ایسے ہی تعمیرِ ایمانی و اسلامی کے اجزاء ہیں، بتما مہا و شرا نطہا جب ادا کئے جائیں گے تو اس کو کمالِ ایمان اور کمالِ اسلام کہا جائے گا تو سلوک یہ شریعت کا ایک عینِ جزء ہے اُس کے آداب جو پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان آداب ان عادات کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ (آمین)



چھالیسویں مجلس

مسلم کی امتیازی شان

مورخہ ۱۶ جماد الاخرہ ۱۴۱۲ھ بمطابق ۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء بروز یکشنبہ صبح بمقام جلال آباد

متعلقین سے حُسنِ ظن رکھنا چاہیے :

حدیث میں وارد ہے **ظنوا المؤمنین خیراً** یعنی مومنوں سے حُسنِ ظن ہی رکھنا چاہیے۔ جب کہ دوسرے کے خلاف کا علم نہ ہو، تو جو کہہ رہا ہے زبان سے یا طرزِ عمل سے تو اس پر یقین رکھو کہ جو کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے، اب حقیقی معاملہ وہ اس بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، وہ صدر اور سینہ کی بات کو بھی جانتا ہے، اُن کے قول کو بھی سن رہا ہے، ان کے اعمال پر بھی اُس کی نظر ہے وہ سمیع بھی ہے بصیر بھی ہے، علیم بھی ہے۔ اسی لئے ہر انسان کو متعلقین کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنے کا حکم ہے جب تک کہ اس کے خلاف کا ظن غالب یا بقاعدہ شرعیہ خلاف کی اطلاع، خلاف کا علم، خلافت کی خبر نہ ہو۔ تو معاشرت کو آپس میں باہمی گندہ مت کرو، اپنی معاشرت کو بحث میں پڑ کر، کاؤ کاوش میں پڑ کر، کھود کرید میں پڑ کر گندہ مت کرو یہ حکم ہے۔

بدگمانی کا سوال ہوگا حسن ظن کا سوال نہیں ہوگا :

چنانچہ قرآن پاک میں ہے: اجتنبوا کثیرا من الظن یعنی گمانوں سے بچو، بلا کسی خاص تحقیق کے کسی کے بارے میں غلط گمان و یقین نہ کرو۔ اور اس کے بعد تنبیہ بھی فرمادی، تخویف بھی فرمادی: ان بعض الظن اثم یہ بٹاء سے ہے جس کے معنی گناہ کے ہیں اور اس سے اثم کے معنی نام کے ہوتے ہیں۔ بعض گمان گناہ ہیں اور ان کے ساتھ ہیں جس کے معنی یقیناً کے ہیں جس پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ بعض دفعہ قرآن کچھ ایسے ہوتے ہیں جس سے آدمی کچھ حکم لگائے اس واقعہ کے اپنے فیصلہ کے لئے نہیں، اسی لئے اس ارشاد کے ساتھ کہ ان بعض الظن اثم بعض ظن یقیناً گناہ ہیں۔ اس پر ایک اور تنبیہ کر دی! میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کو فلاں شخص کے ساتھ نیک گمان کیوں تھا؟ کیونکہ اس نیک گمان میں فتنہ نہیں ہے، فساد نہیں ہے اپنی احتیاط رکھنی تھی۔ یہ ضرور پوچھوں گا کہ تم کو فلاں شخص کے ساتھ بدگمانی کیوں تھی؟ اس کا جواب دو! ہمارا ایمان بتلا رہا ہے قیامت کا دن حساب و کتاب کے لئے ہے، کھڑا ہو کر عدالتِ احکم الحاکمین میں پوچھا جائے گا۔ اس کا جواب سوچو!

مؤمن کی زندگی معاشرت کی ہو :

یہ معاشرتی زندگی ہے عزت کے ساتھ، آرام کے ساتھ، راحت کے ساتھ، فرحت کے ساتھ مؤمن کی زندگی گذرے انفرادی حیثیت سے بھی اجتماعی حیثیت سے بھی، خانگی زندگی میں بھی، بیرونی زندگی میں بھی، حضری زندگی میں بھی، سفری زندگی میں بھی، گویا حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جہاں میں نے حقوق بیان کئے ہیں تمہاری اپنی ذات سے متعلق اور خانگی متعلقین کے متعلق، وہیں بیرونی زندگی میں بھی میں نے

معاشرتی زندگی سکون کی، راحت وطمینان کی بیان کر دی ہے۔ تم مؤمن ہو، مسلم ہو، تمہاری زندگی من حیث المؤمن، من حیث الایمان امن کی من حیث المسلم من حیث الاسلام سلامتی کی ہونی چاہیے کہ ہر ایک یہ خیال و اہتمام رکھے کہ دوسرے کے امن و سلامتی میں فرق نہ آئے۔ اس کا اہتمام لازم اور ضروری ہے۔

یادداشت کا ملکہ قائم ہو جانا مطلوب ہے :

یوں کہنا کسی کا جائز نہیں ہے کہ میں نے آپ کو قصد اذی ایسی نہیں پہنچائی کسی کی نیت پر حملہ کرنا کہاں جائز ہے؟ کہ یوں کہا جائے کہ اس کی نیت تکلیف پہنچانے کی ہے کیا معلوم؟ لیکن یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا کہ میرے اس طرز کلام اور طرز عمل سے کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ سبق ہے یہ منجانب اللہ حکم ہے، آکر بیٹھنا تو بہت آسان ہے، پرکھنا اپنے آپ کو اصل چیز ہے کہ یادداشت کا ایسا ملکہ قائم ہو جائے کہ وقت پر وہ یادداشت یاد ہو کر اس کے مطابق طرز زندگی عملاً گزرے۔ چونکہ بوجہ پڑتا ہے عمل کرنے میں جی کو مارنا پڑتا ہے جو کہ بگڑا ہوا جی ہے، نفس کو مارنا پڑتا ہے جس میں تکبر رکھا ہوا ہے۔ اس سے ہٹ کر تواضع حقیقی کو لا کر تعامل ہونا چاہیے۔

مجلس میں آنے اور بیٹھنے کا مقصد :

اور یہی قصد ہونا چاہیے سفر کے وقت اس جگہ کے لئے قیام کے لئے، مجلس میں آنے کے لئے، سننے کے لئے جمانے کے لئے، کہ یہ قصد عمل کے لئے ہے، یہ سفر برائے دفع سقر اور دفع سقر اور برائے دخول جنت ہوتا ہے۔ عرض ہر کام میں قصد و نیت کا اہتمام و استحضار ہو اس سے عمل جاندار اور پُر آثار ہوتا ہے اور عدم استحضار اور

غفلت و بے توجہی سے عمل کمزور اور کم اثر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح غلط عمل میں بھی قصد و عدم قصد، استحضار و عدم استحضار، بے توجہی ا بے پرواہی سے فرق آ جاتا ہے چنانچہ جیسے قصداً تکلیف پہنچانا حرام ہے بلکہ سخت حرام ہے۔ بے توجہی و بے پرواہی کے برتاؤ سے بھی دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے اسلئے بے پرواہی کرنا بھی ناجائز ہے۔ پس یہ سمجھ لینا کہ میں نے قصداً تکلیف نہیں پہنچائی ہے لہذا میری کوئی غلطی نہیں ہرگز صحیح نہیں۔ دوسرے کے اظہار تاؤذی پر اس کہہ دینے سے بری نہیں ہو سکتا کہ میں نے قصداً تکلیف نہیں پہنچائی۔ یہ تو نیت پر حملہ ہے۔ یہ کیسے کہا جائے گا کہ آپ کی نیت قصداً تکلیف پہنچانے کی تھی۔ ہاں یوں کہا جائے گا کہ آپ نے اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا کہ میرے طرز عمل سے، طرز کلام سے تکلیف نہ پہنچے اس اہتمام کے مکلف ہیں اس اہتمام کرنے کا حکم ہے۔

اہتمام ہم سے مشتق ہے۔ اور ہم کے معنی ہیں فکر، جب ہم کو باب افعال میں لے گئے اہتمام مصدر بن گیا، اس کے معنی ہیں فکر۔ تو کلام کرنے سے پہلے اور کلام کو عمل میں لانے سے پہلے صحیح فکر سے کام کیوں نہ کیا۔ سوچ لیتے کہ میں اس بات کو کہنا چاہ رہا ہوں کہیں اس بات کے کہنے میں تکلیف نہ پہنچے، میں جو طریق عمل دوسرے شخص کے ساتھ اختیار کر رہا ہوں کہیں اس عمل سے تکلیف نہ پہنچ جائے۔ تم نے کلام سے پہلے اور عمل سے پہلے اس فکر سے کام کیوں نہ لیا۔ یہ ہیں ہم کے معنی! یہ ہے اسلام یہ تو ہو گئی شریعت۔

معاشرت کو پڑھے لکھوں نے بھی دین سے نکال رکھا ہے :

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا: من المسلم؟ مسلم کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويديه۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۱۲) اچھا تم یہ پوچھ رہے ہو کہ مسلم کون ہے؟ کہ جس کا تعلق اسلامی عمل سے ہے۔ ایک تو مؤمن کا سوال جس کا تعلق تصدیق قلبی یعنی ایمان سے ہے۔ تم مسلم کو پوچھ رہے ہو جس کا تعلق اسلام سے ہے جس کے معنی ہیں گردن نہادن بطاعت، اس کا تعلق عمل سے ہے۔ معاشرتی زندگی میں مسلم و مسلمان وہ ہے جو کہ اپنے آپ کو پرکھے جس کو مسلمان عوام تو کیا پڑھے لکھوں نے بھی معاشرتی زندگی کو دین سے نکال رکھا ہے۔ یاد رکھیے! جو نیک بخت کہلایا جا رہا ہے تہجد گزار صاحب اشراق و چاشت اس نے بھی دین کے جزو راحتی، فرحتی و سلامتی کو جو کہ معاشرت کہلائی جاتی ہے دین سے نکال رکھا ہے۔ جس طرح چاہے جس کے ساتھ چاہے عمل درآمد کر بیٹھے اور بول بیٹھے اس کی بلا سے کسی کا دل دکھے نہ دکھے، تکلیف ہو کہ نہ ہو جان و مال و عزت کو نقصان ہو یا نہ ہو۔ اس معاشرت کو اچھے خاصے لوگوں نے بھی دین سے نکال رکھا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا مسلم وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو سلامتی رہے۔ ٹرش بات کہہ دی اس کا دل دکھ گیا، زبان سے جو اس طرح کلام کیا سخت ٹرش، تلخ تو دل اس کا دکھ گیا۔ اے مسلمان! تجھے کیا حق تھا اس طرح کلام کر کے مسلمان کا دل دکھانے کا رنج پہنچانے کا تجھے کیا حق تھا تو مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہے؟

یہ مسلمان کے اسلام کی معاشرت بیان فرما رہے ہیں حضور اکرم ﷺ جو حق تعالیٰ ہی کا فرمان ہے تجھے کیا حق تھا کہ تو نے اس طرح کلام کیا جس سے اس کے دل کو دکھ، رنج پہنچ گیا فکر صحیح سے تو نے کام کیوں نہ لیا پہلے کیوں نہیں سوچا۔ زبان کا کام یہ ہے کہ رُک جائے سوچ کر چلے یہ زبان جرمِ صغیر ہے حدیث شریف میں آیا ہے

یہ زبان چھوٹا سا ٹکڑا ہے جرمہ صغیر و جرمہ کبیر لیکن اس کے گناہ بڑے زبردست ہیں۔

نظرِ حقارت سے ابتلاء در معاصی ہو سکتا ہے :

ایک غیبت ہی کو لے لو جو زبان کا کام ہے کہ کسی کے اندر عیب دیکھا جو واقعی عیب ہے اس کو دوسروں سے کہہ رہا ہے اس مسلمان کی ذلت ہے کہ نہیں بدنامی ہے کہ نہیں؟ اگر تجھ کو معلوم ہے تو چھپا کر رکھتا اور اپنے لئے بھی کچھ سوچ لیتا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عیب مجھ میں اس وقت تو ہے نہیں لیکن خدا نہ کرے آئندہ کو ایسا عیب مجھ میں پیدا ہو جائے یہ علاج ہے علاج شروع ہو گیا کہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس میں عیب دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن میری نظر اس پر حقارت کی نہ پڑے کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ چل کر کہیں میں مبتلا نہ ہو جاؤں اس عیب میں کیا تجھے یہ احتمال نہیں ہے یہ اندیشہ نہیں ہے دیکھ لیا، مگر تیری نظر حقارت کی کیوں پڑی اور پھر اپنے تک بس نہیں کی بلکہ دوسروں سے بھی کہہ دیا اس نے تو وقتی کوئی حرکت شرعی قبیح بے حیائی کی کی تھی، اور تو اس کے اس عیب کو جگہ جگہ بیان کر رہا ہے تو تو ہر وقت اس سے زیادہ بدتر گناہ برابر کر رہا ہے چنانچہ ارشاد رسول ﷺ ہے: الغيبة اشد من الزنا۔

غیبت کرنے والا توبہ نہیں کرتا گنہگار توبہ کر لیتا ہے :

وہ وقتی ہو گیا تھا ہو گیا تھا تو تو ہمہ وقتی اور اشد میں لگا ہوا ہے۔ کسی مؤمنہ یا کسی مؤمن سے کوئی ارتکاب بیحیائی کا قباحت کا شاعت کا ہو جاتا ہے تو اس کا ایمان اندر سے کھٹکھٹاتا ہے اور بے چارے کو اندر ہی اندر ندامت آتی ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اور ندامت کا نام ہے توبہ، تو اس نے تو توبہ بھی کر لی اور تو اے غیبت کرنے

والے! جس میں حپ جاہ بھی رکھا ہوا ہے اور جس سے ایسا ہوتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا جس کا نام توبہ کرنا ہے تو ایسا آدمی توبہ بھی نہیں کرتا تو اس نے گناہ کیا ہے تا تب بھی ہوا اور توبہ نے گناہ کیا ہے تو اس کو گناہ نہیں سمجھتا تا تب بھی نہیں ہوتا اب بتلائیں کہ بدتر کون ہے کیا ہماری مجلسوں میں غیبتیں نہیں ہوتیں جب چار چھ بیٹھتے ہیں تو کیا دوسروں کی برائیاں نہیں کرتے تو یہ غیبت کرنا حپ جاہ کا فرد ہے حپ جاہ جو کہ حرام ہے یہ اس کا فرد ہے اس کی ایک شاخ ہے وہ تو تا تب ہے اور یہ تا تب نہیں، حدیث شریف کیا کہتی ہے، اسلام کیا کہتا ہے؟ اس کی تعلیم کیا کہتی ہے کہ اس بے جاہ کے کام کرنے والے گناہگار سے زیادہ تو گناہگار ہے اور یاد رکھ! تو نے جلدی توبہ نہ کی حقارت کی نگاہ ڈال کر رہ گیا تو جب تک تیرا ارتکاب اس فعل کا نہیں ہو جائیگا موت نہیں آئے گی۔ ہمیں اپنے نفسوں کو زبان پر قابو رکھ کر پاک رکھنا چاہیے۔

مجلس میں دھیان لگا کر بیٹھنا چاہیے :

جب تشریف لائے ہیں تو سماعت مقصد کے تحت ہونا چاہیے، سماعت بغور ہونا چاہیے، ادھر ادھر آنکھیں نہیں چلانی چاہیے، ادھر ادھر اپنے سر کا رخ نہیں کرنا چاہیے، ایسے سننے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن شریف میں ہے جب بیٹھو تو اس طرح بیٹھو ان فی ذلک لذكری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید۔
کانوں کو لگا کر گردنوں کو جھکا کر دل کو حرص و طمع سے ہٹا کر سنو جب تم کو فائدہ ہوگا بلا اس کے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن پاک کی تعلیم ہے اس طرح بیٹھو اخلاص و صدق کے ساتھ فائدہ ہوگا۔ یہ امتناع ضروری ہے کیوں کہ بعض ایسے بھی بیٹھتے ہیں۔

زبان پر قابو پالینا اہم مسئلہ ہے :

كُفُّ اللِّسَانِ بڑا بھاری مسئلہ ہے، معاشرتی زندگی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں : قُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اِحْسَنُ۔ (پ ۱۵، ع ۵) پیرے مسلمان بندوں سے کہہ دیجیے کہ کلام جب کسی کے ساتھ ہو تو احسن ہو بہترین عمدہ الفاظ اور عمدہ آواز کے ساتھ ہو۔ خشونت نہ ہو، سخت لہجہ نہ ہو، آواز میں کڑک نہ ہو، اگر دور پہنچانا ہے تو زور سے بولے گا، زور سے بولنا اور بات ہے۔ احسن اسم تفصیل بہت ہی کلام کرنے میں آواز میں حسن رکھا ہوا ہونا چاہیے چونکہ ان انکر الاصوات لصوت الحمير یعنی آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہوتی ہے جب گدھا بولتا ہے تو لوگ لاجول پڑھتے ہیں بڑی کراہت ہوتی ہے انسان ہو کر گدھے کی سی آواز نکال رہا ہے کہ بلا ضرورت کے زور سے بول رہا ہے کہ اس طرح بولنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جو مخاطبین ہیں بس ان تک آواز صاف پہنچ جائے کہ سن بھی لیں اور سمجھ لیں۔

حضرت عمرؓ کی ایک واعظ کو تنبیہ :

چنانچہ ایک صاحب مسجد نبوی ﷺ میں وعظ کہہ رہے تھے اور زور زور سے کہہ رہے تھے اتفاق سے عمر فاروقؓ ادھر سے گذرے تو آواز زور سے باہر آرہی تھی، مسجد میں تشریف لے گئے اور واعظ سے کہا کہ تم اتنی زور سے کیوں بول رہے ہو سامعین مخاطبین تمہارے سامنے موجود ہیں ان تک آواز صاف پہنچ رہی ہے اگر تم نے آئندہ اس طرح وعظ ایسے رفع صوت کے ساتھ کیا تو میں تم کو ٹھیک کر دوں گا۔

(ماروں گا)

آداب مجلس کا تذکرہ :

قرآن شریف میں حضور اکرم ﷺ کو تعین مجلس کا حکم ہے :

”واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشيٰ

يريدون وجهه ولا تعد عينك عنهم تريد ذينة الحياة الدنيا۔ (پ ۱۵/۱۶)

جو ذات باری تعالیٰ کے طالبِ رضاء ہیں اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے

رہتے ہیں ان میں آپ جم کر بیٹھیے۔ ان کے ساتھ ہے جم کر بیٹھنا طالبین کے ساتھ جو

اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے ہوئے ہیں اور طالب ہیں نہ کہ ہر ایک کو لے کر بیٹھ گئے کیا

فائدہ ہو گیا۔ طالب ہونا چاہیے تو شیخ کا ایک وقت متعین ہوتا کہ معلوم ہو جائے طالبین

اس وقت میں پہنچ جائیں نہ کہ ہر وقت گھیر رہے۔

مؤمن کا مسلم ہونا ضروری نہیں :

تو گفتگو زبان کی ہے یہ قینچی کی طرح چلتی ہے چاہے کسی کا دل ٹوٹے پھوٹے

فکر ہی نہیں ہے تو اس میں ایک بڑی چیز غیبت ہے اور اگر اس میں وہ چیز ہے بھی نہیں تو

پھر وہ تہمت ہے یہ تو اس سے بھی زیادہ بدتر ہے، اشد عذاب ہے اس کی بے حیائی سے

زیادہ اس کے عیب کا بیان کرنا یہ اشد ہے اور جیسا اشد ویسا ہی اشد عذاب ہے کہ غیبت

یہ حب جاہ کی فرد ہے اپنا اعزاز اور دوسرے کا اذلال، تو حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ

ہے جو اپنی زبان کو روکے رکھے کہ مسلمان کا دل نہ دکھے رنجیدہ نہ ہو اس کی ذلت نہ ہو

یعنی زبان کو محفوظ رکھے، زبان سے دوسرے کی سلامتی میں فرق نہ آجائے، پریشانی نہ

پیدا ہو جائے۔ اور اگر دوسری چیز بھی شریک ہو گئی اس برائی میں پھر مسلمان کہلایا جانا

بہت مشکل ہو جائے گا وہ ہے: ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ

ویدہ "زبان سے تو دل کو تکلیف پہنچتی ہے رنج ہوتا ہے۔"

حدیث میں قید واقعی ہے احترامی نہیں :

اور یہاں مسلمان کی جو قید ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جانوروں کو تکلیف پہنچاؤ، یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کو تکلیف پہنچاؤ حربی کی بات الگ ہے چونکہ اس وقت میں کفار سے سابقہ وہ معاملہ نہیں ہے جیسے کہ ٹخنے ڈھکنا حرام ہے مرد کے لئے اگر بچہ بیٹا نابالغ ہے اس کے لئے پاجامہ جب بنوائے ٹخنے ڈھکے ہوئے نہ ہوں بچہ گنہگار نہیں ہوگا باپ گنہگار ہو جائے گا اور یہ قید واقعی ہے اور یہ قید احترامی نہیں ہے کہ تکبر کے طور پر ڈھکے گا تو گنہگار ہوگا اگر نہیں ڈھکے گا تو گنہگار نہیں ہوگا یہ قید واقعی ہے اس لئے ممنوع ہے۔ مگر آج اگر ٹخنے سے اونچا پاجامہ پہنے گا کوئی تو کہیں گے کہ یہ کیا تم نے سقوں کا سا پاجامہ پہن رکھا ہے یوں کہا جاتا ہے کہ سقے اونچا پاجامہ پہنتے ہیں کہ پانی کا اس کا کام ہے تو کہتا ہے کیا تو سقہ ہے کہ اتنا اونچا پاجامہ پہن رکھا ہے، بات بہت دور پہنچ رہی ہے۔ گو حضور ﷺ نے تہبند باندھا ہے پاجامہ نہیں پہنا ہے لیکن سلوایا تھا، ثابت ہے تو ارادہ فعل نی ﷺ فعل میں شمار ہوتا ہے تو پاجامہ پہننا خلاف سنت نہیں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم پہنتے تھے اور یہ معاشرت کی زندگی تھی وہاں کی۔

تو یہ قید واقعی ہے احترامی نہیں کہ کافروں کو تکلیف پہنچاؤ، جانوروں کو تکلیف پہنچاؤ۔ ذبح کرتے وقت تیز چھری کا حکم ہے اگر کند چھری ہو اور ذبح کرے گا تو گناہ ہوگا کیونکہ تکلیف پہنچ رہی ہے اس کو بلکہ مضبوط ہاتھ والا تیز دھار والا ہوتا کہ جلدی سے اس کو ذبح کر دے تو یہ قید واقعی ہے احترامی نہیں ہے۔

اسلام نے فتنہ، فساد سے محفوظ رہنے کی تعلیم دی ہے، یہ نہیں کہ خاص کافر کو

ایسے الفاظ زبان سے بولے کہ جس سے اس کا دل دکھ جائے، اس کو رنج پہنچ جائے جھگڑا پیدا ہو جائے، فساد آجائے، تو بنیاد یہ ہے زبان کی اور اسلام میں فساد و فتنہ سے محفوظ رہنے کی اہم ترین طریق سے تعلیم دی ہے، اور جب ہندو کو، کافر کو تکلیف پہنچ گئی تو کیا وہ درپے نہیں ہوگا ستانے کے پیچھے نہیں پڑے گا وہ سوچے گا نہیں پھر بدلہ لینے کی طرف نہیں چلے گا اس کا دل؟ تو بیٹھے بٹھائے اپنی زندگی کی سلامتی میں ایسی حرکت کیوں کی تھی کہ پریشانی میں پڑ گئے تو اپنے ہاتھوں پریشانی مول لی ہے۔ اور میں نے تجھ سے اے مسلمان! کیا کہا تھا جب تم نے اس کے خلاف استعمال کیا اس کے خلاف عمل میں لایا تو تو نے خود اپنے کو فتنہ میں ڈال دیا۔ ہم بطور خود خانگی زندگی بیرونی زندگی میں پریشانی میں پڑتے ہیں اور حکم بطور احتیاط بطور اہتمام کے ہے اور پھر بھی کوئی اس کے پیچھے پڑ جائے اس کی ذمہ داری نہیں۔

بدگمانی کا موقع بھی نہ دینا چاہیے :

چنانچہ حدیث میں بھی اتقوا مواضع التهم کہا اتقوا التهم نہیں کہا کہ تہمتوں سے بچو، یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ تمہاری طرف سے ایسا طریق نہ ہو کہ لوگوں کو تہمت لگانے کا موقع مل جائے، یوں تو تہمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بھی لگائی تھی، یوں تو تہمت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی لگائی تھی، اس کی زبان پکڑ لی آپ نے؟ خود اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ایسا طرز کلام ایسا طرز عمل نہ ہو کہ جس سے تہمت کا موقع ملے، جس پر پورا اعتقاد پورا اعتماد نہ ہو جائے مخلوق کو بزرگی کا اور تقویٰ کا۔ اس کو بھی اہتمام ہی چاہیے جب کہ وہ ہدایت و ارشاد کا بھی کام کر رہا ہو، دروازہ بند ہے امر دلائل کا خاص کر جو ذرا احسن و خوبصورتی لئے ہوئے ہے اندر بیٹھا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اندر سے نکلا،

دروازہ بند ہی تھا گذرنے والے نے کہا کہ یہ لڑکا حسین و خوبصورت اندر سے نکلا ہے اور کوئی نہیں صرف ایک ہے اور وہاں سے نکلا ہے اس کے جی میں خواہ مخواہ بدگمانی اور خاص کر آج کل یہ زمانہ بدگمانی کا زیادہ ہے۔ بیبیوں کو بھی بدگمانی ہو جاتی ہے اسی لئے آج کل بہت زیادہ طلاق کی نوبتیں آرہی ہیں۔

بدگمانی کا سانحہ بشکل المیہ :

ایک فوجی شخص کی بیوی تھی، فوجی فوج میں تھا چھٹی لے کر گھر آیا جب دروازہ کے قریب پہنچا تو بیوی کو دیکھا کہ ایک کواڑ کھلی ہوئی ہے اور جھانک رہی ہے وہ تو فوجی ہے تلوار ساتھ لٹکی ہوئی ہے اس کو پکڑ لیا اور اس کو یہ ظن ہو گیا کہ کوئی اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اس کو تاک جھانک رہی ہے گرا دیا دروازہ میں ہی۔ وہ پناہ مانگ رہی ہے کہہ رہی ہے کہ میاں! اندر جا کر تو ذرا دیکھو جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں یہاں کیوں کھڑی ہوں۔ مگر وہ غضبتاک ہے اسے قتل کر دیا جب کھینچ کر اندر لے گیا تو دیکھا کہ صحن میں بہت بڑا سانپ پھوں پھوں کر رہا ہے، اس کے ڈر کے مارے آئی تھی کہ کوئی مل جائے تو میں کہہ دوں کہ میرے گھر میں سانپ ہے۔ اب پچھتا رہا ہے۔ غصہ ظن بدگمانی یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔

آنکھ بھی غلطی کر جاتی ہے :

اس لئے آنکھ کی دیکھی ہوئی بعض دفعہ چیزوں میں بڑا مغالطہ ہو جاتا ہے۔ چلے جا رہے ہیں کوئی شخص سامنے سے نظر آیا یہ شخص سمجھا یہ تو میرے دوستوں میں سے ہے لپک کر سلام کیا، جب قریب ہوا وہ تو اجنبی ہے تو شرمندہ ہو رہا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص کے ساتھ ہو گیا اس نے لاجول پڑھ دیا بیچارہ نے، اس کو غصہ آ گیا آپ نے مجھ کو

شیطان سمجھا ہے، مجھ کو دیکھ کر لاحول پڑھا آپ نے، کہا کہ نہیں میں نے جو سلام کیا آپ کو اپنا دوست سمجھ کر، اور اب معلوم ہوا کہ آپ تو میرے دوستوں میں سے نہیں ہیں تو میں نے اپنے افسوس کیساتھ لاحول پڑھا ہے، نہیں نہیں آپ نے مجھ پر لاحول پڑھا، جھگڑا بن گیا اور آدمی جمع ہو گئے، وہ بے چارہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ تو آنکھوں دیکھی بھی غلطی ہو سکتی ہے مشاہدہ بھی غلط ہو سکتا ہے، تو زبان بطریق اولیٰ غلط استعمال ہو سکتی ہے، اب رہ گیا ہاتھ۔

ہاتھ سے دو طرح کی تکلیف :

ہاتھ سے بھی کئی قسم کی تکلیفیں پہنچتی ہیں، خصوصاً دو ایک جانی اور ایک مالی، جب کسی کو مارے گا اگرچہ ہاتھ میں ڈنڈا ہی ہو تو ہاتھ ہی میں تو ہے وہ، تلواریں مارے بندوق مارے بم و گولہ مارے تو ہاتھ ہی میں تو ہے۔ قلم خود لکھ سکتا ہے جب تک ہاتھ میں ہو تو ہاتھ سے تکلیف جسم کو پہنچتی ہے استاد نے کسی شاگرد کو مارا۔ کیوں مارا تم نے اگر مارا تھا تو تم نے ایسا کیوں مارا، قابلِ تعزیر تھا تم نے حد کیوں جاری کی۔

یہ ملا جی حافظ جی لڑکوں کو بہت مارتے ہیں، جب ان کی کھال قیامت میں کھینچی جائے گی تب ان کو پتہ چل جائے گا۔

مسلم خود کو کسوٹی پر کیسے رکھے ؟

دُکھ پہنچ گیا اور جسمانی تکلیف پہنچ گئی اور یہی تین چیزیں ہیں جانی، مالی، آبروئی یعنی قلبی۔ تو زبان سے تو قلبی اور ہاتھ سے جانی اور مالی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمان وہ ہے کہ جس کی ذات سے کسی مسلمان کو جانی اور مالی اور قلبی تکلیف دُکھ رنج نہ پہنچے۔“ مسئلہ صاف ہو گیا، اب ہر مسلمان کو اس طرح اپنے آپ کو کسوٹی پر

پرکھنا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ مسلمان کس کو کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اسے کہتے ہیں، تو اپنے کو مسلمان ہونے کی کسوٹی معلوم کر کے اس پر پرکھنا چاہیے۔ ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ صرف نماز پڑھ لی، تہجد پڑھ لی، تلاوت کر لی، چار پارے روز پڑھ لئے نہ ہاتھ حفاظت میں ہے نہ زبان حفاظت میں ہے اور سمجھتا ہے کہ میں تو پکا مسلمان ہوں۔ کیا وہ صحیح معنی میں مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہے اور بالخصوص سلوک میں داخل ہو کر ابھی تو تیری زبان تیرے ہاتھ بھی قابو میں نہیں ہیں جس طرح چاہا جو چاہا اپنی بیوی سے کہہ دیا اس پر بڑا زور ہے، اندر بھی جھجک نہ رہی باہر تو ذرا کچھ مصلحت ہو گئی، اُس نے اس طرح کہا ہے اگر میں اس طرح کہوں گا تو چار آدمی سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اگر اس نے کچھ کہہ دیا تھا تو کہہ دیا تھا تو کیا بات تھی لوگ تمہیں کہیں گے اس کو نہیں کہیں گے۔ وہ تو جاہل تھا آپ تو عالم صاحب ہیں۔

سالک کی زبان قابو میں رہنی چاہیے :

جس کو لوگ خانقاہ کہہ دیتے ہیں تو تزکیہ کے لئے تو آپ آئے تھے اپنے تو تصفیہ کے لئے ہی تو آئے ہیں، ہم نے تو یہ سنا ہے اور پھر آپ دیکھیے لڑکے سے کس طرح بگڑ رہے ہیں اپنے ساتھیوں سے کس طرح باتیں کر رہے ہیں تیزی کے ساتھ۔ تو سلوک میں داخل ہونے والے کی زندگی کیسی تصفیہ کی اور پاکیزگی کی زبان کے اعتبار سے بھی اور ہاتھ کے اعتبار سے بھی ہونی چاہیے۔

اور یہ جب تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ عدم اختلاط نہ ہو تو یہاں خانقاہ میں رہنے کے لئے اختلاط کے لئے آئے تھے؟ یہاں تو پہلی ہی شرط عدم اختلاط ہے نہ

اختلاط ہوتا نہ دست درازی ہوتی، نہ زبان درازی ہوتی، اب تک آپ کی زبان بھی قابو میں نہ ہوئی، آپ کیا خواہ مخواہ کے لئے آئے ہیں۔

ایذا رسانی سے رُکنا ادنیٰ درجہ، راحت رسانی اعلیٰ درجہ ہے :

تین چیزیں ہیں۔ جان، مال اور دل۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمان وہ ہے کہ جس سے مسلمان کی جان اور مال اور دل سلامت رہے“ یہ کسوٹی ہے موٹی سی پہچان کی۔ اور آگے فرمایا حضور ﷺ نے کہ یہ تو ادنیٰ درجہ ہے ایسا بھی نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو، تو ادنیٰ درجہ ہے یہ کہ کسی کو کسی قسم کی اپنے سے تکلیف نہ پہنچے، رنج نہ پہنچے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے یہ شریعت ہے۔ اب آگے یوں فرماتے ہیں اچھا! بس تم نے اس ادنیٰ درجہ پر قناعت کر لی؟ آگے کیوں نہیں بڑھتے، اپنے آپ کو ایسا کیوں نہیں بناتے کہ تم سے دوسرے کو راحت پہنچے ایذا رسانی سے تو تم بچ گئے مگر اس پر کفایت و قناعت کیسی؟ آگے بڑھو ”راحت رسانی بھی ہونی چاہیے دوسرے مسلمان کے واسطے راحت رساں بننا چاہیے۔ اس طرح کہ راحت رسانی کے لئے اپنے پر کوئی تکلیف گذرتی ہو تو اٹھا لو جہاں تک تحمل ہو چونکہ معاملہ اس معبودِ حقیقی کے ساتھ ہے نہ کہ بہانہ خوری کہ میرے تحمل سے باہر تھا یہ دل کا معاملہ جو زبان سے کہہ رہا ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دھوکہ دے سکتا ہے یہ کہہ کر کسی دوسرے شخص کو مگر اس ذات کو دھوکے کا کیا سوال؟.....

کارہا با خلق آری جملہ راست با خدا تر و بیرو حیلہ کئے داست

تو مخلوق کو دھوکہ تو دے سکتا ہے چونکہ تعلیم حسنِ ظن کی کر دی ہے سو ظن سے

بچنے کی کر دی ہے، لیکن خالق برتر کو دھوکہ اور اس کے سامنے حیلے بہانے چل نہیں سکتے۔

اپنی عزت دوسرے کی ذلت نہ ہو :

کہ میں نے تو اصلاح کے لئے کہا تھا کہ میں نے تو لوگوں کو اس کے ضرر سے بچنے کے لئے کہا تھا حالانکہ اس طرح سے دوسروں کو ضرر پہنچ رہا ہے بھلا غیر سے کہنے کی کیا غرض اور ضرورت تھی اس کے عیب کی، اگر کہنا تھا اور شفقت تھی اور حمد لی تھی۔ تو اس سے خود کہتا کہ بھائی دیکھو! تم ایسے آدمی ہو میں تمہارے اندر ایسی بات پاتا ہوں، ان سے اگر غلطی ہوگئی تو ان سے کہہ دیتا، ان سے تو کہتا نہیں اور دوسروں سے کہتا پھرتا۔ ہے، یہ اپنا اعزاز ہے اور دوسرے کا اذلال ہے، یہ باریک چور ہے، اور یہ اس کے لئے ہے جو کہ اپنے کو مریض سمجھے اور طالب صادق ہو رضائے الہی کا اور کچھ خوف رکھتا ہو۔ اعلیٰ درجہ راحت رسائی کا جہاں تک کہ تحمل ہو چونکہ اپنی ذات کا پہلے اپنا حق ہے اپنے کو تکلیف پہنچی اور دوسرے کو راحت پہنچائی تو کیا راحت پہنچ گئی؟ دیکھنے میں تو پہنچ گئی تو پہلے اپنے کو تکلیف سے بچانا ہے ان لِنَفْسِكَ عَلَيكَ حَقًّا تفسیر ہے حدیث شریف میں الفاظ تو چھوٹے ہوتے ہیں مگر صاحب کلام کا متکلم کی حیثیت سے کلام چھوٹا اور اس میں بہت سی تفسیر ہوتی ہے۔ فرمایا بخاری شریف کی حدیث: "المسلم من سلم الخ" کے بعد دوسری حدیث ہے فرماتے ہیں کہ اس سے آگے بڑھو وہ ہے: "اطعام الطعام افشاء السلام" یعنی کھانا کھلانا اور سلام پھیلانا۔ وہاں تو صراحتاً نضالسان کا لفظ تھا اور ید کا لفظ تھا اور یہاں نہ لسان کا لفظ ہے اور نہ ید کا لفظ ہے۔

حدیث کی طرح منطق پڑھنے میں بھی ثواب ہے :

منطق کا پڑھنا خواہ مخواہ نہیں ہے ضروری ہے اکابرین تو فرماتے ہیں کہ جیسے حدیث شریف کے پڑھنے میں ثواب ملے گا منطق کے پڑھنے میں بھی ثواب ملے گا

اور یوں تو حدیث شریف کو غلط استعمال کرے تو گناہ ہوگا ایسے ہی منطق کو غلط استعمال کرے گا تب گناہ ہوگا۔ بڑی تسہیل ہو جاتی ہے منطق کے پڑھنے سے بشرطیکہ سمجھ کر پڑھے۔ علم کلام اس میں منطق و فلسفہ رکھا ہوا ہے اپنے ایمان کی مضبوطی کے لئے نہیں بلکہ اثبات حق کے لئے خصم و دشمن کے سامنے ثابت کرنے کے لئے۔ شرح عقائد اپنے عقائد کے صحیح کرنے کے لئے نہیں پڑھی پڑھائی جاتی ہے وہ تو مؤمن ہے، بلکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے۔

راحت رسائی کے دو طریقے :

فرمایا: ”اطعام الطعام افشاء السلام“ یہ ہے راحت رسائی کہ اوپر کی حدیث میں تو تھا کہ ایذا رساں مت بنو، ایذا رسائی سے بچو اور پھر ترقی کرو کہ تم دوسرے مسلمان کے لئے (گفتگو اس وقت مسلمان سے ہو رہی ہے) راحت رساں بنو، اس کو راحت پہنچانے کے لئے اپنے پر کچھ تکلیف برداشت کر لو زبان کے اعتبار سے بھی اور ہاتھ کے اعتبار سے بھی، تو یہاں تو زبان کا لفظ نہیں ہے ہاتھ کا لفظ نہیں ہے۔
تو اے مسلمان! تیری عقل تو بحر ذخار ہونی چاہیے، جب میں نے کہا:
اطعام الطعام کھانا کھلانا، جب تم کھانا لاؤ گے اور سامنے رکھو گے تو پیروں سے یا ہاتھوں سے تو اطعام الطعام میں ید آ گیا۔ اور جب سلام کرو گے تو زبان سے، تو افشاء السلام میں زبان آگئی اور ہاتھ اور زبان تھی یہاں بھی ہاتھ اور زبان آگئی، وہاں اور طرح استعمال ہے اور یہاں اور طرح استعمال ہے۔ وہاں ایذا سے بچنے کے لئے استعمال ہے اور یہاں راحت رسائی کے لئے استعمال ہے جب کسی کو کھانا کھلائیں گے تو راحت و آرام ہی پہنچے گا۔

یہ تو ایک مثالی اور جزوی چیز ہے۔ چونکہ اس کا معاملہ پڑتا رہتا ہے آنے جانے کا کھانا کھلانے کا۔ اگر بیمار ہو اور ڈکھن و درد ہو رہا ہو اس کا جسم دبانا ہے تو زبان سے دباؤ گے یا ہاتھ سے دباؤ گے پاپیر سے دباؤ گے؟ ہاں اگر وہ یوں کہہ دے کہ بھائی! کمر میں بہت درد ہے۔ تم میرے کندھے سے لیکر پاؤں تک اپنے پیر رکھ کر خوب دباؤ، وہ تو ایک اتفاقی اور عارضی بات ہے اس کا اعتبار نہیں۔

زیادہ ذہانت برباد کر دیتی ہے :

کیونکہ بعض لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ میں بڑے ذہینوں سے گھبراتا ہوں، خدا محفوظ رکھے ان ذہینوں سے کہ عقل تو کم اور ذہن زیادہ، اور جس کا ذہن عقل سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ گمراہی کے راستہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے، ایسے ہی گمراہ ہوئے ہیں کوئی قادیانی ہو گیا، کوئی مودودی ہو گیا، کوئی ایسا ہو گیا کوئی ویسا ہو گیا، ذہن چلا رہا ہے عقل مغلوب ہو گئی۔ تو ایسوں ذہینوں سے اللہ محفوظ رکھے۔ (آمین)

دکھ درد والے جسم کو ہم نے تو پیروں سے بھی دباتے دیکھا ہے، تم ہاتھ ہی سے دباتے رہے ہو تو عادت ہاتھ سے دبانے کی تو عادت کی بات کا اعتبار ہوا کرتا ہے۔ اتفاقی بات کو لا کر اعتراض کر رہا ہے بعض طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں مطالعہ دیکھ کر آیا ہے ایک مقام پر سات اعتراض کر دیئے۔ اب استاد حیران ہے کہ کہاں سے بول رہا ہے؟ تو دیکھیے یہاں متن پر سات کا نشان لگا ہوا ہے تو میں نے حاشیہ پر دیکھا تو وہاں بھی سات لگا ہوا ہے رات میں مطالعہ کر رہا تھا تو میرے ذہن نے سات اعتراض نکالے، او بے وقوف! اس کا تو کوئی تعلق ہے نہیں یہاں سے، ایسی ذہن رسائی سے گمراہی آ جاتی ہے۔

آدمی بننے کے اوصاف :

یہ نہیں کہ صرف اطعام الطعام ہو بلکہ ہاتھ سے جو راحت پہنچائی جاسکے وہ بھی ضروری ہے یہ تو ایک مثال ہے کیونکہ واقعہ یہ اکثر و بیشتر ہر آدمی کے ساتھ پیش آتا رہتا ہے ورنہ تو ہاتھوں کا دبانا، پیروں کا دبانا اور ہاتھوں سے بچارے حاجتمند کو پیسہ روپیہ دینا زبان سے دے گا یا پیروں سے، تو اطعام الطعام کو لے کر بیٹھ گیا حدیث شریف کو نہیں سمجھا، حدیث شریف میں تو یہ آیا ہے، پیر دبانے کی کیا ضرورت ہے پیر دبانے، تو کہیں نہیں، حدیث شریف میں تو کسی کو پیسہ روپیہ دینے کے لئے آیا نہیں، حدیث شریف میں صرف اطعام الطعام آیا ہے، یعنی جزوی مثال کو ایک کلیہ سمجھ لیا۔

اس پر تعدیہ کر دو، ہاتھوں سے جسم کو بھی راحت پہنچائی جایا کرتی ہے، بچارے پر قرضہ ہے فقر و فاقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے تو ہاتھوں سے اس کو روپیہ پیسہ دیدو، یہ راحت رسائی ہوگئی اور جو ایذا پہنچ رہی تھی پیسے کے نہ ہونے سے وہ دفع ہوگئی، تو دفع ایذا بھی ہے اور راحت رسائی؟ آگے ترقی کرو، لیکن زبان سے بھی راحت رسائی ہونا چاہیے جس کا تعلق دل سے ہے۔

سلام زبان سے ہے تو جس کو سلام کیا ہے اس سے دل خوش ہوگا اور دل خوش کرنا مومن کا بہت بڑی عبادت ہے، حسنِ خلق کا یہ ایک فرد ہے۔

حسنِ خلق کا پلڑا قیامت میں سب سے زیادہ بھاری ہوگا :

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں میزان رکھا جائے گا تو حسنِ خلق کا پلڑا سب عبادتوں سے بھاری ہوگا۔ حسنِ خلق کا پلڑا تمام عبادتوں سے اس عبادت کا پلڑا زیادہ بھاری ہوگا۔ آج کل حسنِ خلق مفقود ہو رہا ہے ہم مسلمانوں سے،

یہ معاشرتی زندگی عرض کی جا رہی ہے جس کو مسلمان اور ایک اچھے خاصے دیندار نے بھی نکال رکھا ہے۔

مسلمان کو کس طرح رہنا چاہیے :

اتنا تو معلوم ہے کہ یہ مسلمان ہے اب چاہے رشتہ دار ہے چاہے نہیں ہے برادری ہے چاہے نہیں ہے، پہچاننے کا مطلب یہ نہیں ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو مسلمان کی گفتگو ہو رہی ہے۔ ہاں یہ معلوم ہو کہ یہ مسلمان ہے جانتا نہیں ہے مگر ہاں یہ جانتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ اس میں شانِ ظاہری مسلم ہونے کی بھی ہے، وضع قطع، لباس، چہرہ، صورتِ شکل، اور جب نہیں پہچانا تو کیا پہچان ہے کہ مسلمان ہے اور جب نہیں پہچانا تو پھر سلام کیسا، اس سے نکلی یہ بات کہ ہر مسلمان کو کس طرح رہنا چاہیے؟ اسلامی شان، وضع قطع، صورت و شکل، لباس مونچھ بھی ہے داڑھی بھی ہے گرتا بھی مسلمانوں جیسا ہے پاجامہ بھی مسلمانوں جیسا ہے، یہ معاشرت ہے۔

مسلم کی امتیازی شان :

مسلم کے اسلام کا ایک یونیفارم ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہے چہرہ پر داڑھی ہے باقاعدہ، نہ یہودیوں کی سی ہے نہ پادریوں کی سی ہے نہ سکھوں کی سی ہے۔ یہ جواب ہے دفعِ دخلِ مقدر کا کہ کوئی کہہ دے کہ داڑھی تو سکھوں کے بھی ہوتی ہے داڑھی تو پادریوں کے بھی ہوتی ہے یہودیوں کے بھی ہوتی ہے مشرکین کے پنڈتوں کے بھی ہوتی ہے یعنی غیر مسلموں میں بھی یہ بعض داڑھی ہوتی ہے بعضوں کے تو پھر یہ کیا؟

ان کی داڑھی اور طرح سے اور مسلمان کی داڑھی اور طرح سے چھٹی چھٹائی تینوں طرف سے باقاعدہ نہ کہ لٹکی چلی جا رہی ہے اور نہ فرنیچ کٹ۔ تمہاری داڑھی اور طرح کی ہے اور ان کی داڑھی اور طرح کی ہے۔ اسی لئے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ایک کلیہ بیان کر دیا، کہ ”خالفوا المشرکین“ مخالفت کرو مشرکین کی اور اس کے بعد فرمایا: ”وفروا اللحی واحفوا الشوارب“ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

غیر مسلم کی مونچھ لبوں تک آئی ہوتی ہے اور جو داڑھی رکھتے ہیں وہ اور طرح کی رکھتے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسی نہ ہو جیسے اوروں کی جو کہ غیر مسلموں کی ہے بلکہ مسطح ہو، اسی سے نکل آیا کہ سلام کرو مسلم کو۔

تشبہ حرام ہے :

غیر مسلموں کی نقل و مشابہت کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے، اور ایسے فروعی احکام بدلتے رہتے ہیں تشبہ بالکفار، جبکہ تشبہ بالمسلمہ ناجائز ہے تو تشبہ بالکفار تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

حضور ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں، یہ کون جا رہی ہے؟ جب تک پردہ کا حکم نہیں ہوا تھا، یہ ابو جہل کی بہن ہے، اوہو! لعنت ہو ان عورتوں پر جو.....

جب ایک مسلم کی مسلمہ کے ساتھ معاشرتی زندگی منع ہے تو کفار مشرکین کے ساتھ کیسی؟ جب ان کا طریق مذہبی نہیں معاشرتی ایک عموم طریق سے آجائے اور مسلمان اسی کو اختیار کرے تو تشبہ ہو گیا۔ وہ ننگے سر سے پھرتے ہیں تو تم بھی ننگے سر سے پھرنے لگے وہ یہاں تک کا پہنتے ہیں تم بھی یہاں تک کا پہننے لگے، کیا اس کو کرتے

کہتے ہیں؟

ایذاء رسائی سے بچنا شریعتِ راحت رسائی

کا اہتمام تصوف ہے :

سلام میں راحت رسائی ہے، دل خوش کرنا ہے حُسنِ خُلق ہے اور بڑا اونچا حُسنِ خُلق بڑی اونچی عبادت ہے اور پلڑا اس حُسنِ خُلق کا میزان میں سب سے بھاری عبادتوں میں ہوگا تو کیسی بڑی حُسنِ خُلق عبادت ہے تو وہیں ہاتھ کا بھی استعمال ہو گیا، اطعام الطعام، اور افشاء السلام زبان کا استعمال ہو گیا، تو وہاں ایذاء رسائی سے بچا اور یہاں راحت رسائی ہوگئی۔ وہ شریعت تھی اور یہ تصوف و سلوک ہے۔ بدون سلوک کے طے کئے ہوئے شریعت تامہ حاصل نہیں ہو سکتی ایسا تب ہی ہوگا جب کہ تکبر نام کو بھی نہ ہوگا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایثارِ حقیقی اور تصوفی شان :

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے جا رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ادھر سے چلے آ رہے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلام نہیں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور دیکھنے والے کو معلوم تھا کہ جب اس طرح سے تقابل ہوتا تھا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے سلام کیا کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور وہ جواب دیا کرتے تھے، آج اس کے خلاف ہوا اور جب خلافِ عادت کوئی بات ہوتی ہے تو کچھ شبہ ہو ہی جاتا ہے تو ان کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی بات رنجش کی آگئی ہو اور آج انہوں نے

خلافِ عادت سلام نہیں کیا۔ کھٹک ہو گئی، جلدی سے پہنچ گئے کہ جلدی کھٹک دور ہو جائے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب تقابل ہوتا تھا تو سلام پہلے کیا کرتے تھے آج انہوں نے سلام پہلے نہیں کیا، ہاں جواب دیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلام کا تو یا رسول اللہ ﷺ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان دونوں میں کچھ چل گئی ہو تحقیق فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا لیا، آگئے، فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ آج آپ کا آنا سا منا علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا تو آپ نے سلام نہیں کیا انہوں نے کیا تھا پہلے، جی ہاں! ایسا ہوا ہے، اور آپ کی عادت کیا تھی (پہلے تحقیق ہو رہی ہے، صرف روایت پر نہیں چل رہے حالانکہ الصحابة کلہم عدول) فرمایا پہلے عادت یہی تھی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سامنے آتے تو میں پہلے سلام کیا کرتا تھا، اچھا تو پھر آپ نے اس کے خلاف کیوں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں جب سلام کیا کرتا تھا تو مجھ پر ذاتِ باری تعالیٰ کے انوار کا نزول اور قرب زیادہ ہوا کرتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کم ہوتا تھا تو میں نے آج ایثار کیا کہ پہلے اپنے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موقع دیدوں کہ وہ سلام پہلے کریں تاکہ ان پر انوار کا نزول زیادہ سے زیادہ ہو جائے، آج مجھ پر کم ہی سہی۔ حضور ﷺ خاموش ہو گئے..... اور نزولِ وحی کے بعد جواب دیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تم نے ٹھیک کہا اور ٹھیک کیا۔

یہ ایثار کا مسئلہ ہو گیا ترجیح ہو گئی، تصوف آ گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا قصہ ہے سلام کرنا تو سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے۔ واجب ادا کر رہا ہے اور ثواب کم مل رہا ہے اور سنت پر ثواب و قرب زیادہ تو یہ وہی قصہ ہے جو عرض کیا جا رہا

تھا اطعام الطعام اور افشاء السلام میں۔

سلام کر نیوالے کا عجز و انکساری کے باعث درجہ افضل ہے :

تو دیکھیے! وُجوب ادا کیا جا رہا ہے اور ثواب کم، اور سنت میں وہاں عجز ہے اور جواب ایک قسم کا تشنہ ہے ہم کو سلام کیا ہے، میں جا رہا تھا اگر فخر ایسی بات ہے تو پھر وہ تو گناہ ہو گیا جو جواب دیا۔ یعنی ایک گونہ اس کی شان بڑھی ہوئی معلوم ہو رہی ہے اور جس نے سلام کیا ہے اس کی جانب سے ایک گونہ عجز و انکساری کا ظہور ہو رہا ہے اور جس شے میں عجز و انکساری جس درجہ کی ہوگی اسی درجہ کے اعتبار سے اس کا درجہ ثواب و قرب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہوگا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک کہا تم نے۔

اللہ ہمیں ایسی معاشرتی زندگی پر دائماً قائماً اختیار کر کے رکھنے کی اخلاص و صدق کے ساتھ توفیق سے نوازے، آمین۔



القاسم اکیڈمی کی ایک علمی اور ادبی پیشکش

مجالس مسیح الامت

حضرت مولانا مسیح اللہ خان

(جلد اول)

پیش لفظ : مولانا عبدالقیوم حقانی

بہ تعاون و نگرانی : الحاج ابراہیم تسبیح والا

مقام علم، تفصیل ذکر، تقویٰ، اصلاح میں تاخیر کی وجہ نور نبوت، نور علم، ترتیب سلوک، تبدیلی حالات میں تصحیح نیت، حصول مطلوب کے لئے طریق صحیح، اتباع اکابر اور زیادہ فی العلم، حفظ ما تقدم، مجاہدہ و شانِ فناء، واقعات مسیح الامت، اخلاص و صدق، اسلامی تہذیب و صفائی، عقلیہ، غصبیہ، شہویہ کا اعتدال، مرد کامل کی تشکیل، تصدیق و عمل، صراطِ مستقیم وغیرہ وغیرہ اس طرح کے دلچسپ اثر انگیز اور دل موہ لینے والے مجالس کا حسین مرقع۔

صفحات : ۴۳۵ جلد اول قیمت : ۳۰۰ روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد، نوشہرہ

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النبیوی

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکہ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔ کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ اور طلباء مدارس کے لئے خاص رعایت۔

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات

